BAIS201CCT

عہد عباسی اور خاندانی حکومتیں

(Abbasi Period and Petty Dynasties)

فاصلاتی اور روایتی نصاب پر مبنی خود اکتسابی مواد

برائے

بیچلر آف آرٹس (بی۔اے۔)

(دوسرا سمسٹر)

نظامتِ فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course-Bachelor of Arts

ISBN: 978-93-93722-10-2

Edition: March, 2022

ناشر	:	رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد
اشاعت	:	مارچ، 2022
تعداد	:	2000 کاپیاں
قیمت	:	270 روپے
ترتیب وتزئین	:	محمد حاذق/صالح امین، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
سرورق	:	ڈاکٹر محمد اکمل خان، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
مطبع	:	پرنٹ ٹائم اینڈ بزنس انٹر پرائزس، حیدرآباد

Abbasi Period and Petty Dynasties

Editor

Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja

Asst. Professor (Islamic Studies), DDE, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University

Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India

Director: dir.dde@manuu.edu.in **Publication:** ddepublication@manuu.edu.in

Phone: 040-23008314 **Website:** manuu.edu.in

مجلس ادارت

(Editorial Board)

مضمون مدیران

(Subject Editors)

Prof. Abdul Ali	پروفیسر عبدالعلی
Former Head, Dept of Islamic Studies, AMU, Aligarh	سابق صدر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Prof. Mohd. Fahim Akhter	پروفیسر محمد فہیم اختر
HoD, Dept of Islamic Studies, MANUU	صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
Dr. Ghazanfar Ali Khan	ڈاکٹر غضنفر علی خان
Asso. Prof. of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU	اسوشی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، کشمیر کیمپس، مانو
Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja	ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ
Assistant Professor, Islamic Studies, DDE	اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم
Mr. Mohammad Haziq	جناب محمد حاذق
Guest Faculty, Islamic Studies, DDE	گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم
Mr. Saleh Ameen	جناب صالح امین
Guest Faculty, Islamic Studies, DDE	گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم

زبان مدیر

(Language Editor)

Dr. Mohd Akmal Khan	ڈاکٹر محمد اکمل خان
DDE, MANUU, Hyderabad	نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

گچی باؤلی، حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

کورس کوآرڈی نیٹر

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ، اسسٹنٹ پروفیسر (اسلامک اسٹڈیز)
نظامتِ فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
ڈاکٹر محمد عرفان احمد (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد)	اکائی 1 تا 2
جناب صالح امین (گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد)	اکائی 3
محترمہ ذیشان سارہ (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد)	اکائی 4
ڈاکٹر محمد احمد نعیمی (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)	اکائی 5
ڈاکٹر وارث متین مظہری (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)	اکائی 6 تا 7
ڈاکٹر شکیل احمد (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد)	اکائی 8 تا 9
مولانا سید عبدالرشید (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ)	اکائی 10 تا 11
محترمہ سیدہ آمنہ (سابقہ گیسٹ فیکلٹی، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد)	اکائی 12 تا 13
ڈاکٹر نجم السحر (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)	اکائی 14 تا 15
ڈاکٹر عاطف عمران (گیسٹ فیکلٹی، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد)	اکائی 16 تا 17
جناب محمد حاذق (گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد)	اکائی 18
جناب محمد حاذق (گیسٹ فیکلٹی، ڈی ڈی ای) / جناب صلاح الدین (ریسرچ اسکالر) اسلامک اسٹڈیز، مانو، حیدرآباد)	اکائی 19
جناب صالح امین (گیسٹ فیکلٹی، ڈی ڈی ای) / جناب صلاح الدین (ریسرچ اسکالر) اسلامک اسٹڈیز مانو، حیدرآباد)	اکائی 20
ڈاکٹر غضنفر علی خان (اسوشی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، کشمیر کیمپس، مانو)	اکائی 21
ڈاکٹر وحید اللہ حسینی ملتانی (سینیر فیکلٹی ممبر، ہنری مارٹن انسٹی ٹیوٹ، حیدرآباد)	اکائی 22
ڈاکٹر محمد خالد خان (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)	اکائی 23 تا 24

پروف ریڈرس:

اول	:	جناب صالح امین
دوم	:	جناب محمد حاذق
فائنل	:	ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9

بلاک 1 : عہد عباسی

اکائی1	عباسی حکومت کا قیام واستحکام	11
اکائی2	عباسی حکومت کے مشہور خلفاء (حصہ اول)	26
اکائی3	عباسی حکومت کے مشہور خلفاء (حصہ دوم)	41
اکائی4	عباسی حکومت کا نظم ونسق	56

بلاک 2 : عہد عباسی

اکائی5	عباسی دور میں سماجی ومعاشی حالات	71
اکائی6	عباسی دور میں نقلی علوم کی ترقی (حصہ اول)	86
اکائی7	عباسی دور میں نقلی علوم کی ترقی (حصہ دوم)	101
اکائی8	عباسی دور میں عقلی علوم کی ترقی (حصہ اول)	116
اکائی9	عباسی دور میں عقلی علوم کی ترقی (حصہ دوم)	131

بلاک 3 : فاطمی حکومت

اکائی10	فاطمی حکومت کا قیام واستحکام	146
اکائی11	فاطمی حکومت کے اہم حکمراں	161
اکائی12	فاطمی دور میں علمی خدمات	176
اکائی13	فاطمی دور میں فن تعمیر	191

بلاک 4 : مملوک مصر حکمراں (حصہ اول)

اکائی14	بحری مملوک: قیام وعروج	206
اکائی15	بحری مملوک: اہم حکمراں	221
اکائی16	برجی مملوک: قیام واستحکام	236
اکائی17	مملوک دور میں فتوحات	251

بلاک 5 : مملوک مصر حکمراں (حصہ دوم)

اکائی18	مملوک دور کے سماجی، معاشی اور مذہبی حالات	266
اکائی19	مملوک دور میں علوم کی ترقی	281
اکائی20	مملوک دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر	296

بلاک 6 : صفوی حکومت

اکائی21	صفوی حکومت کا قیام واستحکام	311
اکائی22	صفوی حکومت کے اہم حکمراں	326
اکائی23	صفوی دور میں علمی خدمات	341
اکائی24	صفوی دور میں سماجی، معاشی اور مذہبی حالات	356

نمونہ امتحانی پرچہ **371**

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔اس کے چار نکاتی مینڈیٹس ہیں: (1)اردوزبان کی ترویج وترقی (2)اردومیڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3)روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور(4) تعلیم نسواں پرخصوصی توجہ۔یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد ومنشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کردیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند ''ادبی'' اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔یہی کیفیت اکثر رسائل واخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔اردو میں دستیاب تحریریں قاری کو کبھی عشق ومحبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں،کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ وشکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔چاہے یہ خود ان کی صحت وبقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے،یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گردوپیش ماحول کے مسائل ہوں،عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کردی ہے۔یہی وہ مبارزات (Challenges) ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔اسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔انہیں مقاصد کے حصول کے لیے اردو یونیورسٹی کا آغاز فاصلاتی تعلیم سے 1998 میں ہوا تھا۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اس کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہوگیا ہے۔فاصلاتی تعلیم کے طلباء کے لیےکم سے کم وقت میں خودا کتسابی مواد اور خودا کتسابی کتب کی اشاعت کا کام عمل میں آ گیا ہے۔پہلے سمسٹر کی کتب شائع ہوکر طلباء وطالبات تک پہنچ چکی ہیں۔دوسرے سمسٹر کی کتابیں بھی جلد طلباء تک پہنچیں گی۔مجھے یقین ہے کہ اس سے ہم ایک بڑی اردو آبادی کی ضروریات کو پورا کرسکیں گے اور اس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کرسکیں گے۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامت فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈویژن سے ہوا اور اس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی DEB-UGC اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہ ہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کر کے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جا رہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلا رہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 5 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 155 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centre) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جا رہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس (SMS) کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر محمد رضاء اللہ خان

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جا رہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ (چھ سمسٹر) کورس اور ایم اے کے دوسالہ (چار سمسٹر) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامیات، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اور اس میں اسلامیات کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامیات کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامیات کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کر سکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم بی اے کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ سمسٹر دوم کے اس پرچہ کا عنوان ''عہد عباسی اور خاندانی حکومتیں'' ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت بی اے سمسٹر دوم کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل چوبیس اکائیاں ہیں جن کو چھ بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں عباسی حکومت سے متعلق تمام ضروری معلومات کے علاوہ اس عہد میں اہم خاندانی حکومتوں پر تحریری مواد مہیا کیا گیا ہے۔

واللہ الموفق

ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ (الازہری)

کورس کوآرڈی نیٹر

عہد عباسی اور خاندانی حکومتیں

(Abbasi Period and Petty Dynasties)

اکائی 1 : عباسی حکومت کا قیام واستحکام

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید

1.1 مقصد

1.2 عباسی حکومت کا قیام

1.2.1 عباسی حکومت کے قیام کا پس منظر

1.3 عباسی دور کا تعارف

1.4 عباسی دور کی خصوصیات

1.5 ابوالعباس السفاح

1.6 بغاوتیں اوران کا استیصال

1.7 فتوحات

1.8 اکتسابی نتائج

1.9 نمونہ امتحانی سوالات

1.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.9.2 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1.0 تمہید

دوسری صدی ہجری میں اموی دور حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی ایک نئے دور کا آغاز ہوا جسے عباسی دور کہا جاتا ہے۔اس دور حکومت کو دنیا کی سب سے بڑی سیاسی وحدت تصور کیا جاتا ہے جو تقریباً پانچ سو سالوں (132ھ تا 656ھ) تک پھیلا ہوا ہے۔اس دور میں مختلف سیاسی،

سماجی، مذہبی، تمدنی اور علمی وفکری تحریکوں نے جنم لیا اور اپنی نت نئی تخلیقات و ایجادات اور کارکردگی سے پوری دنیا کو متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے اسے تاریخ اسلام میں عہد زریں (Golden Age) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عزیز طلبہ! ہم اس اکائی میں عباسی حکومت کے قیام کی تحریک اور اس کے اسباب وعوامل کا مطالعہ کریں گے اور اس حکومت کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح کے کردار، خدمات اور حکومت کو مستحکم بنانے کی پالیسی پر گفتگو کریں گے۔

1.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ آپ یہ جان سکیں کہ:

- عباسی تحریک کا پس منظر کیا ہے؟
- یہ تحریک کیسے پیدا ہوئی؟
- اس تحریک کے عروج کے اسباب وعوامل کیا تھے؟
- اس تحریک کے وجود میں آنے سے کیا اثرات مرتب ہوئے؟
- عباسی دور حکومت کسے کہتے ہیں؟
- عباسی حکومت کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟
- عباسی حکومت کے قیام اور اس کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح کا کردار اور ان کے قابل ذکر کارنامے کیا ہیں؟

1.2 عباسی حکومت کا قیام

1.2.1 عباسی حکومت کے قیام کا پس منظر

اموی دور میں جنم لینے والی تحریکوں میں سب سے طاقتور عباسی تحریک ہے جس نے 132ھ/750ء میں دمشق کی اموی اقتدار کا مکمل طور پر خاتمہ کر ڈالا اور ایک نئی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس نئی حکومت کو عباسی خلافت کہتے ہیں۔ اس تحریک کی کامیابی کی تفصیل حسب ذیل ہے:

خلافت بنی امیہ کے آغاز سے ہی شیعان علی نے ان کی حکومت کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا اور خفیہ طور پر علوی خاندان کی امامت کا سلسلہ جاری رکھا۔ سانحہ کربلا کے بعد اہل بیت میں صرف امام زین العابدین ہی باحیات رہے البتہ انہیں سیاسی سرگرمیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جس کی وجہ سے شیعان علی کی سیاسی سرگرمیوں کی قیادت حضرت علی کے غیر فاطمی بیٹے محمد بن حنفیہ نے سنبھالی۔ محمد بن حنفیہ کے انتقال کے بعد ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ اس تحریک کے قائد بنے۔ امام ابو ہاشم اولا د نرینہ سے محروم تھے چنانچہ انہوں نے انتقال کے وقت حمیمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی کو اس تحریک کا قائد مقرر کیا اور اس کے تمام اسرار و رموز اور اس سے منسلک کوفہ کے داعیان اور ممتاز کارکنان کے ناموں سے آگاہ کیا اور اپنے انتقال کے وقت (98ھ) باضابطہ طور پر یہ منصب انہیں سونپ دیا تھا۔ اس طرح یہ منصب امامت علوی خاندان سے بنی عباس میں منتقل ہو گیا۔

امام ابو ہاشم کی وفات کے بعد اس تحریک کی قیادت محمد بن علی کو دیا گیا۔ وہ نہایت مدبر اور دانش مند شخص تھے۔ انہوں نے اپنے دور میں اس تحریک کو بہت منظّم کیا اور فلسطین کے ایک چھوٹے سے گاؤں حمیمہ میں بیٹھ کر باقاعدہ اپنی خلافت کا دعوی کیا۔ انہوں نے اپنے مبلغوں اور نقیبوں کی ایک باضابطہ جماعت تشکیل دے کر انہیں اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا اور انہیں خاموشی سے دعوت پھیلانے کے ہدایت دی۔ اس

جماعت نے بنوامیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے خفیہ طور پر اہل بیت کی خلافت کی بیعت لینی شروع کر دی۔

اس تحریک میں کسی خاص فرد کی دعوت کے پروپیگنڈہ کرنے سے احتراز کیا گیا تا کہ حامیان علی ان کے ساتھ رہیں اوران کے دلوں میں کوئی اندیشہ پیدانہ ہو۔ابتداء میں بیعت وتبلیغ کا یہ سلسلہ نہایت ہی خفیہ رہا، کیونکہ مبلغین کے پاس کوئی قوت نہ تھی جس سے وہ کام لیتے۔علاوہ ازیں اس زمانے میں بنی امیہ کی شوکت غالب تھی۔اس لیے ان کے خوف سے داعی اور نقیب تاجروں اورفقیروں کے بھیس میں اپنی دعوت کی اشاعت کرتے رہے۔اموی حکمراں یزید ثانی کے عہد میں عباسیوں کے چند داعی خراسان میں پکڑے گئے۔وہاں کے گورنر نے ان سے معمولی باز پرس کی اورانہیں چھوڑ دیا۔اموی حکمراں ہشام کے زمانے میں بنی عباس کی دعوت اورزیادہ وسیع ومنظّم ہوگئی۔اس عہد میں عباسی پروپیگنڈہ خراسان اورعراق کے بہت سارے علاقوں میں پھیل گیا۔

126ھ میں محمد بن علی کی وفات کے بعدان کے فرزندامام ابراہیم جانشین ہوئے۔انہوں نے تحریک کی قیادت سنبھالنے کے بعداس کی تنظیمی ساخت اورسرگرمیوں کا جائزہ لیااوراسے مزید منظّم اور مستحکم کیا۔اس کے اصول وضوابط مرتب کیےاورنہات منظّم طریقہ سے اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں میں داعی مقرر کر کے اپنی تحریک کا جال پھیلا دیا۔

امام ابراہیم کے داعیوں میں ایک نمایاں نام ابومسلم خراسانی کا ہے۔وہ نہایت حوصلہ منداور باہمت نوجوان اورغیرمعمولی سیاستداں تھا۔اس نے اپنی کارکردگی اورخدمات سے امام ابراہیم کے نزدیک اتنارسوخ واعتماد حاصل کرلیا تھا کہ انہوں نے ابومسلم کواپنا خصوصی نمائندہ بنا کرخراسان روانہ کیااوروہاں کے تمام داعیوں اورپیروکاروں کوہدایت دی کہ وہ اس کی ہرطرح سے اطاعت وفرمانبرداری کریں۔

ابومسلم نے خراسان پہنچ کر بڑی دانشمندی اورسرگرمی سے کام کیا۔اس نے تحریک عباسیہ کے کارکنوں اورنقیبوں کی ایک مجلس بنائی اوراس مجلس کا صدر سلیمان بن کثیر کومقرر کیا۔دعوت کو عام کرنے کی غرض سے داعیوں اورنقیبوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔اس نے اپنے منظّم پروپیگنڈے کے ذریعے تمام خراسانیوں کودعوت کا حامی بنالیا یہاں تک کہ تحریک عباسیہ کی دعوت خراسان کے شہروں کے علاوہ دیہات تک پہنچ گئی۔

اس زمانے میں خراسان میں مضریوں اوریمنیوں میں عصبیت کی آگ تیزی سے بھڑک اٹھی تھی،اورخانہ جنگی شروع ہوگئی تھی۔اس خانہ جنگی نے ابومسلم کے لیے راستہ صاف کردیا۔ابومسلم خراسانی بے پناہ سیاسی بصیرت اورغیرمعمولی فوجی مہارت رکھتا تھا۔اس نے حکمت عملی سے عرب قبائل کے اس خانہ جنگی کوزیادہ بھڑکایااورخراسان میں ان کا شیرازہ منتشر کردیا۔چنانچہ عربوں کی باہمی عداوت کی وجہ سے موقع پا کرایک سال تک اس نے اپنا حلقہ اثر بڑھایا۔پھراس نے اعلان دعوت اورقوت سے کام لینے کی تیاری شروع کر دیا۔خراسان میں اس تحریک کوخوب فروغ دیااوراس تحریک کوایک فوجی طاقت بنادیا۔رمضان 129ھ میں عباسیوں کا سیاہ جھنڈا''ظل''بلند کر کے ایک گاؤں سفیدنج میں اپنی تحریک کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

خراسان کا اموی گورنرنصر بن سیاراگرچہ ایک دانشمنداور مدبر شخص تھا،لیکن دعوت عباسیہ کودبانے کے معاملے میں ابومسلم کے مقابلے میں ناکام رہا۔نصر بن سیار نے ایسے نازک حالات میں خلیفہ مروان سے مددطلب کی لیکن بروقت اسے مناسب مددنہیں مل سکی کیونکہ مروان اس وقت خارجی فتنہ کوختم کرنے میں مشغول تھا۔نصر بن سیار نے عراق کے گورنرابن ہبیرہ سے بھی امداد کی درخواست کی۔اس وقت عراق بھی دعوت عباسیہ کا ایک اہم مرکز بنا ہوا تھا۔وہاں محمد بن علی کے غلام میسرہ اوراس کے انتقال کے بعد بکیر بن ہامان کی مسلسل جدوجہد سے یہ تحریک کافی زور پکڑ چکی تھی اورابن ہبیرہ ان فتنوں میں الجھا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس نے نصر بن سیار کی جانب توجہ نہیں دی اورنہیں کوئی امدادی فوج روانہ کیا۔بالآخرنصر بن

سیار ابومسلم خراسانی سے مقابلے میں ناکام رہا اور فرار ہو کر رُے آیا۔ وہاں سے ہمدان کی جانب چلا اور راستے میں ہی اس کی موت ہوگئی۔

نصر بن سیار نے اثنائے سفر میں ہی مروان کو خط لکھ کر آگاہ کیا کہ وہ اس تحریک کو ختم کرنے میں ناکام رہا اور اسے اندیشہ ہے کہ یہ تحریک اتنی طاقتور بن جائے گی کہ پوری کو متأثر کردے گی۔ مروان یہ خط پڑھ ہی رہا تھا کہ اس کے جاسوس ایک قاصد کو پکڑ کر سامنے لائے جو ابومسلم کا خط لیے امام ابراہیم کے پاس جا رہا تھا۔ مروان کو اس خط سے یہ راز معلوم ہوگیا کہ اہل بیت کی اس تحریک کی قیادت امام ابراہیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ مروان بن محمد کے حکم سے امام ابراہیم کو حمیمہ سے گرفتار کر کے قید کر دیا گیا اور قید میں ہی ان کی وفات ہوگئی۔

امام ابراہیم کی گرفتاری کی بعد 129ھ میں ان کے چھوٹے بھائی ابوالعباس نے ان کی جگہ لی۔ انہوں نے اپنے آبائی مقام قصبہ حمیمہ کی رہائش ترک کر کے اپنے اہل وعیال کے ساتھ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ ان کے آنے کے بعد عباسیوں نے بنی امیہ کے ممتاز جنرل یزید بن عمر بن ہبیرہ کو کوفہ میں شکست دی۔ عباسیوں نے ابومسلم خراسانی، ابوسلمٰی خلال اور دوسرے حامیوں کی مدد سے آخر کار عراق پر قبضہ کر لیا۔ 13 ربیع الثانی 132 ہجری میں ابوالعباس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھا اور لوگوں سے خلافت کی بیعت لی۔

بیعت خلافت کے بعد سب سے اہم مسئلہ خلیفہ مروان کا استیصال تھا، جو ایک بڑی فوج کے ساتھ جزیرے میں تھا۔ ابوالعباس سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی ماتحتی میں ایک لشکر گراں اموی حکمراں مروان کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ 132ھ میں ساحل زاب پر ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی، اس جنگ میں بنی امیہ کو شکست ہوئی اور مروان بن محمد بچ کر نکل گیا لیکن بعد میں اس کو تعاقب کر کے قتل کر دیا گیا۔ دمشق کی اموی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔ زاب کے اسی معرکے نے پورا شام عباسیوں کے قبضہ میں ڈال دیا۔ اس کے بڑے بڑے شہروں نے یکے بعد دیگرے اپنے دروازے عبداللہ اور ان کی فوجوں کے لیے کھول دیے اور ان پر عباسی تسلط قائم ہوگیا۔

ابومسلم خراسانی کی کوششوں سے سمرقند، طوس، رے، جرجان، ہمدان اور نہاوند وغیرہ فتح ہو چکے تھے۔ اب ان تمام علاقوں پر جو بنی امیہ کے قبضہ میں تھے ابوالعباس سفاح کی حکمرانی تھی۔

1.3 عباسی دور کا تعارف

ابوالعباس سفاح کی قائم کی ہوئی یہ حکومت 132 ہجری مطابق 750 عیسوی سے 656 ہجری مطابق 1258 عیسوی تک قائم رہی۔ گویا اس اس خاندان نے 500 سال حکومت کی۔ اس طویل دور میں 37 خلفاء ہوئے۔ اس پورے دورانیہ میں بنوعباس تخت سلطنت پر فائز تھے، لیکن ہمیشہ زمام حکومت ہمیشہ ان کے ہاتھوں میں نہیں رہی۔ مؤرخین نے اس طویل مدت کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے، ہر دور سیاسی اور معاشی اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔

پہلا دور 132 ہجری سے شروع ہو کر 247 ہجری تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں بنی عباس کے پہلے دس خلفاء کا عہد شامل ہے۔ اس دور کے خلفاء اقتدار اعلی کے مالک تھے۔ یہ خلفاء دوراندیش، غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک اور عظیم مدبر تھے۔ اس دور میں تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ یہ عباسی حکومت کے استحکام اور عروج کا زمانہ تھا۔ اس دور میں عجمی اثر ورسوخ کو بھی فروغ ملا۔ آٹھویں خلیفہ معتصم باللہ نے فوج میں ترکوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ترکوں کا اثر ورسوخ بڑھ گیا، اور وہ طاقتور بن گئے۔ اس دور کے خلفاء کی فہرست درج ذیل ہے:

1. ابوالعباس سفاح 750 تا 754ء (132 تا 136ھ)
2. ابوجعفر منصور 754 تا 775ء (136 تا 158ھ)
3. محمد مہدی 775 تا 785ء (158 تا 169ھ)
4. موسیٰ ہادی 785 تا 786ء (169 تا 170ھ)
5. ہارون رشید 786 تا 809ء (170 تا 193ھ)
6. امین 809 تا 813ء (193 تا 198ھ)
7. مامون 813 تا 833ء (198 تا 218ھ)
8. معتصم باللہ 833 تا 842ء (218 تا 227ھ)
9. واثق باللہ 842 تا 847ء (227 تا 232ھ)
10. متوکل علی اللہ 847 تا 861ء (232 تا 247ھ)

دوسرا دور 247 ہجری سے شروع ہو کر 200 سالوں تک جاری رہا۔ یہ انحطاط کا دور ہے، اس میں خلفاء عموماً کمزور رہے اور سلطنت کے تمام کام امیر الامراء کی مرضی ومنشاء کے مطابق ہوتا تھا۔ یہ ترک سالاروں کے تسلط کا دور تھا۔ اس کے بعد دیلم کے بنو بویہ سیاہ وسفید کے مالک بن گئے، پھر 447 ہجری میں سلجوقیوں نے بغداد میں داخل ہو کر دیلمی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ دوسرے دور کے خلفاء کی فہرست حسب ذیل ہے۔

11. منتصر باللہ 861 تا 862ء (247 تا 248ھ)
12. مستعین باللہ 862 تا 866ء (248 تا 252ھ)
13. معتز باللہ 866 تا 869ء (252 تا 255ھ)
14. مہتدی باللہ 869 تا 870ء (255 تا 256ھ)
15. معتمد علی اللہ 870 تا 892ء (256 تا 279ھ)
16. معتضد باللہ 892 تا 902ء (279 تا 289ھ)
17. مکتفی باللہ 902 تا 908 (289 تا 295ھ)
18. مقتدر باللہ 908 تا 932ء (295 تا 320ھ)
19. قاہر باللہ 932 تا 934ء (320 تا 322ھ)
20. راضی باللہ 934 تا 940ء (322 تا 329ھ)
21. متقی للہ 940 تا 944ء (329 تا 333ھ)
22. مستکفی باللہ 944 تا 945ء (333 تا 334ھ)
23. مطیع باللہ 945 تا 974ء (334 تا 363ھ)

.24	طائع باللہ	974 تا 991ء	(363 تا 381ھ)
.25	قادر باللہ	991 تا 1031ء	(381 تا 422ھ)
.26	قائم بامراللہ	1031 تا 1074ء	(422 تا 467ھ)

تیسرا دور سلجوقی غلبے کا دور ہے۔اس زمانے میں خلیفہ کی حیثیت برائے نام تھی۔اقتدار کی اصل باگ ڈور سلجوقی ترکوں کے ہاتھ میں تھی۔ بالآخر 656ھ مطابق 1258ء میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا، یہاں قتل عام اور خون ریزی کی ،اور آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر کے بنی عباس کی حکومت کو مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔آخری دور کے کچھ خلفاء سلجوقی تسلط سے آزاد ہو گیے تھے لیکن حکومت کی شان وشوکت پہلے کی طرح نہیں رہی۔تیسرے دور کے خلفاء کی فہرست حسب ذیل ہے۔

.27	مقتدی بامراللہ	1074 تا 1094ء	(467 تا 487ھ)
.28	مستظہر باللہ	1094 تا 1118ء	(487 تا 512ھ)
.29	مسترشد باللہ	1118 تا 1134ء	(512 تا 529ھ)
.30	راشد باللہ	1134 تا 1135ء	(529 تا 530ھ)
.31	مقتفی لامراللہ	1135 تا 1160ء	(530 تا 555ھ)
.32	مستنجد باللہ	1160 تا 1170ء	(555 تا 566ھ)
.33	مستضی بامراللہ	1170 تا 1180ء	(566 تا 575ھ)
.34	الناصر لدین اللہ	1180 تا 1225ء	(575 تا 622ھ)
.35	ظاہر بامراللہ	1225 تا 1226ء	(622 تا 623ھ)
.36	مستنصر باللہ	1226 تا 1242ء	(623 تا 640ھ)
.37	مستعصم باللہ	1242 تا 1258ء	(640 تا 656ھ)

عباسی خاندان کی حکومت کم وبیش پانچ سو برس تک قائم رہی۔سن 132ھ/750ء میں سب سے پہلا عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح مسند خلافت پر بیٹھا، اور 656ھ/1258ء میں تاتاریوں نے بغداد میں عباسیوں کا تخت حکومت الٹ دیا۔ بنوعباس کے 500 سالہ اقتدار میں کئی انقلابات اور کئی نشیب وفراز آئے۔اس دوران عباسی خلفاء کے قوت واقتدار میں کمی وزیادتی ہوتی رہی ،لیکن ان سب کے باوجود بحیثیت مجموعی اسی خاندان کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔اور عالم اسلام کے بیشتر سلاطین اور امرا عباسی خلیفہ کی وفاداری کا دم بھرتے اور جمعہ وعیدین کے خطبوں میں بھی عباسی خلفا کا ہی نام لیتے تھے۔

اموی حکومت کے مقابلے میں عباسی حکومت کا دائرہ اقتدار کم تھا۔اسلام کے مرکزی علاقوں میں عباسی حکومت قائم ہوگئی لیکن کئی علاقوں میں اس کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا اور بعض علاقوں میں محض برائے نام تسلیم کیا گیا اور حقیقتاً وہاں کے مقامی حکمراں خاندانوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور تھی۔اندلس نے شروع ہی سے عباسیوں کے اقتدار کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

عباسی حکومت کے عروج کے دور میں ہی مشرقی علاقوں میں آزاد حکمراں خاندان نے اپنی سلطنتیں قائم کر لی تھیں۔ یہ برائے نام عباسی خلافت کو تسلیم کرتے تھے۔ یہ نئی وجود میں آنے والی علاقائی سلطنتیں عباسی خلیفہ سے محض نام کے لیے پروانہ حکومت حاصل کرتی تھیں ورنہ وہ اپنے اقتدار اور حکومت کے لیے عباسی خلفا پر کسی طرح سے منحصر نہ تھیں۔لیکن ان سب کے باوجود اندلس کے سوا عباسی خلافت کی دستوری اور قانونی حیثیت ہر جگہ قائم تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علاقائی آزاد حکمراں عباسی خلفاء سے سند حکومت حاصل کرتے ،اور ان کے حکمراں عباسیوں کی سیادت تسلیم کرتے اور ان کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے۔

1.4 عباسی دور کی خصوصیات

بنوامیہ کی خلافت خالص عربی خلافت تھی۔ ہر جگہ عرب پیش پیش نظر آتے تھے۔مگر عباسیوں کے عروج کے ساتھ ہی مغربی ایشیا کی تاریخ میں تبدیلی آتی ہے۔اس دور حکومت میں دارالحکومت شام سے عراق منتقل ہو گیا۔امور سلطنت میں شامیوں نے جو اہمیت حاصل کی تھی وہ اب باقی نہیں رہی۔اس عہد میں اقتدار کی باگ ڈور عربوں کے تصرف سے نکل کر عجمیوں میں منتقل ہو گئی۔جس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ عباسی حکومت کا قیام زیادہ تر اہل عجم کی کوششوں کا مرہون منت تھا۔چنانچہ حکومت کے اکثر شعبوں پر عجمی قابض ہو گئے اور عربی اثر ورسوخ ختم ہوتا گیا۔

عرب وعجم کے اس حسین امتزاج کی وجہ سے عباسی خلافت میں کئی طرح کی نمایاں تبدیلیاں اور اصلاحات واقع ہوئیں،مختلف شعبوں میں اس کے مثبت اثرات مرتب ہوئے اور علوم وفنون کو خوب فروغ دیا گیا۔دنیا کے مختلف حصوں سے سریانی،یونانی،عبرانی،فارسی اور سنسکرت کے ہزاروں مفید ونایاب علمی شہ پاروں کو عربی میں منتقل کیا گیا جن میں طب،ریاضی،فلسفہ اور علم ہیئت پر مشتمل کتابیں بھی تھیں۔ترجمہ کے علاوہ ماہرین علم وفن نے طب،ریاضی،تاریخ،جغرافیہ،علم ہیئت اور فلسفہ میں گراں قدر تصنیفات کا اضافہ کیا۔اسی دور میں علوم شرعیہ کی تدوین بھی عمل آئی اور علم تفسیر وحدیث اور سیر ومغازی کے ساتھ ساتھ فقہی مسالک جیسے فقہ حنفی،فقہ مالکی،فقہ شافعی،فقہ حنبلی،فقہ جعفری اور فقہ زیدی کے اصول وضوابط وضع کیے گئے۔

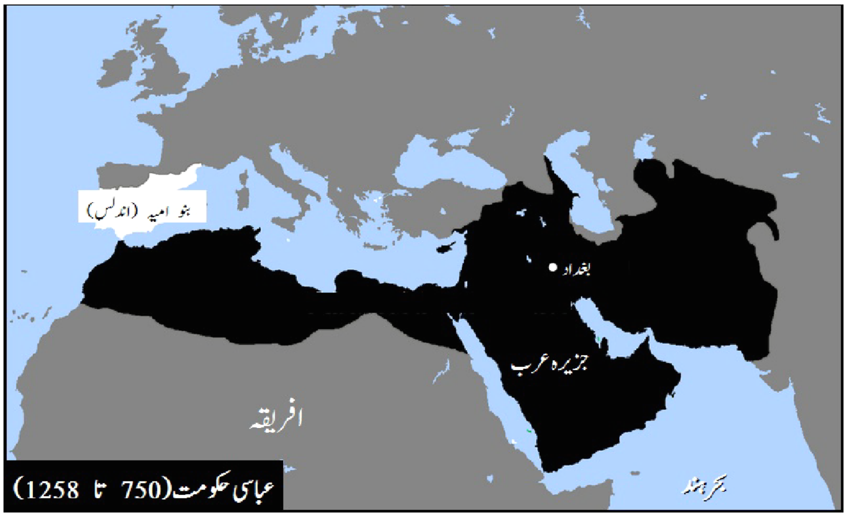

یہ دور علمی فتوحات اور تہذیب وتمدن کی ارتقا کا دور ہے۔اس میں علمی ترقی کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف اور امن وامان کو عام کیا گیا،رعایا کی فلاح و بہبود کا خوب خوب خیال رکھا گیا اور امور سلطنت کے انتظام وانصرام عوام کے لیے مفید بنایا گیا تاکہ ہر شخص حکومت کے فلاحی منصوبہ سے مستفید ہو سکے،نتیجتاً سلطنت رفاہی مملکت میں تبدیل ہو گئی جس کی وجہ سے ہر طرف امن وامان قائم ہو گیا اور صنعت وحرفت اور تجارت کو بہت فروغ

ملا جس کی وجہ سے ملک میں خوش حالی پھیل گئی۔

عباسی دور ملکی فتوحات کا زمانہ نہیں تھا۔یعنی عباسی خلفا نے اپنے عہد حکومت میں ان علاقوں کے علاوہ جو اموی خلفاء نے حاصل کیا تھا اس میں کسی اور علاقے کا اضافہ نہیں کیا بلکہ ان میں سے کچھ علاقوں کو کھو دیا۔تاہم اس دور میں اسلامی تہذیب وتمدن کو کافی عروج اور کمال حاصل ہوا۔سید امیر علی کے مطابق ایک فرانسیسی عالم اور مورخ کے الفاظ میں ''خلافت عباسیہ کا پہلا دور مشرقی عربوں کی شان وشوکت کا زمانہ تھا فتوحات کا زمانہ گزر چکا تھا۔تہذیب وتمدن کا دور شروع ہو چکا تھا'' (سید امیر علی،تاریخ اسلام،اردو ترجمہ) یہ دور علوم وفنون،تہذیب وتمدن کے عروج اور ترقی کا دور تھا۔اس دور میں توسیع حکومت کے بجائے استحکام حکومت اور انتظام وانصرام پر ساری توجہ صرف کی گئی جس کے نتیجے میں امن وامان قائم ہوا۔علوم وفنون کی ترقی کی راہ ہموار ہوئی،اس دور میں صنعت وحرفت اور تجارت کے سبب دولت وثروت کی فراوانی ہوئی اور معیار زندگی بلند ہوا۔اسی عروج و ترقی کی بنیاد پر تاریخ اسلام میں عباسی خلافت کو اسلامی تہذیب کا زریں دور کہا جاتا ہے۔

1.5 ابوالعباس السفاح

عباسی حکومت کا سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح ہے۔اس کا اصل نام عبداللہ ہے اور کنیت ابوالعباس۔اس کا لقب ''السفاح'' ہے عربی زبان میں خوں ریزی کرنے والے کو سفاح کہتے ہیں اور چونکہ یہ بھی عباسی حکومت کے استحکام اور مخالفین خصوصاً امویوں کے استیصال کے لیے اس کے بے دریغ قتل اور خونریزی کی وجہ سے اسے سفاح سے ملقب کر دیا گیا۔اس کا سلسلۂ نسب ابوالعباس عبداللہ السفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہے۔والدہ ماجدہ کا تعلق قبیلہ بنی حارث سے ہے اور ان کا نام ''ربطہ'' ہے۔ابوالعباس عبداللہ السفاح کی پیدائش حمیمہ میں ہوئی اور وہیں نشو ونما ہوئی۔

اوپر گزر چکا ہے کہ عباسی تحریک کے اولین قائد وامام محمد بن علی نے اپنے بڑے فرزند ابراہیم کو اپنا جانشیں بنایا تھا۔ابراہیم جب حمیمہ سے گرفتار کیے گئے تو سفاح کو اپنا جانشین بنایا۔ابوالعباس سفاح نے اپنے آبائی مسکن قصبہ حمیمہ کی رہائش ترک کر دی اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ کوفہ آ گئے۔ابومسلم خراسانی،ابوسلمہ اور دیگر حامیوں کی مدد سے عراق پر جب ابوالعباس کا قبضہ ہو گیا۔تو 13 ربیع الاول 123ھ کو کوفہ میں اس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہوئی۔لیکن اس وقت تک بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان زندہ تھا۔جب وہ مصر میں 28/ذی الحجہ 132ھ مطابق 5/اگست 750ء میں قتل کر دیا گیا تو اس کی مستقل خلافت کا آغاز ہوا۔

ابوالعباس نے اپنی خلافت کے استحکام کے خاطر اور بنی امیہ کو مٹانے کے لیے بڑی خون ریزی کی۔خصوصاً بنوامیہ پر اس کی سختیاں انتہا کو پہنچ گئیں۔جس کے متعلق ذرا بھی شک وشبہہ ہوتا وہ قتل کر دیا جاتا تھا۔چنانچہ ابوالعباس سفاح کی سختیاں صرف بنی امیہ اور اپنے دشمنوں تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ اس کے ہاتھ سے وہ امرا اور حکام بھی نہ بچ سکے جن کی محنتوں اور کوششوں سے عباسی حکومت قائم ہوئی تھی۔اس طرح نہ صرف بے جا خون ریزی اور سفاکی حد سے زیادہ ہوئی بلکہ بدعہدی اور پیمان شکنی کی مثال قائم ہو گئی،اور پھر اسی وجہ سے اس کا لقب ''السفاح''،یعنی خوں ریز پڑ گیا تھا۔اسی دوران ہشام کا پوتا عبدالرحمٰن بچ بچا کر بھاگ نکلا۔افریقہ کے راستے اندلس پہنچ کر بنی امیہ کی عظیم الشان حکومت قائم کی،جو تین سو سالوں تک اندلس میں کامیابی کے ساتھ قائم رہی۔ابوالعباس سفاح ایک طرف امویوں پر اپنی سختیوں اور ظلم وزیادتی کے لیے مشہور ہے تو دوسری طرف وہ فیاضی، جود وسخا،احساس ذمہ داری،لگن وجستجو اور اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی لیے شہرت رکھتا ہے۔

ابوالعباس نے ابتدا میں کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا جہاں ان کی مسند نشینی ہوئی تھی لیکن کچھ دنوں بعد اسے غیر محفوظ سمجھ کر عراق کے ایک قصبہ انبار کے قریب نیا شہر الہاشمیہ کے نام سے آباد کیا اور اسے اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ یہ شہر دریائے فرات کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ اس میں خلیفہ کے مہتم بالشان محلات، سرکاری دفاتر کی عمارتیں، وزرا، امرا، عمال وغیرہ کے مکانات اور بازار، مسجدیں پل اور سڑکیں تعمیر کی گئی تھیں۔ ان تعمیرات میں وہی سے حاصل کردہ پہاڑی پتھروں کا استعمال کیا گیا تھا، لیکن اس مقام پر دارالخلافہ زیادہ دن قائم نہ رہ سکا کیونکہ ابوجعفر منصور کے دور میں جب عباسی حکومت کی بنیاد پوری طرح مستحکم ہوگئی تو اس نے بغداد تعمیر کروا کر اسے اپنا نیا دارالخلافہ بنایا۔

عباسی خلیفہ نے پہلا انتظامی اقدام یہ کیا کہ صوبوں کی از سرنو تشکیل کی۔ ان صوبوں کے لیے اپنے گورنر مقرر کیے۔ اور ان کو اپنے اپنے علاقوں میں عباسی حکومت کے استحکام کی ذمہ داریاں سپرد کیں۔ اس کے لیے اس نے اپنے خاندان کے افراد یا اپنے حامیوں اور وفاداروں کا انتخاب کیا اور ہر صوبے کا انتظام وانصرام ان کے ذمے کیا تا کہ مقبوضہ علاقوں میں پھر بغاوت نہ ہو اور عباسی حکومت مستحکم اور مضبوط ہو جائے۔

سفاح کی نئی تشکیل شدہ صوبوں اور گورنروں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

جزیرہ عرب یعنی مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، یمن اور یمامہ کو ایک صوبہ قرار دے کر اپنے چچا داود بن علی کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔

شام کی گورنری اپنے دوسرے چچا عبداللہ بن علی کو سونپ دی۔

جزیرہ (میسوپوٹیمیا)، آذربائیجان اور آرمینیا کا والی اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو مقرر کیا۔

کوفہ کی باگ ڈور اپنے بھتیجے عیسی بن موسی کے سپرد کی۔

بصرہ کا حاکم اپنے ایک دوسرے چچا سلیمان کو مقرر کیا۔

فارس کا والی اپنے ایک بھائی کو بنایا۔

خراسان کا والی اپنے سالار ابومسلم خراسانی کو بنایا۔

مصر کے صوبے کی ذمہ داری ابوعون عبدالملک بن یزید کو سونپی۔

بنی امیہ کے نظام حکومت میں وزیر کا منصب نہیں تھا۔ ابوالعباس سفاح نے پہلی بار اپنے عہد میں وزارت کا نیا عہدہ قائم کیا۔ وزیر کا عہدہ ایرانی نظام حکومت سے لیا گیا تھا۔ ابوالعباس اپنا پہلا وزیر عباسی تحریک کے مشہور داعی اور مبلغ ابوسلمی حفص بن سلیمان خلال کو مقرر کیا۔ ابوسلمہ خلال کوفہ کا ایک عالم وقابل، عالی دماغ اور دوراندیش شخص تھا۔ اس نے عراق میں عباسی تحریک کی بڑی خدمات انجام دی تھیں۔ اسی کی کوششوں کے باعث عراق پر عباسیوں کا قبضہ ہوا تھا۔ چنانچہ ان خدمات کے صلہ میں اسے وزارت کا منصب ملا۔ لیکن یہ زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر قائم نہ رہ سکا۔ ابوالعباس السفاح کے دل میں اس کے خلاف کدورت پیدا ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابوسلمی خلال نے آخری اموی خلیفہ مروان ثانی کے قتل کے بعد حکومت کو آل عباس کی بجائے اولاد علی میں منتقل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ابوالعباس کو اس کا علم ہوگیا۔ چنانچہ ابومسلم خراسانی کے ذریعے ابوسلمہ خلال کو قتل کرا دیا۔ ابوسلمی کے قتل کے بعد وزارت کے عہدے پر خالد بن برمک کو مقرر کیا گیا۔ خالد ایک عجمی نومسلم فرد تھا۔ اس کا دادا بلخ کے بدھوں کے معبد نوبہار کا ایک پجاری تھا۔ چنانچہ بدھوں کی نگاہ میں اس کی بڑی قدر ومنزلت تھی۔ اس کی اولاد نے اسلام قبول کرلیا۔ یہ پورا خاندان بڑا دانش منداور عالی دماغ تھا۔ خالد نے عباسی دعوت کی تبلیغ میں اہم خدمات انجام دی تھیں۔ وہ بہت ہی دوراندیش اور سخی وفیاض تھا۔ وہ اور اس کے بعد اس کی اولاد

عباسی عہد میں ایک طویل مدت تک منصب وزارت پر فائز رہی۔

1.6 بغاوتیں اوران کا استیصال

ابوالعباس سفاح کو تین طرح کی مخالفتوں اور بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا:

اول: سابق حکمران خاندان یعنی بنوامیہ کے افراد اوران کے حامیوں کی بغاوتیں۔

دوم: علوی خاندان کے حامیوں کی مخالفتیں۔

سوم: خوارج اور دوسرے غاصبوں کی شورشیں۔

عباسی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی بنی امیہ کے ماتحت بہت سے علاقوں پر بنوعباس کا قبضہ ہوگیا تھا،لیکن بہت سے ایسے علاقے بھی تھے جن پران کا قبضہ قائم نہیں ہوسکا تھا۔سفاح کے زمانے میں اس پر قبضہ ہوگیا۔اس سلسلے میں کچھ لڑائیاں بھی ہوئیں۔ابوالعباس سفاح کے جبر وتشدد کے باعث بنوامیہ کے حامی امرانے مختلف جگہوں پر بغاوتیں کیں اوراکثر صوبائی گورنروں نے خودمختاری کا اعلان کردیا۔خراسان پر مروان کی زندگی ہی میں قبضہ ہوچکا تھا۔لیکن 133ھ/751ء میں محمد بن مسلمہ اموی نے خراسان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگراسے ناکام کردیا گیا۔اسی طرح موصل کے اموی حامیوں نے عباسی حاکم محمد بن صول کواپنے یہاں سے نکال باہر کیا تو سفاح نے یحی بن محمد بن علی کو بھیجا۔اس نے بغاوت کوختم کیا اوراہل موصل کومطیع بنایا۔ایسے ہی آرمینیہ پراموی حاکم اسحاق بن مسلم عقیلی کا نائب مسافر بن کثیر قابض ہوگیا تھا۔ابوالعباس نے محمد بن صول کواس کے مقابلے کے لیے بھیجا۔محمد بن صول نے آرمینیہ کواموی حاکم مسافر بن کثیر کے قبضہ سے چھڑالیا۔

واسط کے اموی گورنرابن ہبیرہ نے بغاوت کی۔ابن ہبیرہ کے پاس ایک قوی فوج تھی۔حسن بن قحطبہ نے ایک بڑی فوج کے ساتھ اس کا محاصرہ کرلیا جوگیارہ مہینے تک چلا۔بالآخر بڑی مشکل سے اس کوعام معافی کے ذریعے واسط چھوڑنے پرآمادہ کیا گیا لیکن بعد میں بدعہدی کرکے اس کو اس کے حامیوں سمیت قتل کردیا گیا۔

اسی طرح سندھ پرایک شخص منصور بن جمہور نے اموی حکومت کے آخری دور میں غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا۔ابومسلم نے مغلس عبدی کوسرحد کا حاکم مقرر کیا۔اس نے سندھ پرفوج کشی کی۔منصور نے اسے قتل کردیا۔پھراس سے نمٹنے اور قبضہ کرنے کے لیے موسی بن کعب کو بھیجا گیا۔اس نے منصور کوشکست دے کرسندھ پر قبضہ کیا۔سندھ پر قبضہ کے بعد موسی نے منصورہ کو پورے طور پرآباد کیااوراردگردنئی فتوحات حاصل کیں۔

ان بغاوتوں کے علاوہ حامیان اہل بیت نے بھی کچھ علاقوں میں شورشیں برپا کیں۔بخارا کے محبان اہل بیت نےعلم بغاوت بلند کی۔ابومسلم خراسانی نے ان کا مقابلہ کیااورانہیں شکست دے کرمنتشر کردیا،اورشورش دب گئی۔اس کے بعدایک اورخراسانی امیر بسام بن ابراہیم نے اہل بیت کی حمایت میں علم بغاوت بلند کیا۔سفاح نے خازم بن خزیمہ کوبھیج کراس کا خاتمہ کرادیا۔

خارجیوں نے بنی امیہ کی طرح بنوعباس کی حکومت کوبھی تسلیم نہیں کیااورعباسی حکومت کے بھی دشمن بن گئے۔عمان اور بحرین وغیرہ خوارج کے مراکز تھے۔انہوں نے بحرین اور عمان کے علاقوں میں بغاوت کی۔ابوالعباس نے اپنے ایک سردار خازم کوان کی بغاوت ختم کرنے پر مامور کیا۔صحرائے عمان میں دونوں کا مقابلہ ہوا،کئی معرکوں کے بعدان کی بغاوتیں ختم ہوئیں۔اسی طرح دمشق،حمص،فلسطین اورقنسرین وغیرہ کی متعدداموی بغاوتوں کوختم کیا گیا۔

1.7 فتوحات

اس عہد میں داخلی فتنوں کے سدباب کے ساتھ ساتھ سرحدی علاقوں پر فوج کشی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ چنانچہ 133ھ میں خالد بن ابراہیم نے ختن پر فوج کشی کی۔ یہاں کے حاکم جیش بن شبل نے معمولی مدافعت کے بعد چین کی جانب راہ فرار اختیار کیا۔ اسی سال فرغانہ اور چاچ کے حکمرانوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ فرغانہ کے حاکم نے خاقان چین سے مدد لے کر چاچ کا محاصرہ کرلیا۔ چاچ کے حاکم میں خاقان چین کے مقابلے کی ہمت نہیں ہوئی۔ چنانچہ اس نے اطاعت قبول کرلی۔ ابو مسلم خراسانی کو جب اس اختلاف کی اطلاع ملی تو فوراً اس نے صالح بن زیاد کو روانہ کیا۔ دریائے طراز پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ صالح بن زیاد نے اسے شکست دے دی۔ 134ھ میں خالد بن ابراہیم نے کش پر فوج کشی کی اور یہاں کے بھی فرمانروا کو شکست دی۔ اس طرح سے سرحد چین پر ختن، چاچ، فرغانہ اور کش کے علاقے فتح کر کے وہاں پر عباسی حاکم مقرر کیے گئے۔

انقلاب حکومت کی بدنظمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے 133ھ میں قیصر روم نے ایشیائے کوچک کے ایک سرحدی شہر کمخ پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے باشندوں نے ملطیہ کے مسلمانوں کی مدد سے مقابلہ کیا مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ کمخ کے بعد رومیوں نے ملطیہ کا محاصرہ کیا۔ رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا، اور کمخ و ملطیہ کے شہران کے حوالے کرنے پڑے۔

136ھ ہی میں ابو مسلم خراسانی نے ابوالعباس سفاح سے حج پر جانے کی اجازت مانگی۔ ابوالعباس اس کو امیر الحج نہیں بنانا چاہتا تھا۔ اس لیے ابوالعباس السفاح نے اپنے ولی عہد اور بھائی ابوجعفر منصور کو لکھا کہ تم بھی حج کے لیے مجھ سے اجازت طلب کرو۔ چنانچہ ابوجعفر منصور نے اپنی درخواست بھیج دی۔ اس کو اجازت مل گئی اور اس کی عرضی پر حکم لکھ دیا کہ تم اس سال امیر الحج ہو۔ ابو مسلم کو جواب دیا کہ تم حج کے لیے آؤ، لیکن چونکہ ابوجعفر منصور نے بھی حج کے لیے درخواست دی تھی اس لیے میں نے اس کو امیر الحج مقرر کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ حج کر سکتے ہو۔ اس بات پر ابو مسلم خراسانی نے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا اور لکھا کہ مجھے خوشی ہے کہ میں ان کی ماتحتی میں حج کروں گا۔ لیکن اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ کیا منصور کو اسی سال حج کرنا ضروری تھا۔

ابوجعفر منصور کی امارت میں عباسی خلافت کا اولین حج ہوا۔ اس سفر حج میں ابو مسلم خراسانی بھی اپنے قافلے کے ساتھ شریک تھا۔ راستے میں ابو مسلم خراسانی نے اپنی شان و شوکت اور فیاضی کا اس قدر مظاہرہ کیا کہ منصور کو اس سے رشک اور حسد پیدا ہوگیا۔ نیز ابوجعفر منصور کو وہ عزت نہیں دی جس کی وہ توقع رکھتا تھا۔ ان سب کی وجہ سے دونوں میں تعلقات کشیدہ ہوگئے تھے۔

عباسی تحریک کو کامیاب بنانے میں ابو مسلم خراسانی کا بہت اہم رول تھا۔ سفاح کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ابو مسلم خراسانی کو خراسان کا گورنر بنایا گیا اور ابو مسلم خراسانی کے نام باقاعدہ سند حکومت بھیج دی گئی لیکن خود دربار میں آکر ابو مسلم خراسانی نے بیعت نہیں کی تھی۔ پہلی مرتبہ جب امام ابراہیم کی طرف سے ابو مسلم کو خراسان بھیجا گیا تھا اس وقت سے خراسان میں موجود تھا اور پوری باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی۔ جب عباسی تحریک کے تمام دشمنوں کا صفایا ہوگیا تو عبداللہ سفاح کو یہ خیال آیا کہ ابو مسلم کی مرضی کے بغیر نہ ہی اس کو کسی علاقے کی گورنری پر مامور کیا جاسکتا تھا اور نہ ہی خراسان سے اس کی طاقت کو کمزور کیا جاسکتا تھا۔ ابو مسلم اپنے آپ کو خلافت عباسیہ کا بانی اور روح رواں تصور کرتا تھا اور اپنے آپ کو ابوعبداللہ سفاح کا سرپرست سمجھتا تھا وہ خلیفہ سفاح کو مشورے دیتا جس پر اکثر و بیشتر وہ عمل کرتا لیکن خراسان کی گورنری کے معاملے میں وہ سفاح کے مشورے یا اجازت لینا ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ عثمان بن کثیر عباسیوں کے نقباء میں سے ایک مشہور اور پرانے نقیب تھے لیکن ابو مسلم خراسانی نے شخصی دشمنی کی بنا پر

اس کو قتل کر دیا لیکن ابوعبداللہ سفاح اس کے متعلق ابومسلم خراسانی سے کوئی باز پرس نہ کر سکا۔ سفاح اور اس کے چچا و بھائی اس حرکت اور ابومسلم خراسانی کی خودسرانہ من مانی کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ سفاح نے اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو ابومسلم خراسانی کے پاس اس سے بیعت لینے کے لیے بھیجا لیکن ابومسلم کا رویہ ابومنصور جعفر کے ساتھ مودبانہ نہ تھا، بلکہ ابومسلم کی ہر حرکت سے خودسری جھلکتی تھی جس کی وجہ سے ابومسلم اور جعفر کے درمیان ایک کشیدگی دلوں میں پیدا ہو چکی تھی۔ ابوجعفر نے جب پوری داستان ابوالعباس سفاح کو سنائی تو وہ اور زیادہ فکر مند ہوا اور سوچنے پر مجبور ہوا کہ کس طرح ابومسلم کے زور وقوت کو خراسان میں کم کیا جائے۔ لیکن ابوالعباس سفاح کو یہ زیادہ مناسب لگا کہ ابومسلم خراسانی کا کام ہی تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے زیاد بن صالح اور سباع بن نعمان ازدی سے اس کام کو انجام دینے پر لگایا۔ لیکن ابومسلم خراسانی کو کسی طرح اس سازش کا پہلے ہی اندازہ ہو گیا، لہٰذا اس نے ان دونوں کو قید کر کے قتل کروا دیا۔

ابومسلم چونکہ اقتدار پسند اور اپنے ارادے کا پکا شخص تھا جب اس کو سفاح کی طرف سے اس سلسلے میں زیادہ تشویش ہوئی تو اس نے اپنے آپ کو اور مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس نے خراسان کے علاوہ حجاز وعراق میں بھی اپنی طاقت اور اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش کی، تا کہ وقت ضرورت پر عباسیوں کا خاتمہ کیا جا سکے۔ لیکن اس بار اس کو اندازہ نہیں تھا کہ اس کا مقابلہ اس خاندان سے ہے جس نے محمد بن علی اور ابراہیم بن محمد بانی عباسیہ تحریک ہیں اور اموی خلافت کا خاتمہ کر کے ابھی نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔ بلاشبہ اس حکومت کے قیام واستحکام میں ابومسلم کا بہت نمایاں رول تھا لیکن وہ عباسیوں کا ہی شاگرد اور ان کا تربیت یافتہ تھا۔

ابوجعفر منصور ابومسلم خراسانی کو عباسی حکومت کے لیے خطرہ بھی سمجھتا تھا۔ چنانچہ وہ اس کا سخت دشمن ہو گیا تھا۔ وہ ابومسلم کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا، اور بار بار سفاح سے اصرار کرتا تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن اسے اس بات کا خوف تھا کہ خراسانی، جن کی بدولت انہیں یہ اعزاز حاصل ہوا ہے اور عباسی حکومت قائم ہوئی ہے، کہیں وہ ابومسلم کے قتل سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔

ابوجعفر منصور حج کے بعد مکہ سے واپس بھی نہ ہوا تھا کہ 13/ ذی الحجہ 136ھ بمطابق 9/ جون 754ء کو خلیفہ ابوالعباس کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے قبل 136ھ میں سفاح نے اپنے بعد اپنے بڑے بھائی ابوجعفر منصور کو اور اس کے بعد اپنے بھتیجے عیسی بن موسی کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ وہ اپنے پایہ تخت ہاشمیہ میں دفن ہوا۔ اس نے کل چار سال اور آٹھ مہینے حکومت کی۔

ابوالعباس السفاح اپنی سختیوں کے باوجود عاقل ومدبر اور اعلی منتظم کے ساتھ ساتھ ایک فیاض حکمراں خیال کیا جاتا ہے۔ اس میں بہت ساری خوبیاں بھی تھیں۔ وہ متحمل مزاج، باوقار، انتہائی دانشمند تھا۔ ابوالعباس علم وفضل سے بہرہ مند تھا۔ اگرچہ سفاح کو حکومت کرنے کا وقت بہت کم ملا تاہم فرصت کے اوقات میں اس کی صحبت میں اکابر علماء شریک ہوا کرتے تھے۔ اس کے عہد کے ممتاز اشخاص اور اکابر علماء میں سے اشعث بن سوار، جعفر بن ابی ربیعہ، حصین بن عبدالرحمٰن، ربیعۃ الرائے، عبدالملک بن عمیر، عبداللہ بن ابی جعفر اور عطاء بن السائب وغیرہ تھے۔ ابوالعباس سفاح کو شعروادب اور موسیقی سے اسے بڑا لگاؤ تھا۔ شعرا کو بطور انعام بڑی رقمیں دیتا تھا۔ کوئی اس کے دربار سے خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ لہو ولعب اور عیش وعشرت سے اسے دلی نفرت تھی۔

1.8 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- عباسی حکومت کا قیام اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد 132 ہجری/750 عیسوی میں ہوا۔
- بنوعباس حضورﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے تھے۔
- عباسی حکومت کا سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی ماتحتی میں ایک لشکر گراں اموی حکمراں مروان کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ 132ھ میں ساحل زاب پر ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی، اس جنگ میں مروان کو شکست ہوئی اور مروان قتل کیا گیا۔ زاب کے اسی معرکے نے پورا شام عباسیوں کے قبضے میں ڈال دیا۔
- ابوالعباس سفاح کی قائم کی ہوئی یہ حکومت 132 ہجری 750ء سے 656 ہجری 1256ء تک قائم رہی۔ یعنی اس خاندان نے کم وبیش 500 سال حکومت کی۔ اس پوری مدت حکومت میں اس خاندان سے 37 خلفاء ہوئے۔
- عباسی حکومت کا پہلا دور 132 ہجری سے شروع ہوکر 247 ہجری تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسرا دور 247 ہجری سے شروع ہوکر 200 سالوں تک جاری رہا اس کے بعد تیسرا دور 656ھ مطابق 1258ء میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کرکے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر کے بنی عباس کی حکومت کو مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔
- عباسی دور کا ابتدائی زمانہ (یعنی پہلے سو برس) علمی فتوحات کے لیے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔
- عباسی حکومت کا سب سے پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح ہے ان کا اصل نام عبداللہ تھا اور ابوالعباس کنیت تھی ''السفاح'' کے لقب سے مشہور تھا۔
- ابوالعباس نے اپنی خلافت کے استحکام کے خاطر اور بنی امیہ کو مٹانے کے لیے بڑی خوں ریزی کی۔
- ابوالعباس سفاح نے انبار کے قریب نیا شہر ''الہاشمیہ'' کے نام سے آباد کر کے اسے اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔
- عباسی خلیفہ نے پہلا انتظامی اقدام یہ کیا کہ صوبوں کی از سرِ نو تشکیل کی۔ ان صوبوں کے لیے اپنے گورنر مقرر کیے، اور ان کو اپنے اپنے علاقوں میں عباسی حکومت کے استحکام کی ذمہ داریاں سپرد کیں۔
- ابوالعباس سفاح کو تین طرح کی مخالفتوں اور بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا: اول: سابق حکمراں خاندان یعنی بنوامیہ کے افراد اور ان کے حامیوں کی بغاوتیں۔ دوم: علوی خاندان کے حامیوں کی بغاوتیں۔ سوم: خوارج اور دوسرے غاصبوں کی بغاوتیں۔
- اس عہد میں داخلی فتنوں کے سدباب کے ساتھ ساتھ سرحدی علاقوں پر فوج کشی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔
- بنی امیہ کے نظام حکومت میں وزیر کا منصب نہیں تھا۔ ابوالعباس سفاح نے پہلی بار اپنے عہد میں وزارت کا نیا عہدہ قائم کیا۔ وزیر کا عہدہ ایرانی نظام حکومت سے لیا گیا تھا۔ ابوالعباس اپنا پہلا وزیر عباسی تحریک کے مشہور داعی اور مبلغ ابوسلمہ حفص بن سلیمان خلال کو مقرر کیا۔
- عباسی حکومت کے پہلے وزیر ابوسلمہ خلال کے قتل کے بعد وزارت کے عہدے پر خالد بن برمک کو مقرر کیا گیا۔ وہ بہت ہی دوراندیش اور سخی وفیاض تھا۔ وہ اور اس کے بعد اس کی اولاد عباسی عہد میں ایک طویل مدت تک منصب وزارت پر فائز رہی۔
- ابوجعفر منصور کی امارت میں عباسی خلافت کا اولین حج ہوا۔ اس سفر حج میں ابومسلم خراسانی بھی اپنے قافلے کے ساتھ شریک تھا۔

- ابوالعباس السفاح اپنی سختیوں کے باوجود عاقل و مدبر اور اعلیٰ منتظم کے ساتھ ساتھ ایک فیاض حکمراں خیال کیا جاتا ہے۔
- اگرچہ سفاح کو حکومت کرنے کا وقت بہت تھوڑا ملا مگر فرصت کے اوقات میں اس کی صحبت میں اکابر علماء شریک ہوا کرتے تھے۔

1.9 نمونہ امتحانی سوالات

1.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ عباسی دور کا سب سے پہلا خلیفہ کون ہے؟

(a). مامون رشید (b). ابوالعباس السفاح (c). حاکم باللہ (d). ہارون رشید

2۔ عباسی حکومت کے قیام میں کس کا اہم رول ہے؟

(a). معتصم باللہ (b). نفس زکیہ (c). ابومسلم خراسانی (d). مقتدر

3۔ تحریک عباسیہ کے رہنماؤں میں کون شامل ہے؟

(a). محمد بن علی (b). ابوالعباس السفاح (c). ابراہیم (d). مذکورہ تمام

4۔ شہر الہاشمیہ کس نے آباد کرایا؟

(a). مامون رشید (b). ابوالعباس السفاح (c). ابوجعفر منصور (d). محمد بن علی

5۔ عباسی حکومت کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a). 750ء (b). 730ء (c). 650ء (d). 710ء

6۔ ابوالعباس السفاح نے اپنا پہلا وزیر کسے بنایا؟

(a). ابومسلم خراسانی (b). ابوسلمہ خلال (c). خالد بن برمک (d). سلیمان بن کثیر

7۔ ابوالعباس السفاح کی مدت حکومت کیا ہے؟

(a). ایک سال (b). چار سال (c). چھ سال (d). نو سال

8۔ جنگ زاب کس کے درمیان ہوئی؟

(a). مروان اور عبداللہ بن علی کے درمیان (b). ابومسلم خراسانی اور ابوجعفر منصور کے درمیان

(c). ابومسلم خراسانی اور عبداللہ بن علی کے درمیان (d). ابوالعباس السفاح اور نصر بن سیار کے درمیان

9۔ شہر الہاشمیہ کس دریا کے کنارے واقع تھا؟

(a). دریائے فرات (b). دریائے دجلہ (c). دریائے نیل (d). بحر عرب

10۔ عباسی حکومت کتنے سال رہی؟

(a). تقریباً پانچ سو سال (b). تقریباً سات سو سال (c). نو سو سال (d). دو سو سال

1.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ خراسان میں عباسی تحریک کا فروغ کیسے ہوا؟

2۔ عباسی تحریک کی ابتدائی دور پر روشنی ڈالیے۔

3۔ تحریک عباسیہ میں ابومسلم خراسانی کے کردار کا جائزہ لیجیے۔

4۔ عباسی تحریک کے اہم مراکز کون سے شہر تھے۔

5۔ جنگ زاب پر روشنی ڈالیے۔

1.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ عباسی حکومت کا قیام کیسے عمل میں آیا؟

2۔ ابوالعباس سفاح کے کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

3۔ تحریک عباسیہ کے رہنماؤں کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کیجیے۔

1.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	تاریخ اسلام (حصہ دوم)	:	شاہ اکبر خان صاحب نجیب آبادی
2۔	تاریخ اسلام	:	شاہ معین الدین احمد ندوی
3۔	تاریخ الامت	:	اسلم جیراجپوری
4۔	تاریخ تہذیب اسلامی	:	محمد یٰسین مظہر صدیقی
5۔	تاریخ اسلام	:	محمد حمید الدین
6۔	تاریخ اسلام (اردو)	:	سید امیر علی
7۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	:	ثروت صولت
8۔	ہسٹری آف دی عربس (انگلش)	:	فلپ کے حتی

-:oOo:-

اکائی 2 : عباسی حکومت کے مشہور خلفاء (حصہ اول)

اکائی کے اجزا

2.0 تمہید
2.1 مقصد
2.2 اہم حکمراں
2.2.1 ابوجعفر منصور
2.2.2 ہارون رشید
2.3 اکتسابی نتائج
2.4 نمونہ امتحانی سوالات
2.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
2.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
2.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
2.5 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

2.0 تمہید

عباسی حکومت 132ھ (750ء) سے 656ھ (1258ء) تک قائم رہی اور بنو عباس نے تقریباً 500 سالوں تک حکومت کی۔ اس طویل دور میں 37 خلفاء ہوئے جن میں ابوجعفر منصور اور ہارون رشید کا شمار اہم خلفاء میں ہوتا ہے۔ ابوجعفر منصور نے عباسی حکومت کی بنیاد کو مستحکم کرنے میں نہایت ہی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس نے داخلی و خارجی سورشوں کو ناکام کیا اور اپنے علمی اور تمدنی کارناموں سے عباسی حکومت کو جلا بخشا۔ اسی طرح ہارون رشید نے اپنے سیاسی، سماجی اور علمی و تمدنی کارناموں سے اس دور حکومت کو بام عروج تک پہنچایا۔

عزیز طلبہ! اس اکائی میں آپ عباسی حکومت کے دور عروج کے دو عظیم حکمراں ابوجعفر منصور اور ہارون رشید کے کارناموں اور ان کی پالیسیوں کا مطالعہ کریں گے۔

2.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ درج ذیل نکات سے واقف ہو جائیں گے:

- عباسی حکومت کے استحکام میں خلیفہ ابوجعفر منصور کا کردار
- خلیفہ ابوجعفر منصور کی علمی وتمدنی کارنامے
- خلیفہ ہارون الرشید کی فتوحات اور خارجہ پالیسی
- خلیفہ ہارون رشید کے دور میں علوم وفنون اور تمدن وثقافت کا فروغ

2.2 عباسی حکومت کے اہم حکمراں

2.2.1 ابوجعفر منصور (754-774ء)

عباسی حکومت کے بانی خلیفہ ابوالعباس سفاح کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا۔ ابوجعفر کا اصل نام عبداللہ بن محمد تھا۔ اس کی ماں ''سلامہ'' ایک بربر کنیز تھی۔ سفاح کی وفات کے وقت ابوجعفر منصور مکہ معظّمہ میں تھا۔ سفاح کی موت کی خبر سن کر مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔ دارالخلافت میں ابوجعفر کی خلافت کی بیعت اس کی طرف سے اس کے چچا عیسیٰ بن علی نے لی۔ اس طرح سے جون 754ء میں ابوجعفر منصور خلیفہ بنا۔ اس وقت اس کی عمر اکتالیس سال تھی۔ اس نے بھی اپنے بھائی کی طرح اپنے لیے المنصور کا لقب اختیار کیا۔

بنوعباس کی حکومت کی بنیاد اگرچہ ابوالعباس السفاح نے رکھی تھی مگر اسے مستقل اور مستحکم بنانے میں ابوجعفر منصور نے اہم کردار ادا کیا، اسی بنا پر ابوجعفر منصور کو عباسی حکومت کا حقیقی بانی تصور کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنی ذکاوت، سیاسی بصیرت اور دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے عباسی حکومت کی بنیادیں اس قدر مضبوط و مستحکم کیں کہ وہ پانچ سو سال سے زائد مدت تک قائم رہیں۔

مسائل ومشکلات

ابوالعباس السفاح نے اپنے دور حکومت میں بنی امیہ اور ان کے حامیوں کا مکمل طور پر استیصال کر دیا تھا۔ چنانچہ ابوجعفر منصور کو ان کی طرف سے کسی بڑے خطرے کا اندیشہ نہیں تھا، البتہ حامیان اہل بیت کی طرف سے جگہ جگہ شورشیں ہو رہی تھیں اور خود عباسی خاندان کے چند افراد نے بھی خلافت کا دعوی کر کے علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ابوجعفر منصور کو ابتدائی دور میں قدم قدم پر مسائل ومشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اس نے اپنے زمانے کے ان تمام مشکلات کا سامنا کیا اور ان مسائل اور مصائب پر قابو پا کر عباسی حکومت کو مستحکم کیا۔

عبداللہ بن علی کی بغاوت

ابوالعباس سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو شام کی امارت سونپ رکھی تھی۔ ابوجعفر منصور کی تخت نشینی کے وقت عبداللہ بن علی اہل روم سے نبردآزما تھا۔ جب وہاں سے فارغ ہوا تو منصور کی بیعت سے انکار کر کے خود خلافت کا دعویٰ کر بیٹھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ابوالعباس السفاح نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم آخری اموی خلیفہ مروان ثانی کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تو میرے بعد تم ہی جانشین بنو گے۔

خلیفہ المنصور کو عبداللہ بن علی کی بغاوت کا علم ہوا تو اس نے ابومسلم خراسانی سے مدد چاہی۔ پہلے تو ابومسلم خراسانی نے اس معاملے میں دخل اندازی سے گریز کیا، مگر بعد میں منصور کی مدد کے لیے آمادہ ہو گیا اور اپنی فوج کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہوا۔ نصیبین کے مقام پر دونوں فوجوں کا

سامنا ہوا۔سخت معرکوں کے بعد بالآخر عبداللہ بن علی کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔عبداللہ بن علی نے بھاگ کر اپنے بھائی سلیمان بن علی حاکم بصرہ کے پاس پناہ لیا۔سلیمان نے خلیفہ منصور سے سفارش کر کے اس کی امان کا وعدہ لے لیا،لیکن امان ملنے کے بعد جب عبداللہ بن علی دربار خلافت میں ان سے ملنے پہنچا تو منصور اپنے عہد کو درکنار کرتے ہوئے اسے گرفتار کرلیا۔اوراسے ایک مکان میں قید کردیا،اوراسی قید میں 757ء میں اس کی وفات ہوگئی۔

ابومسلم خراسانی کاقتل

ابومسلم خراسانی نے عباسی خلافت کو قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ابوجعفر منصوراس کی بڑھتی طاقت سے خوف زدہ تھااوراسے عباسی حکومت کے لیے مستقل خطرہ تصور کرتا تھا۔ چنانچہ وہ ابوالعباس سفاح کے عہد میں بھی اس کو ہمیشہ اکساتا رہا تھا کہ وہ کسی بھی طرح سے ابومسلم کو ٹھکانے لگادے۔سفاح بھی راضی تھامگرخراسانیوں کی بغاوت کے اندیشہ سے ایسانہیں کرسکا۔

سفاح کے بعد جب منصور خلیفہ بناتو اسے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی بغاوت کوختم کرنے کے لیےابومسلم خراسانی سے مدد لینی پڑی۔کیونکہ اسے بخوبی معلوم تھا کہ عبداللہ بن علی کی طاقت کے سامنے ابومسلم خراسانی کے علاوہ کوئی نہیں ٹھہر سکے گا۔مگر جب ابومسلم نے عبداللہ کی فوجوں کوشکست دے دی تو خلیفہ ابوجعفر منصور نے اس سے وہ مال طلب کیا جو اسے باغی عبداللہ سے ملا تھا۔ابومسلم خراسانی اس پر سخت برہم ہوا۔دونوں کے تعلقات پہلے ہی سے بہتر نہ تھے۔اس واقعے نے باہمی ناراضگی کواور بھی ہوادی۔دونوں کےتعلقات مزید کشیدہ ہوگئے۔

شام کی فتح کے بعدابومسلم خراسان جانا چاہتا تھا۔خراسان میں اس کا بہت زیادہ اثر ورسوخ تھا۔لیکن خلیفہ ابوجعفر منصور نے یہ مناسب سمجھا کہ ابومسلم کوواپس خراسان نہ جانے دیا جائے۔کیونکہ وہ اگرخراسان پہنچ گیا تو اس پرقابو پانا بہت مشکل ہوگا۔چنانچہ اس نے فرمان بھیجا کہ ابومسلم کو خراسان کی بجائے شام اور مصر کا والی مقرر کیا جاتا ہے۔اس لیے وہ شام ہی میں رہےاور مصر میں اپنی طرف سے جسے چاہے امیر مقرر کردے۔خلیفہ کے اس فرمان سے ابومسلم اور زیادہ ناراض ہوگیااور شام ومصر کی گورنری منظورنہیں کی،وہ اپنی فوج سمیت خراسان کی طرف روانہ ہوگیا۔ابومسلم کو راضی کرنے کے لیےابوجعفر منصور نے اپنے چند معتمد سرداروں کواس کے پاس بھیجا جنہوں نے کسی طرح ابومسلم کودارالخلافہ آنے پرآمادہ کرلیا۔

ابومسلم جب دربار میں آیا تو منصور بڑی خندہ پیشانی سے ملااور شان دار خیر مقدم کیا۔ابوجعفر منصور کے اس حسن سلوک سے ابومسلم کا دل صاف ہوگیااور وہ بلاخوف وخطر دربار میں آنے جانے لگا۔ابوجعفر منصور موقع کی تلاش میں تھا،چنانچہ ایک روزابوجعفر منصور کے اشارہ پراس کے مسلح سپاہیوں نے بھرے دربار میں ہی بنی عباس کے سب سے بڑے مربی اور محسن ابومسلم خراسانی کوقتل کرڈالا۔اس طرح ایک سال کے اندر ہی عباسی حکومت کے دو بڑے محسن ختم کرادیئے گئے۔

بغاوتیں

خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد میں متعدد بغاوتیں ہوئیں۔ابومسلم خراسانی نے اپنے کارناموں سے خراسان کے اندر اپنی وفاداری اور حکومت کی جڑیں کافی مضبوط کرلی تھیں۔چنانچہ اس کے قتل کے ردعمل میں کئی بغاوتیں رونما ہوئیں۔پایہ تخت میں جوخراسانی موجود تھے،انہوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کرلیا مگرابوجعفر منصور نے حسن تدبیر سے کام لیتے ہوئے انہیں انعام واکرام سے نواز کر خاموش کرادیا۔اسی طرح خراسان کے علاقے میں سنبادنامی ایک مجوسی نے عباسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔لیکن ابوجعفر منصور کے ایک سالار نے اس بغاوت کوکچل کرسنباد کا خاتمہ کردیا۔

ابو جعفر منصور کے دور میں کئی اور بغاوتیں ہوئیں جن میں سے اہم ترین یہ ہیں:

755ء میں جزیرہ میں ایک سردار ملبد بن حرملہ کی بغاوت ہوئی جس پر خازم بن خزیمہ نے بڑی دشواریوں کے بعد قابو پایا۔

758ء میں دارالخلافہ میں راوندیہ فرقہ کی شورش اور ہنگامہ ہوا۔ یہ ایک عجمی فرقہ تھا جو تناسخ کا عقیدہ رکھتا تھا۔ ان کا مقابلہ کر کے امن وامان قائم کیا گیا۔

141ھ میں خراسان کے والی عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت کو ختم کیا گیا۔

759ء (142ھ) میں سندھ کے گورنر عیینہ بن موسی نے بغاوت کی جس پر بہت مشکل سے قابو پایا گیا۔

765ء میں خارجیوں نے شورشیں کیں۔ موصل اور بحرین خارجیوں کے دو بڑے مراکز تھے۔ 765ء میں موصل کے قریب ایک خارجی سردار حسان بن مجالد نے بغاوت کی۔ شاہی فوج اس سے مقابلے کے لیے آئی مگر اس کی قوت اتنی مضبوط تھی کہ اس نے شاہی فوج کو شکست دے کر موصل کو لوٹ لیا، پھر رقہ کو تباہ کو بھی کر دیا۔ بالآخر صلح کے بعد یہ بغاوت ختم ہوئی۔

اسی طرح افریقہ کے بربر قبائل نے بھی بغاوت کی۔ انہوں نے وہاں کے مقرر کردہ عباسی حاکم ابن اشعث کو بھگا دیا اور موسی خراسانی کو اپنا والی بنالیا۔ آخرکار متعدد خونی معرکوں کے بعد افریقہ میں امن وامان بحال ہوا۔

اس طرح ابو جعفر منصور نے ان تمام شورشوں اور بغاوتوں پر قابو پا کر امن وامان بحال کرنے میں کامیاب رہا۔

محمد بن عبداللہ نفس زکیہ کا خروج

مدینہ اور بصرہ میں دو علوی بھائیوں کی عباسی حکومت کے خلاف بغاوتیں اہم ہیں۔ تاریخ میں یہ بغاوت خروج سے موسوم ہے۔ ان دونوں علوی بھائیوں کا تعلق مدینے سے ہے جن میں ایک کا نام محمد بن عبداللہ بن حسن اور دوسرے کا ابراہیم بن عبداللہ بن حسن۔ محمد بن عبداللہ (جو نفس زکیہ کے لقب سے معروف تھا) نے مدینہ میں اور اس کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں خروج (یعنی حکومت کے خلاف بغاوت) کا منصوبہ بنایا اور منصوبہ کے مطابق بصرہ اور مدینہ میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ ابو جعفر منصور نے ان کے مقابلے کے لیے اپنے ولی عہد بھتیجے عیسی بن موسی کو مدینہ روانہ کیا۔ دسمبر 762ء کو سخت معرکہ آرائی ہوئی اور بالآخر میدان جنگ میں نفس زکیہ کو قتل کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بغاوت بھی ختم ہوگئی۔ بنی حسن کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کی جائیدادیں اور املاک ضبط کر لی گئیں۔

خلیفہ ابو جعفر منصور نے عیسی بن موسی کو نفس زکیہ کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کی سرکوبی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ عیسی بن موسی نے 763ء میں ابراہیم سے جنگ کی، اور ابراہیم مقتول ہوئے۔

محمد بن عبداللہ کو ان کی پاک بازی اور زہد وتقوی کی وجہ سے نفس زکیہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اثر ونفوذ کے لحاظ سے بنی ہاشم کے نہایت ممتاز بزرگ تھے۔ علم وفضل، شجاعت اور زہد وتقوی میں ممتاز ہونے کے باعث یہ دونوں بھائی علما اور فقہا کے حلقوں میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اندلس میں اموی حکومت کا قیام

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ بنوامیہ کی حکومت کے خاتمے کے وقت ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ جو خلیفہ ہشام کا پوتا تھا

سفاح اوران کے حامیوں کے ظلم اور قتل و غارت سے بچ کر افریقہ چلا گیا تھا اور وہاں سے مختلف قبیلوں اور سرداروں کی حمایت حاصل کر کے اندلس میں از سر نو اموی حکومت کی مستقل بنیاد ڈال دی تھی۔ جس کی تفصیلات ہم دوسری جگہ پڑھیں گے۔

اس عہد میں اندرونی شورشوں کے باوجود بیرونی فتوحات کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ابو جعفر منصور کے ایک سردار عمر بن علاء نے کوہستان، طبرستان اور دباوند کے علاقوں کو فتح کیا۔ سندھ کی فتوحات میں بھی اضافہ کیا۔

شمال میں قیصر روم کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ 755ء (137ھ) میں رومیوں نے ابو جعفر منصور کی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر شامی سرحدوں پر حملہ کیا اور ملطیہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اسلامی چھاؤنی کو بہت نقصان پہنچایا۔ چنانچہ ابو جعفر منصور نے ان کے مقابلے کے لیے اپنے چچا صالح اور بھائی عباس کو روانہ کیا۔ انہوں نے رومیوں کو شکست دے کر بھگایا اور ملطیہ کی از سر نو تعمیر کرائی۔ 140ھ میں رومیوں نے ملطیہ پر پھر چڑھائی کی۔ مگر عباسی فوج کے انتظامات اور استحکامات دیکھ کر آگے نہ بڑھ سکی۔

وزارت

ابوالعباس السفاح نے وزارت کا عہدہ قائم کر کے ابو سلمہ اور اس کے بعد خالد برمکی کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ ابو جعفر منصور جب تخت نشین ہوا تو اس نے خالد برمکی کو ایک صوبہ کا والی مقرر کر دیا اور اس کی جگہ ابو ایوب موریانی کو وزارت کے عہدے پر مقرر کیا۔ ابو ایوب موریانی کا اصل نام سلیمان بن مخلد تھا۔ وہ خلیفہ کا زر خرید غلام تھا۔ خلیفہ نے اس کی تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اسے قابل و فاضل بنایا، اور پھر اس کی قابلیت کے سبب ہی اسے وزیر بنایا گیا۔ مگر جلد ہی خلیفہ اس سے برگشتہ ہو کر اسے قید کرا دیا اور اس کی جگہ ربیع بن یونس کو مقرر کیا۔ ربیع بن یونس خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی کے غلام ابوفردہ کی اولاد میں سے تھا۔ وہ نیک، بہادر، قابل، عالم اور مدبر و منتظم تھا۔ اپنی وفات تک وزارت کے عہدے پر فائز رہا۔

انتظام سلطنت

ابو جعفر منصور کے عہد حکومت میں ملکی انتظام کم و بیش وہی رہا جو اموی عہد میں قائم تھا۔ البتہ صوبوں کی حدود متعین نہیں تھیں۔ کبھی دو ولایتوں کا ایک ہی گورنر مقرر کر دیا جاتا اور کبھی ایک ولایت کے دو حصے کر کے دونوں کے لیے علاحدہ علاحدہ گورنر مقرر کیے جاتے۔ عموماً صوبائی امارتیں خلیفہ کے عزیز و اقارب کے سپرد ہوتی تھیں لیکن ابو جعفر منصور کو ان پر مکمل اعتماد نہیں تھا۔ چنانچہ وہ کسی والی کو ایک ہی صوبہ میں زیادہ مدت تک ٹھہرنے نہیں دیتا تھا تاکہ وہ ان ولایتوں کو اپنی ملکیت سمجھنا شروع نہ کر دیں۔ والی کو اپنے ماتحت عملہ مقرر کرنے کا اختیار تھا۔ لیکن قاضی اور سپہ سالار کی تقرری براہ راست خلیفہ کے حکم سے ہوتی تھی۔ ابو جعفر منصور نے ہر صوبے میں وقائع نگار مقرر کیے تاکہ وہ مرکزی حکومت کو تمام ضروری اطلاعات سے باخبر رکھیں۔

وزیر کے بعد ایک اہم عہدیدار ''حاجب'' تھا۔ حاجب کی اجازت سے ہی کوئی شخص خلیفہ کے سامنے جا سکتا تھا۔ اہم معاملات میں وزیر کی طرح حاجب سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا۔

اس دور میں وزیر اور حاجب کے علاوہ ''کاتب'' کا عہدہ بھی بہت ہی اہمیت کا حامل تھا۔ کاتب کو میر منشی بھی کہا جاتا تھا۔ یہ خلیفہ کی طرف سے صوبائی والیوں اور عاملین کے نام احکامات جاری کرتا تھا۔ پڑوسی ممالک کے فرماں رواؤں کے ساتھ خط و کتابت بھی اسی کے ذریعے ہوتی تھی۔

ابو جعفر منصور نے مالی اصلاحات پر بھی توجہ دی۔ تجارت کے فروغ کے لیے تاجروں کو سہولیات فراہم کیں۔ زراعت کی ترقی کے لیے

زمینوں کی پیائش کرائی۔ پیداوار بڑھانے کے لیے کسانوں کو قرضے دیے۔محاصل کی وصولی میں سختی سے کام لیا۔اس عہد میں تجارت اور صنعت وحرفت کی ترقی کی وجہ سے ملک کی اقتصادی حالت اچھی اور رعایا بہت خوش حال ہوگئی تھی۔

بغداد کی تعمیر اور دارالخلافہ کی تبدیلی

عباسی حکومت کے ابتدائی دور میں ابوالعباس سفاح نے انبار کے نزدیک ایک نیا شہر ہاشمیہ آباد کر کے اسے اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔لیکن ابو جعفر منصور دارالخلافہ کے لحاظ سے اس مقام کو مناسب اور محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔چنانچہ اس نے اپنے نئے دارالخلافہ کے لیے موصل تک تمام علاقوں کا معائنہ کرایا۔ بڑی تلاش وجستجو کے بعد اسے بغداد نامی گاؤں پسند آیا۔اسی مقام پر منصوبہ بندی کے ساتھ جدید دارالخلافہ کی تعمیر کرانا شروع کیا۔شہر کی تعمیر سے پہلے ماہر انجینئروں اور معماروں نے شہر کا تفصیلی نقشہ تیار کیا، پھر اس شہر کی تعمیر کے لیے دنیا کے مختلف گوشوں سے اعلی درجے کے سنگ تراش، بڑھئی، نقاش، فنکار، معمار، خطاط، مزدور اور کاریگر بلائے گئے، اس کے علاوہ تعمیر کے ضروری سامان جیسے سنگ مرمر، آبنوس، صندل کی لکڑی وغیرہ کثیر مقدار میں منگائے گئے، پھر ایک باقاعدہ منصوبہ کے مطابق اس شہر کی تعمیر کا کام 136ھ /754ء میں شروع ہوا۔شہر تیار ہونے کے بعد دارالخلافت ہاشمیہ سے بغداد منتقل ہوگیا۔

بغداد شہر کا نقشہ دائرہ نما تھا، اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کا پہلا مدور شہر تھا جس کے اطراف اندرونی فصیل اور ایک بیرونی فصیل تھی اور اس پر مدور برجیاں تعمیر کی گئی تھیں، اس میں چار دروازے چار سمت میں لگائے گئے تھے، ان دروازوں کے نام اپنی اپنی سمت کے اہم شہروں کی مناسبت سے رکھے گئے تھے جو باب الکوفہ، باب الشام، باب البصرہ اور باب الخراسان کے نام سے موسوم تھے۔ان میں بلند پھاٹک لگے تھے جو لوہے کی سلاخوں سے بنے تھے، ان دروازوں کی خصوصیت یہ تھی کہ گھڑ سوار اپنے علم کے ساتھ آسانی سے ان سے گزر سکتے تھے۔ پھاٹکوں کے اوپر اونچے اونچے برج تھے۔شہر پناہ پتھروں سے تعمیر کی گئی تھی، ہر دروازہ خلیفہ کے محل سے مساوی فاصلے پر بنایا گیا تھا اور ان میں سے ہر ایک پر قبہ تعمیر کیا گیا تھا۔شہر پناہ کے نچلے حصے کی چوڑائی پچاس ہاتھ تھی جو اوپر کی جانب بتدریج کم ہوتی چلی گئی تھی یہاں تک کے اوپری حصہ کی چوڑائی صرف بیس ہاتھ رہ گئی تھی۔شہر پناہ کے چاروں اطراف میں خندق کھودی گئی تھی تا کہ حملہ آور داخل نہ ہوسکیں۔

شہر بغداد کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا؛ مرکزی حصہ میں خلیفہ کا محل اور دوسری سرکاری عمارتیں نیز خلیفہ کے فوج کی بیرکیں اور جامع مسجد تھی۔خلیفہ کے محل اور مسجد کے آگے ایک خالی میدان تھا جس کے کنارے خلیفہ کے خاندان کے قصور ومحلات اور دیگر سرکاری ملازمین اور سرکاری افسران اور امراء کے محلات تعمیر تھے، اور وہیں خزانہ خراج اور سرکاری اسلحہ خانہ کی عمارتیں تعمیر کی گئی تھیں، اور اس سے متصل دوسری سرکاری عمارتیں تھیں۔

منصور کا شاہی محل شہر کے وسط میں واقع تھا، یہ شہر کا خوبصورت ترین اور عالی شان محل تھا، اسے قصر الذہب (سونے کا محل) کہتے تھے۔اس کے وسطی ہال پر اسی گز بلند ایک عظیم الشان گنبد تھا جو قبۃ الخضرا کہلاتا تھا، اس گنبد کا کلس سونے کا تھا۔اس کی چوٹی پر ایک گھڑ سوار کا مجسمہ نصب تھا، اسے پتھر کو تراش کر بنایا گیا تھا، جو شہر کے ہر گوشہ سے نظر آتا تھا۔منصور کا شاہی محل شہر کی بلند ترین عمارت تھی جہاں سے پورے شہر کا معائنہ کیا جاسکتا تھا۔اس محل میں داخل ہونے کے لیے ایک قیمتی دروازہ تھا جس پر سونے کا ملمع تھا اس کو باب الذہب (سونے کا دروازہ) کہتے تھے۔

کچھ ہی عرصے میں آبادی میں اضافہ ہوجانے کی وجہ سے خلیفہ نے اپنے لیے شہر بغداد سے باہر دجلہ کے کنارے 775ء میں ایک دوسرا محل بنوایا جو اپنی خوبصورتی اور آرائش وزیبائش کے لحاظ سے ''قصر الخلد'' کہلاتا تھا، اس محل میں جالی دار کھڑکیاں، ہوادار روشن دان بنائے گئے تھے اور تعمیر

میں سفید سنگ مرمر کا کثرت سے استعمال ہوا تھا، جس کی وجہ سے یہ محل واقعی حسن تعمیر میں لا جواب بن گیا تھا۔

ایوان خلافت سے ہر دروازے تک وسیع وعریض سڑکیں نکالی گئی تھیں اوران وسیع شاہراہوں سے خاص زاویہ پر متعدد چھوٹی چھوٹی سڑکیں نکالی گئی تھیں، جوشہر کے تمام حصوں کو مرکز خلافت سے جوڑ دیتی تھیں۔اس طرح پورے شہر میں کشادہ سڑکوں کا جال بچھایا گیا تھا۔شہر میں پانی کی سپلائی کے لیے دریائے دجلہ اورفرات سے نہریں نکالی گئیں تھیں۔شہر کے دوسرے حصے میں امرا وارا کین حکومت کے قصور ومحلات اور دفاتر تعمیر کئے گئے تھے۔تیسرے حصے میں عام آبادی تھی جسے قبیلوں اور گروہوں کے مطابق بسایا گیا تھا۔چوتھے حصے میں بازار تھے جومختلف چیزوں کی صنعت وحرفت کے لحاظ سے بنائے گئے تھے۔ان تعمیرات پرایک کروڑ اسی لاکھ دینار خرچ ہوا تھا جواس زمانے کے لحاظ سے بہت بڑی رقم تھی۔اس شہر کی تعمیر میں پانچ سال کی مدت لگی۔اس دوران روزانہ ایک لاکھ مزدور، کاریگر اورانجینئر کام کیا کرتے تھے۔

ابوجعفر المنصور نے بغداد کی تعمیر کے علاوہ دریائے دجلہ کے مشرقی ساحل پراپنے ولی عہد فرزند کے لیے الرصافہ نامی محل بنوایا۔اوررقہ کے بالمقابل ایک قلعہ رقیقہ نامی تیار کروایا۔بصرہ اورکوفہ کی دفاعی دیواروں کواز سرنو بنوائی۔مسجد حرام کی عمارت میں بھی توسیع کرائی۔اسی طرح مسجد خیف کی بھی توسیع کرائی۔

علمی خدمات

خلیفہ ابوجعفر منصور خود ایک بڑا عالم اور بہترین خطیب تھا۔فقہ کا ماہر تھا۔اس نے علوم وفنون کے فروغ پر خاص توجہ دی۔اس کے دور میں حدیث وتفسیر، فقہ ومغازی اور سیرت کی تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا۔اسی دور میں امام مالک نے موطا لکھی۔امام ابوحنیفہ نے فقہ مدون کی۔ان کے علاوہ ابن ابی عروبہ، حماد بن سلمہ، معمر، سفیان ثوری، ابن مبارک، ابویوسف اورابن وہب وغیرہ محدثین اور فقہا نے حدیث وفقہ کی تدوین وترتیب کی جانب توجہ کی۔علاوہ ازیں تاریخ وادب پر بھی کتابیں تصنیف کی گئیں۔

خلیفہ کوفلسفہ اورنجوم سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔چنانچہ اس نے روم سے یونانی کتابیں منگوا کر ماہرین فن سے اس کا عربی میں ترجمہ کروایا اور اپنے دربار میں علم نجوم کا ماہر نوبخت کو درباری منجم مقرر کیا اور یہی مقام اس کے بعد اس کے بیٹے ابوسہل کو دیا۔اس کے لیے نوبخت کے فرزندوں نے کواکب اوران سے متعلق متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا۔خلیفہ کا دوسرا درباری منجم ابراہیم فزاری تھا۔فزاری کواسلامی تاریخ میں سب سے پہلے اصطرلاب بنانے کا اعزاز حاصل ہے۔اس نے علم ہیئت پر متعدد کتابیں تصنیف کی۔

خلیفہ منصور کی علم دوستی کی وجہ سے کئی علما وفضلا نے مختلف علمی کارنامے انجام دیئے۔ان میں محمد بن ابراہیم نے علم ہیئت میں سنسکرت زبان کی کتاب ''سدھانت'' کا عربی میں ترجمہ کیا اوراس کی مدد سے عربی زبان میں ''سند ہند کبیر'' کی تصنیف کی۔عبداللہ ابن مقفع نے ''پنچ تنترا'' کا عربی میں ترجمہ کیا جوعربی ادب میں ''کلیلہ ودمنہ'' کے نام سے مشہور ہے۔اسی طرح منصور کے درباری طبیب جرجیس بن بختیشوع اور بطریق نے کئی طبی کتابوں کے ترجمے کیے۔

ولی عہدی

سفاح نے اپنے بعد بھائی ابوجعفر منصور اور بھتیجے عیسی بن موسی کو بالترتیب اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا۔لیکن ابوجعفر منصور نے اپنی خلافت کے گیارہویں سال یعنی 764ء میں اپنے فرزند مہدی (محمد بن عبداللہ) کو اپنا پہلا ولی عہد نامزد کردیا اور بھتیجے عیسی بن موسی کو مہدی کے بعد ولی عہد رکھا۔

وفات

158ھ مطابق 775ء میں منصور حج کو جارہا تھا کہ سفر کے دوران ہی بیمار ہوا اور بئر معونہ نامی مقام پر اس کا انتقال ہوگیا۔ مکہ میں باب معلیٰ کے قبرستان میں مدفون ہوا۔ اس کی مدت حکومت 22 سال اور چند ماہ رہی۔

عباسی خلفاء میں منصور بہت ہی باعظمت خلیفہ تھا۔ وہ بلند ہمت، دوراندیش، مدبر اور دلیر تھا۔ نازک سے نازک موقعوں پر بھی اس کے پیروں میں لغزش نہیں آئی۔ اس نے اپنی محنت و کاوش سے عباسی حکومت کو اس قدر مضبوط اور مستحکم کیا کہ اس کے زمانے کے بڑے بڑے انقلابات بھی اس پر اثر انداز نہ ہوسکے۔ اور یہ طویل عہد حکومت پانچ سو سال سے زائد عرصہ کو محیط رہا۔

وہ بہترین منتظم ہونے کے ساتھ سادہ زندگی کا عادی اور محنتی تھا۔ اس نے اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں کبھی بھی سستی سے کام نہیں لیا۔ اس کے روزانہ کا معمول تھا کہ وہ صبح سے سہ پہر تک اپنے فرائض منصبی ادا کرتا، عصر کی نماز کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتا اور عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر اپنے والیوں اور عاملوں کے خطوط پڑھتا، پھر سوجاتا۔ علی الصبح اٹھ کر مسجد میں فجر کی نماز پڑھتا۔ نماز سے فارغ ہوتا تو دربار خلافت میں جاکر اپنا کام شروع کردیتا۔ وہ صوبائی گورنروں اور دیگر ماتحتوں کی کارگزاریوں سے جاسوسوں کے ذریعے ہر وقت باخبر رہتا اور جب کسی عامل میں کوئی خرابی نظر آتی تو فوراً اسے برطرف کردیتا۔

ابو جعفر منصور بہت ہی کفایت شعار تھا۔ بیت المال کے حساب کتاب پر کڑی نگرانی رکھتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعمیری کاموں میں بے شمار دولت خرچ کرنے کے باوجود اس کی وفات کے وقت شاہی خزانہ زروجواہر سے بھرا پڑا تھا۔ جس سے حکومت کے دس سال تک تمام اخراجات پورے ہوسکتے تھے۔

2.2.2 ہارون الرشید (786-808ء)

ابو جعفر منصور کی وفات کے بعد اس کا ولی عہد فرزند محمد خلیفہ مہدی کا لقب اختیار کرکے 775ء میں تخت نشین ہوا، اور اسی لقب سے مشہور ہوا۔ مہدی (785ء-775ء) کا دس سالہ دور خوش حالی اور امن وامان کا دور ہے۔ اس لیے اس نے اپنی زیادہ تر توجہ اصلاحات اور رفاہی کاموں کی جانب لگائی۔ انتظامی محکمے کی از سر نو تنظیم کی۔ مکہ، مدینہ، یمن اور بغداد کے درمیان ڈاک کا سلسلہ قائم کیا۔ مکہ جانے والے تمام راستوں کو درست کرایا، قافلوں کے ٹھہرنے کے لیے جابجا سرائیں بنوائیں اور کنوئیں کھدوائے۔ مہدی کو نئی عمارت بنوانے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اس نے دجلہ کے کنارے ایک نیا محل تعمیر کرایا۔ بصرہ کی جامع مسجد کی توسیع کی۔ عیسی آباد میں ایک نئی ٹکسال قائم کی۔ رومی سرحد پر کئی نئے قلعے تعمیر کروائے۔ اس نے اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں کبھی غفلت نہیں برتی۔ وہ مذہب کا بڑا پابند تھا۔ وہ کسی بھی غیر شرعی حرکت کو گوارا نہیں کرتا تھا۔ انصاف اور مساوات کے اصولوں کا پابند تھا۔

مہدی کی وفات 785ء میں ہوئی۔ وفات سے قبل اس نے عیسی بن موسی کو ولی عہدی سے یکسر خارج کردیا اور اس کی جگہ اپنے دونوں فرزند موسی الہادی اور ہارون کو بالترتیب ولی عہد اول و دوم مقرر کیا۔

مہدی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا موسی بن محمد ''الہادی'' کے لقب سے 785ء میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ خلیفہ الہادی (786ء-785ء) کا عہد حکومت بہت مختصر رہا۔ مہدی کی وصیت کے مطابق ہادی کے بعد ہارون ولی عہد تھا لیکن خلیفہ ہادی نے اپنے باپ کے مانند ہی ہارون

کو ولی عہدی سے خارج کر کے اس کی جگہ اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد نامزد کرنا چاہا۔ اکثر امرا اور اکابرین نے بھی اس تجویز کی تائید کی۔ ہارون رشید پر زور ڈالا گیا تاکہ تنگ آ کر وہ ولی عہدی سے دست بردار ہو جائے۔ ہارون رشید بھی ولی عہدی سے ہٹنے پر آمادہ ہو گیا مگر اس کے اتالیق اور استاذ یحیٰ بن خالد برمکی نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اس کی وجہ سے یحیٰ برمکی کو قید میں ڈال دیا گیا۔ ابھی یہ کش مکش جاری ہی تھی کہ اسی درمیان ہادی کی ناگہانی موت ہو گئی۔ ہادی کی وفات کے بعد اس کا حقیقی بھائی ہارون بن محمد ''الرشید'' کے لقب کے ساتھ 786ء میں بائیس سال کی عمر میں مسند خلافت پر بیٹھ گیا۔ خلیفہ بننے کے بعد اپنے محسن اور خیر خواہ یحیٰ بن خالد برمکی کو منصب وزارت پر بیٹھایا۔ اپنے مسند نشینی کے پہلے سال حج کیا اور حرمین کے باشندوں پر انعام واکرام کی بارش کی۔ آل علی پر سے قید و بندش ہٹا کر ان کو مدینے میں سکونت کی اجازت دے دی۔

ہارون الرشید عہد عباسی کا ایک باوقار اور عظیم خلیفہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے دور خلافت کو عباسی عہد کا زریں دور شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا عہد علمی اور تہذیبی اعتبار سے عباسی خلافت کا بہت شاندار دور تھا۔ ذاتی طور پر وہ بہت مذہبی اور بہترین اوصاف کا حامل تھا۔ انتہائی نرم دل، فیاض اور سخی ہونے کے ساتھ ساتھ دور اندیش، مدبر، اعلیٰ درجے کا سپہ سالار اور منتظم تھا۔ وہ غریبوں کا خیر خواہ، رعایا پرور اور علم وفضل کا قدردان تھا۔

ہارون رشید کے دور میں بھی ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتیں اور شورشیں ہوئیں مگر ناکام رہیں۔ ان بغاوتوں میں سے چند اہم ترین یہ ہیں:

ہارون رشید کے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے دوسرے سال 787ء میں ایک خارجی نے موصل کے صوبے میں بغاوت کر دی۔ جس پر بڑی مشکل سے قابو پایا جا سکا۔ اسی طرح 793ء میں اسی علاقے میں عطاف نامی شخص نے بغاوت کر کے اپنی اقتدار قائم کر لیا۔ بالآخر اس بغاوت کا بھی خاتمہ کیا گیا۔ 794ء (177ھ) میں ولید بن طریف خارجی نے جزیرہ اور عراق میں علم بغاوت بلند کی اور آرمینیا اور حلوان وغیرہ کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس بغاوت کو بڑی مشکل سے ختم کیا گیا۔ 178ھ میں مصر میں قیس اور قضاعہ کے قبائل میں بغاوت پھوٹ پڑی، والی فلسطین ہرثمہ بن اعین نے مقابلہ کیا اور اسے مطیع بنایا۔

شام اور سندھ کے علاقے میں یمنی اور مضری اختلافات نے سر اٹھایا اور قبائلی جنگ بھڑک اٹھی۔ اس فتنہ پر بھی پوری طرح سے قابو پا کر امن وامان بحال کیا گیا۔

167ھ میں نفس زکیہ کے ایک بھائی یحیٰ بن عبداللہ نے شمالی ایران کے علاقے دیلم پہنچ کر اپنی امامت کا اعلان کر دیا۔ وہاں ان کے بہت سے پیرو بن گئے۔ ان سے مقابلہ کرنے کے لیے خلیفہ ہارون رشید نے فضل بن یحیٰ برمکی کو روانہ کیا۔ مگر خاندان برامکہ اہل بیت کا حامی اور ہمدرد تھا۔ اس لیے فضل برمکی نے حسن تدبیر سے کام لیتے ہوئے یحیٰ کو سمجھا کر جنگ کے بجائے صلح پر آمادہ کر لیا اور معافی وامان نامہ حاصل کرنے کے وعدہ پر انہیں بغداد لے آیا۔ ہارون رشید نے پہلے تو ان کا پرجوش استقبال کیا، بعد میں ان کو قید کر دیا۔ قید میں ہی ان کی وفات ہوئی۔

یحیٰ بن عبداللہ کے ایک بھائی ادریس خلیفہ ہادی کے زمانے میں افریقہ چلے گئے تھے۔ چنانچہ ادریس نے 172ھ میں المغرب (مراقش) میں ادریسی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

عباسی عہد میں افریقہ کا صوبہ مرکزی حکومت کے لیے کانٹوں بھرا تاج تھا۔ کیونکہ یہ علاقے مرکز سے دور تھے اس کے علاوہ نظم ونسق بھی کمزور تھی۔ بربر قبائل میں نہ تو اتحاد تھا اور نہ ہی مرکز سے وفاداری تھی۔ علاوہ ازیں ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی قسمت آزما اٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اس طرح

سے یہ علاقہ بغاوتوں اور شورسوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ چنانچہ ہارون رشید نے اہل افریقہ کی بغاوتوں کو ختم کرنے کے لیے کئی حاکموں اور امرا کو مامور کیا۔ بالآخر ابراہیم بن اغلب والی زاب نے افریقہ پہنچ کر باغیوں کو شکست دی اور امن وامان قائم کیا۔ ہارون رشید اس کی بہادری اور تدبیر سے اتنا متاثر ہوا کہ ایک معاہدہ کے ذریعے اسے افریقہ کی امارت مستقل طور پر دے دی۔ معاہدہ کے مطابق ابراہیم بن اغلب ہر سال مرکزی حکومت کو چالیس ہزار دینار سالانہ خراج ادا کرتا تھا۔ اس کے عوض اسے افریقہ کے تمام اختیارات حاصل تھے اور اس طرح سے وہ افریقہ میں خاندان بنو اغلب کی حکومت کی بنیاد پڑی اور وہ ایک آزاد وخود مختار حکمراں بن گیا۔

ہارون رشید کا ایک اہم کارنامہ رومی محاذ پر فوجی کاروائی ہے۔ شامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے خلیفہ ہارون رشید نے آرمینیہ کی جانب سے حملہ آوروں کے حملوں سے بچانے کا انتظام کیا اور ایشیائے کوچک میں رومیوں کی فوجی کاروائیوں کے خلاف اقدام کیا۔ ہارون کے عہد میں رومیوں کے ساتھ بہت سے معرکے ہوئے، کثیر رقم بطور جزیہ ادا کر کے رومی شہنشاہ نے صلح کی اور ان کی سلطنت کے متعدد علاقے مسلمانوں کے تسلط میں آ گئے۔

ہارون الرشید کا عہد حکومت تاریخ اسلام کا ایک اہم باب ہے۔ اس کے زمانے میں اسلامی مملکت علمی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی۔ بغداد کی شان وشوکت بڑھ گئی تھی، دارالخلافہ میں علم وفن کے باکمال اساتذہ اور ماہرین جمع ہو گئے تھے۔ جس کے سبب علم و ادب، صنعت وحرفت اور دیگر فنون کو بے پناہ ترقی ملی۔

ہارون رشید ایک بیدار مغز اور مدبر حکمراں تھا۔ اس نے سلطنت کے نظم ونسق میں بہت سی اصلاحات کیں، شعبوں کو از سر نو مرتب کیا اور اندرونی خامیوں کو درست کیا۔ غیر دیانتدار عمال کو معزول کر کے ان کی جگہ دیانت دار حکام کو مقرر کیا۔ اس سے قبل خراج کی وصولی میں جو زیادتیاں روا رکھی جاتی تھیں، ان کو ختم کیا اور تمام غیر شرعی ٹیکس کو منسوخ کر دیا۔ ان اصلاحات کے سبب سلطنت نہایت مضبوط ہو گئی، ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہوئی، ملک خوشحال اور رعایا فارغ البال ہو گئی۔ ہارون کو رعایا کی فلاح و بہبود کا اتنا خیال تھا کہ رات کو بھیس بدل کر بغداد کی گلی کوچوں میں گشت کرتا تاکہ رعایا کے صحیح حالات سے آگاہ ہو سکے۔

اس دور میں تجارت کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ بری اور بحری دونوں راستوں سے سامان آتا جاتا تھا۔ ہندوستان، چین، افریقہ، شام غرضیکہ مشرق ومغرب کے تمام ممالک سے تاجر خرید وفروخت کی اشیا لے کر آتے اور یہاں کے مصنوعات اور پیداوار ان ملکوں میں لے جاتے۔ حکومت کی جانب سے قافلوں کی حفاظت اور آسائش کے مکمل انتظامات تھے۔ قافلوں کی گزرگاہوں اور شاہراہوں پر ہر منزل پر سرائیں بنائی گئیں۔ پانی کے کنوئیں جگہ جگہ کھدوائے گئے اور حوض بنوائے گئے۔ خلیفہ ذاتی طور پر تجارت کو فروغ دینے میں دلچسپی لیتا اور تاجروں کی سہولتوں کا خیال رکھتا۔ جس کے نتیجہ میں بغداد اپنے عہد کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا۔

مال ودولت کی فراوانی تھی۔ صوبائی اخراجات پورا کرنے کے بعد بھی بیت المال میں ہر سال چالیس کڑور کی رقم جمع ہوتی تھی۔ بیت المال کی نگہداشت کی ذمہ داری دیانت دار افسروں کے سپرد ہوتی تھی جو آمد وخرچ پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ ہارون رشید نے محاصل کی اصلاح کے لیے مشہور عالم دین امام ابو یوسف سے خراج کے قوانین سے متعلق ایک کتاب تحریر کرائی تھی جو ''کتاب الخراج'' کے نام سے مشہور ہے۔

ہارون رشید علم وفن کا بڑا دلدادہ تھا۔ اہل علم وکمال کا بڑا قدر دان تھا۔ وہ علوم کی اشاعت اور فروغ پر بہت رقم خرچ کرتا، اہل علم وفضل کو انعام واکرام سے نوازتا اور دربار میں اپنے برابر بیٹھاتا تھا۔ ہارون کی ان فیاضیوں اور قدردانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا بھر کے اہل علم وماہرین فن بغداد

میں جمع ہو گئے۔علم کا بازار گرم ہو گیا اور دار الخلافت علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ بن گیا۔

بغداد کی مساجد،علوم کا مرکز تھیں اور اسلامی دنیا کے ممتاز ائمہ،محدثین،مفسرین،قراء اور حفاظ اس میں درس دیا کرتے تھے۔دور دراز سے طلباء حصول علم کے لیے بغداد کا رخ کرتے تھے۔

دینی علوم کے علاوہ دیگر فنون جیسے ریاضی،نجوم،طب،فلسفہ اور منطق وغیرہ کی تعلیم کا بھی بندوبست تھا۔ہارون رشید نے بیت الحکمت کے نام سے تالیف وترجمہ کا ایک ادارہ بنایا تھا۔اس میں علم وفن کے ماہرین کو بڑی بڑی تنخواہیں دے کر ملازم رکھا گیا جو ماہرین یونانی،سریانی،فارسی،سنسکرت اور دوسری زبانوں کی مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرتے تھے۔کتابیں لکھتے اور تجربات کرتے تھے۔

ہارون رشید کو شعر وادب سے بھی خوب دلچسپی تھی۔اس لیے اس نے شعراء اور دوسرے اہل فن کی سرپرستی میں بہت زیادہ فراخ دلی سے کام لیا اور انہیں بیش بہا انعام واکرام سے نوازا۔مروان بن ابی حفصہ اس کے دربار کا عظیم شاعر تھا۔اس کے علاوہ متعدد دوسرے شعرا بھی اس کے دربار سے منسلک تھے۔ہارون،موسیقی اور راگ رنگ کا بھی شائق تھا۔چنانچہ بڑے بڑے مغنی اور مشہور ومعروف موسیقی کے ماہرین اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ان کا خاص موسیقی کار ابراہیم موصلی عربی موسیقی میں یکتائے روزگار تھا۔

خاندان برامکہ

عباسی دور حکومت میں ہارون رشید کے عہد خلافت کو عہد زریں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اس دور کو عظیم الشان اور سنہرا بنانے میں ہارون کی جد وجہد اور ذاتی خصوصیات کے ساتھ ہی اس کے برمکی وزرا کا بھی اہم کردار رہا ہے۔برمکی وزرا مدبر،علم دوست،فیاض اور بلند نظر تھے۔انہوں نے اپنے شاندار کارناموں سے عباسی حکومت میں تہذیب وتمدن اور علم وفن کے لحاظ سے چار چاند لگا دیئے تھے۔اس خاندان کو ہارون کے زمانے میں خوب ترقی ملی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوا۔

خاندان برامکہ کا تعلق بلخ سے تھا جہاں ان کے جد اعلیٰ بدھ معبد نو بہار کے پجاری اور متولی تھے اور خراسانی معاشرے کی با اثر شخصیت تھے۔اس خاندان کا ایک صاحب علم،دانش مند،بلند ہمت اور بہادر فرزند خالد عباسی دعوت کی شروعات سے ہی ابومسلم کے ساتھ ہو گیا تھا اور اس کی تبلیغ میں بہت مدد کی تھی۔اس کی خدمات کے صلہ میں سفاح نے اسے منصب وزارت سے سرفراز کیا تھا۔

خالد کے فرزند یحیٰ کو خلیفہ مہدی نے ہارون الرشید کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ہارون تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد اپنے اتالیق اور مربی یحیٰ بن خالد برمکی کو جیل سے نکالا جسے خلیفہ ہادی نے جانشینی کے معاملے میں قید کر دیا تھا اور وزارت کے سب سے بڑے اور اہم عہدے پر فائز کیا۔اس کے چاروں بیٹوں۔فضل،جعفر،موسیٰ اور محمد کو اپنے محل میں رکھا اور خوب عزت واحترام سے نوازا۔برمکی خاندان کے مختلف افراد کو مختلف صوبوں کا والی مقرر کیا۔چنانچہ فضل بن یحییٰ خراسان اور شیروان کے والی رہے۔پھر انہیں ہارون رشید نے اپنے چھوٹے فرزند محمد کا اتالیق ومربی بنایا۔جعفر بن یحییٰ کو 802ء میں افریقہ کا والی مقرر کیا۔اور اپنے بڑے فرزند عبداللہ کا استاذ واتالیق بھی مقرر کیا۔بعد میں فضل اور جعفر کے بعد دیگر وزارت کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔انہوں نے اپنے فرائض کو نہایت کامیابی سے انجام دیا۔یحییٰ برمکی کے باقی دونوں فرزند موسیٰ اور محمد کو بھی اہم عہدے ملے۔اس طرح سے خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں خاندان برامکہ نے سترہ سال بڑی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی۔وہ اعلیٰ منتظم اور بڑا مدبر تھا۔برامکہ کے نظم ونسق نے لوگوں کو خوش حال بنا دیا تھا۔سلطنت مالدار اور مضبوط ہو چکی تھی۔وہ علم وفضل کے ساتھ ساتھ سخی اور فیاض بھی تھے۔بغداد میں بھی اور اپنی اپنی

ولایتوں اور علاقوں میں بھی لوگوں پر دولت کی بارش کر کے ان کی محبت وعقیدت حاصل کر لی تھی۔جس طرح سے خاندان برامکہ کو خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں عروج حاصل ہوا۔اسی عہد میں کئی اسباب کی بنا پر خاندان برامکہ کے آفتاب اقبال پر زوال آ گیا اور اس کا نام ونشان تک مٹ گیا۔

برامکہ کے زوال کے بہت سے اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ان میں سے ایک سبب یہ تھا کہ ان لوگوں نے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ان کے اختیار کا یہ عالم تھا کہ ہارون رشید کے بار بار اصرار پر بھی شاہی خزانے سے رقم لینا دشوار ہو جاتا تھا۔وہ حکومت کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے تھے۔ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔حکومت کے بڑے اور معزز عہدوں پر برامکہ نے اپنے خاندان والوں کو مقرر کر رکھا تھا۔سخاوت کی وجہ سے رعایا میں مقبول اور ہر دلعزیز بن چکے تھے۔سلاطین اور امرا ہدایا وتحائف براہ راست برامکہ کے پاس بھیجتے تھے، برامکہ کے اثر واقتدار نے ہارون کو نہ صرف مسلوب الاختیار کر دیا تھا بلکہ رعایا بھی انہی کو بادشاہ سمجھنے لگی تھی۔ان تمام باتوں نے درباریوں کو ان کا مخالف بنا دیا۔جس نے ہارون رشید کو ان کے خلاف ورغلانا شروع کر دیا۔ان کا ایک بڑا مخالف فضل بن ربیع تھا۔اس نے ہارون کے دل میں برامکہ کے خلاف نفرت پیدا کر دی۔ چنانچہ خلیفہ ہارون رشید نے کئی اسباب اور شک وشبہ کی بنا پر برامکہ کے خلاف اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔802ء میں ہارون رشید نے ایک رات جعفر برمکی کو اچانک قتل کرا دیا، اور ان کے بھائیوں فضل، محمد، موسی اور والد یحی برمکی کو قید خانے میں ڈال دیا۔ان کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔یحی اور فضل کا انتقال تو قید خانے ہی میں ہوا۔البتہ محمد اور موسی اور دوسرے برمکیوں کو بعد میں آزاد کر دیا کہ ان سے کوئی خطرہ نہ تھا۔

ولی عہدی

ہارون رشید نے امین اور مامون کو یکے بعد دیگرے خلافت کے لیے نامزد کیا۔علم وفضل کے لحاظ سے مامون کو امین پر فوقیت حاصل تھی۔ہارون چاہتا تھا کہ پہلے مامون اور اس کے بعد امین کو ولی عہد مقرر کرے۔لیکن اس نے 791ء میں اپنی چہیتی بیوی زبیدہ کے زیر اثر امین کو اپنا پہلا ولی عہد مقرر کیا۔امین ہارون کی چہیتی ملکہ زبیدہ ہاشمی کا بیٹا تھا۔سات سال بعد 798ء میں ہارون رشید نے اپنے دوسرے فرزند مامون کو اپنا دوسرا ولی عہد مقرر کیا۔جو کہ ایک ایرانی کنیز سے تھا۔اپنے تیسرے فرزند موتمن کو تیسرے ولی عہد کے طور پر نامزد کیا۔ولی عہدی کے معاملے میں مامون کے مقابلے میں امین کو فوقیت دینا ایک زبردست ناانصافی تھی۔ہارون نے مامون کی دلجوئی کے لیے خراسان کا صوبہ مستقل طور پر اسے دے دیا۔اور فوجیں، اسلحہ، خزانہ اور دیگر امتیازات شاہی بھی سپرد کیا۔موتمن کے قبضے میں جزیرۂ عراق اور شمال کے سرحدی علاقے تھے۔اس طرح مملکت تین حصوں میں بٹ گئی۔لیکن ظاہر ہے کہ ہارون کی یہ سیاسی غلطی تھی۔جس کا نتیجہ بعد میں خانہ جنگی کی شکل میں ظاہر ہوا اور امین کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خانہ جنگی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔

وفات

193ھ میں ایک خراسان کی مہم کے دوران ہارون رشید طوس کے مقام پر بیمار ہوا۔اور وہیں سینتالیس سال کی عمر میں جمادی الثانی 193ھ میں وفات پا گیا۔طوس میں ہی دفن کیا گیا۔اس نے کل 23 سال حکومت کی۔

ہارون نہایت دین دار تھا۔وہ مذہبی لوگوں کی صحبت پسند کرتا تھا، خود بڑا فاضل اور شاعر تھا۔اس کے دربار میں دنیا بھر کے علما اور فقہا موجود رہتے تھے۔مشہور فقیہ قاضی ابو یوسف اس کے دور خلافت میں قاضی القضاۃ تھے۔انہیں سے ہارون رشید نے خراج کے قانون پر مشہور کتاب الخراج لکھوائی تھی۔

ہارون رشید علماء کا بے حد احترام کرتا تھا۔اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ مشہور نابینا محدث ابومعاویہ ضریر کو اصرار کر کے اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی۔ جب ابومعاویہ ضریر ان کے گھر پہنچے تو ہارون رشید نے ان کا اتنا اکرام واحترام کیا کہ ان کے ہاتھ خود دھلائے۔ ہارون رشید ان سے حدیث بھی سنا کرتے تھے۔حدیث کی سماعت کے لیے خود مدینہ منورہ کا سفر کیا اور امام مالک سے ان کی مشہور کتاب 'موطا' کا درس لیا۔محدث سفیان ثوری، مشہور زاہد فضیل بن عیاض اور عبداللہ بن سماک جیسے بزرگ ہستیوں سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔اس طرح سے اس کی علما نوازی اور علم پروری کے بہت سے واقعات تاریخ میں درج ہیں۔

ہارون رشید بڑا فیاض اور سخی تھا۔ ہر روز اپنے خاص مال میں سے ایک ہزار درہم خیرات کرتا۔ وہ مدبر اور بہادر حکمراں تھا۔اس نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ نظم ونسق کی خامیاں دور کر کے اپنی مملکت کو مضبوط بنایا۔متعدد معرکوں میں فوج کی کمان خود سنبھالی۔اس کے زمانے میں خلافت عباسیہ علمی، تمدنی اور سیاسی ہر لحاظ سے عروج پر پہنچ گئی تھی۔

ہارون رشید نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے بہت سے کارنامے انجام دیئے۔اپنی رعایا کے حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے راتوں کو گشت کرتا تھا۔اوران کی ضروریات پوری کرتا تھا۔اس کی بیوی زبیدہ بھی خیر وخیرات میں پیش پیش رہتی تھی۔اس نے اہل مکہ کے لیے ایک نہر کھدوا کر چشمہ کا پانی حرم تک پہنچایا تھا یہ نہر زبیدہ کے نام سے مشہور ہے۔اس نے اور بھی رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیئے جن میں یتیموں، بیواؤں، حاجت مندوں اور بے کسوں کی مستقل امداد وتعاون اہم ہیں۔

انہی عظیم کارناموں کی وجہ سے ہارون رشید کے عہد کو عباسی خلافت کا شاندار اور زریں دور شمار کیا جاتا ہے۔

2.3 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- بنو عباس کی حکومت کی بنیاد اگر چہ ابوالعباس السفاح نے رکھی تھی مگر اسے مستقل اور مستحکم بنانے میں ابوجعفر منصور نے اہم کردار ادا کیا تھا، اسی بنا پر ابوجعفر منصور کو عباسی حکومت کا حقیقی بانی تصور کیا جاتا ہے۔
- خلیفہ ابوجعفر منصور نے اپنی ذکاوت، سیاسی بصیرت اور دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے عباسی حکومت کی بنیادیں اس قدر مضبوط و مستحکم کیں کہ وہ پانچ سو سال سے زائد مدت تک قائم رہیں۔
- خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد میں متعدد بغاوتیں اور شورشیں ہوئیں، اس نے ان تمام مشکلات کا سامنا کیا اور ان پر قابو پایا۔
- خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد میں تجارت اور صنعت وحرفت کی ترقی کی وجہ سے ملک کی اقتصادی حالت اچھی اور رعایا بھی بہت خوشحال ہوگئی تھی۔
- خلیفہ ابوجعفر منصور نے باقاعدہ منصوبہ کے مطابق بغداد شہر کی تعمیر کا کام 136ھ / 754ء میں شروع کروایا اور شہر تیار ہونے کے بعد دارالخلافت ہاشمیہ سے بغداد منتقل کیا۔
- خلیفہ ابوجعفر منصور خود ایک بڑا عالم اور بہترین خطیب تھا۔اس نے علوم وفنون کے فروغ پر خاص توجہ دی تھی۔
- خلیفہ ہارون الرشید کا عہد حکومت تاریخ اسلام کا ایک اہم باب ہے۔اس زمانے میں اسلامی مملکت علمی، سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے

انتہائی عروج کو پہنچ گئی تھی۔

- ہارون رشید ایک بیدار مغز اور مدبر حکمراں تھا۔اس نے سلطنت کے نظم ونسق میں بہت سی اصلاحات کیں اور شعبوں کو از سر نو مرتب کیا اور اندرونی خامیوں کو درست کیا۔
- ہارون رشید کے دور میں تجارت کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا۔
- خلیفہ ہارون رشید اہل علم وکمال کا بڑا قدر دان تھا۔وہ علوم کی اشاعت اور فروغ پر بہت رقم خرچ کرتا،اہل علم وفضل کو انعام واکرام سے نوازتا اور دربار میں اپنے برابر بیٹھاتا تھا۔ہارون کی ان فیاضیوں اور قدر دانیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا بھر کے اہل علم وماہرین فن بغداد میں جمع ہو گئے۔علم کا بازار گرم ہو گیا اور دارالخلافت علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ بن گیا تھا۔
- برمکی خاندان کے وزرا کی فیاضی،رعایا پروری،علم دوستی اور تمدن پروری نے اس عہد کو تاریخ اسلام کا درخشاں عہد بنادیا تھا۔

2.4 نمونہ امتحانی سوالات

2.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ درج ذیل میں سے کون خلیفہ ابوجعفر منصور کے دور میں وزارت کے منصب پر فائز تھا؟

(a). ابوسلمہ خلال (b). ابوایوب موریانی (c). فضل بن سہل (d). سب غلط

2۔ ہارون رشید کا اتالیق کون تھا؟

(a). فضل بن ربیع (b). یحییٰ بن خالد برمکی (c). ابومسلم خراسانی (d). جعفر برمکی

3۔ ادریسی سلطنت کا بانی کون ہے؟

(a). یحییٰ بن عبداللہ (b). ہارون رشید (c). ادریس بن عبداللہ (d). مذکورہ تمام

4۔ شہر بغداد کس نے آباد کرایا تھا؟

(a). ابوجعفر منصور (b). ابوالعباس السفاح (c). محمد بن علی (d). مامون رشید

5۔ سب سے پہلے اصطرلاب کس نے بنایا؟

(a). عبداللہ بن مقفع (b). ابراہیم فزاری (c). محمد بن علی (d). ابراہیم موصلی

6۔ ہارون رشید کا درباری شاعر کون تھا؟

(a). مروان بن ابی حفصہ (b). ابوسلمہ خلال (c). خالد بن برمک (d). سلیمان بن کثیر

7۔ ابوجعفر منصور کی مدت خلافت کیا ہے؟

(a). دس سال (b). پندرہ سال (c). بائیس سال (d). سات سال

8۔ عبداللہ بن علی کہاں کا والی تھا؟

(a). خراسان (b). شام (c). حجاز (d). آرمینیہ

9۔ ہارون رشید کے دور میں قاضی القضاۃ کون تھے؟

(a). فضیل بن عیاض (b). امام شافعی (c). امام ابو یوسف (d). امام ابوحنیفہ

10۔ ابراہیم بن اغلب کس حکومت کا بانی تھا؟

(a). ادریسی (b). اغلبی (c). عباسی (d). سب غلط

2.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ خلیفہ ابوجعفر منصور کے دور کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

2۔ شہر بغداد کی تعمیر پر روشنی ڈالیے۔

3۔ خلیفہ ابوجعفر منصور کے دور میں ہونے والی بغاوتوں کا جائزہ لیجیے۔

4۔ خلیفہ ہارون رشید کی خصوصیات بیان کیجیے۔

5۔ خلیفہ ہارون رشید کی علمی خدمات بیان کیجیے۔

2.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ خاندان برامکہ کے عروج پر اپنی معلومات تحریر کیجیے۔

2۔ خلیفہ ہارون رشید کے کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

3۔ خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد کی تمدنی کارناموں پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

2.5 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخ اسلام (حصہ دوم) : شاہ اکبر خان صاحب نجیب آبادی

2۔ تاریخ اسلام : شاہ معین الدین احمد ندوی

3۔ تاریخ الامت : اسلم جیراجپوری

4۔ تاریخ تہذیب اسلامی : محمد یٰسین مظہر صدیقی

5۔ تاریخ اسلام : محمد حمید الدین

6۔ تاریخ اسلام : سید امیر علی (اردو ترجمہ)

7۔ ہسٹری آف دی عربس : فلپ کے حتی (انگلش)

-:oOo:-

اکائی 3 : عباسی حکومت کے مشہور خلفاء (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا

3.0 تمہید
3.1 مقصد
3.2 مامون الرشید
3.2.1 عہد مامون کے داخلی احوال
3.2.2 عہد مامون کی بعض علاقائی حکومتیں
3.2.2.1 طاہری حکومت
3.2.2.2 اغلبی حکومت
3.2.3 مسئلہ خلق قرآن
3.2.4 وزارت
3.2.5 علوم کی ترقی
3.3 معتصم باللہ
3.3.1 محمد بن قاسم کا خروج
3.3.2 بابک خرمی کا خاتمہ
3.3.3 عموریہ کی فتح
3.3.4 ترکوں کا عروج اور سامرا کی آبادکاری
3.3.5 وزارت
3.3.6 مسئلہ خلق قرآن
3.4 متوکل علی اللہ
3.4.1 بطریقوں کی بغاوت

3.4.2 بجاہ کی سرکشی اور سرزنش
3.4.3 ترکوں کا زور توڑنے کی کوششیں
3.4.4 متوکل کا قتل
3.4.5 وزارت
3.5 اکتسابی نتائج
3.6 نمونہ امتحانی سوالات
3.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
3.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
3.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
3.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

3.0 تمہید

اس سے پہلے کی اکائی میں آپ نے عباسی حکومت کے ابتدائی چند اہم حکمرانوں اور ان کے عہد کا مطالعہ کیا۔ اِس اکائی میں ہم لوگ اسی حکومت کے بعض دیگر اہم حکمرانوں کے احوال سے واقف ہوں گے۔ عباسی حکمرانوں کے اس دوسرے حصہ میں مامون الرشید، معتصم باللہ اور متوکل علی اللہ تین حکمرانوں اور ان کے عہد کا تذکرہ کیا جائے، ان سے پہلے کے حالات آپ کے مطالعے میں آچکے ہیں۔

3.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد عہد عباسی کے بعض اہم حکمرانوں کے احوال پر روشنی ڈالنا ہے۔ اس کے ضمن میں آپ کے سامنے ان حکمرانوں کے داخلی، خارجی، سیاسی، مذہبی حالات، علوم کا فروغ اور وزارت وغیرہ سے متعلق معلومات فراہم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے مطالعے میں یہ بات بھی ضمنی طور پر لانا مقصود ہے کہ ان ادوار میں کن علاقائی حکومتوں نے جنم لیا اور ان کا پس منظر کیا تھا؟

3.2 مامون الرشید (833-813ء)

ہارون رشید نے اپنی وفات سے پہلے اپنے تین بیٹوں محمد الامین، عبداللہ المامون، اور قاسم المؤتمن کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین مقرر کیا تھا، اور یہ بات طے کر دیا تھا کہ بغداد، عراق اور مغرب کے علاقے امین کے زیر تسلط ہوں گے، اور ایران وخراسان کا گورنر مامون ہوگا اور حجاز و عرب اور اس کے متعلقہ علاقے موتمن کے زیر تسلط رہیں گے اور وہ ان علاقوں کے مستقل گورنر ہوں گے انہیں ان کے عہدوں سے معزول نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس بابت یہ بات واضح کردی گئی تھی کہ چونکہ بغداد امین کے تحت تھا، لہٰذا پوری مملکت کا خلیفہ محمد الامین ہوگا، اور دوسرے علاقوں کے تمام گورنر اس کے ماتحت ہوں گے، ہاں انہیں اپنی زیر تسلط علاقوں سے متعلق فیصلے لینے کی انہیں آزادی ہوگی۔ پھر امین کے بعد دوسرے جانشین خلافت کی ذمے داری سنبھالیں گے۔

ہارون رشید نے اس بات کو لکھ کر اپنے تینوں جانشینوں سے عہد لیا تھا کہ وہ اس کا پورا پاس ولحاظ رکھیں گے، اور پھر اسے خانہ کعبہ کی دیوار سے آویزاں کرادیا تھا۔ لیکن ہارون رشید کی وفات کے ساتھ ہی اختلافات اور خانہ جنگی کا آغاز ہوگیا۔ وفات سے پہلے ہارون رشید خراسانی مہم پر تھا،

اس نے اپنی وفات سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ اس کے ساتھ جو فوج، خزانہ اور مال واسباب ہیں وہ سب اس کی وفات کے بعد مامون کے ہوں گے۔ لیکن اس کی وفات کے بعد اس کے وزیر فضل بن ربیع نے اس وصیت کی خلاف ورزی کی، اور پوری فوج، خزانہ اور دیگر تمام مال واسباب دار الخلافہ بغداد بھیج دیا۔ اور امین جو بغداد میں تھا اس نے بجائے اس عمل کی اصلاح کرنے کے فضل بن ربیع کو انعام واکرام سے نوازا۔ یہ پہلا موقع تھا جب مامون کو اپنے بھائی سے بدگمانی ہوئی، لیکن وہ اپنی بدگمانی کو چھپا تا رہا، اور امین کو اپنی اطاعت کا یقین دلاتا رہا، اور ساتھ ہی اپنی طاقت مضبوط کرنے کی کوششیں بھی کرتا رہا۔ اس کے بعد ان دونوں بھائیوں کے گرد وپیش جو افراد موجود تھے انہوں نے بھی ان دونوں کے درمیان کی دوری کو بڑھانے اور اختلافات کو ہوا دینے کا کام کیا۔

دراصل مامون کی ماں 'مراجل' ایک باندی اور ایرانی النسل تھی، اور اس کا سب سے قریبی مشیر فضل بن سہل بھی ایرانی تھا، اس کے علاوہ اس کا اتالیق جعفر برمکی بھی ایرانی تھا۔ جبکہ امین ہاشمی النسل تھا، اس کی ماں ملکہ زبیدہ ہاشمی تھی، اور تقریباً پورا عرب اس کا حامی تھا۔ لہٰذا دونوں علاقائی اور نسلی اعتبار سے دو گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ اسی کے نتیجے میں ماں ملکہ زبیدہ اور وزیر فضل بن ربیع کے دباؤ میں امین نے اپنے دونوں بھائیوں کو ولی عہدی سے ہٹا کر اپنے بیٹے موسیٰ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا، اور مامون کے پاس اپنے دو پیغامبر بھیجے کہ وہ ولی عہدی سے خود کو معزول کر کے امین کے بیٹے موسیٰ کی تقرری کو تسلیم کر لے لیکن مامون نے اس سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد امین نے مامون سے خراسان کے بعض علاقوں سے دست بردار ہو جانے کا بھی مطالبہ کیا، لیکن اس نے اس سے بھی منع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں امین نے خطبوں میں بطور ولی عہد اس کا نام لینے سے منع کر دیا، مامون نے بھی خراسان کے علاقوں میں خطبہ سے اس کا نام نکلوا دیا۔ پھر امین نے یہ بڑا اقدام کیا کہ ہارون رشید نے ولی عہدی سے متعلق جو دستاویز خانہ کعبہ کی دیوار سے آویزاں کرایا تھا اسے منگا کر پھاڑ ڈالا۔ ان مختلف النوع وجوہات کی بناء پر امین و مامون کے درمیان دشمنی ہو گی اور ان میں جنگوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا، جن میں امین شکست پر شکستیں کھاتا رہا، اور بالآخر اس کے قتل اور پوری مملکت پر مامون کے قبضہ کے ساتھ یہ سلسلہ تھما۔

3.2.1 عہد مامون کے داخلی احوال

امین کے مقتول ہونے کے بعد مامون پوری مملکت کا تنہا خلیفہ 198ھ مطابق 813ء میں ہوا۔ امین و مامون کے درمیان کی جنگوں سے جب عالم اسلام نے اطمینان حاصل کیا تو داخلی بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کی مختصر روداد یہ ہے کہ چونکہ مامون کے حامیوں کی اکثریت خراسان میں تھی، اور وہیں سے اس نے امین کے خلاف جنگوں میں جیت حاصل کی تھی۔ اس لیے وہ امین کے خلاف جنگوں کے خاتمے کے بعد بھی مرو (خراسان) ہی میں مقیم رہا، اور اسے اپنا دار الخلافہ بنائے رہا۔ یہاں اس کا سب سے قابل اعتماد مشیر اور وزیر فضل بن سہل نے حکومت وسیاست کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے لی اور مامون کی حیثیت گویا ایک کٹھ پتلی کی ہو کر رہ گئی، اور مامون جیسا دور اندیش شخص بھی اسے محسوس نہ کر سکا۔ چنانچہ وہ مامون کے پاس صرف انہیں فیصلوں، انتظامات اور اطلاعات پر گفتگو کرتا تھا جنہیں وہ اپنے حق میں فائدہ مند سمجھتا تھا۔ مامون کے دربار میں اس کے عمل دخل کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی شخص مامون سے ملاقات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگوں میں خاص طور پر بنو عباس میں یہ رجحان عام ہونے لگا کہ فضل بن سہل خلافت کو بنو عباس سے علویوں میں منتقل کر دینا چاہتا ہے۔ لوگوں کے اس خیال اور رجحان کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مامون نے شیعی امام 'امام علی رضا' سے اپنی بیٹی کی شادی کر کے انہیں اپنے بعد خلافت کا ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔ پھر اس بات کا اعلان پوری مملکت میں کرا دیا، ساتھ ہی سیاہ لباس جو بنو عباس کا شعار اور شناختی لباس تھا کو چھوڑ کر سبز لباس جو علویوں کا شعار تھا پہننا شروع کر دیا، جس کی تقلید اہل دربار اور امراء وحکام نے بھی کی۔ اس بے چینی اور اضطراب کی کیفیت میں بہت سے علاقوں میں بغاوتیں شروع ہو گئیں، بعض لوگوں نے خلافت کا دعویٰ بھی کر دیا۔ اس موقع پر جو بغاوتیں ہوئیں، یا شیعہ حضرات کے جن نمائندوں نے اس موقعے پر خلافت کا دعویٰ کیا، اگر انہوں نے ذرا دور اندیشی اور

منصوبہ بندی سے انتظامی احوال کوسنبھالا ہوتا اور اپنی حکومت کی بنیادوں کومضبوط کرنی کی کوشش کی ہوتی تو قوی امید تھی کہ ان کی حکومت قائم ہو جاتی۔

جن مختلف علاقوں میں بغاوتیں ہوئیں ان کا آغاز سادات کرام میں سے ایک شخص ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم جو ابن طباطبا کے لقب سے مشہور تھا کے دعویٔ خلافت سے ہوتا ہے۔ پھر بعد میں اس کی حمایت میں ایک پیشہ ورڈاکو سری بن منصور اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ ابوالسرایا کے نام سے مشہور تھا۔ ان کی اجتماعی کوششوں سے کوفہ، بصرہ، یمن اور مکہ مکرمہ کے علاقوں پر قبضہ حاصل ہو گیا۔ ابتداءاً ابوالسرایا ابن طباطبا کا دست وبازو بنا رہا، لیکن رفتہ رفتہ یہ خودسر ہوتا گیا اور مقبوضہ علاقوں میں وہ خود اور اس کے مقرر کردہ گورنروں نے سخت قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد کا بازار گرم کیا۔ جو ابن طباطبا کی زندگی میں تو قدرے غنیمت رہا، لیکن اس کے بعد تو گویا اسے کھلی آزادی مل گئی۔ بالآخر ہرثمہ بن اعین نے اسے کوفہ سے نکال کر اس کی طاقت توڑی اور پھر حسن بن علی مامونی نے مقام جلولا میں اسے قتل کر قصہ تمام کیا۔

مختلف علاقوں میں ابوالسرایا کی جانب سے جو گورنر مقرر تھے ان میں حسین بن حسن ہے جو حسین افطس کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس نے مکہ مکرمہ کا خزانہ لوٹ لیا تھا، عباسیوں کے مال واسباب اور گھروں کولوٹ کر ویران کر دیا، خانہ کعبہ کی دیواروں اور ستونوں کے آراستہ کرنے کے لیے جو قیمتی زیورات اور سونا چاندی جڑے ہوئے تھے ان سب کو اتار لیا۔ پھر بصرہ میں زید بن موسیٰ کا رویہ بھی اس سے ملتا جلتا رہا۔ اس نے بنوعباس اور ان کے حامیان کے اکثر گھروں کو جلا دیا، جس کی وجہ سے اسے زید النار کے نام (سے) جانا جانے لگا۔ ان کی جانب سے یمن کا گورنر ابراہیم بن موسیٰ تھا، اس نے بے شمار لوگوں کو قتل کیا، بہتوں کو غلام اور باندی بنالیا۔ چنانچہ اسے ابراہیم قصاب کہا جانے لگا۔ ان تمام فتنوں کو بھی ہرثمہ کی مختلف فوجی ٹکڑیوں نے انجام کو پہنچایا۔

ان فتنوں کے خاتمے پر امام علی رضا نے یہ بڑا کام کیا کہ پوری عباسی مملکت کے صحیح حالات سے مامون کو آگاہ کر دیا، جس کی پہلی کوشش ہرثمہ بن اعین کر چکا تھا اور بالآخر وہ مامون کی غلط فہمی کا شکار ہو کر مارا گیا تھا۔ اس کی تصدیق بعض دیگر امراء اور عہدے داران نے بھی کر دی۔ اس کے بعد گویا مامون کی آنکھ کھلی اور اس نے مرو سے بغداد اپنا دارالخلافہ منتقل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے علم میں یہ بات بھی لائی گئی کہ بنوعباس نے بغداد میں اس کی خلافت کی بیعت فسخ کر دی ہے اور انہوں نے اس کے بجائے ابراہیم بن مہدی کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا ہے۔

بغداد کے اسی سفر کے دوران مامون کا مشیر ووزیر فضل بن سہل سرخس کے مقام پر موت ہو گئی۔ اور مامون کے منتخب کردہ حکومت کے ولی عہد امام علی رضا کا مقام طوس میں 203ھ مطابق 818ء میں انتقال ہو گیا جس سے گھر، خاندان یا علاقائیت پر مبنی تمام طرح کے فتنہ وفساد کا خاتمہ ہو گیا اور مامون کا بغداد میں بڑے ہی جوش وخروش کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ مامون کے بغداد آجانے سے ابراہیم بن مہدی کی خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ یہ 204ھ مطابق 819ء کا واقعہ ہے۔

گو کہ مامون کے بغداد آجانے سے خانہ جنگیوں کا سلسلہ تھم گیا، لیکن اس کے باوجود مملکت عباسیہ میں وقفے وقفے سے بغاوتیں ہوتی رہیں جن کو مامون فرو کرتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ لیکن ان سے بڑھ کر اس دور میں علوم وفنون کا بھرپور فروغ ہوا۔ ان سے متعلق مستقل اکائیوں کا مطالعہ آپ لوگ آئندہ کریں گے، البتہ اجمالی طور پر اس اکائی میں بھی آپ اس کا مطالعہ آئندہ سطروں میں کریں گے۔

3.2.2 عہد مامون کی بعض علاقائی حکومتیں

ہارون رشید کے دور میں ابراہیم بن اغلب کا نام ہمیں ملتا ہے، جسے ہارون رشید نے افریقہ کے بغاوتوں کے خاتمہ کے لیے بھیجا تھا، پھر بعد میں اسے مستقل طور پر وہاں کا گورنر مقرر کر دیا تھا، اور پھر اس کی اولاد وہاں کی گورنری پر فائز ہوتی رہی تھی، جس نے بعد میں باقاعدہ ایک چھوٹی حکومت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اسی طریقے سے مامون کے دور میں بھی بعض علاقوں کے گورنروں کی اولاد میں نسلاً بعد نسل یہ سلسلہ رہا اور ان کی حکمرانی وہاں قائم رہی۔

3.2.2.1 طاہری حکومت(872-820ء)

امین و مامون کی باہمی جنگوں میں طاہر بن حسین نے بطور سپہ سالار مامون کی جانب سے سب سے اہم رول ادا کیا تھا۔ الجبال، فارس، اہواز، بصرہ، کوفہ، یمن وغیرہ کے علاقے اسی کے ہاتھوں فتح ہوئے تھے۔ لیکن ابتداءً جب مامون مسند خلافت پر متمکن ہوا تو اسے محض جزیرہ موصل اور شام کا گورنر بنایا گیا تھا۔ جس سے وہ بظاہر ناخوش تھا، کیونکہ اسے امید تھی کہ اس کے ہاتھوں فتح ہونے والے تمام علاقوں کا گورنر اسے ہی بنایا جائے گا۔ ظاہر ہے یہ اس کے کارہائے نمایاں کا مناسب صلہ تھا بھی نہیں۔ تاہم یہ ضرور تھا کہ یہ تقرریاں فضل بن سہل کے ذریعے انجام پائی تھیں، لہٰذا مامون کی جانب سے وہ بدگمان نہیں تھا۔ مامون نے جب اپنا دارالخلافہ بغداد منتقل کیا تو اس نے طاہر بن حسین کو پورے مشرقی علاقے یعنی بغداد سے سندھ تک کا والی اور گورنر مقرر کر دیا۔ یہاں سے گویا طاہری حکومت کا آغاز ہوا۔ طاہر کی وفات کے بعد اس کا لڑکا طلحہ گورنری پر فائز ہوا۔ اس کے بعد یہاں کی گورنری موروثی طور پر اس کے خاندان میں باقی رہی، اور وہ آزادانہ طور پر وہاں کے فیصلے کرتے رہے۔ البتہ ان لوگوں نے یہ پابندی کی کہ اپنے خطبوں میں عباسی خلفاء کا نام باقی رکھا، اور انہیں خراج اور ہدایا و تحائف بھیجتے رہے۔

3.2.2.2 اغلبی حکومت(909-800ء)

ہارون رشید نے اپنے عہد خلافت میں ابراہیم بن اغلب کو شمالی افریقہ کے علاقے میں گورنر بنایا تھا، جیسا کے اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ اس حکومت کا مرکز قیروان تھا، جسے اموی دور میں عقبہ بن نافع نے بسایا تھا۔ یہ حکومت عباسی خلافت کو خراج ادا کیا کرتی تھی۔ ابراہیم بن اغلب کی وفات کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ بن ابراہیم وہاں کا گورنر ہو گیا تھا جو مامون کے زمانہ میں 816ء تک باقی رہا۔ اس کے بعد اس کا بھائی زیادۃ اللہ بن ابراہیم گورنری کے منصب پر فائز ہو گیا تھا، اسی کے عہد میں جزیرہ صقلیہ 827ء میں فتح ہوا تھا۔ یہاں پہلے رومیوں کی حکومت تھی۔ چونکہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو اکثر جان و مال کا بھاری نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ لہٰذا اس کو فتح کرنے کی کوششیں اموی دور سے ہی شروع ہو گئی تھیں۔

3.2.3 مسئلہ خلق قرآن

مسئلہ خلق قرآن مامون کے دور کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ منصور کے دور سے علوم عقلیہ کو عربی میں منتقل کیے جانے کا سلسلہ بڑے پیمانہ پر شروع ہو گیا تھا، جو مامون کے دور میں اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ مامون خود صاحب علم تھا اور علوم عقلیہ بالخصوص فلسفہ کا وہ دلدادہ تھا، ساتھ ہی اس کے ندیم و مصاحب میں مذہب اعتزال کے حاملین کی ایک بڑی تعداد تھی، جن کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالی کی صفات اللہ کی ذات کی طرح قدیم نہیں ہیں اور نہ ہی اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، مثلاً اللہ کا موت وحیات پر قادر ہونا، اللہ کا سننا، دیکھنا، جاننا وغیرہ صفات اللہ کی طرح قدیم نہیں ہیں، ورنہ یہ بات لازم آئے گی کہ اللہ کی طرح اور بھی دوسری چیزیں ہیں جو ازل سے قائم ہیں۔ اس کے برعکس اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کی یہ صفات عین ذات نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، لہٰذا یہ بات لازم نہیں آتی کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی اور بھی ازل سے قائم ہے۔ اسی بنیاد پر یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ قرآن کریم جو اللہ کا کلام ہے یہ اللہ کی مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ علمائے اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ چونکہ کلام کرنا اللہ کی صفت ہے لہٰذا کلام اللہ یعنی ''قرآن کریم'' قدیم اور غیر مخلوق ہے، جبکہ معتزلہ کے مطابق قرآن کریم اللہ کی صفت نہیں بلکہ مخلوق ہے، کیونکہ جب اللہ اسے اپنے نبی پر اتارنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے الفاظ اور جملے وغیرہ اس نبی کے جسم میں پیدا فرما دیتے ہیں، جو کہ بہر حال حادث ہوتا ہے۔ لہٰذا قرآن کریم بھی حادث اور مخلوق ہے۔ ابھی یہ مسئلہ مامون کے دربار میں زیر بحث ہی تھا کہ مامون معتزلہ کا ہم خیال ہو گیا اور لوگوں کو مجبور کرنے لگا، خاص طور پر علمائے کرام اور ائمہ حدیث اس کی سختیوں کے نشانہ بنے کہ وہ قرآن کریم کو اللہ کا مخلوق مان لیں کہ اگر وہ مان لیں تو عوام بھی بہ آسانی اس بات کی قائل ہو جائے گی۔ خلافت وحکومت کے آخری دنوں میں اسے رومی محاذ پر جانا پڑا، وہ وہاں سے بھی بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم سے خط

وکتابت کے ذریعے اس مسئلے کی خبر گیری کرتا رہا، اور بالآخر حکومت کی سختیوں اور آزمائشوں سے مجبور ہوکر سبھی علماء وائمہ نے قرآن کے مخلوق ہونے کی بات تقیہ کرتے ہوئے مان لی، سوائے دو افراد کے، ایک امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے محمد بن نوح۔ مامون نے ان دونوں اشخاص کو مقید کرکے اپنے پاس بھیجنے کا حکم دیا، لیکن ابھی یہ راستہ ہی میں تھے کہ مامون کے انتقال ہونے کی خبر آ گئی، جس کی وجہ سے وقتی طور پر یہ مسئلہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔ یہ 833ء کا واقعہ ہے۔

3.2.4 وزارت

مامون رشید کا پہلا وزیر 'فضل بن سہل' تھا۔ یہ فارس کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا خاندان پہلے مجوسی تھا، اس کے باپ سہل نے ہارون رشید کے عہد میں اسلام قبول کیا تھا۔ فضل کو علم نجوم میں ید طولیٰ حاصل تھا، اس کے علاوہ اسے سیاسی معاملات اور آداب سلاطین میں بھی بڑی مہارت تھی۔ زبان وبیان کے اعتبار سے بڑا فصیح وبلیغ تھا۔ ہارون رشید نے اس کی قابلیت کو دیکھ کر اسے مامون رشید کا کاتب مقرر کیا تھا۔ اس وقت سے وہ مسلسل مامون کے ساتھ رہا۔ پھر امین ومامون کے آپسی جھگڑوں میں بھی اسی کے حسن تدبیر سے مامون کو امین پر فتح حاصل ہوئی، اور پھر جب وہ پوری مملکت کا خلیفہ ہوا تو اسے وزارت عظمیٰ پر فائز کر دیا۔ ساتھ ہی چونکہ اسے قلم اور تلوار دونوں میں یکساں مہارت حاصل تھی اسے 'ذو الریاستین' کا لقب بھی دیا۔ لیکن اپنی خودسری اور استبداد کی وجہ سے مامون کی نظروں میں اس کی یہ وقعت باقی نہ رہ سکی اور وہ جلد ہی اپنے انجام کو پہنچا۔

فضل بن سہل کے بعد اس کا بھائی 'حسن بن سہل' اس کا قائم مقام ہوا۔ یہ فضل بن سہل کے اوصاف وکمالات کا وارث تھا، البتہ اس کی طرح عالی دماغ نہ تھا، تاہم سخاوت وفیاضی میں یہ فضل سے بڑھا ہوا تھا۔ اسے اپنے بھائی کی وفات کا بڑا سخت صدمہ تھا، جس کی وجہ سے جلد ہی اس نے اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا اور اسی حال میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

حسن کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے مامون نے اس کی زندگی ہی میں تیسرے وزیر کے طور پر 'ابواحمد بن ابی خالد الاحول' کو منتخب کیا تھا۔ یہ ایک شامی غلام تھا۔ زبان وبیان اور انشاء پردازی میں اسے بڑا اعلیٰ مقام حاصل تھا، چنانچہ یہ پہلے حسن بن سہل کے وزارت کے زمانے میں اس کا کاتب تھا۔ ساتھ ہی یہ بڑا سیاست داں اور عالی دماغ بھی تھا۔ یہ خلیفہ اور رعایا دونوں کا یکساں خیر خواہ تھا۔ اس نے وزارت کی ذمے داریوں کا بڑے خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کے اندر صرف ایک برائی تھی، وہ کھانے کا بڑا حریص تھا، چنانچہ مامون نے اُس کی اِس حرص کو دور کرنے کے لیے محض اس کے باورچی خانے کے لیے ایک ہزار درہم روزینہ مقرر کر دیا تھا۔ جب اس کی وفات ہوئی تو مامون خود اس کے جنازہ میں شریک ہوا، اس کے لیے دعائیں کیں، اور تدفین کے بعد اس کی خوب تعریفیں کیں۔

چوتھا وزیر 'احمد بن یوسف' بنا۔ وزارت سے پہلے کاتب تھا، اور نہایت ہی نفیس خط تحریر کیا کرتا تھا۔ بڑا علم وفضل والا اور امور جہانداری کا واقف کار تھا۔ مامون کو اس پر بڑا اعتماد تھا۔ لیکن جلد ہی اسے کسی غلط فہمی یا احمد بن یوسف کی کسی غلطی کی وجہ سے وزارت کے عہدے سے برخاست کر دیا گیا۔ پانچواں وزیر 'ابوعباد ثابت بن یحییٰ بن یسار رازی' ہوا۔ یہ ایک بہترین کاتب ہونے کے ساتھ ساتھ ریاضیات کا ماہر بھی تھا، لیکن ساتھ ہی تند مزاج اور بہت جلد غصہ ہو جانے والا شخص تھا۔ غصہ کی حالت میں قابو میں نہیں رہتا تھا، بسا اوقات اپنے کاتبوں کو گالیاں بھی دیتا اور ان کے منہ پر سیاہیاں بھی پھینک دیتا تھا۔ چھٹا اور مامون کے دور کا آخری وزیر 'ابوعبداللہ محمد بن یزداد' تھا۔ یہ خراسان کا رہنے والا تھا۔ اس کے خاندان میں سے اس کے دادا سوید نے اسلام قبول کیا تھا۔ ابوعبداللہ محمد تحریر وکتاب میں بڑا ماہر تھا، خاص طور پر فارسی میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس کے ساتھ ہی ریاضیات کا بھی وہ بڑا واقف کار تھا۔

3.2.5 علوم کی ترقی

مامون بڑا صاحب علم، علوم پرور اور علماء نواز تھا۔ اس کی خود اپنی تعلیم و تربیت ایسی ہوئی تھی کہ شعر و ادب پر اس کی بڑی گہری نگاہ تھی، تفسیر و حدیث اور فقہ و فرائض کے احکام و مسائل پر بھی تبحر حاصل تھی، بلکہ بڑی تعداد میں محدثین نے مثلاً بیہقی، حاکم، ابن عساکر اور خطیب وغیرہ نے اس سے روایتیں نقل کی ہیں۔ علم ہیئت، نجوم، ریاضیات بالخصوص فلسفہ کا تو وہ گرویدہ تھا۔

علوم کے اسی شوق کے نتیجے میں اس نے مختلف علوم و فنون اور مختلف زبانوں کی بے شمار کتابیں ترجمہ کرائیں۔ لوگوں کو انہیں پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے کا شوق دلایا۔ وہ اصحاب علم و فضل کو اپنے دربار میں عزت کا مقام عطا کرتا، ان کے ساتھ علمی مجلسیں آراستہ کرتا، اور ان کے علمی مباحث اور نکتہ آفرینیوں سے لطف اندوز ہوتا، انہیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرتا، مترجمین کو ان کی ترجمہ کی گئی کتاب کے ہم وزن سونا تول کر بطور انعام دیتا۔ ان مختلف النوع وجوہات کی بناء پر اس وقت بغداد علوم وفنون کا گہوارہ بن گیا تھا۔ علوم و فنون کے حصول میں لوگوں کے درمیان مقابلے ہونے لگے تھے۔ بیت الحکمت نے اس سلسلہ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ بہت مختصر مدت میں مختلف علاقوں کے ماہرین علوم بغداد میں جمع ہوگئے، جن میں نسطوری، یعقوبی، صابی، مجوسی رومی، براہمہ سب تھے۔ یہ لوگ یونانی، فارسی، سریانی، سنسکرت، نبطی، لاطینی اور دیگر زبانوں کی کتابوں کا ترجمہ کرتے تھے۔

مامون نے اس سے آگے بڑھ کر یہ کیا کہ مختلف علاقوں میں بند کتابوں کو منگانا شروع کیا، بسا اوقات اس نے اس کام کے لیے ہدایا و تحائف بھی بھیجے اور کبھی مال بھی خرچ کیا، مثلاً اس نے شاہ روم کو خط لکھ کر اس سے فلسفہ کی کتابیں طلب کیں۔ چنانچہ شاہ روم نے مامون کی اس طلب پر پانچ اونٹوں میں کتابیں لاد کر بھیج دی، جن میں ارسطو، بقراط، ارسطا طالیس، اقلیدس جالینوس، بطلیموس اور دیگر فلاسفہ کی کتابیں شامل تھیں۔ مامون نے ان تمام کتابوں کو ماہر مترجمین کے حوالے کیا اور ان کے ترجمہ اور تصحیح پر کام کرایا۔ اسی طریقے سے آرمینیہ، مصر، شام، سپرس اور دیگر مقامات سے لاکھوں روپیہ خرچ کر کے ماہرین علوم اور مترجمین کو بلایا۔ قسطا بن لوقا فلسفی کو روم سے بلا کر بیت الحکمت میں ترجمہ پر مقرر کیا گیا، سہل بن ہارون جو ایک حکیم اور فارسی زبان کا ماہر تھا، اسے بلا کر مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمہ پر لگایا گیا۔

اس دور میں جن لوگوں نے نمایاں خدمات انجام دیں ان میں یعقوب الکندی ہے، جسے فیلسوف العرب کا لقب ملا ہوا تھا، بیت الحکمت کا مہتمم اور اس کے مشہور مترجمین میں سے تھا، اسے ارسطو کے ہم پلہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس نے تقریباً 282 کتابوں کا ترجمہ، تصنیف اور تالیف کی تھی۔ شاہ روم کے پاس سے جب کتابیں آئیں تو مامون نے اسے ارسطو کی کتابوں کے ترجمے پر مامور کیا تھا۔ حنین بن اسحاق بڑا ہی نامور مترجم تھا، اس نے جالینوس کی 121 کتابوں کا ترجمہ کیا تھا۔ حنین کے لڑکا اسحاق کو بھی فلسفہ میں کمال حاصل تھا، اس نے ارسطو کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا تھا۔ ابوعبداللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی کو جبر و مقابلہ اور ریاضیات کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس نے مامون کی خواہش پر علم جبر و مقابلہ پر ایک کتاب لکھی تھی۔ بنوموسیٰ کے نام سے مشہور تین بھائی محمد، احمد اور حسن فنون حکمت، ہیئت الافلاک اور ریاضیات کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے محض اپنی ذاتی شوق کی بنیاد پر یونانی مخطوطات کی فراہمی اور ان کے عربی ترجمہ میں بڑا مال خرچ کیا۔ مامون الرشید نے ان سے زمین کی پیائش بھی کرائی تھی۔ ابوحفص عمر بن الفرخان الطبری، علم ہیئت اور فن تعمیر کا ماہر تھا، اس نے فارسی سے عربی میں کتابوں کے ترجمے کیے، علم تنجیم و نجوم اور فلسفہ کے موضوعات پر کئی کتابیں اور مقالات بھی لکھے تھے۔ مامون کے زمانہ ہی میں سب سے پہلے رصدگاہ کی تعمیر ہوئی، چنانچہ 829ء میں پہلی رصدگاہ کی بنیاد شماسیہ میں رکھی گئی تھی، اس کے مہتمم یحیٰ بن ابی المنصور، خالد بن عبدالملک مروزی، سند بن علی، عباس بن سعید جوہری کو مقرر کیا گیا تھا۔ جہاں سے فلکیات، سیارات، آفتاب کے میل مقدار اور دیگر مشاہدات انجام دیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مامون نے بغداد میں بھی رصدگاہ بنوایا تھا جس کا مہتمم ثابت بن قرہ حرانی تھا۔ باب الطاق میں بھی ایک رصدگاہ قائم کیا گیا تھا جو بنوموسیٰ (احمد، محمد، حسین) کے زیر نگرانی تھا۔

ان کے علاوہ جن لوگوں نے اس عہد میں گراں قدر خدمات انجام دیں ان کی فہرست کافی طویل ہے، البتہ جو مشہور ہیں ان میں قسطا بن لوقا بعلبکی، ابوحسان سلمان، سہل بن ہارون، ابوجعفر یحییٰ بن عدی، علی بن العباس بن احمد جوہری اور یوحنا بن ماسویہ ابن بطریق وغیرہ اہم مترجمین میں سے تھے۔ یہ لوگ بیت الحکمت کے مختلف انتظامی امور سے بھی جڑے ہوئے تھے۔ سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن معین، امام شافعی، محمد بن سعد کاتب واقدی، یحییٰ بن سعید القطان، یونس بن بکیر، ابومطیع بلخی، معروف کرخی، ابن علیہ، اسحاق بن فرات قاضی مصر، حسن بن زیاد، اسحاق بن بشر، ابوعمر الشیبانی لغوی، حماد بن اسامۃ، ابوداؤد الطیالسی، قتیبہ بن مہران، امام واقدی، علی بن نوح العجلی اور علی بن مقاتل وغیرہ مذہبی امور میں مرجع خلائق تھے۔ اور صریع الغوانی، ابراہیم موصلی، اصمعی بصری، ابوحفصہ، ابوعمر الشیبانی، فراء نحوی، نضر بن شمیل، یزیدی لغوی، ثعلب نحوی، اخفش نحوی اور قطرب نحوی وغیرہ اس عہد کے مشہور شعراء وادباء میں سے تھے۔

3.3 معتصم باللہ (841-833ء)

مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ خلافت کا وارث ہوا۔ مامون کی طرح اس کی ماں 'ماردہ' یا 'باردہ' بھی ایک باندی تھی۔ اس کا اصل نام 'ابواسحاق محمد' تھا۔ اسے بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا بالکل شوق نہ تھا۔ ہارون رشید اسے بہت عزیز رکھتا تھا، اس نے اس کی تعلیم کے لیے ایک عالم وفاضل غلام اس کے ساتھ مستقل طور پر لگا دیا تھا، تاکہ جب بھی موقع ملے وہ اسے علمی چیزیں بتاتے رہے، لیکن اس کے باوجود وہ زیادہ کچھ پڑھ لکھ نہ سکا۔ ہاں البتہ اس نے ہارون رشید اور مامون رشید کے عہد کی علمی مجلسوں اور ان ادوار میں علم کی گرم بازاریوں کا خوب مشاہدہ کیا تھا۔ تاہم وہ ایک منجھا ہوا جرنیل تھا، اسے جنگ کے میدانوں میں وقت گزارنا بہت عزیز تھا۔ وہ حکومت وسیاست کے معاملات سے بخوبی واقف تھا، ساتھ ہی وہ بڑا مستقل مزاج، عدل وانصاف قائم کرنے والا، اور حلیم وکریم بھی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مامون نے خلافت کے لیے اپنے بیٹے پر بھائی معتصم کو ترجیح دی تھی اور اسے خلیفہ کے لیے منتخب کیا تھا، جسے بیٹے 'عباس' نے بھی کھلے دل سے قبول کرتے ہوئے چچا کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ معتصم نے کل آٹھ سال حکومت کی، لیکن اس دوران اس نے اندرونی وبیرونی تمام طرح کی بغاوتوں اور شورشوں کا خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا۔

3.3.1 محمد بن قاسم کا خروج

معتصم کے عہد میں شیعوں کے دو امام ہوئے۔ پہلے امام محمد جواد تھے، جن کا نکاح مامون کی بیٹی ام الفضل سے ہوا تھا۔ 25 سال کی عمر میں جب ان کا انتقال ہوا تو بیوی ام الفضل اپنے چچا معتصم کے پاس چلی گئی تھی۔ یہ شیعہ امامیہ جماعت کے نویں امام تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان لوگوں نے امام جواد کے بیٹے ابوالحسن علی ہادی کو جو اگرچہ عمر میں بہت چھوٹے محض سات سال کے تھے اپنا امام بنا لیا تھا۔

دوسرے امام محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی زین العابدین بن حسین تھے۔ یہ بہت ہی عابد وزاہد اور نیک شخص تھے۔ زیادہ تر اوقات عبادت وریاضت میں گذارتے تھے۔ ان کو شیعوں کے زیدیہ جماعت نے اپنا امام بنایا تھا۔ ایک خراسانی شخص نے ان کی نیکوکاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ ہی امامت (خلافت) کے مستحق ہیں، لہٰذا انہیں خروج کرنا چاہئے۔ چنانچہ حج کے ایام میں پہلے اس نے خراسانی حاجیوں کو لاکر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرایا، بعد ازاں جب کچھ تعداد بڑی ہوگئی، تو خراسان کے مقام جوزجان اور طالقان چلے گئے، اور خاموشی سے لوگوں میں اپنی دعوت عام کرنے لگے، پھر متبعین کی تعداد میں جب متعدبہ اضافہ ہوا تو علی الاعلان اپنا دعوت لوگوں تک پہنچانے لگے۔ اس کی خبر والی خراسان عبداللہ بن طاہر تک بھی پہنچی، جس نے اس کی روک تھام کی کوششیں کیں۔ نتیجتاً ان دونوں میں کئی لڑائیاں ہوئیں، ان تمام میں امام محمد بن قاسم کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ بالآخر انہیں گرفتار کر کے معتصم کے دربار میں 834ء میں پیش کیا گیا، معتصم نے انہیں قید میں ڈلوا دیا۔ امام محمد

عید کے موقع پر قید خانہ سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن اس کے بعد ان کی کوئی خبر کسی کو نہیں ملی۔ زیدیوں کے مطابق یہ امام مہدی ہیں جو غائب ہو گئے ہیں۔ قیامت کے قریب جب دنیا میں برائی عام ہو جائے گی تو اس وقت ان کا دوبارہ ظہور ہوگا۔

3.3.2 بابک خرمی کا خاتمہ

یہ ایران کے مذہب 'مزدکی' سے متعلق ایک تحریک تھی، جو 'خرمی' کے نام سے مشہور تھی۔ اس مذہب کا بنیادی عقیدہ تناسخ کا تھا، یعنی روح کا ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے جسم میں داخل ہو جانا۔ اس مذہب کے مطابق جنسی تمتع کی بھی اجازت تھی۔ اس مذہبی تحریک کو سب سے پہلے 'جاویدان' نامی ایک مجوسی شخص لے کر اٹھا تھا، اس کے بعد مامون کے عہد میں 'بابک خرمی' نامی شخص نے اس تحریک کو آگے بڑھایا، جس کا یہ دعویٰ تھا کہ تناسخ کے عقیدے کے مطابق جاویدان کی روح اس میں منتقل ہو گئی ہے۔ یہ شخص ابتداءً اس تحریک کو لوگوں میں پھیلاتا رہا، جب اس کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد ہو گئی تو یہ مسلمان آبادیوں پر حملے کر کے ان میں لوٹ مار کا بازار گرم کرنے لگا۔ گویا یہ تحریک بتدریج مذہبی رنگ سے سیاسی رنگ میں رنگ گئی۔ چنانچہ مامون نے اس کی روک تھام اور امن وامان قائم کرنے کی کوششیں کیں، لیکن ناکام رہا۔ اس کی مختلف وجوہات رہیں، مثلاً بابک نے اپنا مرکز ایسے پہاڑی علاقے کو بنایا تھا جہاں کی جنگی چالوں اور طریقوں سے مسلمان عموماً ناواقف تھے، اس کے علاوہ بابک جنگی چالوں کا بھی بڑا ماہر تھا، جس کی وجہ سے مامون کے دور میں مسلمانوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

معتصم کے دور میں بھی بابک خرمی کی لوٹ مار کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ معتصم نے اپنے سب سے ماہر تر کی جرنیل 'افشین' کو اس کے قلع قمع پر مامور کیا۔ تقریباً دو سالوں تک بابک خرمی کے خلاف فوج کشی کا سلسلہ جاری رہا، جن میں افشین، بابک خرمی کے مختلف قلعوں پر یکے بعد دیگرے قابض ہوتا گیا، اور بالآخر بابک خرمی بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جب یہ خبر معتصم کو ملی تو نہایت خوش ہوا اور افشین کو خلعت اور انعامات سے نوازا اور بابک خرمی کے ہاتھ پیر کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔ اس طرح بابک خرمی کا یہ فتنہ 837ء میں ختم ہوا۔

3.3.3 عموریہ کی فتح

جس وقت مسلمان بابک خرمی کے ساتھ برسرِ پیکار تھے، شہنشاہ روم توفیل بن میخائیل نے چاہا کہ مسلمانوں کے مرکز پر حملہ کر کے کامیابی حاصل کر لیں، چنانچہ ابتداءً اس نے زبطرہ، ملیطہ اور اس کے نواح کے علاقوں پر حملے کیے اور وہاں کے مسلمانوں کا خوب قتل عام کیا، عورتوں کو باندی اور بچوں کو غلام بنا لیا، ان کے ساتھ سخت ظلم وزیادتی کا معاملہ کیا، اور ان کے گھروں کو آگ لگا دیا۔ اُس وقت رومیوں کا مرکزی اور سب سے مضبوط و مستحکم شہر عموریہ تھا۔ اب تک اس شہر تک مسلمانوں کے ہاتھ نہیں پہنچ پائے تھے۔ لہٰذا جب معتصم تک مذکورہ شہروں میں رومیوں کے قتل وغارت گری کی خبر پہنچی تو اس نے عموریہ کو ہی اپنے حملوں کا مرکز بنایا۔

چنانچہ معتصم نے عموریہ پر حملہ کرنے کی جتنی تیاری ہو سکتی تھیں، کر کے روانہ ہوا۔ اس نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کا سپہ سالار افشین کو، دوسرے کا اشناس کو اور تیسرے کا خود کو بنایا، اور راستے میں رومی علاقوں کو فتح کرتا ہوا عموریہ کے قلعے تک پہنچ گیا۔ راستے میں انگورہ کے مقام پر افشین اور توفیل کی فوجوں کے درمیان جنگ بھی ہوئی جس میں ابتداً افشین کو نقصان اٹھانا پڑا، لیکن بعد میں جب افشین کی فوج شدت سے حملہ آور ہوئی تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ مسلمانوں کی ساری فوج جب عموریہ کے قلعے کے قریب پہنچ گئی تو معتصم سنگ بار آلات اور منجنیقوں کے حملے سے قلعہ کی فصیل ایک جگہ توڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ جہاں سے مسلمان اندر داخل ہو گئے اور زبطرہ اور ملیطہ وغیرہ پر رومیوں کے حملوں کا بھرپور بدلہ لیا۔ اس کے ساتھ ہی مالِ غنیمت اتنی بھاری مقدار میں ہاتھ لگا کہ جس کا کوئی شمار نہ تھا۔

3.3.4 ترکوں کا عروج اور سامرا کی آبادکاری

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مامون کے عہد میں ایرانیوں کا زور بہت بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے عرب و ایران کا علاقائی تناؤ اور دوریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اس سے پہلے بھی ایرانیوں کا غلبہ ہوتا رہا تھا، مثلاً ابتدائی عہد میں ابو مسلم خراسانی، اس کے بعد ہارون کے عہد میں خاندان برامکہ کا غلبہ، لیکن وقتاً فوقتاً ان کا مداوا کیا جاتا رہا تھا اور علاقائیت کی بنیاد پر خلا اتنی نہیں بڑھنے پائی تھی جو تدارک کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ چنانچہ مامونی عہد میں ایرانیوں کا جو اثر ورسوخ حکومت کے تئیں بڑھ گیا تھا، اس کا توازن قائم کرنے اور اعتدال پر لانے کے لیے معتصم نے سمرقند، فرغانہ اور اشروسنہ وغیرہ مختلف علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں ترک غلاموں کو خرید خرید کر بغداد منگایا اور انہیں شاہی وردیوں اور زیورات واسلحوں سے آراستہ کر کے شاہی فوج میں شامل کر دیا۔ بتدریج ترک ترقیات کی منازل طے کرتے ہوئے افق پر پہنچ گئے۔ ان کی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ خلفاء کا مقام و مرتبہ اور ان کی وقعت پورے طور پر ختم ہو گئی، حتی کہ وہ خلفاء کو مقرر کرنے اور انہیں معزول کرنے پر بھی پورے طور پر حاوی ہو گئے۔ چنانچہ شاہ معین الدین احمد ندوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ’’ترکوں کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ خلفاء کا وقار بالکل جاتا رہا، اور وہ ان کے ہاتھوں میں تماشا بن کر رہ گئے، ترک جسے چاہتے تخت پر قائم رکھتے تھے، اور جسے چاہتے تھے اتار دیتے تھے‘‘۔ (تاریخ اسلام، ج:3، ص:210)

اس کے برے نتائج بہت جلد ہی ظاہر ہونے لگے۔ ایرانی اور عربی لوگوں کے درمیان پہلے جو رسا کشی تھی وہ اب عربوں اور ترکوں کی طرف منتقل ہو گئی اور ان کے درمیان یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ ترک خودسر ہونے لگے تھے۔ اسی کی وجہ سے معتصم کے دور میں ابوحرب نامی ایک عرب باغی ہو گیا جو بعد میں ’مبرقع‘ یعنی برقع پوش کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے اردن کی پہاڑیوں میں اپنے حامیان کی ایک بڑی تعداد بنالی تھی، جو حکومت کی باغی تھی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک ترک فوجی سردار نے ابوحرب کے گھر اس کی غیر موجودگی میں قیام کرنا چاہا، جب اس کی بیوی نے منع کیا تو اسے کوڑے مارے، جب ابوحرب واپس آیا تو بیوی نے پورا واقعہ کہہ سنایا، جس سے ابوحرب غصہ میں آ کر اس ترکی سردار کو قتل کر دیا، اور خود حکومت کے ڈر سے اردن کی پہاڑیوں میں جا چھپا۔

جیسا کے اوپر عرض کیا جا چکا ہے ترک تہذیب وتمدن سے نابلد تھے۔ وہ بغداد کی سڑکوں پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے، جس سے بسا اوقات شہر کے باشندگان ان کی زد میں آ جاتے تھے۔ جب لوگوں کو اس کی وجہ سے زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے معتصم سے اس کی شکایت کی۔ جس کے بعد معتصم نے ترکوں کے لیے بغداد کے قریب ہی ایک شہر ’سر من راہ‘ کے نام سے بسایا جو بعد میں کثرت استعمال کی وجہ سے سامرا ہو گیا۔ معتصم نے اس کی تعمیر بڑے اہتمام سے کرایا تھا، بڑے بڑے محلات، صاف ستھری اور چوڑی سڑکیں وغیرہ، چند ہی دنوں میں یہ بغداد کے مثل ہو گیا تھا۔ اس کی تعمیر 835ء میں مکمل ہوئی۔ معتصم نے بعد میں اپنا دارالخلافہ بھی یہیں منتقل کر لیا تھا۔ جو معتمد باللہ کے دور تک (892ء تک) باقی رہا، اس کے بعد بغداد کو دوبارہ دارالخلافہ بنالیا گیا تھا۔

3.3.5 وزارت

معتصم کے دور میں کئی وزراء ہوئے۔ لیکن مامون کے دور میں وزیر فضل بن سہل کے ذریعے جو واقعہ پیش آیا، اس سے مامون بہت بدظن ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد وزراء کا مقام و مرتبہ اور اعتبار مسلسل روبہ زوال رہا۔ پھر معتصم کے دور میں وزراء کی تقرریاں محض برائے نام رہیں، ویسے بھی اس وقت ترکوں کو کافی عروج حاصل ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس دور کے وزراء کے حالات کا مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نہ کسی ذاتی قابلیت کے حامل تھے اور نہ ہی کوئی اثر ورسوخ رکھتے تھے، محض تعلق کی بنیاد پر وزارت کے عہدہ پر فائز ہو گئے تھے۔

معتصم کا پہلا وزیر فضل بن مروان تھا۔ یہ عیسائی تھا۔ پڑھا لکھا نہ تھا۔ معتصم جب خلافت کا وارث نہیں ہوا تھا اس وقت اس کے کاتب یحییٰ

جرمقانی کے دفتر میں ملازم تھا۔ مامون جب طرسوس کے مقام پر وفات پایا، اور معتصم خلیفہ منتخب ہوا تو بغداد میں اسی نے معتصم کی خلافت کے لیے بیعت لی تھی۔ جس کے بعد معتصم نے اسے وزیر بنالیا تھا۔ دوسرا وزیر احمد بن عمار تھا۔ یہ شخص پہلے آٹا پیسنے کا کام کیا کرتا تھا۔ اس میں نہ کوئی علمی کمال تھا اور نہ ہی سیاست وحکومت کا کوئی علم۔ پہلے وزیر فضل بن مروان نے اپنے عہد وزارت میں اس کی امانتداری کی تعریف کی تھی اس لیے فضل بن مروان کے وزارت سے ہٹائے جانے کے بعد اسے وزیر بنادیا گیا تھا۔

تیسرا وزیر محمد بن عبدالملک الزیات تھا۔ یہ شخص وزارت سے پہلے تیل کا کاروبار کرتا تھا، اسی کی وجہ سے زیات کہلاتا تھا۔ محمد الزیات علم وفضل میں کمال مہارت رکھتا تھا، سیاسی امور میں بھی گہری دلچسپی اور واقفیت تھی۔ البتہ اس میں غرور وتکبر بہت زیادہ تھا، لوگوں پر ظلم کرنے میں اسے بڑا مزا آتا تھا، چنانچہ اس نے لوگوں کو سزائیں دینے کے لیے ایک تنور بنوایا تھا جس میں کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ جب کسی کو سزا دینا چاہتا تو اسے تنور میں ڈال دیتا اور تنور کو حرکت دیتا جس سے کیلیں ہر چہار جانب سے اس کو تکلیفیں پہنچاتیں۔ یہ شخص معتصم کے آخری زمانہ تک وزیر رہا، بلکہ واثق کے دور میں بھی اس کی وزارت قائم رہی۔ بالآخر متوکل کے عہد میں اسے اسی تنور میں ڈال کر مارڈالا گیا۔

3.3.6 مسئلہ خلق قرآن

اوپر گزر چکا ہے کہ مسئلہ خلق قرآن مامون کے دور میں کافی اہمیت حاصل کر گیا تھا۔ اسے اس معاملہ میں بڑی دلچسپی تھی، اس نے پوری کوشش کی تھی کہ قرآن کے مخلوق ہونے کا نظریہ سبھی لوگ اختیار کرلیں، لیکن بعض علماء آخر وقت تک منکر رہے تھے۔ مامون کا جب آخری وقت آن پہنچا اور وہ بستر مرگ پر تھا تو اس نے معتصم کو وصیت کی تھی کہ وہ اس نظریہ کا سبھی عوام وخواص سے اقرار کرائے۔ چنانچہ اگرچہ معتصم خود زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا اور نہ ہی اسے ان فلسفیانہ مسائل سے کوئی سروکار تھا، لیکن محض اپنے بھائی کی وصیت کے پاس ولحاظ میں اس نے اس مسئلہ میں بڑا غلو کیا۔ چنانچہ جو لوگ اس نظریہ کے منکر تھے ان پر اس نے سختیاں کرنی شروع کیں۔ بالخصوص امام احمد بن حنبل کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، معتصم نے آپ کو کوڑوں سے پٹوایا، قید وبند کی سختیوں سے دوچار کیا۔ پوری مملکت میں اس نے یہ فرمان جاری کرادیا تھا کہ تمام علماء، فضلاء اور قضاۃ سے اس کا اقرار لیا جائے، تعلیمی اداروں میں استاذوں اور معلموں کو یہ تاکیدی حکم تھا کہ بچوں کو اس کی تعلیم دی جائے، اور جو سرکاری ملازمین اس کا انکار کریں انہیں برطرف کردیا جائے۔ معتصم کے دور میں اس مسئلہ کی وجہ سے لوگ سخت آزمائش میں پڑ گئے تھے۔ یہ مسئلہ معتصم کے بعد واثق کے دور میں مصیبتوں کا سبب بنا رہا، لیکن اس کے بعد متوکل نے اپنے زمانہ میں اسے پورے طور پر ختم کردیا، کہ اس کے متعلق کسی سے کوئی زور زبردستی نہ کی جائے۔ اس مسئلہ کا محرک اول قاضی احمد بن ابی دواد جو معتزلہ کا سردار اور مامون، معتصم اور واثق کے ادوار میں قاضی القضاۃ تھا اس کو 851ء میں اس کے عہدہ سے معزول کرکے اس کی ساری جائیداد ضبط کرلی، اور اس کو اور اس کے پورے خاندان کو قید میں ڈال دیا۔ اس طریقہ سے خلق قرآن کا یہ مسئلہ ختم ہوا۔

47 سال کی عمر میں آٹھ سال آٹھ مہینے حکومت کرکے معتصم نے 842ء میں وفات پائی، اور سامرا میں دفن کیا گیا۔

3.4 متوکل علی اللہ (861-846ء)

معتصم باللہ کے بعد اس کا بھائی واثق باللہ خلیفہ ہوا تھا۔ اس کی خلافت 842ء سے 846ء تک رہی تھی۔ اس نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا، لہٰذا شاہی امراء نے باہم مشورہ کے ذریعے معتصم باللہ کے صاحبزادہ جعفر کو 'متوکل علی اللہ' کے لقب کے ساتھ تخت شاہی پر متمکن کیا۔ اس وقت اس کی عمر 27 سال تھی۔

3.4.1 بطریقوں کی بغاوت

851ء میں عیسائی پادریوں کے ایک گروہ نے آرمینیہ کے نواح میں بغاوت کی اور بعض علاقوں پر قبضہ بھی کرلیا۔متوکل نے ان سے مقابلہ کے لیے امیر یوسف کو بھیجا۔لیکن ابتداءاًان لوگوں نے اطاعت قبول کر کے محمد بن یوسف کو قتل کر ڈالا۔ چنانچہ متوکل نے بغا کبیر کو ان سے مقابلہ پر مامور کیا۔اس نے ان لوگوں کے عمائدین میں سے بعض کو گرفتار کر کے دارالخلافہ روانہ کردیا جہاں خلیفہ متوکل نے انہیں قتل کرادیا،اور بعض کو اس نے خود موت کے گھاٹ اتار دیا۔اس طریقہ سے ان کی بغاوت فرو ہوئی اور وہ اطاعت پر راضی ہو گئے،اور بغا کبیر نے ان کے نام امان لکھ دیا۔لیکن اس کے بعد انہوں نے دوبارہ سر اٹھانا چاہا جس کی خبر خلیفہ متوکل کو ہوئی تو ان کی خبر گیری کے لیے اس نے خالد بن یزید شیبانی کو بھیجا،اس کے آتے ہی سارے پادری خاموش ہو گئے،اور خالد بن یزید نے ان کے امان نامہ کی تجدید کردی۔

3.4.2 بجاہ کی سرکشی اور سرزنش

بجاہ حبشہ اور سوڈان کے قریب آباد ایک حبشی قوم تھی۔ابتداءاً مسلمان انہیں تہذیب وتمدن سے ناآشنا محض وحشی سمجھتے تھے،جس کی وجہ سے ان کی جانب کوئی توجہ نہ کرتے تھے۔لیکن ان کے علاقے میں سونے کی کانیں برآمد ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو ان کی طرف التفات کرنا پڑا،چنانچہ پہلی مرتبہ دوسری صدی ہجری میں عبیداللہ بن حجاب نے ان کی طرف معاہدہ کے لیے ہاتھ بڑھایا،معاہدہ کی شرط یہ تھی کہ وہ چارسو مثقال خام سونا بطور خراج مسلمانوں کو ادا کریں گے،جسے ان لوگوں نے منظور کرلیا تھا۔اس طریقہ سے یہ معاہدہ طے پا گیا تھا،اور وہ مقرر کردہ سونا مسلمانوں کو ادا کرتے رہے تھے۔بعد میں ہارون رشید کے عہد میں اس معاہدہ کی تجدید بھی کی گئی تھی۔

لیکن متوکل کے دور میں وہ لوگ سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔پہلے کئی سالوں تک انہوں نے خراج دینا بند کردیا،اس کے بعد ان کے سونے کی کانوں میں کام کرنے والے بہت سے مسلمانوں کو ان لوگوں نے مار ڈالا،بعدازاں ان لوگوں نے مزید یہ جرأت کی کہ 855ء میں مصر پر حملہ آور ہو کر سخت تاخت وتاراج کیا۔پہلے متوکل راستہ کی دشوار گزاری اور فوج کشی کی مشکلات کی وجہ سے ان پر فوج کشی سے رکا رہا،لیکن جب وہ مصر پر حملہ کر کے وہاں ظلم وجور کا بازار گرم کرنے لگے تو متوکل نے ان پر فوج کشی کا عزم کرلیا اور محمد بن عبداللہ قمی کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا،اور فوج کے ساز وسامان سے متعلق تیاری کے لیے سپہ سالار مصر کو لکھ بھیجا کہ ہر طرح سے ان کی اعانت کی جائے۔چنانچہ محمد قمی نے زبردست تیاری کے بعد بجاہ پر فوج کشی کی، اور یکے بعد دیگرے شکستیں دیتے ہوئے ان کے مرکز تک پہنچ گیا،اور بالآخران کے فرمانروا علی بابا گرفتار کرلیا گیا، جسے محمد قمی نے امان دے دیا،اور علی بابا گزشتہ سالوں کا خراج دینے پر آمادہ ہو گیا۔اس کے بعد محمد قمی،علی بابا کو لے کر دارالخلافہ چلا گیا، جہاں اس نے معاہدہ کی تجدید کرلی۔

3.4.3 ترکوں کا زور توڑنے کی کوششیں

اوپر گزر چکا ہے کہ ترکوں کا زور دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔اکثر بڑے بڑے عہدوں پر وہی فائز تھے۔جس کی وجہ سے امراء وحکام کا حکومتی سرگرمیوں کو انجام دینے میں دشواری ہوتی تھی، بسا اوقات خلیفۂ وقت کی بھی وہ لوگ پرواہ نہیں کرتے تھے۔لہٰذا متوکل چاہتا تھا کہ ان کی زور توڑی جائے۔امیر ایتاخ ان دنوں ترکوں کا امیر تھا،ساتھ ہی وہ حکومت کی جانب سے سپہ سالاری، برید حجابت اور دارالخلافہ کی عمارت کا بھی عہدہ دار تھا۔متوکل نے سب سے پہلے اسے ہی نشانہ بنایا۔اسے پہلے خلعت وتحائف عطا کر کے حج پر روانہ کردیا، پھر واپسی میں ایک قابل اعتماد شخص کو خاص پیغام دے کر اس کے استقبال کے لیے بھیجا۔وہ شخص امیر ایتاخ کو بغداد کے محل میں لے گیا اور کہا کہ امیر المومنین کی خواہش ہے کہ آپ بغداد میں پہلے قیام کریں اور عراق کے شرفاء اور اعیان بنی ہاشم کے سامنے دربار لگائیں۔چنانچہ وہ تیار ہو گیا۔لیکن بغداد کے محل میں داخل ہوتے ہی بہت ہی خاموشی کے ساتھ اس کو قتل کر

دیا گیا اور وہ اپنی دفاع میں کچھ کر بھی نہیں سکا۔ امیر ایتاخ کے بعد اس کا دوسرا نشانہ عمر بن فرج کاتب اور اس کا بھائی بنا۔ دراصل ان لوگوں کی طرف سے اسے پہلے ہی سے بیزاری تھی۔ شہزادگی کے دنوں میں ایک مرتبہ متوکل اپنا وظیفہ منظور کرانے اس کے پاس گیا تھا، جس پر عمر بن فرج کاتب نے اس کے ساتھ نہایت ہی بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے کاغذ کو زمین پر پھینک دیا تھا۔ چنانچہ متوکل نے اسے گرفتار کرایا اور ان دونوں سے 274000 دینار اور 15000 درہم وصول کئے، ساتھ ہی ان کی تمام املاک بھی ضبط کر لیے۔ آخر میں ایک کروڑ درہم لے کر انہیں چھوڑ دیا۔

ترک امراء کو ٹھکانہ لگانے کے ساتھ ساتھ متوکل نے یہ بھی کوشش کی کہ اپنا دارالخلافہ کسی دوسرے شہر کو منتقل کر لے، کیونکہ سامرا کی تقریباً پوری آبادی ترکوں پر مشتمل تھی، لہٰذا ان کو یہاں زیر کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ 857ء میں متوکل نے اس کی پہلی کوشش کی، اور وہ دمشق چلا گیا، اور سرکاری دفاتر کو بھی وہیں منتقل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ لیکن ترکوں نے اس بات کو محسوس کر لیا کہ یہ ساری کوششیں دراصل ان کو کمزور کرنے کے لیے ہو رہی ہیں، چنانچہ وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ جب متوکل نے یہ صورت حال دیکھی تو چاروناچار سامرا واپس ہو گیا۔ متوکل نے اسی طرح کی دوسری کوشش دو سالوں بعد 859ء میں کی۔ چنانچہ سامرا سے چند میل فاصلہ پر ایک شہر جعفریہ کے نام سے بسایا۔ اس میں خاص اپنے لیے ایک محل 'قصر لولؤ' کے نام سے تعمیر کرایا جو اس وقت تک کی سب سے بلند عمارت تھی۔ ابھی اس شہر کی آبادکاری مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ ترکوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ متوکل اس شہر میں منتقل ہو کر ان کو تہہ تیغ کر دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس سے پہلے ہی متوکل کا کام تمام کر دیا، اور سامرا بدستور بنوعباس کا دارالخلافہ برقرار رہا۔

3.4.4 متوکل کا قتل

واقعہ یہ ہے کہ ہارون رشید کی طرح متوکل نے اپنے تین بیٹوں محمد منتصر باللہ، طلحہ معتز باللہ اور ابراہیم موید باللہ کو بالترتیب خلافت کا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ لیکن بعد میں متوکل کی خواہش ہوئی کہ محمد منتصر باللہ سے پہلے طلحہ معتز باللہ خلافت کی گدی پر بیٹھے، جس کے لیے محمد منتصر باللہ تیار نہیں ہوا، جس سے تنگ آکر متوکل نے محمد منتصر باللہ کو ولی عہدی سے ہٹا دینا چاہا۔ جس کے نتیجہ میں باپ اور بیٹے کے تعلقات رفتہ رفتہ خراب ہوتے گئے۔ بالآخر محمد منتصر باللہ ان ترکوں کے ساتھ جا کر مل گیا جن کی طاقت توڑنے کی کوشش میں متوکل لگا ہوا تھا اور ان کی ایک جماعت متوکل کی مخالف بلکہ اسے قتل کرنے کر دینے کے درپہ ہو گئی تھی۔ منتصر باللہ کی ان کی جماعت میں شمولیت سے انہیں بڑا قیمتی موقع ہاتھ لگ گیا، اور انھوں نے آپسی مشورہ کے ذریعے متوکل کو 861ء میں قتل کر دیا۔ اس وقت اس کی عمر محض چالیس برس تھی۔ یہ عہد بنوعباس کا آخری طاقتور خلیفہ تھا۔ اس کے بعد عباسی خلفاء دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنے رہے، وہ جسے چاہتے تخت نشین کرتے اور جسے چاہتے اتار دیتے تھے۔ حکومت کا انتظام وانصرام انہی کے ہاتھوں میں تھا۔

3.4.5 وزارت

متوکل کے دور کا پہلا وزیر محمد بن عبدالملک الزیات تھا۔ متوکل اس سے شہزادگی کے دور ہی سے مختلف وجوہات کی بناء پر سخت نالاں تھا، چنانچہ چند مہینوں کے اندر ہی وہ معتوب ہو گیا۔ اس کے بعد متوکل کا کاتب ابوالوزیر کو اس عہدہ پر فائز کیا گیا، لیکن وہ بھی جلد ہی معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابو جعفر محمد بن فضل کو وزیر بنایا گیا۔ یہ شخص علم مجلسی اور موسیقی میں مہارت رکھتا تھا، لیکن جلد ہی لوگوں نے اس کے خلاف اتنی شکایتیں کیں کہ متوکل کو اسے معزول کرنا پڑا۔ اس کے بعد چوتھا اور اس عہد کا آخری وزیر عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان ہوا۔ یہ شخص علم وفضل سے آراستہ، حکومت وسیاست کا واقف کار اور اخلاق فاضلہ کا حامل تھا، دینداری وامانتداری کا بھی وافر مقدار اسے ملا تھا، چنانچہ یہ شخص متوکل کے آخری زمانہ تک وزارت کے عہدہ پر فائز رہا۔

3.5 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- مامون رشید نے اپنی خلافت کا آغاز مرو (خراسان) سے کیا تھا، بعد میں اس نے حالات کے پیش نظر اپنا دارالخلافہ بغداد منتقل کرلیا تھا۔
- مسئلہ خلق قرآن کا آغاز مامون کے دور میں ہوا تھا، جس کے نتیجہ میں بہت سے سنی علماء ومحدثین آزمائش میں مبتلا ہوئے، یہ مسئلہ مامون کے بعد معتصم اور واثق کے دور میں بھی چلتا رہا، پھر متوکل نے اس کا خاتمہ کیا۔
- مامون کا دور علمی فتوحات کے لیے ممتاز ہے، اس نے مختلف زبانوں کی کتابوں کا عربی ترجمہ کرایا، مختلف اور دراز علاقوں سے علماء کو بلایا، اسی طریقہ سے مختلف علاقوں سے ہدایا وتحائف دے کر اور پیسے خرچ کر کے کتابیں منگائیں۔
- رومیوں کا مرکزی شہر عموریہ جہاں اب تک مسلمانوں کے ہاتھ نہیں پہنچ سکے تھے، معتصم کے عہد میں فتح ہوکر عباسی مملکت میں شامل ہوگیا تھا۔
- ایرانیوں کے مقابلہ میں معتصم نے ترکوں کو فروغ دینے اور مختلف عہدہ پر فائز کرنا شروع کیا تھا، لیکن وہ لوگ بہت جلد حکومت پر اس طرح حاوی ہوگئے کہ پوری مملکت میں اپنی من مانیاں کرنے لگے تھے۔
- متوکل نے ترکوں کا زور توڑنے کی مختلف کوششیں کی تھیں، لیکن وہ ناکام رہا اور اسی کے نتیجہ میں اس کا خاتمہ ہوا۔
- ہارون کے دور میں برامکہ اور پھر مامون کے دور میں وزیر فضل بن سہل نے وزارت کے عہدہ کا جو غلط استعمال کیا تھا، اس کی وجہ سے بعد کے ادوار میں اگرچہ وزارت کا عہدہ موجود تھا لیکن اس کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔

3.6 نمونہ امتحانی سوالات

3.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ مامون کے حامی کون لوگ تھے؟

(a). افریقی (b). ترکی (c). ایرانی (d). عربی

2۔ ’ذوالریاستین‘ کس کا لقب تھا؟

(a). حسن بن سہل (b). فضل بن سہل (c). فضل بن ربیع (d). فضل بن احمد

3۔ مامون نے سادات میں سے کسے ولی عہد مقرر کیا تھا؟

(a). امام محمد جواد (b). امام محمد بن ابراہیم (c). امام موسیٰ کاظم (d). امام علی رضا

4۔ مامون نے کہاں سے کتابیں منگائی تھیں؟

(a). روم (b). ایران (c). حبشہ (d). ہندوستان

5۔ قرآن کریم کو اللہ کی مخلوق کون مانتا ہے؟

(a). قدریہ (b). ماتریدیہ (c). اشاعرہ (d). معتزلہ

6۔ پہلی رصدگاہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی تھی؟

(a). آرمینیہ (b). شام (c). شامیہ (d). سپرس

7۔ رومیوں کا کون سا مرکزی شہر معتصم نے فتح کیا تھا، جہاں اب تک مسلمانوں کا ہاتھ نہیں پہنچا تھا؟

(a). قصریانہ (b). آرمینیہ (c). صقلیہ (d). عموریہ

8۔ ترکوں کو کس نے سب سے پہلے فوج میں شامل اور مختلف عہدوں ومناصب سے سرفراز کیا تھا؟

(a). مامون (b). معتصم (c). واثق (d). متوکل

9۔ بجاہ بطور خراج کتنا سونا مسلمانوں کو ادا کیا کرتے تھے؟

(a). چار سو مثقال (b). پانچ سو مثقال (c). دو سو مثقال (d). ایک سو مثقال

10۔ شہر 'جعفریہ' کس نے بسایا تھا؟

(a). مامون (b). معتصم (c). واثق (d). متوکل

3.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ عہد مامون کے وزراء پر تبصرہ کیجیے۔

2۔ عہد مامون میں علوم کے فروغ پر ایک مضمون لکھیے۔

3۔ معتصم کے عہد کی بغاوتوں کا اختصار کے ساتھ تجزیہ کیجیے۔

4۔ معتصم کے دور میں ترکوں کو عروج کیونکر حاصل ہوا؟ اس کے کیا اثرات ونتائج مرتب ہوئے؟ مفصل تحریر کیجیے۔

5۔ ترکوں کا زور توڑنے کے لیے متوکل نے کیا کوششیں کیں؟ بیان کیجیے۔

3.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ مامون الرشید کے قیام حکومت کا پس منظر بیان کیجیے۔

2۔ مسئلہ خلق قرآن پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

3۔ متوکل کے عہد کا جائزہ لیجیے۔

3.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخ اسلام : مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی

2۔ تاریخ اسلام : مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی

3۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت

4۔ تاریخ الامت : مولانا محمد اسلم جیراجپوری

5۔ تاریخ تہذیب اسلامی : پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی

6۔ المامون : علامہ شبلی نعمانی

-:oOo:-

اکائی 4 : عباسی حکومت کا نظم ونسق

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید
4.1 مقصد
4.2 خلیفہ
4.2.1 خلیفہ کا انتخاب
4.3 انتظامیہ
4.3.1 وزارت
4.3.2 حاجب
4.4 محکمہ مالیات
4.5 فوجی نظام
4.6 محکمہ ڈاک
4.7 عدالتی نظام
4.8 دیوان الشرطہ
4.9 زراعت وخوشحالی
4.10 تعلیمی نظام
4.10.1 تعلیم وتدریس کا نظام
4.10.2 تحقیق وتصنیف کا نظام
4.11 صوبائی نظام
4.12 اکتسابی نتائج

4.13 کلیدی الفاظ

4.14 نمونہ امتحانی سوالات

4.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

4.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.15 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

4.0 تمہید

اس اکائی میں ہم عباسی حکومت کے نظم ونسق پر نظر ڈالیں گے، عباسی حکومت ایک بڑے زمینی رقبہ پر پھیلی ہوئی مملکت تھی، اور تاریخ میں طویل دورانیہ تک قائم رہی۔ اس طویل اور وسیع حکومت کو چلانے میں ان کے نظم ونسق کو بنیادی اہمیت حاصل رہی تھی۔ یہ نظم ونسق مختلف محکموں پر مشتمل اور مرکزی نظام کے ساتھ صوبائی نظام میں تقسیم تھا۔ اس اکائی میں آپ ان دونوں نظام اور ان کے تحت قائم محکموں کی تفصیل اور ان کی کارکردگی کو پڑھیں گے۔

4.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ اس بات سے واقف ہوجائیں گے کہ عباسی حکومت کا نظم ونسق کیا تھا، اس کے تحت کون کون سے محکمے قائم تھے، ان کی کارکردگی کس طرح انجام پاتی تھی۔ آپ اس بات سے بھی آگاہ ہوجائیں گے کہ عباسی خلافت کے نظم ونسق میں مرکزی نظام کے ساتھ ساتھ صوبائی نظام کی عمل داری کس طرح ہوتی تھی۔ نیز یہ بات بھی آپ کے علم میں آئے گی کہ عباسی خلافت کے اندرونی نظم کے ساتھ بیرونی روابط کیسے قائم کئے جاتے تھے، اور باقی رکھے جاتے تھے۔

4.2 خلیفہ

خلیفہ اسلامی ریاست کا سربراہ ہوتا تھا۔ عباسی خلفاء بھی مملکت کے سربراہ اعلی تھے اور ان کی حیثیت مختار کل کی تھی۔ مملکت کے انتظامات راست طور پر خلیفہ کی نگرانی میں انجام پاتے تھے۔ یہ خلافت عہد خلافت راشدہ کی طرح خلافت علی منہاج النبوہ کے طور پر نہیں تھی بلکہ امویوں کی طرح عباسی خلفاء نے بادشاہوں کی طرح خلافت اپنے خاندان کے افراد میں منتقل کی۔ اور بنوعباس میں ہی خلافت محدود رہی۔ باوجود اس کے عباسی خلفاء اور خصوصا اولین دور کے خلفاء نے اپنے دور اقتدار میں اسلامی اقدار کی پاسداری کی، اسلامی تہذیب وتمدن کو بام عروج تک پہنچایا، اور قیام عدل وانصاف کے معاملے میں اسلامی تعلیمات کو بڑی حد تک ملحوظ رکھا۔ ابوالعباس السفاح، ابوجعفر المنصور، ہارون الرشید، مامون الرشید، معتصم، واثق اور خلیفہ متوکل کے نام ان میں نمایاں ہیں۔ خلیفہ المنصور، ہارون اور مامون نے علوم کی تدریس واشاعت میں بھی اہم کردار ادا کیا، خصوصاً عقلی علوم کی ترقی واشاعت میں ان خلفاء نے خاص طور پر توجہ کی اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی سرپرستی میں انہیں ترقی کی بلندیوں تک پہنچایا۔ عباسی خلافت بنی امیہ کی خلافت کے مقابلے میں کم وسیع تھی، لیکن وہ اپنے وقت کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر کہا تھا کہ تیرا جہاں جی چاہے جا کر برس، لیکن اس کا پانی میری ہی سلطنت پر برسے گا۔ اس وسیع وعریض سلطنت میں مختلف اقوام اور نسل کے لوگ تھے، اور ان سب کے لیے نظم ونسق کو سنبھالنا آسان نہ تھا، امن وامان کا قیام، عدل وانصاف کی فراہمی اور خوشحالی وترقی سب تک پہنچانا

اہم ترین ذمہ داری تھی، اور خلفائے عباسیہ نے خصوصاً ابتدائی دور میں اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ خلافت اموی کی طرح خلافت عباسیہ پوری طرح عرب خلافت نہ تھی۔ بلکہ حکومت اور اس کے نظم ونسق میں ایرانی، ترک اور دوسرے قومی عناصر بھی شامل ہوگئے تھے۔ خلیفہ اگرچہ عرب ہوتا تھا، لیکن نظم ونسق میں ایرانیوں کا غلبہ تھا، جب کہ فوج میں ترک چھائے ہوئے تھے۔

4.2.1 خلیفہ کا انتخاب

خلیفہ کے انتخاب کے لیے کوئی طریقہ متعین نہیں تھا۔ خلافت راشدہ میں الگ الگ طریقوں سے خلیفہ کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ لیکن اموی دور میں جانشینی کا رواج قائم ہوگیا تھا، اور ایک خلیفہ اپنے بعد اپنا ولی عہد مقرر کر جاتے تھے۔ اموی خلفاء کی طرح عباسی خلفاء نے بھی خلیفہ کے انتخاب کے لیے ولی عہدی کا طریقہ اپنایا۔ ہر خلیفہ اپنی زندگی میں ولی عہد یا جانشینوں کا تقرر کر دیتا تھا۔ بسا اوقات خلیفہ اپنی زندگی میں ہی اپنے بعد دو اور بعض اوقات تین ولی عہدوں کی نامزدگی کر دیتا، اور پھر خلیفہ بننے کے بعد ان کے ہاتھوں پر بیعت خلافت لی جاتی تھی۔ ابتدائی دور میں خلیفہ کی جو وقعت تھی، دور زوال میں وہ باقی نہ رہی، اور خلیفہ صرف برائے نام رہ گئے تھے۔ اصل اقتدار کے مالک ترک امراء اور وزراء بن گئے تھے، اور عباسی خلفاء برائے نام ہی خلافت کے عہدہ پر فائز رہے۔ باوجود اس کے خلیفہ کی روحانی حیثیت سب کے نزدیک تسلیم شدہ تھی۔ لہٰذا اندلس کے اموی خلافت کے علاوہ بویہی حکمراں، سلجوق اور ہندوستان کے بادشاہان بھی منجملہ طور پر عباسی خلفاء کو ہی ساری اسلامی مملکت کا سربراہ تسلیم کرتے رہے۔

4.3 انتظامیہ

مرکز میں خلیفہ کے علاوہ مرکزی انتظام چلانے کے لیے دو عہدے بہت اہم تھے، پہلا وزارت اور دوسرا حاجب۔ یہ خلیفہ کے معاون ومددگار رہا کرتے تھے۔ حکومتی نظم چلانے میں عباسی خلافت کا ڈھانچہ اموی خلافت ہی کے طرز پر تھا، البتہ کچھ شعبوں کا اضافہ ہوا تھا۔

4.3.1 وزارت

عباسی خلفاء نے انتظام وانصرام کو سنبھالنے کے لیے اپنے نائب کے طور پر ایک نیا عہدہ قائم کیا تھا، جسے وزارت کے نام سے منسوب کیا گیا تھا۔ اس کا سربراہ وزیر کہلاتا تھا۔ یہ سلطنت کے تمام محکموں کا سربراہ اعلی ہوتا تھا، جن میں مالیات، فوج اور شہری انتظام وانصرام شامل ہیں، سلطنت کے تمام اہم کام جیسے جاگیروں کی تقسیم، عہدیداروں کی تقرری ومعزولی وغیرہ وزیر کے ذریعے انجام پاتے تھے۔ اس طرح وہ سلطنت کے تمام کاموں کا نگران وذمہ دار ہوا کرتا تھا۔ جو حیثیت اموی دور میں حاجب کو حاصل تھی وہ جگہ اس نئے عہدہ وزارت نے لے لی تھی۔ المنصور کے عہد تک وزارت کا عہدہ زیادہ طاقتور نہیں تھا، اس کی جگہ خلیفہ خود سلطنت کے انتظام وانصرام براہ راست اپنے ہاتھوں میں رکھا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے المنصور نے جاسوسی کے نظام کو کافی بڑھاوا دیا تھا جس کی مدد سے ریاست میں ہونے والے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کی خبر فوری طور پر خلیفہ تک پہنچ جاتی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے سے وزارت نے ترقی کی یہاں تک کہ ملکی انتظام کے ہر امر میں خلیفہ بھی وزیر کا محتاج ہوگیا تھا۔ وزیر کا انتخاب خود خلیفہ کے ذریعے انجام پاتا تھا، خلیفہ اپنے خاص معتمد شخص کو ہی اس اہم عہدہ پر فائز کرتے تھے۔ عباسی دور کا پہلا وزیر ابوسلمہ خلال تھا، جو 'وزیر آل محمدؐ' کے نام سے بہت مشہور ہوا۔ اسے ابوالعباس السفاح نے اس عہدہ پر فائز کیا تھا۔ السفاح کے دور کا دوسرا ممتاز وزیر ربیع بن یونس اور اس کے بعد خالد برمک ہوئے۔ خالد برمک نے ہارون الرشید کے زمانے میں سیاسی، انتظامی وعلمی امور میں اہم خدمات انجام دیئے اور تاریخ میں اپنے گہرے نقوش ثبت کئے۔ المنصور چونکہ خود ممتاز حکمراں رہا اور تمام سیاسی امور میں فیصلے خود کرتا تھا، لہٰذا وزارت اس دور میں کمزور رہی۔ پھر ہارون اور مامون

کے دور میں دوبارہ وزارت کے عہدے کوعروج حاصل ہوا،اور برمکی خاندان میں خالد برمکی کے بیٹے یحیٰ برمکی کو وزیر کی حیثیت سے سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا،اس طرح سارے حکومتی کام اسی کے حکم سے انجام پاتے تھے۔یحیٰ برمکی نے اپنے دونوں بیٹوں کی تربیت بہت اچھی طرح سے کی ،اورانہیں اس قابل بنایا کہ یحیٰ کا بڑا بیٹا فضل بن یحیٰ برمکی اپنے حسن تدبیر اور محنت سے باپ کے تمام امور ریاست میں دخیل رہنے لگا تھا،حتی کہ وہی سارے انتظامات سنبھالنے لگا،اور یحیٰ برائے نام ہی وزیر رہ گیا تھا۔اس طرح یحیٰ وزیر اعظم اور فضل وزیر صغیر کہلایا جانے لگا۔بعد میں باقاعدہ طور پر ہارون نے اسے وزارت کا عہدہ دیا۔فضل بن یحیٰ کے بعد اس کا بھائی جعفر بن یحیٰ برمکی نے وزارت کا عہدہ سنبھالا،اور اپنی ذمہ داری بخوبی انجام دی۔جعفر غیر معمولی خوبیوں اور صلاحیتوں کا حامل تھا۔ہارون کی نظر میں جلد ہی اس نے اپنا اونچا مقام بنالیا۔دربار میں سب سے زیادہ اس کی عزت افزائی ہوتی،اور ہارون اپنے ہر معاملہ میں اسی سے مشورہ کرتا۔جعفر نے اپنی علمی،ادبی،انتظامی صلاحیتوں کے ذریعے اس دور کے علمی،تمدنی اور فوجی انتظامیہ کو ترقی دی اور اسے اوج کمال تک پہنچا دیا۔سلطنت کے امور میں اس قدر وہ حاوی ہوگیا تھا کہ ہارون برائے نام خلیفہ باقی رہ گیا تھا۔اس طرح وزارت کا عہدہ برامکہ کی وجہ سے عباسی دور کا سب سے ممتاز ترین عہدہ بن گیا تھا۔

مامون الرشید کے عہد کا پہلا وزیر فضل بن سہل ہوا جس نے اپنی ذہانت،علم ولیاقت کی وجہ سے جعفر برمکی کے بعد سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔اس کے بعد ہر خلیفہ کے دور میں وزارت کا عہدہ باقی رہا۔لیکن اس کی وہ وقعت باقی نہیں رہی جو ہارون اور مامون کے زمانے میں تھی۔

4.3.2 حاجب

وزیر کے بعد حاجب کا عہدہ سب سے بڑا اور ممتاز تھا۔حاجب کا اصل معنی دربان ہے۔اموی دور میں اس عہدہ کی حیثیت عباسیوں کے وزیر کی سی تھی۔عباسی دور میں اس کی وہ حیثیت تو باقی نہیں رہی،لیکن دیگر عہدوں میں یہ سب سے ممتاز تھا۔حاجب خلیفہ کا بہت ہی خاص اور بھروسہ مند شخص ہوتا تھا۔اسے خلیفہ کے مشیر کی بھی حیثیت حاصل تھی،خلیفہ اپنے اکثر امور حاجب کے مشورہ کے بغیر طے نہیں کرتا تھا۔خصوصی طور پر خلیفہ کی عمومی وخصوصی ملاقاتیں حاجب ہی کے ذریعے انجام پاتی تھیں۔اسی طرح خلیفہ اپنے حرم میں چند خاص امرا یا عہدیداروں سے ہی ملاقات کرتا تھا۔لیکن وہاں ملاقات کرنے کے لیے حاجب کی اجازت اور اس تک رسائی لازمی تھی۔خلیفہ سے سب سے زیادہ قربت نے اس کی اہمیت وزیر سے زیادہ کردی تھی،لیکن اختیارات کے معاملے میں حاجب بہرحال وزیر سے کئی گنا کم تھا۔اس کی حد خلیفہ کی ذات،دربار شاہی اور شاہی حرم تک محدود تھی۔دربار کا سارا انتظام،عہدیداروں کا ان کے رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے دربار میں جگہ کا تعین کرنا،دربار کی عظمت اور شان وشوکت کو بنانا اور برقرار رکھنا اور دربار کی دیگر ضروریات کا اہتمام کرنا سب حاجب کے ذمہ تھا۔اسی طرح حرم کے تمام امور بھی حاجب ہی کی نگرانی میں انجام پاتے تھے۔حرم میں بادشاہ صرف اپنے خاص اور معتمد لوگوں ہی سے ملاقات کرتا تھا،اور مختلف امور پر ان سے رائے مشورہ حاصل کرتا تھا،کسی بھی عہدیدار کی حرم تک رسائی نہیں تھی،حاجب ہی ایسا عہدیدار تھا جو نہ صرف حرم کے معاملات کی دیکھ ریکھ کرتا بلکہ حرم کا سارا نظم اسی کے ہاتھ میں تھا۔ساتھ ہی حرم کا وہ حصہ بھی حاجب کی نگرانی میں ہوتا جہاں خلیفہ اپنی بیگمات اور دیگر خواتین سے ملاقاتیں کیا کرتا تھا۔

4.4 محکمہ مالیات

محکمہ مالیات کو دیگر محکموں کی بہ نسبت بنیادی حیثیت حاصل تھی،عباسیوں کا مالیاتی نظام تقریبا ویسا ہی تھا جیسا اموی دور میں رہا۔البتہ عباسی دور میں اس محکمہ میں کچھ نئے محکموں کا اضافہ ہوا تھا جو مالیاتی انصرام کو بہتر طریقہ پر چلانے میں معاون وکارگر ثابت ہوئے۔شعبہ مالیات کے ذمہ اصل دو امور کی نگرانی تھی۔حکومت کی آمدنی کے وسائل اور ان کے خرچ کی نگرانی کرنا اور سارا حساب وکتاب محفوظ رکھنا۔اس دور میں آمدنی کے وہی ذرائع تھے جو اموی دور میں رہے،ان میں اہم وسائل آمدنی میں مسلمانوں سے زکوٰۃ،عشر،غیر مسلموں سے جزیہ،خراج اور اموال غنیمت بنیادی

اور اہم ذرائع آمدنی تھے۔ زکوٰۃ براہ راست مسلمانوں سے وصول ہوتا اور بیت المال کا حصہ بنتا تھا۔ اور اس کا خرچ بھی ضرورت مند مسلمانوں پر ہی ہوتا تھا۔ ان میں غرباء، یتیم، بے روزگار، بوڑھے اور جنگ میں رضا کارانہ خدمات انجام دینے والے وغیرہ شامل ہیں۔ مسلمانوں کی زمینوں پر عشر نامی ٹیکس ایک اہم ذریعہ آمدنی تھا۔ عشر یعنی 10 فیصد حصہ زمینوں کی پیداوار پر وصول کیا جاتا تھا، اور کبھی نصف العشر یعنی 5 فیصد پیداوار پر وصول کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی جن زمینوں پر عشر لگتا تھا ان میں عرب کی زمین، نومسلموں کی وہ زمینیں جو غیر عرب میں ہوں، وہ آراضی جو فتح کے بعد حاصل ہوئی ہوں، اور ایسے علاقے جن پر مسلمان کاشت کرنے لگے ہوں، وہ سب شامل تھیں۔

دوسرا اہم ذریعہ آمدنی خراج تھا۔ خراج دراصل وہ ٹیکس ہے جو غیر مسلموں سے ان کی پیداوار پر لیا جاتا تھا۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ سال میں جتنی بھی فصلیں ہوں، ان پر تین اعتبار سے ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ پہلے طریقہ میں پوری قابل کاشت زمین پر خراج وصول کیا جاتا تھا، اگر چہ کہ اس زمین کے کسی حصہ پر کاشتکاری نہ ہوتی ہو تب بھی قابل کاشت زمین کے کل پر ٹیکس کی مقدار متعین ہوتی تھی۔ دوسرے طریقہ میں صرف اتنی ہی زمین پر خراج لیا جاتا جس پر کاشت کی گئی ہو۔ اور تیسرے طریقہ میں زمین کے بجائے پیداوار کا ایک حصہ خراج کے طور پر وصول ہوتا تھا۔ خراج کا یہ نظام عہد نبوی سے رائج تھا اور اسی نظام کو اموی دور میں پھر عباسی دور میں اپنایا گیا۔ ان زمینوں میں وہ تمام مفتوحہ اراضی شامل تھیں جنھیں حکومت کی قبضہ کے بعد بھی غیر مسلم مالکان ہی کے قبضہ میں رہنے دی گئی ہوں۔ اس طرح خراج مالیات کا سب سے اہم محکمہ تھا۔ اس طرح مالیات کے تحت کل اقسام کے ٹیکسز کے جمع و خرچ کا حساب کتاب ہوتا تھا، جن میں جزیہ، عشر، خراج، زکوٰۃ سبھی شامل ہیں۔

عباسی دور میں شعبہ مالیات میں کچھ نئے عہدے قائم کئے گئے تھے جن کی مدد سے موجود محکموں کے انتظامی کاموں کو مزید آسان اور بہتر بنایا گیا، ان میں سے دیوان الازمہ، دیوان النفقات، دیوان الصوافی قابل ذکر ہیں۔ دیوان الازمہ کو المہدی نے قائم کیا تھا۔ اس شعبہ کے تحت دراصل شعبہ مالیات کے تحت انجام پانے والے خرچ کا حساب رکھا جاتا تھا، اسی طرح حاصل ہونے والے خراج کی ٹھیک ٹھیک نگرانی کرنا دیوان النفقات کے ذمہ تھا۔ اس دور میں چونکہ نقد رقم کے علاوہ جاگیریں بھی تنخواہ، انعام اور اعزاز کے طور پر دی جاتی تھیں، لہٰذا ان جاگیروں اور اراضی کی دیکھ ریکھ پر آمدنی و خرچ سے متعلق تمام انتظامی امور کی نگرانی دیوان الصوافی کے ذمہ تھی۔ اور اسی شعبہ کے تحت دیوان الضیاء نامی ذیلی محکمہ شاہی املاک خصوصاً خلیفہ کی ذاتی اراضی کی نگرانی کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اسی طرح سرکاری عطیات کا حساب و کتاب دیوان العطاء کے ذمہ تھا۔

چونکہ مملکت کافی وسیع تھی، مفتوحہ ممالک میں مختلف مذاہب، تہذیب اور رسوم و رواج کے ماننے والے لوگ تھے، اسلامی ریاست کے تحت آنے سے صدیوں پہلے سے ان ممالک کا نظم کسی نہ کسی حکومت کے ماتحت رہا تھا، لہٰذا ان مفتوحہ علاقوں میں اسلامی ریاست کو مختلف سیاسی، سماجی، معاشی و تجارتی وغیرہ امور میں بہت سے مسائل درپیش آئے، جن کا اسلامی شریعت میں حل ڈھونڈنا ناگزیر تھا۔ معیشت ان میں ایک اہم شعبہ ہے، جس سے متعلق نئے مسائل اور نئے سوالات کو شریعت کی روشنی میں حل کرنا حکومتی نظم وضبط کی برقراری و بہتر کارکردگی کے لیے لازمی تھا۔ غیر مسلموں سے بہتر تعلقات کی بنیاد بھی اسی پر منحصر تھی، لہٰذا خلیفہ ہارون الرشید نے ہر دن پیش آنے والے مالیاتی مسائل خصوصاً خراج اور اس سے متعلق مسائل کا شرعی حل نکالنے اور اس سے متعلق قوانین بنانے کے لیے امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد قاضی امام ابو یوسف کو اس کام پر لگایا تھا۔ وہ اس وقت عباسی خلافت میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے، انہوں نے خراج کے مسائل پر شہرہ آفاق کتاب 'کتاب الخراج' تصنیف کی۔ جسے ہارون نے بعد میں حکومت میں خراج کے معاملات کو حل کرنے کے لیے قانون کی حیثیت سے نافذ کردیا تھا۔

مملکت کے تمام قسم کے محاصل کو وصول کرنے کے لیے افسران کا تقرر عمل میں آتا تھا، جو 'افسران محاصل' کہلاتے تھے۔ بعد کے ادوار میں محاصل کو وصول کرنے کی ذمہ داری افسران سے ختم کردی گئی تھی، اور اس کے بجائے اقطاع داری کا نظام شروع ہوگیا تھا۔ اس نظام کے تحت مختلف

عہدیداروں، سپہ سالاروں، صوبہ جاتی گورنروں اور افسران میں مملکت کی اراضی تقسیم کردی جاتی تھی۔ ان زمینوں پر عائد ہونے والے تمام تر محاصل جیسے زکوٰۃ، صدقات، خراج اور جزیہ وغیرہ کو اس قطعہ کا حاکم وصول کرتا تھا، وہ حاصل ہونے والے محصول سے پہلے اپنی تنخواہ اور واجبات کو اپنے لیے محفوظ رکھ کر باقی مال حکومت کے سرکاری خزانے میں جمع کردیا جاتا تھا۔ اس طرح حکومت کے افسران دھیرے دھیرے خودمختار اور پھر کثرت مال کی بنا پر باغی بھی ہوتے گئے۔ اقطاع داری کے اس نظام نے بھی عباسی حکومت کو زوال کی طرف دھکیلنے میں اہم کردار ادا کیا۔

مال غنیمت کا خمس بھی عباسی دور میں آمدنی کا ایک اہم ذریعہ تھا، یہ نظام بھی عہد نبوی ﷺ سے رائج تھا۔ خلافت راشدہ اور اموی دور میں جس قدر فتوحات ہوئیں، عباسی دور میں ان کا دائرہ کم ہوگیا، لہٰذا مال غنیمت میں بھی کمی آئی۔

ابن خلدون، قدامہ اور ابن خرداذبہ نے اپنی کتابوں میں خاص طور پر عباسی مالیاتی نظام اور حکومت کی آمدنی و خرچ کا تذکرہ کیا جس سے ہمیں اس دور کے سرکاری خزانہ کی لاگت کا کچھ اندازہ ملتا ہے۔ ان کے مطابق المنصور کی وفات کے وقت سرکاری خزانہ کی کل لاگت 600,000,000 درہم اور 14,000,000 دینار تھی۔ جب کہ ہارون الرشید کی وفات کے وقت یہ لاگت بڑھ کر 900,000,000 دینار تک جا پہنچی تھی۔

4.5 فوجی نظام

اسے عسکری نظام یا نظام الجند بھی کہتے ہیں۔ مختلف زبانوں میں فوج کے لیے مختلف نام استعمال ہوئے ہیں۔ امویوں کی طرح عباسی خلافت میں بھی فوج کا سربراہ اعلیٰ خود خلیفہ ہوتا تھا۔ جسے سالار اعلیٰ کہتے تھے۔ خلیفہ صوبائی فوج کا بھی نگران ہوتا تھا۔ جنگ میں خلیفہ کی شرکت بہت کم ہوا کرتی تھی، ان کی غیر موجودگی میں فوج مکمل طور پر صوبائی گورنروں یا صوبائی سالاروں کی ماتحتی میں رہا کرتی تھی۔ مرکز میں سالار اعلیٰ کی یہ ذمہ داری کبھی کبھی وزیر کے ذریعے بھی انجام دی جاتی تھی۔

فوج کے دو اقسام تھے۔ ایک بری اور دوسری بحری فوج۔ بحری فتوحات کی شروعات حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں امیر معاویہؓ کی ماتحتی میں ہوئی تھی۔ پھر اموی خلافت میں امیر معاویہ نے باقاعدہ طور پر بحری فوج کو قائم اور منظم کیا۔ تب ہی سے یہ نظام چلا آرہا ہے۔ بری فوج بھی مستقل اور غیر مستقل میں منقسم تھی۔ مستقل فوج باقاعدہ طور پر جنگ کے لیے تیار کئے جانے والے جنگجو سالاروں اور سپاہیوں پر مبنی تھی۔ یہ فوج تنخواہ دار ہوا کرتی تھی۔ عربی میں اس کے لیے مرتزقہ کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ اسی طرح دوسری قسم غیر مستقل فوج تھی، یہ ضرورت میں کسی جنگ کے وقت رضا کارانہ طور پر جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ دار بننے والے سپاہیوں پر مبنی تھی۔ رضا کاروں کے اس دستہ کو صرف مال غنیمت میں سے حصہ ملا کرتا تھا۔ مستقل فوج عموماً فوجی چھاؤنیوں میں رہا کرتی تھی۔ رضا کار فوج جتنی مدت تک فوجی چھاؤنی میں رہتی تھی اتنی مدت کے لیے ان کے اہل و عیال کے لیے روزینے جاری کئے جاتے تھے۔ دونوں افواج کو جنگ کے لیے اسلحہ، سواری کے جانور، اور دوران جنگ کھانا پانی کی فراہمی حکومت کی جانب سے ہوتی تھی۔

عباسی دور میں بحری فتوحات تو کم ہوئیں لیکن بحری بیڑے کا نظم جاری رہا، سمندری علاقوں میں ہی ان کی فوجی چھاؤنیاں ہوا کرتی تھیں۔ امویوں کی طرح عباسی فوج بھی جنگ کے لیے موسم سرما و گرما کا لحاظ رکھتی تھی، خصوصاً صوبائی علاقوں میں جہاں کا موسم بہت زیادہ سرد یا بہت زیادہ گرم ہو، ان موسمیات میں جنگ سے گریز کیا جاتا تھا۔

میدان جنگ میں فوج کی تقسیم بھی روایتی انداز ہی کی تھی۔ فوج پانچ حصوں یعنی مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب اور موخرہ میں تقسیم تھی۔ موخرہ کو ساقہ بھی کہتے تھے۔ فوج میں گھڑ سوار، پیدل، اور تیر انداز دستہ ہوتا تھا۔ ساتھ ہی قلعہ کی دیواروں کو توڑنے کے لیے قلعہ شکن توپیں اور منجنیقیں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ مہندسین کہے جانے والے انجینیروں کی ایک جماعت بھی ساتھ ہوتی تھی۔ جسامت میں بڑے اور وزن دار ہتھیاروں و اسلحہ

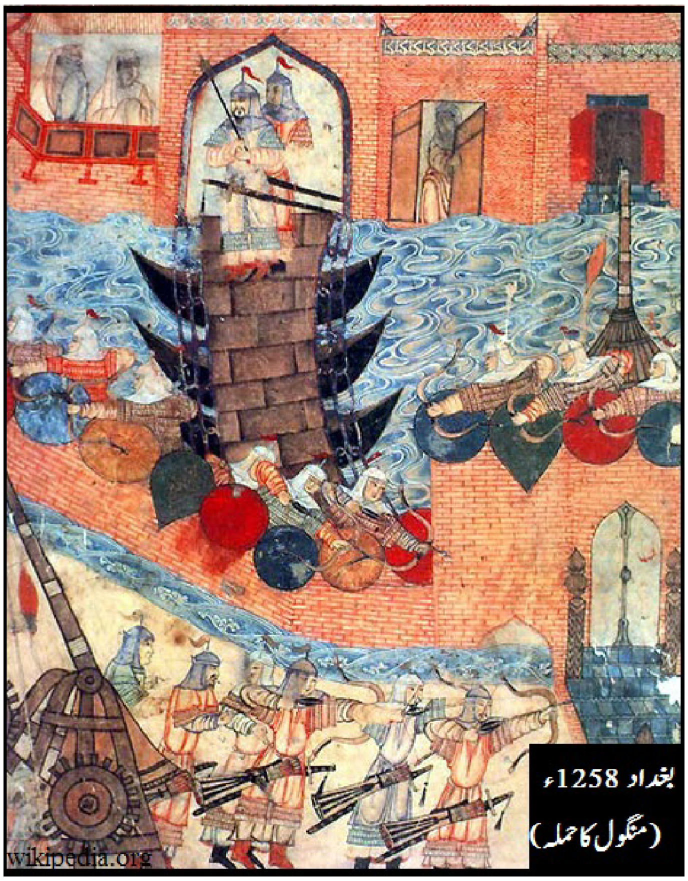

بغداد 1258ء
(منگول کا حملہ)

جات کو میدان جنگ میں لانے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل کرنے کے لیے خاص قسم کی گاڑیوں کا استعمال بھی ہوتا تھا، جنہیں اونٹ کھینچتے تھے۔ فوج میں سامان رسد سے لدے ہوئے جانور بھی ساتھ چلتے تھے۔

عباسی فوج میں شروع ہی سے عرب فوجوں کے ساتھ ساتھ عجمیوں کو بھی شامل رکھا گیا، سب سے پہلے خراسانی، پھر ایرانی اور بعد میں ترک سپاہیوں کو فوج میں بھرتی کیا جانے لگا۔ معتصم کے عہد میں ترکوں نے فوج میں خوب ترقی کی۔ بعد میں انھوں نے اپنا اثر و رسوخ اتنا بڑھا لیا کہ وہ خلیفہ پر اور اس کے فصیلوں پر اثر انداز ہونے لگے۔ حتی کہ ان ترک سپہ سالاروں کی پسند و مزاج کے مطابق خلیفہ کی تقرری و معزولی ہونے لگی تھی۔ بعد میں حکومت کے سارے سفید و سیاہ کے وہ مالک ہو گئے تھے۔ یہ تبدیلی بھی عباسیوں کے زوال کی ایک بڑی وجہ بنی۔ صوبوں میں بھی فوج کا وہی نظام تھا جو مرکز میں تھا، خلیفہ کی غیر موجودگی میں صوبائی گورنر فوج کا سپہ سالار ہوا کرتا تھا۔

4.6 محکمہ ڈاک

یہ محکمہ دراصل ڈاک کا محکمہ ہے۔ اس کے سرپرست اعلی کو صاحب البرید والخبر کہا جاتا تھا۔ لیکن عام طور پر مختصراً صاحب البرید کا لفظ ہی استعمال ہوتا تھا۔ شاہی خطوط کی روانگی کے لیے اس کا استعمال ہوتا تھا۔ صاحب البرید ریاست اور صوبائی علاقوں کے حالات سے بھی خلیفہ کو باخبر رکھتے تھے۔ محکمہ ڈاک کا انتظامیہ بھی امویوں کے طرز پر تھا۔ اموی دور میں سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس دیوان میں دلچسپی لی، پھر عبدالملک مروان نے اسے مضبوط کیا، اور ترقی دی۔ عبدالملک اور ولید نے حکومتی کار کو چلانے میں ڈاک کے شعبہ کا بہت استعمال کیا۔ ولید کے بعد پھر عباسی دور کے خلفا میں ابوجعفر المنصور اور خلیفہ ہارون الرشید نے اس محکمے کو بہت ترقی دی۔ المنصور کی اس محکمہ پر خاص نظر ہوتی تھی۔ اس محکمہ کو وہ حکومتی انتظامی بنیادوں میں سے ایک گردانتا تھا، اور اس کے افسر کے انتخاب میں غور و خوض سے کام لیتا تھا۔ اس نے دارالخلافہ یعنی بغداد کے مکہ و مدینہ منورہ سے خط و کتابت کے نظم کو مضبوط کیا گیا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر یحییٰ برمکی کے ذریعے ڈاک کے نظام کو نئے سرے سے استوار کیا۔

اگرچہ کہ دیوان البرید کے ذمہ شاہی فرمانوں اور حکومت و ریاست سے متعلق خط و کتابت ہوتی تھی، لیکن محدود دائرہ میں عوامی ذاتی خط و کتابت کو بھی اس ڈاک کے ذریعے ہارون کے دور میں موقع ملا۔ ڈاک خانہ کی شاہراہیں صوبوں تک پھیلی ہوئی تھیں، اور ہر صوبہ کے بڑے شہروں میں ڈاک خانہ موجود تھا جس کا راستہ عباسی دارالحکومت بغداد سے جا ملتا تھا۔ مختلف علاقوں میں دیوان البرید کے ذریعے خط و کتابت کا کام مختلف جانوروں کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ مثلاً ایران میں خچروں اور گھوڑوں کے ذریعے ڈاک کا کام کیا جاتا تھا، ایسے ہی شام اور عرب میں اونٹوں کا استعمال ہوتا تھا۔ معتصم کے عہد میں سب سے پہلے کبوتر کے ذریعے خطوں کو ارسال کرنے کا اہتمام کیا گیا، ملکی انتظام کے حوالے سے جانکاری حاصل کرنے

کے لیے کبوتروں کوٹریننگ دی گئی، اوراسی کی مدد سے معتصم نے 813 میں بابک خرمی کی بغاوت کو ناکام بنایا تھا۔ دیوان البرید کا استعمال نئے تقرر ہونے والے گورنروں کوان کے مقررہ علاقوں تک تمام تر قافلے اور ساز وسامان کے ساتھ پہنچانے کے لے بھی ہوتا تھا۔عوام بھی بڑی رقم ادا کر کے اپنے ذاتی خطوط کو پہنچانے کے لیے دیوان البرید کا استعمال کرتے تھے۔

دارالحکومت بغداد میں موجود محکمہ ڈاک کے مختلف صدر دفتروں میں پوری مملکت کے راستوں اور شاہراہوں کے نقشہ جات موجود تھے، جو مسافروں، ڈاکیوں، حاجیوں، تجارتی قافلوں وغیرہ کوصوبہ جات و دیگر علاقوں کی سمت کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔ یہ نقشے پتھر کی تختیوں پر بنائے جاتے تھے۔ان کوانگریزی میں 'پوسٹل ڈائرکشن بورڈ' کہتے ہیں۔یہی نقشہ جات بعد میں چل کر جغرافیائی تحقیق میں بنیادی معلومات کے طور پر استعمال ہوئے۔عرب کے ابتدائی دور کے عرب جغرافیہ داں نے اپنے تحقیق میں ان پوسٹل ڈائرکشن کا استعمال کیا۔انہی میں سے ایک اہم نام ابن خرداد بہ کا ہے، جووقت کا بہت بڑا جغرافیہ داں بنا۔وہ خود خلیفہ معتمد باللہ کے زمانے میں ایران کے شمال مغربی علاقے 'جبال' صاحب البرید کے عہدے پر فائز تھا،اس نے جغرافیہ کے موضوع پر مشہور کتاب 'المسالک والممالک' تصنیف کی۔جس کی تالیف کے دوران بھی ان پوسٹل ڈائریکشنوں سے اس نے کافی مدد لی تھی۔ پوسٹل ڈائرکشن کا یہ نظام بھی اولین فارسی حکومتی نظام کا حصہ تھا جسے عباسیوں نے اپنی حکومت میں رائج کیا۔دارالحکومت سے جڑے پورے سڑکوں کے جال اور سفر کے نظام پر روشنی ڈالتا ہے۔اس میں اس زمانے کی اہم شاہراہوں کی معلومات بھی ہیں۔جن میں سب سے اہم خراسان کی شاہ راہ تھی جوشمال مشرقی جانب ہمدان، رے، نیشاپور، طوس، مرو، بخارا اور سمرقند تک پھیلی ہوئی اور بغداد کو دریائے سیحون کے سرحدی شہروں اور چین کی سرحد سے جوڑے ہوئی تھی۔اسی طرح ایک شاہ راہ بغداد کے شمال سے شروع ہوکر جنوب میں ایران تک جاتی تھی۔موجودہ ایران کی شاہ راہیں اسی دور کی شاہ راہوں کے نقشوں پر تعمیر ہوئی ہیں۔ بغداد سے نکلنے والی دوسری بڑی شاہراہ جو بغداد سے نچلی جانب دجلہ سے نکلی تھی اور بصرہ وواسط سے گذرتے ہوئے خوزستان میں الہوازن، پھروہاں سے فارس میں شیراز تک پہنچتی تھی۔اس سڑک کے مشرقی ومغربی جانب کئی شاخیں تھیں جوایران کے کئی شہروں کو دوسری آبادی والے علاقوں سے جوڑتی تھیں۔اور آخر کار سب سے بڑی شاہراہ خراسان کی شاہراہ سے جاملتی تھی۔ تیسری بڑی شاہراہ بغداد کوموصل اور دیاربکر سے جوڑتی تھی۔

ان سڑکوں کو حاجی سفر کے لیے کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ یہ سڑکیں مختلف علاقوں سے ہوتی ہوئی بغداد سے مکہ کی طرف جاتی تھیں۔ حاجیوں کی سہولت کے لیے مرکزی سڑکوں پر کچھ کچھ فاصلے پر کارواں سرائے اور پانی کے حوض بنے ہوئے تھے۔

دیوان البرید کے مہتمم اعلی کے ذمہ شاہی فرامین وخطوط کی ترسیل اور دیگر انتظامی امور کے علاوہ محکمہ جاسوسی کی نگرانی کی اہم ذمہ داری بھی شامل تھی۔وہ محکمہ جاسوسی کا چیف بھی تھا اور پورا ڈاک کا نظم اسی کے تحت استعمال ہوتا تھا۔اسی لیے اس کا لقب صاحب البرید والخبر تھا، یعنی منتظم ڈاک و جاسوسی۔اس عہدہ کے تحت وہ انسپکٹر جنرل کے طور کام کرتا اور مرکزی حکومت کے خفیہ جاسوسوں کی سربراہی ورہنمائی کرتا تھا۔علاقے کے برید کے صدر دفتروں کے مہتمم صاحب البرید کواپنے علاقے میں ہونے والی ہر حرکت کی خبر دیتے تھے۔وقت ضرورت گورنر سے بھی رپورٹ طلب کی جاتی تھی۔تھا۔ المنصور کے جاسوس تاجروں، پھیری والوں، اور مسافروں کی شکل میں ملک میں گھومتے رہتے اور ہر چھوٹی بڑی خبر منصور تک پہنچاتے تھے۔ابومسلم خراسانی کے دربار میں ہونے والی گفتگو حرف بہ حرف فوری طور پر المنصور تک پہنچادی جاتی تھی۔ ہارون الرشید بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعے برمکی وزراء کی خبر رکھتا تھا۔ مامون کے بارے میں آتا ہے کہ 1700 ادھیڑ عمر کی خواتین بھیس بدل کر مملکت میں سرگرم تھیں،اور مامون کے لیے جاسوسی کیا کرتی تھیں۔خلیفہ المتوکل نے اپنے ایک گورنر کے خلاف کاروائی کی تھی جب اسے ایک جاسوس نے یہ خبر دی کہ مکہ کی ایک خوبصورت غلام باندی کے لیے اس نے ایک پہر صرف کیا تھا اور اس وجہ سے حکومتی کار کو نظرانداز کردیا۔روم کے علاقے میں عباسی حکومت کے لیے کام کرنے والے مرد وخواتین جاسوسوں

کی بڑی تعداد سرگرم تھی، جو مسافروں، تاجروں اور طبیبوں کی شکل میں وہاں موجود تھے۔

'دیوان السر' کے نام سے ایک نئے محکمے کا آغاز ہوا تھا۔ جس کے ذریعے انتہائی رازداری والے احکام و فرامین کی منتقلی تھی۔ غالباً یہ محکمہ بھی محکمہ جاسوسی کے تحت ہی کام کیا کرتا تھا۔ یہ جاسوس صوبائی گورنروں کی بھی ہر حرکت پر نظر رکھتے اور ہر خلیفہ کو اس کی خبر دیتے تھے۔

4.7 عدالتی نظام

اسلام کی تعلیمات عدل وانصاف پر مبنی ہیں۔ جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد میں پھر خلفائے راشدین نے اپنے دور میں مملکت میں نافذ کیا تھا۔ عہد نبوی میں رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارک قانون کی حیثیت سے موجود تھی۔ وہ عدل وانصاف کا پیکر تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی صحابہ کرام کو مختلف صوبوں کے گورنر کی حیثیت سے روانہ کیا تو انہیں ایک مبلغ، معلم اور منصف کی حیثیت سے بھی بھیجا جو قرآن وسنت کی روشنی میں تمام تر معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے اور قاضی کی حیثیت سے بھی اپنی ذمہ داری نبھاتے تھے۔

دور خلفائے راشدین میں دیگر شعبہ جات کی طرح قضاۃ کے شعبہ نے بھی خاص شکل وصورت اختیار کی۔ صوبائی علاقوں میں گورنر کے علاوہ عدالتوں کے چیف کی حیثیت سے قاضیوں کا تقرر ہونے لگا۔ اس ضمن میں حضرت عمر فاروق کا دور سب سے اہم ہے، جس میں نظام قضا کو کافی ترقی ہوئی اور اس کے اصول وضوابط طے پائے۔ اسی طرز کو اموی دور میں اپنایا گیا۔ عباسی خلفاء کے دور میں اس نظام نے اور قاضی کے عہدہ نے بہت ترقی کی۔ اس دور کے قاضیوں نے بھی عدل وانصاف کو یقینی بنانے کے لیے بہت کوششیں کیں۔ حکمرانوں کی طرف سے بھی اس میں کوئی مداخلت نہیں کی جاتی تھی۔ خلیفہ مہدی نے تو اپنے محل میں بھی ایک خاص عدالت قائم کر رکھی تھی، اور اعلان کر رکھا تھا کہ جس کے ساتھ بھی کوئی بے انصافی ہو وہ اس کی عدالت میں مقدمہ پیش کر سکتا ہے۔

عباسی دور میں بھی عہد خلافت راشدہ اور دور اموی کی طرح خلیفہ عدالت کا سب سے بڑا عہدہ تھا۔ خلیفہ صوبائی قاضیوں یا مرکزی قاضی کے فیصلوں پر ہونے والی اپیل کو سن سکتا تھا اور ان کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے کا اختیار بھی رکھتا تھا۔ لیکن اس کے فیصلہ پر سوائے خود خلیفہ کے کہیں اور اپیل یا نظر ثانی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ صوبائی قضاۃ اور مرکزی قضاۃ کا بیک وقت سربراہ اعلیٰ تھا۔ اس طرح دوہری عدالتی ذمہ داری اس پر عائد تھی۔ قاضیوں کی تقرری ومعزولی بھی خلیفہ کے حکم سے ہوتی تھی۔ صوبائی قاضیوں کو بعد میں صوبائی گورنروں کے ماتحت رکھا گیا، لیکن مرکزی قضاۃ خلیفہ کے ماتحت تھا۔ اور خلیفہ ہی کے ذریعے دار الخلافہ میں قاضیوں کی تقرری عمل میں آتی تھی۔

نظام قضا کے تحت مسلمانوں اور غیر مسلمانوں ہر طبقہ کے معاملات کو سنا جاتا تھا۔ البتہ مسلمانوں کے معاملات میں فیصل قاضی ہوتے تھے، جب کہ غیر مسلموں کے دیوانی معاملات ان کے قانونی پیشوا کے سپرد تھے، جو ان کی مذہبی کتابوں کی روشنی میں فیصلہ کیا کرتے تھے۔ جب کہ فوجداری معاملات سے متعلق مقدمات کی سنوائی اسلامی عدالت میں ہی ہوتی تھی۔ اور اس میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کی تفریق نہیں کی جاتی تھی۔ مملکت کے ہر فرد پر لازم تھا کہ وہ مملکت کے بنائے قانون کی پاسداری کرے اور عدالتی معاملات میں جو بھی حکم قاضی یا خلیفہ کا ہو اسے بجالائے۔

قضاۃ کا نظام اس طرح تھا کہ ہر بڑے شہر کا ایک قاضی ہوتا جس کے ماتحت اس شہر کے مضافات اور دیہات وغیرہ میں اس کے نائبین مقرر ہوتے تھے، ان کے اوپر صوبائی قاضی کارفرما رہتا تھا، جو اس صوبہ کے تمام بڑے شہروں کے قضاۃ کا نگران ہوتا تھا۔ صوبائی قاضی کا تقرر صوبائی گورنر یا خلیفہ کے ذریعے عمل میں آتا تھا۔

عباسی دور میں عدالتی نظام میں ایک نئے عہدہ 'قاضی القضاۃ' کا اضافہ ہوا تھا۔ یہ مملکت کا سب سے بڑا قاضی ہوتا اور دار الخلافہ بغداد میں کارگر ہوتا تھا، اس کی شروعات خلیفہ المہدی کے زمانے سے ہوئی تھی۔ اس عہدہ پر سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کے مشہور اور خاص شاگرد یعقوب بن

ابراہیم انصاری متوفی 798ء فائز ہوئے، جو امام ابو یوسف کے نام سے مشہور ہیں۔ خلیفہ مہدی کے زمانے میں وہ اس عہدہ پر فائز ہوئے اور ہارون الرشید کے زمانے میں اپنے انتقال تک قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔

اسلامی قانون کے مطابق قاضی بننے کے لیے مسلمان، عاقل، بالغ درست دماغی حالت کا مالک، آزاد شہری، صاحب سماعت و بصارت اور اسلامی قوانین پر عبور رکھنے وغیرہ جیسی خصوصیات کا ہونا لازمی تھا۔ الماوردی کے مطابق عباسی دور میں دو طرح کے قضاۃ موجود تھے۔ پہلی قسم 'عامہ مطلقہ' کہلاتی، اور دوسری قسم 'خاصہ' کہلاتی تھی۔ پہلی قسم کے قاضی اپنے اختیار میں مطلق ہوتا تھا، اس قاضی کے پاس بے سہارا افراد کے مسائل جیسے یتیموں، پاگلوں اور کمزوروں کے رہبر کے طور پر ذمہ داری ادا کرنا ہوتا تھا۔ ساتھ میں مقدس تعمیرات کا سنگ بنیاد بھی قاضی کے ہاتھوں رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح صوبہ کے خاص علاقوں یا شہروں میں جمعہ کی نمازوں کی امامت، مجرموں اور قانون کی بے حرمتی کرنے والے افراد کو سزا سنانا وغیرہ اس قاضی کے ذمہ تھی۔ ابتدائی مراحل میں گورنرس ہی علاقائی یا صوبائی قاضیوں کی تقرری کرتے تھے، لیکن چوتھی صدی ہجری میں آنے کے بعد ان کی تقرری بغداد کے صدر قاضی کے ذریعے ہونے لگی اور وہ صدر قاضی کے نائبین کی حیثیت سے ہی صوبوں میں کام کرنے لگے۔ قاضیوں کو بہت بھاری تنخواہیں دی جاتی تھیں، تاکہ وہ بغیر کسی لالچ میں آئے صحیح فیصلہ کریں۔ ایک اندازے کے مطابق مامون کے دور میں مصر کے قاضی کی تنخواہ فی ماہ 4000 درہم تک تھی۔ دوسرے درجہ کے قاضی جن کو گورنر یا خلیفہ یا پھر وزیر کے ذریعے تقرر کیا جاتا تھا، ان کے پاس محدود اور مشروط قسم کے اختیارات موجود تھے۔

عباسی دور میں قاضی القضاۃ کے علاوہ مزید دو نئے شعبوں کا بھی اضافہ ہوا تھا، ان میں ایک 'دیوان النظر فی المظالم' ہے۔ یہ خاص طور پر اونچے عہدیداروں کی شکایت سننے اور اس کا ازالہ کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ اسی طرح 'دیوان التوقیع' کا محکمہ درخواستوں اور شکایات پر ہونے والے قاضی کے فیصلوں کو نافذ کرنے کا ذمہ دار تھا۔ عباسی دور کے آخر میں مسلکی اختلافات کثیر تعداد میں پیدا ہونے لگے تھے، لہذا قاضیوں میں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی بدلتے رہتے تھے۔ یا کبھی ایک ساتھ چاروں مسالک کے قاضیوں کی تقرری کی عمل میں آتی تھی۔

4.8 دیوان الشرطہ

اس محکمہ کا سربراہ صاحب الشرطہ کہلاتا تھا جو بہت ہی عظیم اور باوقار عہدہ ہوا کرتا تھا۔ دیوان الشرطہ کو پولیس کا محکمہ بھی کہا جا سکتا ہے، صاحب الشرطہ کبھی کبھار شاہی محافظ اور بعد کے ادوار میں وزیر کی ذمہ داریاں بھی ادا کرتے تھے۔ ہر بڑے شہر میں اس کی اپنی خاص پولیس ہوتی تھی جو کبھی فوج کے فرائض بھی انجام دیتی تھی، اپنی خدمات کے عوض اسے بھاری قیمت ادا کی جاتی تھی۔ ایک اور محکمہ 'محکمہ احتساب' بھی تھا جو بلدیہ کی پولیس کہلاتی تھی۔ یہ بازار اور سماج میں اخلاقیات کے قیام کے ذمہ دار اور نگراں ہوتے تھے۔ محتسب کی ذمہ داری تھی کہ وہ بازار میں ہونے والی تجارت کو صاف ستھرا رکھے۔ اور یہ بھی اس کی ذمہ داری تھی کہ بازار میں استعمال ہونے والے اوزان اور پیمانوں کے صحیح استعمال کو یقینی بنائے۔ ساتھ ہی سماج میں شریعت کے نفاذ کی کوشش اور حرام و ممنوع کاموں مثلاً جوا، سود اور شراب کی کھلے عام فروخت پر روک لگائے۔ علاوہ ازیں مرد و خواتین کے درمیان تسلیم شدہ معیار کے مطابق میل جول کو اور عوامی اخلاق کو برقرار رکھنا یقینی بنائے۔ وہ ایسے افراد کو بھی سزا دیتے تھے جنھوں نے اخلاقی اقدار کو پامال کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ مثلاً ایسے مرد بھی سزا کے مستحق تھے جنھوں نے خواتین کی دلچسپی اپنی طرف راغب کرنے کے لیے بالوں کو سیاہ رنگ لگایا ہو۔ اسی طرح 'شحنہ' نامی ایک اور افسر ہوا کرتا تھا، جو بازار میں اشیاء کے نرخوں پر نظر رکھتا تھا۔

4.9 زراعت و خوشحالی

عباسی دور میں زراعت کی بھی کافی ترقی ہوئی۔ عباسی دور کا زرعی نظام بھی امویوں ہی کی طرح تھا۔ سرکاری خدمات کے معاوضہ میں عہدیداروں کو زمینیں دی جاتی تھیں۔ خلفاء اور امراء کے پاس زمینوں کا بڑا حصہ ہوا کرتا تھا۔ زمینوں کی سیرابی کے لیے نہری نظام بڑی خوبی کے

ساتھ جاری کیا گیا تھا، چنانچہ عراق میں دجلہ اور فرات سے اور مصر میں دریائے نیل سے نہریں نکالی گئی تھیں، جس طرح بڑے پیمانہ پر زمینیں سیراب کی جاتی تھیں، جن کی وجہ سے ان علاقوں کی زمینیں شاداب اور زرخیز ہوگئی تھیں۔ عراق اور مصر کی طرح خوزستان، سیستان اور مرو کے قریب دریائے مرغاب سے بھی نہریں نکالی گئی تھیں، اور ان علاقوں میں آب پاشی کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔ چنانچہ کاشت کا نظام ترقی یافتہ ہوگیا تھا، اور یہاں کی پیداوار دور دراز تک پہنچائی جاتی تھیں۔ بصرہ کی کھجوریں اور خوزستان کے گنے اور شکر اس وقت پوری دنیا میں مشہور تھے۔ ہندوستان سے لاکر لیموں اور سنگترے کی کاشت اسی دور میں شروع کی گئی تھی۔

زراعت کی ترقی کی وجہ سے مملکت میں کافی خوشحالی تھی اور شہروں کے لوگ بڑے خوشحال اور خوش پوشاک رہتے تھے۔ عباسی دور میں مملکت کی تمام زمینوں کی پیمائش اور بندوبست کی گئی تھی، اور اسی کے مطابق کسانوں پر نرم ٹیکس لگائے گئے تھے، تاکہ ان پر بوجھ نہ ہو۔ ٹیکس کی وصولی میں بھی نرمی برتی جاتی تھی۔ ٹیکسوں کی تعیین کے لیے ہی ہارون الرشید کی خواہش پر امام ابو یوسف نے مشہور زمانہ تصنیف کتاب 'الخراج' لکھی تھی۔

4.10 تعلیمی نظام

عباسی دور خلافت میں علوم وفنون کی ترقی کا بہت اہتمام کیا گیا۔ تعلیمی اور فنی ترقی کے کام کئی میدانوں میں اور کئی طرح سے جاری تھے۔ اموی دور میں جو تعلیم، تصنیف اور تحقیق وتدریس کا نظام رائج تھا، عباسی دور میں نہ صرف وہ سلسلہ جاری رہا، بلکہ اس میں کافی ترقی ہوئی، اور نئے نئے اضافے ہوتے رہے۔

4.10.1 تعلیم وتدریس کا نظام

تعلیم کا منظم طریقہ اس دور میں جاری تھا۔ اس میں پہلے مساجد کے وابستہ مکاتب اور گھروں میں ابتدائی تعلیم ہوتی، پھر ثانوی تعلیم عموماً درس کے حلقوں اور اتالیق کے ذریعے دی جاتی تھی۔ اعلی تعلیم کا نظام زیادہ معیاری اور مضبوط تھا۔ یہ کئی شکلوں میں دی جاتی تھی، سب سے معروف طریقہ ماہر اساتذہ کے درس کے حلقے تھے، جہاں طلبہ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے، اس میں کتاب اور فن کی تعلیم ہوتی تھی۔ اسی لیے فن کے ماہرین اور اساتذہ کے حلقے مشہور تھے۔ ایسے حلقے مملکت کے تمام بڑے شہروں میں قائم تھے۔ چنانچہ بڑے بڑے محدثین کے ذریعے حدیث کے حلقے قائم تھے، مدینہ میں امام مالک کا حلقہ ایسا ہی ایک مشہور حلقہ درس تھا، جہاں ہارون الرشید کے دو بیٹوں امین اور مامون نے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی طرح قرآن وتجوید اور تفسیر کے حلقے، فقہ کے حلقے، تاریخ اور سیرت کے حلقے قائم تھے۔ فن طب اور دیگر سائنسی علوم کے حلقے بھی اسی طرز پر قائم ہوا کرتے تھے۔ مکہ ومدینہ اور کوفہ، بغداد، بصرہ، سامرا، صنعا، دمشق، فسطاط اور مصر وغیرہ کے علاوہ بخارا، مرو، رے اور سمرقند وغیرہ متعدد شہروں میں درس کے یہ حلقے جاری تھے، جہاں ہزاروں طلبہ اعلی تعلیم سے جڑے تھے۔

تعلیم وتدریس کا دوسرا طریقہ گھروں میں اتالیق رکھ کر یا طلبہ کو کسی اتالیق کے سپرد کرکے اعلی تعلیم دلانے کا تھا۔ عموماً اچھے اتالیق کے سپرد طلبہ کردئے جاتے تھے جو انہیں اعلی تعلیم سے آراستہ کرتے تھے۔ یہ اتالیق مؤدب کہلایا کرتے تھے، اور بہت کامیاب طریقہ پر اس طریقہ کے ذریعے تعلیم دی جاتی تھی۔

تعلیم کا ایک طریقہ تحقیقی اداروں اور عملی تربیت گاہوں سے جڑکر نظری اور عملی تعلیم حاصل کرنے کا تھا۔ چنانچہ عباسی دور کے مشہور تحقیقی ادارہ بیت الحکمت کے اندر بہت سے طلبہ اعلی تعلیم اور اس کی تربیت حاصل کرتے تھے۔ مملکت کے مختلف شہروں میں مثلاً بغداد، سمرقند اور دمشق میں رصدگاہیں قائم تھیں، ان میں فلکیات وریاضیات کی تعلیم اور تربیت دی جاتی تھی۔ ایک طریقہ تعلیم بڑے ماہر اساتذہ اور ماہرین فن کے ساتھ جڑکر ان

سے تعلیم اور تربیت حاصل کرنے کا تھا۔ یہ تعلیم وتربیت مذہبی علوم اور سائنسی علوم وفنون دونوں کے لیے ہوا کرتی تھی۔

آگے چل کر عباسی دور میں تعلیم کے بڑے مدارس اور جامعات بھی قائم ہونے لگے تھے۔ چنانچہ بغداد میں مدرسہ نظامیہ قائم ہوا تھا، جو اپنے وقت کی بڑی یونیورسٹی تھی۔ طلبہ کے لیے مختلف فنون کی تعلیم کے ساتھ رہائش، مطالعہ اور دیگر سہولیات فراہم کی گئی تھیں۔ مملکت کے بڑے اساتذہ وہاں درس کے لیے بلائے جاتے تھے۔ امام غزالی نے اسی نظامیہ میں تعلیم حاصل کی تھی، اور پھر وہیں مدرس مقرر ہوئے تھے۔ اسی نام سے ایک جامعہ نیشاپور میں قائم تھا، جہاں امام الحرمین جوینی درس دیا کرتے تھے۔ پھر ایسا ہی ایک مشہور تعلیمی ادارہ المستنصریہ کے نام سے قائم ہوا تھا، یہ ادارہ طویل زمانے تک اعلیٰ تعلیم دیتا رہا تھا۔ اس طرح کے بڑے مدارس اور جامعات خلافت کے مختلف شہروں میں قائم ہوتے گئے تھے۔

4.10.2 تحقیق وتصنیف کا نظام

عباسی دور میں تحقیق اور تصنیف کا کام بھی بڑے پیمانہ پر ہوا، اور اس کے لیے انفرادی کوششیں بھی ہوئیں، اور ادارے بھی قائم کئے گئے۔ بغداد کا بیت الحکمت ایسا ہی بڑا تحقیقی ادارہ تھا، جہاں مختلف سائنسی علوم وفنون کی کتابوں کے ترجے اور تحقیق کا کام انجام دیا جاتا تھا، اور نئے موضوعات پر کتابیں تصنیف کی جاتی تھیں۔ بیت الحکمت سے جڑ کر اس وقت کے بڑے بڑے فاضلین اور باکمالوں نے تحقیق اور تصنیف کی خدمات انجام دیں۔ مختلف علوم جیسے ریاضیات، فلکیات، کیمیا اور طب کے علاوہ فلسفہ اور جغرافیہ وغیرہ موضوعات پر کتابیں تصنیف اور ترجمہ کی گئیں۔ یہاں ان فاضلین کے ساتھ طلبہ اور شاگردوں کی بھی بڑی تعداد ہوتی تھی، جو ان علوم وفنون میں مہارت حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح مملکت کے مختلف علاقوں میں اسپتال اور شفاخانے کھولے گئے تھے۔ بغداد، رے اور دوسرے شہروں میں ایسے بڑے شفاخانے موجود تھے۔ ان شفاخانوں کے ساتھ میڈیکل کالج بھی ہوا کرتے تھے، اور ماہر اطبا کی نگرانی میں طلبہ طب کی تعلیم اور عملی تجربات حاصل کرتے تھے۔

ان کے علاوہ متعدد کتب خانے اور لائبریریاں بھی نجی اور سرکاری طور پر قائم ہوتی تھیں، جہاں طلبہ اور اہل علم مطالعہ اور تحقیق کا کام انجام دیتے تھے۔ ایسے بڑے بڑے کتب خانے مختلف شہروں میں قائم ہوگئے تھے۔ خلفاء، گورنروں اور والیوں کے بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ علماء، فقہاء، اور فضلاء کے بھی ذاتی کتب خانے تھے۔ اسی طرح اہل علم اور ماہرین فن اساتذہ کے بھی ذاتی کتب خانے ہوا کرتے تھے۔ ان کتب خانوں میں مطالعہ اور تحقیق دونوں کام انجام پاتے تھے۔ اور ایسے کتب خانے عام استفادہ کے لیے وقف بھی کردئے جاتے تھے۔

کتب خانوں کے علاوہ کتابوں کی دکانیں ہوا کرتی تھیں، جنہیں دکان الوراقین کہا جاتا تھا۔ یہ دراصل کتابوں کی نقلیں تیار کرنے والے ہوتے تھے۔ پھر یہ نقلیں فروخت ہوتی تھیں۔ ایسے لوگوں کو وراق اور کاتب کہا جاتا تھا۔ ان سے کتابوں کے شائقین اپنے لیے نقلیں تیار کراتے تھے۔ اور یہ خود بھی نقلیں اور کاپیاں تیار کرکے کتابیں فروخت کرتے تھے۔ اکثر اصحاب ثروت کاتبوں کو رکھ کر اپنے لیے کتابوں کی نقلیں تیار کرایا کرتے تھے۔ کتابوں کی ان دکانوں میں آکر کتابوں کا مطالعہ کرنے اور پڑھنے کی اجازت ہوتی تھی، اس کے لیے کوئی رقم نہیں لی جاتی تھی۔ لوگ یہاں بیٹھ کر اپنے لیے بھی کتابوں کی نقلیں بنایا کرتے تھے، اور اس کے لیے رقم لی جاتی تھی۔ کتابوں کی یہ دکانیں بھی اعلیٰ تعلیم کی اشاعت کے مراکز تھے، اور ان کے ذریعے مختلف فنون کی تعلیم عام ہوتی تھی۔

4.11 صوبائی نظام

صوبائی نظام مرکزی نظام سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ تمام ترشعبے جو مرکز میں تھے، وہی سب صوبائی سطح پر بھی موجود تھے، صوبہ کا سربراہ والی یا گورنر کہلاتا تھا، گورنر کا تقرر راست طور پر خلیفہ کے ذریعے ہوتا تھا۔ صوبہ کا والی ہی صوبائی محکموں کا اعلیٰ نگراں ہوتا تھا۔ ریاست میں کل 36 صوبہ جات تھے۔

4.12 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- عباسی دور میں خلیفہ حکومت کے تمام تر امور کا سربراہ اعلی ہوتا تھا۔ ان کی حیثیت مختار کل کی تھی۔
- خلیفہ کے انتخاب کا کوئی طریقہ متعین نہیں تھا۔ عام طور پر خلیفہ اپنے بعد اپنا ولی عہد مقرر کر دیتا تھا، اور کبھی کبھی دو یا اس سے زائد بھی ولی عہدوں کی تقرری کی جاتی تھی۔
- عباسی خلفاء نے وزارت کے نام سے ایک نیا عہدہ قائم کیا تھا جس کا سربراہ وزیر کہلاتا تھا۔ یہ سلطنت کے تمام محکموں کا سربراہ اعلی ہوتا تھا۔
- وزیر کے بعد حاجب کا عہدہ سب سے بڑا اور ممتاز تھا۔ یہ خلیفہ کا بہت ہی خاص اور بھروسہ مند شخص ہوتا تھا۔
- محکمہ مالیات کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ اس شعبہ کے ذمہ اصل دو امور کی نگرانی تھی۔ حکومت کی آمدنی کے وسائل اور ان کے خرچ کی نگرانی کرنا اور سارا حساب کتاب محفوظ رکھنا۔ دیوان الخراج مالیات کا سب سے اہم محکمہ تھا۔
- فوجی نظام کے تحت دو طرح کی فوج تھی، ایک بری اور دوسری بحری۔ بری فوج بھی مستقل اور غیر مستقل میں منقسم تھی۔
- دیوان البرید کے نام سے ڈاک کا محکمہ قائم تھا۔ اس کے سرپرست اعلی کو صاحب البرید والخبر کہا جاتا تھا۔
- عدالتی نظام میں خلیفہ عدالت کا سب سے بڑا عہدہ دار تھا۔ وہ صوبائی قاضیوں اور مرکزی قاضی کے فیصلوں پر نظر ثانی کر سکتا تھا۔ قاضیوں کی تقرری و معزولی بھی خلیفہ کے حکم سے ہوتی تھی۔ صوبائی قاضیوں کو صوبائی گورنروں کے ماتحت رکھا گیا تھا، لیکن مرکزی قضاۃ خلیفہ کے ماتحت تھے۔
- عباسی دور کا زرعی نظام کافی ترقی یافتہ تھا۔ سرکاری خدمات کے معاوضہ میں زمینیں دی جاتی تھیں۔ مملکت کی تمام زمینوں کی پیمائش اور بندوبست کی گئی تھی، اور اسی کے مطابق کسانوں پر نرم ٹیکس لگائے گئے تھے، تاکہ ان پر بوجھ نہ ہوں۔
- عباسی دور میں تعلیمی اور علمی نظام بڑا ترقی یافتہ تھا۔ رصد گاہوں میں فلکیاتی تجربات ہوتے اور عملی تعلیم دی جاتی۔ کتب خانے اور کتب فروشوں کی دکانیں بھی اعلی تعلیم کے مراکز کے طور پر کام کرتے تھے۔ ان کے علاوہ باضابطہ طور پر اعلی تعلیم کے لیے یونیورسٹیز اور جامعات بھی قائم کیے گئے، جیسے جامعہ نظامیہ بغداد، جامعہ نظامیہ نیشا پور اور المستنصر یہ وغیرہ۔

4.13 کلیدی الفاظ

خلیفہ	:	مملکت کا سربراہ اعلی
دیوان السر	:	راز داری کا محکمہ
دیوان النظر فی المظالم	:	مظالم پر نظر رکھنے والا محکمہ
مرتزقہ	:	تنخواہیں پانے والے
شحنہ	:	بازار میں اشیاء کے نرخ کی نگرانی کرنے والے
وراق	:	کتاب کی نقل تیار کرنے والا

محاصل	:	آمدنی
اتالیق	:	نگراں، خاص استاذ
حاجب	:	خلیفہ کا ایک قریبی عہدیدار
کاتب	:	لکھنے والا، نقل تیار کرنے والا
مؤدب	:	ادب اور تربیت دینے والا

4.14 نمونہ امتحانی سوالات

4.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ عباسی خلفاء نے نیا عہدہ کس نام سے قائم کیا تھا؟

(a). وزیر (b). حاجب (c). قاضی (d). عامل

2۔ ابوجعفر المنصور نے کونسا شہر تعمیر کیا تھا؟

(a). سامرا (b). بغداد (c). کوفہ (d). سب غلط

3۔ امام ابو یوسف نے مالیاتی مسائل پر کونسی کتاب تحریر کی تھی؟

(a). کتاب الاموال (b). کتاب الخراج (c). کتاب المناظر (d). سب غلط

4۔ عباسی دور میں فوج کی دو قسمیں بری اور بحری فوج تھیں۔

(a). صحیح (b). غلط (c). دونوں صحیح (d). دونوں غلط

5۔ عباسی دور کے پہلے وزیر کا کیا نام تھا؟

(a). جعفر (b). فضل بن ربیع (c). یحیی برمکی (d). ابوسلمہ خلال

6۔ سرکاری عطیات کا حساب و کتاب رکھنے والا ادارہ کیا کہلاتا تھا؟

(a). دیوان الشعر (b). دیوان السر (c). دیوان العطاء (d). دیوان البرید

7۔ مصر میں کس دریا کے پانی سے آب پاشی کی جاتی تھی؟

(a). مرغاب (b). نیل (c). دجلہ (d). فرات

8۔ خلیفہ کا انتخاب کون کرتا تھا؟

(a). عوام (b). اہل حل وعقد (c). امرا (d). سابق خلیفہ

9۔ عباسی دور میں محاصل کی وصولی کے لیے کون سا نیا نظام شروع کیا گیا تھا؟

(a). اقطاع داری (b). گورنروں سے وصولی (c). کسانوں پر ٹیکس (d). سب غلط

10۔ دیوان الازمہ کس نے قائم کیا تھا؟

(a). ہارون رشید (b). مہدی (c). مامون (d). منصور

4.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ عباسی دور میں خلیفہ کے انتخاب کے طریقہ پر روشنی ڈالیے۔

2۔ خلافت عباسی کے مالی نظام کو واضح کیجیے۔

3۔ عباسی حکومت کے نظم ونسق پر ایک مضمون قلم بند کیجیے۔

4۔ خاندان برامکہ کی علمی و تنظیمی خدمات پر ایک نوٹ لکھیے۔

5۔ فوجی نظام کی تفصیل عباسی دور میں کیا تھی؟ بیان کیجیے۔

4.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ عباسی دور کے عدالتی نظام پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

2۔ عباسیوں کے عروج میں انتظامات کی ترقی و مضبوطی کے رول پر تجزیاتی تحریر قلمبند کیجیے۔

3۔ ابوجعفرالمنصور، ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دور کی انتظامی احوال پر تحریر لکھیے۔

4.15 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخ اسلام (جلد سوم، چہارم) : شاہ معین الدین احمد ندوی

2۔ تاریخ اسلام (جلد دوم) : اکبر شاہ نجیب آبادی

3۔ تاریخ تہذیب اسلامی (جلد سوم) : پروفیسر یسین مظہر صدیقی

4۔ تاریخ عرب : پی۔ کے۔ ہتی (انگریزی)

5۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول) : ثروت صولت

-:oOo:-

اکائی 5 : عباسی دور میں سماجی ومعاشی حالات

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید

5.1 مقصد

5.2 عباسی دور کے سماجی ومعاشی حالات پر ایک نظر

5.3 سماجی طبقات

5.4 رہن سہن، لباس، غذا وخوراک

5.5 عورت کی حیثیت اور خانگی زندگی

5.6 غلام اور لونڈی کا رواج

5.7 رقص وسرود، موسیقی اور تصویر سازی

5.8 سیر وتفریح کے ذرائع

5.9 عہد عباسی کی معاشی صورت حال

5.10 اکتسابی نتائج

5.11 کلیدی الفاظ

5.12 نمونہ امتحانی سوالات

5.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

5.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

5.0 تمہید

عباسی دور ایک وسیع زمانے پر پھیلا ہوا ہے جو مسلمانوں کے تمدنی، ثقافتی، تعلیمی، معاشرتی، معاشی اور اقتصادی ارتقا کا دور ہے۔ جس میں

اسلامی تہذیب اور کلچر کو عروج حاصل ہوا۔اس طویل عرصے میں سیاسی تغیرات آتے رہے جس کی وجہ سے سماجی تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں اور سماج کی تعمیر وتشکیل ہوتی رہی۔اس دور میں عجمی عناصر کا بہت زیادہ غلبہ تھا۔عباسی خلفاء چونکہ بہت وسیع النظر اور فراخ دل تھے اور سماج میں مختلف عناصر واقوام جیسے ہندی، فارسی، ایرانی، سندھی، رومی، ترکی، بربری اور قبطی وغیرہ جمع ہوگئے تھے جس کے باعث اُموی دور کی عربی اور اسلامی ثقافت وتہذیب کے مقابلہ عباسی عہد کی اسلامی ثقافت وتہذیب میں زیادہ تنوع اور تکثیریت پائی جاتی ہے۔اس تناظر میں عباسی دور میں سماجی ومعاشی حالات کا مطالعہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔

5.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ یہ جان سکیں گے کہ عباسی سماج کی کیا خصوصیات ہیں؟ اور وہ کیا بنیادی چیزیں ہیں جو اس کو دوسرے سماجوں سے ممتاز کرتی ہیں اور عباسی سماج کی تعمیر وتشکیل میں کن عوامل ومحرکات نے اہم و بنیادی کردار ادا کیا۔اسی طرح اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ واقف ہوسکیں گے کہ عباسی عہد کی معاشی صورتِ حال کیا تھی؟ نیز سیاسی صورتِ حال کی تبدیلی کے باعث معاشی صورتِ حال میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں جس کے سیاسی وسماجی سطح پر کیا اثرات مرتّب ہوئے؟

5.2 عباسی دور کے سماجی ومعاشی حالات پر ایک نظر

عہد عباسی کے معاشرہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خلافت بنی اُمیّہ کی طرح ایک خالص عرب خلافت نہیں تھی، وہ دنیا کی سب سے وسیع سلطنت وحکومت یا سیاسی وحدت کا عظیم شاہکار تھی اور اس کی حدود میں عرب، ایرانی، ترکی، رومی، مصری، بربری، ہندی، سندھی، قبطی، مجوسی اور صابی جیسی بہت سی قومیں آباد تھیں۔انہیں مختلف عناصر کی وجہ سے اموی خلفاء کی بہ نسبت عباسی خلفاء کافی وسیع النظر تھے اور سماج میں تکثیریت کا پہلو نمایاں تھا۔ان تمام اقوام کے باہمی میل جول اور اتحاد سے ایک نئی تہذیب اور نئے سماج نے جنم لیا جو اپنے دور کی سب سے شائستہ تہذیب اور ترقی یافتہ سماج کا مظہر تھی۔حالانکہ اس میل جول کی وجہ سے بہت سے غیر اسلامی اثرات بھی مسلمانوں میں در آئے، لیکن غلبہ اسلامی اقدار اور اسلامی روایات کو ہی حاصل رہا۔جس کی وجہ سے یہ اسلامی تہذیب اور اسلامی سماج کہلاتا ہے۔عباسی حکومت چونکہ غیر ملکی عناصر کے تعاون سے وجود میں آئی تھی اس لیے غیر عرب بالخصوص ایرانی حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز اور غیر معمولی اثر ورسوخ کے مالک بن گئے تھے۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی علماء اور صوفیا سے محبت اور دین سے قلبی عقیدت کے باوجود عباسی سماج میں اجنبی اور نامانوس سرگرمیوں میں مزید اضافہ ہوا اور ایرانیوں کے اثرات غالب ہونے کے باعث نجومیوں، اور رمّالوں کے پیشے کو بہت زیادہ تقویت حاصل ہوئی اور پھر یہ طرزِ عمل عالمِ اسلام میں ایسی عام ہوئی کہ آج تک مسلمانوں میں اس کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

عباسی خلافت میں خلیفہ اور اس کا خاندان عرب تھے، لیکن حکومت کے نظم ونسق میں ایرانیوں کا اور فوج میں ترکوں کا غلبہ تھا اور اس اختلاط رنگ ومذہب کی وجہ سے مختلف اقوام اسلام کے مفاد سے زیادہ خلیفہ کا مفاد میں متحد ہوگئے تھے۔لیکن اس ظاہری اتحاد اور وحدت کے اندر نسلی، قبائلی، مذہبی اور وطنی عصبیت بدستور کام کر رہی تھی۔ بلکہ وہ عصبیتیں جو بنی اُمیّہ نے بھڑکائی تھیں عہد بنی عباس میں انہوں نے شدت اختیار کر لی اور عربی تعصب کی وجہ سے عجمی قوم پرستی کی جو آگ اندر ہی اندر سُلگ رہی تھی وہ پوری طاقت سے بھڑک اُٹھی اور اس نے صرف عربی عصبیت کے خلاف ہی نہیں بلکہ خود اسلام کے خلاف بھی زندیقوں کا ایک محاذ قائم کر دیا۔جس کے لیے عباسی خلیفہ مہدی کو دیوان الزنادقہ قائم کرنا پڑا۔

عہدِ عباسی کے سماج کا اگر ہم تعلیمی نقطۂ نظر سے جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی کے سماج میں علم وفن کی تابندگی کا زیادہ تر دارومدار علما وفضلا کی ذاتی اور انفرادی کاوشوں کا ثمرہ تھا۔عباسی سماج میں علوم وفنون کے تئیں بیداری پیدا ہونے کی دوسری اہم وجہ بعض خلفاء بالخصوص منصور اور

مامون کی علم پروری اور علم دوستی بھی ہے۔ مامون نے بیت الحکمۃ کے ذریعے سریانی، یونانی، فارسی اور سنسکرت کی سودمند کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا اور اہلِ علم کو ان کے مطالعہ اور تعلیم کا شوق دلایا۔ اور ترجمہ کی ہوئی کتابوں کے وزن کے برابر چاندی یا سونا انعام میں دیا اور اس طرح مامون کے ذوق وشوق اور حوصلہ افزائی سے عوام وخواص دونوں اس طرف مائل ہوگئے، اور چند ایام میں بغداد میں اہلِ علم کی کثرت ہوگئی اور سماج میں علم وفن کا ایسا بازار گرم ہوگیا کہ اطراف واکناف کے علماء، فضلا، ادبا، شعرا، مؤرخین، سائنس داں، اور فلسفی جب تک بغداد کے اہلِ علم ودانش کی صحبت میں کچھ وقت نہیں گزار لیتے تھے تب تک وہ اپنی صلاحیت اور استعداد کو نامکمل سمجھتے تھے۔

عباسی دور کی تہذیب اور سماج کے تعلیمی، فنی اور سائنسی لحاظ سے متمول ہونے کا پتہ درج ذیل تاریخی حقائق سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ''دسویں صدی عیسوی میں صرف دمشق شہر میں فقہ واسلامی قانون کے مدارس اور جامعات کا یہ منظر تھا کہ 63 تعلیمی ادارے شافعی کے، 52 حنفی کے، 11 حنبلی کے اور 4 مالکی کے تھے۔ ان کے علاوہ علم طب وغیرہ کے اسکول اور کالج علیحدہ تھے۔ مستنصریہ اس دور کا فقہ کا سب سے بڑا ادارہ تھا جس میں چاروں فقہی مذاہب کے ماہر اساتذہ تعلیم دیتے تھے۔ جامعہ نظامیہ پانچویں صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک دنیا کی سب سے بہترین یونیورسٹی تھی جس میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد چھ ہزار تھی۔ اس دور میں اسپتال اور لائبریریاں بھی قائم ہوچکی تھیں۔ اسپتالوں میں مختلف شعبے بھی وجود میں آچکے تھے، بعض اسپتالوں کے ساتھ میڈیکل کالج بھی منسلک کردیئے گئے تھے جہاں مختلف ممالک اور علاقوں کے طلبہ علم طب کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دمشق کا نوری اسپتال، مصر کا ابن طولون اسپتال اور بغداد کا ازدی اسپتال بہت مشہور تھے اور تمام ضروریات، سہولیات اور آلات سے آراستہ تھے۔ ابن طولون اسپتال میں اتنی عظیم لائبریری موجود تھی کہ جس میں صرف علمِ طب کے موضوع پر ہی ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں موجود تھیں۔

عباسی دور میں لوگ امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عباسی خلافت میں عدل وانصاف کا بول بالا تھا۔ عدل کے قیام اور ظلم وجور کے انسداد میں عباسی خلیفہ بہت اہتمام کرتے تھے اور اس کے لیے شہروں میں ایوانِ عدالت قائم کر رکھے تھے جہاں عادل ومنصف قاضی تعینات تھے۔ عدل وانصاف کے تعلق سے انھوں نے معمولی سے معمولی انسان کو یہ آزادی دے رکھی تھی کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ حاکمِ وقت کے خلاف بھی اپنی صدائے حق بلند کرسکتے تھے، اور اس کو سنا جاتا تھا اور پھر جو حق ہوتا اس کے مطابق فیصلہ صادر کیا جاتا تھا اگرچہ مدعا علیہ خلیفہ اور سلطان ہی کیوں نہ ہوتا۔ لیکن ان تمام سماجی حالات اور معاشرتی حقائق کے باوجود یہ بھی تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ عباسی دور میں بہت سے خلفا اور سلاطین تخت نشین ہوئے اور اس دوران سیاسی حالات بدلتے رہے بلکہ عہدِ عباسی کے عہدِ زوال میں انتہائی بدتر ہوگئے۔ جس کے سماج پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے اور اس وجہ سے سماجی حالات میں بھی کچھ تغیر وتبدیلی واقع ہوتی رہی۔ لہٰذا عباسی دور کے سماجی حالات کے تعلق سے اس نقطۂ نظر کو بھی ذہن وفکر میں رکھنا انتہائی ضروری ہے، مثلاً 861ء میں المتوکل کے قتل کے ساتھ عباسی سلطنت میں افراتفری پھیل گئی۔ 9 سال کی قلیل مدت میں 4 خلفا تخت نشین ہوئے لیکن وہ سب ترکی محافظوں اور فوجیوں کے ہاتھوں میں بالکل بے بس تھے۔ ترکی مضبوط ہوتے گئے اور ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ نویں اور دسویں صدی عیسوی کے اس سیاسی زوال کی وجہ سے سلطنت کی قوت بحیثیت مجموعی پارہ پارہ ہوگئی۔ لیکن ان امور کا عباسی خلافت کی سماجی، ثقافتی اور معاشی زندگی پر فوری کوئی ناگوار اثر نہ ہوا۔

5.3 سماجی طبقات

خلافت بنوعباس کے سماج کو ہم بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ ایک مذہبی تقسیم اور دوسری نسلی تقسیم۔ پہلے ہم مذہبی تقسیم کا اجمالی خاکہ بیان کریں گے بعد از اں نسلی تقسیم کا مختصر جائزہ لیں گے۔ مذہبی نقطۂ نظر سے پوری عباسی سلطنت کو دو طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک مسلم طبقہ اور دوسرا ذِمّی طبقہ۔ مسلمانوں کے علاوہ یہودی، عیسائی، صابی اور مجوسی وغیرہ سبھی ذِمّی طبقے میں شامل تھے۔ ابتدائے اسلام میں صرف یہودی، عیسائی اور

صابئی ہی ذمی تسلیم کیے جاتے تھےلیکن بعد میں حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر ذِمّی کی تعریف اور اصطلاحی مفہوم میں گنجائش نکالی گئی اور مجوسی، مانوی، حرّانی وغیرہ بھی ذمّی کے حلقے میں شامل کر لیے گئے۔اوران تمام اقوام سے انہیں قوموں کی مثل سلوک ہوتا تھا جن سے مذہبی رواداری کا معاہدہ تھا۔اوران کی سماج میں وہی حیثیت اور وہی حقوق ان کو حاصل تھے جو مسلم سماج کے تھے۔یہ ذمّی طبقات آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی تعلیمات، روایات اور رسومات پر عمل کرتے تھے، اپنی زبان بولتے تھے، یہاں تک کے اکثر یہودی اور عیسائی بڑے بڑے مالی اور دفتری عہدوں پر فائز اور بہترین پیشے اختیار کئے ہوئے تھے۔اگر چہ بعض تاریخی روایات کے مطابق مسلمانوں اور خلفاء کی ناراضگی کی وجہ سے امتناعی اور امتیازی احکام بھی جاری کئے گئے لیکن یہ صرف کاغذوں تک محدود رہے باقاعدہ ان کے نفاذ کی کبھی نوبت نہیں آئی۔مثلاً: اسلامی حکومت کے بعد تعمیر کردہ گرجا گھروں کو منہدم کرنے، یہود و نصاریٰ کے لیے مخصوص لباس پہننے، مکانات پر شیاطین کے لکڑی کے پُتلے لگانے، اپنی قبریں زمینی سطح کے برابر رکھنے، اپنے غلاموں کے کپڑوں میں دو زرد ٹکڑے سینے، خچر اور گدھے کی سواری کرنے اور شناخت کے لیے لکڑی کی کاٹھی کے پچھلے حصے پر لکڑی کی دو گیندیں لگانے کا حکم دینا وغیرہ۔(تاریخ ملت عربی، فلپ حِٹی، ص:569-568)

حقیقت یہ ہے کہ عباسی دورِ خلافت میں ذمیوں کے ساتھ مجموعی طور پر کافی حد تک رواداری، برابری اور بے تعصبی کا معاملہ کیا جاتا تھا۔ تاریخ میں جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔عباسی خلفاء کے سامنے مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مذہبی مناظرے بھی ہوتے تھے، عیسائیت کی حمایت اور وکالت میں عیسائی مذہبی رہنما تقریر بھی کرتے تھے۔نسطوری نصاریٰ کے پادری ٹموتھی نے 781ء میں خلیفہ مہدی کے سامنے مسیحیت کی تائید میں جو تقریر کی تھی کتابی شکل میں وہ آج تک موجود ہے۔

یہودی بھی ذمّی کے زمرہ میں داخل تھے اور ان کی معاشرتی و معاشی حالت عیسائیوں سے بہتر تھی۔مقدسی کے مطابق 985ء میں ملک شام کے زیادہ تر صراف، ساہوکار، یہودی، اکثر اہلکار اور طبیب عیسائی تھے۔بعض عباسی سلاطین بالخصوص خلیفہ المعتضد (892ء تا 902ء) کے دور میں دار الحکومت بغداد اور مختلف صوبوں میں بہت سے یہودی حکومت کے اہم عہدوں پر مامور تھے۔اور یہ کافی بڑی تعداد میں آباد تھے جو بغداد کے سقوط تک پھلتے پھولتے رہے۔بابلی یہودیوں کا مذہبی سردار حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہوتا تھا جس کا حد درجہ احترام و اکرام کیا جاتا تھا اور وہ عباسی حکومت کے تمام یہودیوں کے لیے عظیم پیشوا کا درجہ رکھتا تھا جس کی اطاعت و اتباع ہر ایک یہودی پر واجب و ضروری تھی۔یہودیوں کے ساتھ مسلم حکمرانوں کی رواداری اور بے تعصبی کا اندازہ تطیلی بن یامین کی اس تحریر سے لگایا جا سکتا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ:

''1169ء کے قریب اس بستی میں وارد ہوا تو دیکھا کہ وہاں 10 مذہبی مدرسے اور 23 عبادت خانے موجود ہیں۔ان میں سب سے بڑا صومعہ دھاری کے نفیس مرمر سے مزیّن اور سونے چاندی سے خوب آراستہ تھا''۔(تاریخ ملت عربی، فلپ حِٹی ص:572-575)

حدیث اور اسلامی فقہ میں مجوسی یا زرتشتی کو بھی اہلِ کتاب کا درجہ دیا گیا ہے اور ان پر صائبین کی اصطلاح حاوی بتائی گئی ہے۔عباسی دور میں ایران کے زرتشتی چونکہ عملی سیاست میں کافی اثر رکھتے تھے اور خاصی بڑی تعداد میں آباد تھے۔لہٰذا سیاسی اور وقتی مصلحت کے پیش نظر زرتشتیوں کے ذمیوں میں شامل ہونے کے لیے گنجائش نکالی گئی اور اس طرح یہ بھی ذمّی تھے۔ان کے آتش کدے نہ صرف ایران کے تمام علاقوں بلکہ عراق میں بھی بدستور قائم تھے اور یہ پوری آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی تعلیمات اور روایات پر عمل کرتے تھے۔

عباسی سلطنت مسلم حکومت تھی جہاں کثرت سے عربی اور عجمی مسلمان آباد تھے۔جو سیاسی، سماجی اور معاشی ہر لحاظ سے کافی خوشحال و کامران تھے۔دیگر مذاہب کے مقابلہ میں ان کو کچھ خصوصی مراعات حاصل تھیں۔لیکن مسلمانوں میں علماء اور صوفیا کا طبقہ ایسا تھا جو عباسی خلفاء سے بیزار تھا اور عوامی سطح پر ان کا کافی اعزاز و اکرام تھا۔اگر چہ اموی دور میں صوفیا کی ابتدا ہو گئی تھی لیکن عباسی دور میں باقاعدہ ان کا اور ان کے معتقدین کا ایک طبقہ

وجود میں آ گیا تھا۔فضیل بن عیاض (853-726ء)، بایزید بُسطامی (874-804ء)، اور جنید بغدادی (910-830ء) جیسے سرخیل صوفیا اور امام ابو یوسف (798-738ء)، امام محمد (805-749ء)، امام شافعی (820-767ء) اور امام احمد بن حنبل (855-780ء) جیسے عظیم فقیہ و محدث اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ان صوفیا اور علماء نے عوام کے مذہبی ذہن کی تشکیل و تعمیر میں کافی نمایاں کردار ادا کیا۔

نسلی اعتبار سے بھی عباسی خلافت کو ہم دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ایک عربی گروہ اور دوسرا عجمی گروہ۔اور ان دونوں گروہوں کے درمیان سیاسی اور سماجی چپقلش اور تضاد برابر چلتا رہتا تھا۔

اموی دورِ خلافت میں ان کے عربی تعصب اور اہلِ عرب کو تمام قوموں سے بہتر و اعلیٰ سمجھنے اور عجمیوں میں پہلے سے ہی نسلی فخر و غرور کا جذبہ موجود ہونے کی وجہ سے عجمی قوم پرستی کی جو آگ اندر ہی اندر سُلگ رہی تھی، عباسی دورِ خلافت میں شد و مد کے ساتھ وہ اور تیز ہوگئی۔ بلکہ عباسیوں نے اپنے سیاسی مفاد کی خاطر ایک طرف عربوں کو عربوں سے لڑوایا اور دوسری طرف عجمیوں کو عربوں کے خلاف اُکسایا۔اس معرکہ آرائی اور نسلی چپقلش نے نہ صرف عربی عصبیت کے خلاف مورچہ کھولا بلکہ اسلام کے خلاف بھی زنادقہ کا ایک محاذ کھڑا کر دیا اور اسی عربی اور عجمی عصبیت اور فوقیت کی جنگ سے مشہور تحریک ''الشعوبیہ'' کا آغاز ہوا۔ یہ تحریک صرف قوم پرستی پر مبنی نہیں تھی بلکہ اپنے اندر زندیقیت اور الحاد و گمراہی کے بہت سے جراثیم سمیٹے ہوئے تھی۔اس تحریک کے متبعین میں ایرانی، نبطی اور قبطی ہر طرح کے لوگ تھے اور ہر جگہ کی شعوبیت کا اپنا ایک مخصوص رنگ تھا۔ان کا ماننا تھا کہ عربوں کو عجمیوں پر کوئی برتری اور فضیلت حاصل نہیں ہے، تمام انسان ایک مٹی اور ایک نسل سے ہیں لیکن بہت جلد اس تحریک نے عربوں کی مخالفت کا روپ اختیار کر لیا اور عربوں کے ساتھ قریش کی اس حد تک مخالفت کی کہ ان کے ایک ایک قبیلے کی مذمّت میں کتابیں تحریر کی جانے لگیں۔ان کا شدت پسند طبقہ دو قدم آگے بڑھ کر خود اسلام پر حملہ کرنے لگا اور عجمی وزرا، حکام اور فوجی قائدین نے درپردہ ان کی حوصلہ افزائی کی۔

شعوبی تحریک کے ماننے والے مختلف افکار و نظریات سے وابستہ تھے۔جن میں سے بعض عربوں اور عجمیوں کو برابر قرار دیتے تھے، کچھ عربوں کو اور اسلام کو علیحدہ علیحدہ نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے۔بعض وہ تھے کہ جن کی ابتدا اعتدال اور انتہا شدّت پسندی پر ہوتی تھی اور ایک گروہ وہ تھا جو کہ کلی طور پر عربوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور کسی طرح کی برتری قبول نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اسلامی عقائد و تعلیمات کا بھی علانیہ مذاق اُڑاتا تھا۔یہ زنادقہ کے نام سے مشہور تھا۔زنادقہ صرف اعتقادی گمراہی تک ہی محدود نہ تھے بلکہ عملاً اخلاقی حدود کو پامال کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔مثلاً: جھوٹی حدیثیں گڑھنا، جنت اور دوزخ کے متعلق تمسخر کرنا، عجمی تہذیب، عجمی نظامِ سیاست اور حکومت کے حصول کے فضائل بیان کرنا، شعر و ادب کے پردے میں فسق و فجور اور غیر اخلاقی سرگرمیوں کو فروغ دینا، دین اور اس کے حدود کا مذاق اُڑانا اور شراب، زنا، رشوت جیسے کبیرہ گناہوں کا فروغ اور ارتکاب کرنا وغیرہ۔زنادقہ کی سرکوبی اور تردید کے لیے ہی خلیفہ مہدی کو عمر الکلواذی کے تحت مستقل ایک محکمہ ''دیوان الزّنادقہ'' قائم کرنا پڑا تھا۔شعوبی تحریک کا اثر ادبی، سیاسی اور سماجی تینوں سطح پر مرتب ہوا جس کی وجہ سے دور دراز علاقوں میں نہ صرف علیحدگی پسند تحریکوں نے سر اُٹھایا بلکہ بعض چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں بھی وجود میں آئیں۔(خلافت و ملوکیت، ابوالاعلیٰ مودودی، ص:196 تا 200)

5.4 رہن سہن، لباس، غذا و خوراک

عباسی حکومت میں ایرانیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور سیاسی، سماجی اور معاشی ہر لحاظ سے ان کے اثرات مرتب ہونے کے باعث عباسی دور کے رہن سہن کے طور طریقوں پر بھی ایرانی اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔اس دور میں نشست کے لیے دیوان کا رواج عام تھا۔یعنی کمرے میں تین پہلوؤں سے ملا کر گدّہ دار پتلی چوکیاں لگا کر بیٹھتے تھے۔کرسیوں کی شکل میں اونچی نشست کا طریقہ بھی رائج تھا لیکن زمین اور چوکیوں پر قالین اور چٹائی بچھانا، ان پر گدّے اور تکیے لگانا اور آرام سے آلتی پالتی مار کر بیٹھنا زیادہ پسند کرتے تھے۔فرشوں کو دستی قالین سے مزیّن اور گرمی کے موسم میں

مکانات کو برف سے ٹھنڈا کرتے تھے۔امیر لوگ گرمیوں کا زمانہ تہ خانوں میں گذارتے اور پانی ٹھنڈا کرنے کے لیے برف بھی استعمال کرتے تھے جو شمال کے پہاڑوں سے لایا جاتا تھا۔دریا کے کنارے آب وہوا ٹھنڈی رہنے کی وجہ سے امرا اور عوام کشتی کی سیر سے بھی لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔

عہدِ عباسی کے سماج میں غسل ،طبّی فوائد،خوش طبعی اور عیش وعشرت کے لیے حماموں کا رواج بھی عام ہو گیا تھا۔خواتین کے حماموں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے کچھ خاص ایّام مقرر تھے۔حماموں کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تاریخی شواہد کے مطابق خلیفہ المقتدر کے دور میں صرف بغداد کے عام حماموں کی تعداد ستائیس ہزار تھی جو بعد میں ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔اگر چہ بعض محققین نے اس کو غلو قرار دیا ہے۔ان حماموں میں مختلف کمرے ہوتے تھے جن میں رنگین مینا کاری،چوکوں کے فرش اور اندرونی دیواریں سنگِ مرمر کی بنی ہوتی تھیں۔درمیان میں ایک بڑا ایوان ہوتا تھا جس پر گنبد اور چینی کے گول چھوٹے چھوٹے بہت سے روشن دان ہوتے تھے جن سے روشنی آتی تھی۔درمیان میں پانی کا گرم حوض ہوتا تھا جس کی بھاپ اور گرمی سے حمام گرم رہتا تھا۔حمام کے اطراف میں مختلف کمرے ہوتے تھے جن سے بیٹھنے،آرام کرنے،کھانے اور پینے کا کام لیا جاتا تھا۔

عباسی معاشرہ کے افراد مجلسی آداب،اخلاقی اقدار اور تہذیب ووقار سے بھی بخوبی واقف تھے۔چنانچہ عہدِ عباسی کا ایک مصنف اپنے زمانے کے شریف اور باتہذیب انسان کے آداب و مذاق کی کیفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ حسن اخلاق،مروّت اور اعلیٰ درجے کے مجلسی آداب سے متصف ہوتا ہے،مسخرہ پن سے پرہیز کرتا ہے،چنندہ دوستوں کی صحبت ہی اختیار کرتا ہے۔صداقت کے اعلیٰ اصولوں پر قائم رہتا ہے،وعدہ وفا کرنے کا پابند ہے،رازداری کے لائق ہے اور بے داغ دھبّے اور بے پیوند کا لباس پہنتا ہے۔دسترخوان پر چھوٹے لقمے لیتا اور بہت کم ہنستا ہے،نوالہ آہستہ آہستہ چباتا ہے،انگلیاں نہیں چاٹتا،لہسن پیاز کھانے سے بچتا ہے،مجلس،طہارت خانہ،بازار اور عام جلسوں میں خلال استعمال نہیں کرتا ہے۔

وضع قطع اور لباس و پوشاک کے اعتبار سے بھی عباسی دور کے لوگ انتہائی عمدہ ذوق رکھتے تھے،مشہور مؤرخ مقدسی عراق اور بغداد کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ خوش پوش اور شائستہ لوگوں کا ملک اور اہلِ علم کا مرکز ہے۔ہر عمدہ چیز یہاں موجود ہے،ہر علم وفن کے ماہرین یہاں سے نکلتے ہیں اور یہ شہر ہر قسم کی نفاست،سلیقہ اور فیشن کا گھر ہے۔

ماکولات اور مشروبات کے متعلق بھی عہدِ عباسی کے لوگوں کا ذوق بہت عمدہ ہو گیا تھا۔اب تہذیب یافتہ دنیا کی نفیس اور بہترین غذائیں انہیں مطلوب ومرغوب تھیں۔جن میں ایران کا مزے دار شوربا''سکباج''اور ذائقے دار شیرینی''فالوذج''وغیرہ شامل تھیں۔اب ان کے کھانے کے چوزوں کو پستہ،بادام اور دودھ پلا کے فربہ کیا جاتا تھا اور موسم گرما میں پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے برف بھی استعمال کیا جاتا تھا۔غیر مسکر یعنی بغیر نشہ والے مشروبات طرح طرح کے شربتوں کی شکل میں نوش کیے جاتے تھے۔جن کو شہتوت،بنفشہ اور گلاب کے عرق ملا کر خوشبودار بنایا جاتا تھا۔کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ چھوٹی میز پر پیتل کی گول کشتیوں میں کھانا لاتے اور میز کو دیوان یا جو گدّے فرش پر بچھے ہوتے ان کے سامنے لگا کر کھانا کھاتے تھے۔خوش حال گھرانوں میں یہ کشتیاں چاندی کی یا ہاتھی دانت،سیپ یا سینگ جڑی لکڑی کی ہوتی تھیں۔

عہدِ عباسی میں دوستوں کی صحبت وخلوت اور نجی محافل میں مسکرات یعنی نشہ آور مشروبات کا استعمال بھی کثرت سے ہونے لگا تھا۔ نشہ آور مشروبات کی پابندی اس دور میں زیادہ کارگر نہ تھی۔خلفاء،وزرا،امرا اور قاضی تک مذہبی بندش کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ایسی محافل میں شرکت کے لیے اہلِ علم،شعرا اور گانے والے بطور خاص پسند کیے جاتے تھے۔شراب میں کھجور کی شراب زیادہ مقبول تھی۔اس دور میں ہارون اور مامون جیسے لوگ صرف نبیذ پیتے تھے جو انگور،کشمش یا خرما کو پانی میں بھگو کر بنائی جاتی تھی اور اس میں ہلکا سا نشہ آتا تھا۔یہ مشروب فقہ اسلامی کے حنفی مسلک میں خاص شرائط کے ساتھ جائز کر دیا گیا تھا۔

5.5 عورت کی حیثیت اور خانگی زندگی

اسلامی تہذیب و تاریخ کے ابتدائی ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی دور میں سماجی سطح پر خواتین کو کافی حقوق و مراعات حاصل تھیں۔ اموی دور کے مقابلہ میں ان کو خاصی آزادی میسر تھی۔ سیاست وغیرہ میں بھی بعض خواتین کا عمل دخل تھا۔ جو مردوں کی طرح امورِ سلطنت میں اپنے اثر ورسوخ اور شہرت و نیک نامی میں منفرد حیثیت کی حامل نظر آتی ہیں۔ مثلاً مہدی کی بیوی اور ہارون رشید کی ماں ''خیزران''، مہدی کی بیٹی علیّہ، خلیفہ ہارون رشید کی زوجہ اور الامین کی ماں زبیدہ اور مامون کی بیوی بوران کو ہم سرفہرست بیان کر سکتے ہیں۔ ملکہ زبیدہ نے اپنے رفاہی کاموں کی وجہ سے بہت نام پیدا کیا۔ مکہ معظّمہ کی مشہور نہر زبیدہ جس کی وجہ سے مکہ شہر میں پانی کی ضرورت صدیوں تک پوری ہوتی رہی اسی انسان دوست خاتون کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ عورتوں میں پردے کا رواج تھا اور انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ تقویٰ و پرہیزگاری اور روحانی کشف و کرامات کے اعتبار سے ''رابعہ بصریہ'' اور مصر کی ''سیدہ نفیسہ'' بہت مشہور تھیں جو کہ عابدہ اور زاہدہ خواتین تھیں۔

عورتوں کو اس قدر آزادی میسر تھی کہ میدان جنگ میں فوجوں کو لڑاتی تھیں اور شعر گوئی، لطیفہ گوئی اور ادبی محافل کی نہ صرف رونق بڑھاتی تھیں بلکہ بعض اوقات مردوں سے سبقت لے جاتی تھیں۔ اسی طرح معتصم کے دور میں ''عبیدہ طنبوریہ'' نامی عورت نے پوری مملکت میں خوب شہرت حاصل کی۔ لیکن جب عباسی سلطنت کا زوال شروع ہوا تو خواتین کی قدرومنزلت میں بھی کافی فرق آنے لگا تھا۔ عہدِ زوال حرموں یعنی عورتوں کی کثرت، نسوانی اخلاق کے انحطاط اور عیاشیوں کی افراط جیسے اوصاف سے متصف ہے۔ اس میں خواتین کا مقام و مرتبہ اس حد تک زوال پذیر ہوگیا جو کہ الف لیلہ جیسے قصوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن میں عورتوں کو مکروفریب اور پوشیدہ یاری جیسے قبیح اوصاف، ذلیل جذبات اور ناشائستہ خیالات سے متصف دکھایا گیا ہے۔ لیکن جب دسویں صدی کے آخر میں ایرانی خاندان بویہ کو اقتدار حاصل ہوا اور انھوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو سخت پردہ رائج ہوگیا تھا اور مرد و عورت کے علیحدہ علیحدہ رہنے کا طریقہ عام ہوگیا تھا۔

نکاح اور خانگی زندگی کے نقطۂ نظر سے اگر عہد عباسی کے سماج کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے عباسی سماج میں ایک سے چار تک بیویاں رکھنے کا رواج تھا لیکن لونڈیوں کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ یہ لونڈیاں یا تو جنگوں میں قید ہوکر آتی تھیں یا بازاروں سے خریدی جاتی تھیں۔ عوام الناس کے مقابلہ عباسی خلفاء، امرا، وزرا اور حکام کے گھروں میں آزاد منکوحہ خواتین کے علاوہ کئی کئی لونڈیاں بھی ہوتی تھیں اور یہ لوگ بیویوں اور اپنے بچوں کی ماؤں کے انتخاب میں عربی نسل کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی سلطنت کے صرف تین سلاطین ابوالعباس، مہدی اور امین ایسے حکمراں تھے جو کہ آزاد ماؤں کے فرزند تھے باقی اکثر خلفاء کنیزوں کی اولاد تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ماں چاہے آزاد ہو یا کنیز بچوں کے حقوق برابر ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے آزاد منکوحہ خواتین اور کنیزوں کی اولاد میں باہم چپقلش اور معرکہ آرائی رہتی تھی۔

خانگی زندگی میں زوجہ کا اولین فریضہ شوہر کی خدمت و رضا جوئی، بچوں کی نگہداشت، تربیت و پرورش اور خانہ داری کے فرائض انجام دینا تھا۔ ان فرائض و امور سے فارغ اوقات سوت کاتنے، کپڑا بننے اور دیگر دست کاری کے کاموں میں صرف ہوتے تھے۔

5.6 غلام اور لونڈی کا رواج

زمانۂ جاہلیت، عہدِ رسالت، خلفاء راشدین اور اموی خلافت کی طرح عباسی دور کے سماج میں بھی کثرت سے غلام اور باندیاں رکھنے کا رواج تھا جن سے مختلف قسم کے کام لیے جاتے تھے۔ لیکن غلامی کے رواج کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں سے وہ بدسلوکی اور وحشیانہ برتاؤ نہ کیا جاتا تھا جس کی مثالیں ایاّمِ جاہلیت، روم اور یونان کی قدیم تاریخ میں ملتی ہیں۔ بدسلوکی تو درکنار اسلامی دنیا میں ان سے عمدہ حسن

سلوک کیا جاتا تھا اور یہ غلام اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے تھے اور لونڈیاں سلاطین کی مائیں بن جاتی تھیں۔منصور کی ماں بربر، مامون کی ماں ایرانی، مہدی اور واثق کی مائیں یونانی اور مقتدر کی ماں ترکی کنیز تھیں جن کے بطن سے ان عظیم حکمرانوں نے جنم لیا تھا۔

اسلام میں صرف جنگ کی صورت میں غلام بنانے کی اجازت تھی لیکن عباسی دور میں غلامی کے نظام نے باقاعدہ کاروبار کی شکل اختیار کر لی تھی اور محض غلام حاصل کرنے کے لیے سرحدی علاقوں میں شب خون مارے جانے لگے تھے۔غلاموں کے کاروبار اور تجارت میں یہودی سب سے پیش پیش تھے لیکن اب خود مسلمانوں نے بھی اس پیشے کو اختیار کر لیا تھا جو اسلامی تہذیب کے قطعاً خلاف تھا۔اب تمام بڑے اسلامی شہروں میں غلام اور لونڈیوں کے باقاعدہ بازار سجنے لگے تھے جہاں ان کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔

ملازمین اور خدام زیادہ تر غلام ہوتے تھے غلاموں کا ایک طبقہ غلمان کہلاتا تھا۔ان پر ان کے آقاؤں کی خاص نظر کرم ہوتی تھی اور یہ زرق برق وردیاں زیب تن کیے ہوتے تھے اور عورتوں کے مثل خوب بناؤ سنگار کرتے تھے۔نوجوان کنیزوں اور لونڈیوں سے حرم کے فرائض کے علاوہ رقص وسرور کا بھی کام لیا جاتا تھا۔بعض خلفا وسلاطین کی کنیزیں کافی بااثر تھیں۔انہیں میں سے ایک ذات الخال تھی جس کو ہارون رشید نے ستر ہزار درہم میں خریدا تھا اور پھر بدگمانی کی وجہ سے کسی نوکر کو عطا کر دیا تھا۔جب تک وہ کنیز ہارون رشید کی خدمت میں رہی اس نے قسم کھائی تھی کہ ہفتے کے ایک مقرر دن میں وہ جو بھی فرمائش کرے گی اس کو پورا کیا جائے گا۔چنانچہ اس نے سات سال کے لیے اپنے خاوند کو فارس کا حاکم مقرر کرا لیا۔ایک دوسری گانے والی کنیز تھی جس سے نجات پانے کے لیے ہارون رشید کی زوجہ زبیدہ کو دس لونڈیاں بطور معاوضہ ادا کرنا پڑیں۔جن میں سے ایک سے المامون اور دوسری سے المعتصم جیسے خلیفہ پیدا ہوئے۔

عباسی دور میں غلاموں کی کثرت کا اندازہ ان اعداد وشمار سے کیا جا سکتا ہے جو کہ خلفا وسلاطین کے حرم سراؤں سے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ المقتدر کے محل میں یونانی اور سوڈانی گیارہ ہزار خواجہ سرار ہتے تھے۔المتوکل کے غلام اور کنیزوں کی تعداد جو خدمات انجام دیا کرتے تھے چار ہزار تھی۔ اسی خلیفہ کو کسی دوسرے خلیفہ نے دو سو غلام تحفۃً پیش کیے تھے۔اس دور میں یہ معمول تھا کہ سپہ سالار، گورنر یا دیگر حکام خلیفہ یا وزیر سلطنت کی خدمت میں تحائف ارسال کریں۔بعض اوقات ان میں رعایا کی لڑکیاں بھی ہوتی تھیں جو قیمتاً یا جبراً فراہم کی جاتی تھیں۔باندیوں اور کنیزوں کے تعلق سے الامین نے ایک جدّت یہ کی کہ اس نے کنیزوں کی فوج تیار کرنے کی کوشش کی جن کے بال کٹوا کر لڑکوں کا لباس پہنا کر اور عمامہ بندھوا کر ان کو ایک فوجی دستے کی شکل دی۔اور یہ بدعت بہت جلد عوام وخواص دونوں میں مقبول ہوگئی۔اسی طرح مامون کو جن لوگوں پر شبہ یا شک ہوتا تھا اپنے معتمد علیہ غلام ان کو تحفۃً دے دیا کرتا تھا تا کہ وہ اس کے لیے جاسوسی کا فریضہ انجام دیں۔

5.7 رقص وسرود، موسیقی اور تصویر سازی

عباسی دور کے انسانی سماج میں جس فن نے سب سے زیادہ فروغ پایا وہ موسیقی تھی۔موسیقی، شراب اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔غیر اسلامی تہذیب اور سماج میں ان تینوں چیزوں کے بغیر زندگی بے رنگ اور بے لطف سمجھی جاتی ہے۔مسلم حکمرانوں نے ان میں سے سب سے پہلے موسیقی کی طرف خاص توجہ دی اور پھر اس کے بعد نبیذ کے بہانے شراب اور لونڈی کے پردے میں نفسانی اور جسمانی خواہش پوری کرنے کی کوشش کی۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی رسوم و عادات اور غیر اخلاقی خرافات زیادہ تر شاہی درباروں اور ایوانوں کے راستے سے وارد ہوئیں، کیونکہ حکمراں اور سلاطین کی عادت اور کردار کا عوام پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔اگر وہ پاک طینت اور نیک سیرت ہوتے ہیں تو ویسے ہی اثرات سماج میں نمودار ہوتے ہیں۔اور اگر وہ بدکردار اور بدطینت ہوتے ہیں تو پھر اسی طرح کے سماج کی تعمیر وتشکیل ہوتی ہے۔کیونکہ پھر رعایا کو اس طرح کے مخرب اخلاق اور فحش افعال کے ارتکاب میں کوئی شرمندگی یا خوف محسوس نہیں ہوتا ہے۔مختصر یہ کہ شاہی ایوان اور

محلات سے نکل کر یہ فن عباسی سماج میں بھی محبت وشوق کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور عباسیوں کی مکمل تنزلی اور تباہی تک اس کے فروغ کا چراغ گل نہیں ہوا۔عباسی خلافت کا پہلا حکمراں خلیفہ ابو العباس سفاح شعر وادب اور موسیقی سے بہت دلچسپی رکھتا تھا اور شعرا و نغمہ سراؤں کو بڑی بڑی رقمیں انعام واکرام کے طور پر دیا کرتا تھا اور کبھی کوئی شاعر اور گویّا اس کے دربار سے خالی ہاتھ واپس نہیں ہوتا۔وہ کہا کرتا تھا کہ جو لوگ مجھے سرود نقد دیتے ہیں ان کا انعام اُدھار پر نہیں ٹالا جاسکتا۔ مامون کی داد دہش اور آلِ برمک کی زر پاشی اور فیاضی نے موسیقی کے عروج میں اور بھی چار چاند لگا دیئے۔ مامون کے درباری موسیقار مخارق علویہ،عمرو بن بانتہ، زلزل، زرز وداداور اسحاق موصلی نے نہ صرف فن موسیقی کے اصول وقواعد مرتب کیے، بہت سے راگ اور راگنیاں ایجاد کیں بلکہ اس فن کو معراج کمال تک پہونچا دیا۔اسی طرح مقتدر باللہ عیش پرست،شراب وکباب کا شوقین، رقص وسرود اور موسیقی کا دلدادہ تھا اور اس کا دربار ناچنے گانے والیوں کا مرکز تھا۔

عباسی دور میں سرود اور نغمہ سرائی کے لیے لونڈیوں کو خاص طور سے تربیت دی جاتی تھی جس کی وجہ سے اس دور میں رقص وسرود عام ہوگیا تھا۔خلفاء اور حکام کے محلات، امرا کی رہائش گاہیں، اہم مقامات اور شاہراہیں گانے والیوں سے آباد نظر آتے تھے۔عوام گانے بجانے کی اتنی شائق ہوگئی تھی کہ کوئی نغمہ سرا کسی پل پر نغمہ سرائی کرنے لگتا تو اس کا نغمہ سننے کے لیے اتنا ہجوم ہوجاتا تھا کہ پُل ٹوٹنے کا خطرہ منڈرانے لگتا تھا۔ جو لونڈیاں مترنم آواز اور سریلے انداز میں گاتی تھیں ان کی گراں قدر قیمت لگتی تھی۔مثلاً عریب المغنیہ پانچ ہزار دینار میں فروخت ہوئی۔خلیفہ ہارون رشید نے ایک لونڈی چھتیس ہزار دینار میں خریدی۔بعض لونڈیاں صرف خلفاء اور امرا کے دربار میں گاتی تھیں جن پر کثرت سے مال و دولت کی برسات ہوتی تھی۔الاغانی میں ایک عینی شاہد کے حوالہ سے مذکور ہے کہ میں ایک بار عیسائیوں کی عید قیامت کے موقع پر مامون کی خدمت میں گیا تو دیکھا کہ بیس یونانی لونڈیاں بناؤ سنگھار کئے، زر وزیور سے آراستہ سامنے رقص کررہی ہیں۔ان کے گلوں میں سونے کی صلیبیں اور ہاتھوں میں زیتون کی شاخیں اور کھجور کے پتے تھے۔ ناچنے والیوں میں تین ہزار دینار کی تقسیم پر یہ تماشا ختم ہوا۔اسی طرح بعض لونڈیوں کو ان کے آقا عوامی مقامات پر رقص وسرود کے لیے پیش کیا کرتے تھے جہاں ان کو سننے اور دیکھنے کے لیے عام لوگ بڑی تعداد میں آتے تھے اور درہم و دینا رلٹاتے تھے۔اس طرح کی لونڈیوں کا سماجی زندگی پر بھی کافی اثر پڑا۔جس کے نتیجے میں عباسی سماج میں گانا بجانا خوب رائج ہوا۔

موسیقی کے علاوہ تصویر کشی، خوش نویسی، بیل بوٹے اور نقش ونگار کے فن نے بھی عباسی سماج میں ترقی حاصل کی۔انسانوں اور دیگر حیوانوں کی تصاویر بنانے کا رواج بھی اس دور میں چل پڑا تھا۔یہ الگ بات ہے کہ وہ تصاویر کون بناتے تھے، مسلم یا غیر مسلم؟ لیکن یہ حقیقت ہے کہ عباسی خلفا نے ان کو ناپسند نہیں فرمایا۔

5.8 سیر و تفریح کے ذرائع

عہدِ عباسی کے سماج میں بعض کھیل اور بازیاں کافی مقبول تھیں۔خاص طور سے شطرنج کو خاصی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی جس کو رائج کرنے کا سہرا ہارون رشید کے سر باندھا جاتا ہے۔شطرنج بغداد میں بہت جلد لوگوں کا پسندیدہ شغل بن گیا تھا۔اور حکام اور امرا کے گھروں میں اس نے پانسے کے چوسر کی جگہ حاصل کرلی تھی۔اور عام طور سے گھروں میں چوسر اور نرد یعنی ولایتی چوسر کا کھیل بھی شوق سے کھیلا جاتا تھا۔

میدانی کھیلوں کی فہرست میں تیر اندازی، چوگان، گیند کے کھیل، گھڑ دوڑ، نیزہ بازی، تلوار بازی، تلوار پھنکیتی اور سب سے بڑھ کر جانوروں کے شکار داخل تھے۔ تیر اندازی، تلوار بازی، شکار، گیند اور شطرنج سلاطین اور امرا کے محبوب مشاغل تھے۔گیند کے ایک دوسرے کھیل کا بھی کئی بار ذکر ملتا ہے جس میں لکڑی کے چوڑے تختے سے کام لیا جاتا تھا۔گھوڑوں کی دوڑ کے تعلق سے خلیفہ ہارون رشید کی موجودگی میں گھوڑے کے کامیاب ہونے اور پھر خلیفہ کے اس پر حد درجہ خوش ہونے کا تذکرہ ملتا ہے۔ نیز اس موقع پر لوگوں میں جوش وخروش کے اضافے کے لیے شرط اور

بازی لگانے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ باز اور شکرے کی بازی کا شوق بھی عباسی خلافت کے آخری دور میں کافی ترقی کر گیا تھا ہرن، چیل، خرگوش، مرغابی اور جنگلی بطخ کے شکار میں باز اور شکرے کی مدد لی جاتی تھی۔ کتوں کے ذریعے درندوں کا شکار کرنے میں بھی یہ پرندے معاون ہوتے تھے۔ عباسی دور کے خلفاء اور شہزادوں کی سب سے دل پسند میدانی تفریح شکار تھا۔ خلیفہ معتصم شکاریوں کی جماعت کا حلقہ بنا کر اور شکار کے چاروں طرف محاصرہ کر کے شکار کیا کرتا تھا۔ خلیفہ معتصم اور ابو مسلم خراسانی کو چیتے سے شکار کھیلنا بہت پسند تھا۔ الامین خاص طور سے ببر شیر کے شکار کا شوقین تھا اور اس کا ایک بھائی تو جنگلی سوروں کے تعاقب میں اپنی جان ہی گنوا بیٹھا تھا۔ بعض خلفاء اور سلاطین رعایا اور ملاقاتیوں پر رعب اور ہیبت طاری کرنے کے لیے اپنے دربار میں شیر رکھا کرتے تھے۔ بعض کو کتے اور بندر پالنے کا شوق تھا۔ المقتدر کے وزیر کا ایک بیٹا سانپ، بچھو اور اسی قسم کے زہریلے جانور جمع کرنے کا شیدائی تھا۔ اسی طرح خلیفہ المستنجد نے بھی شکار کھیلنے کے لیے شکاریوں کی کئی جماعتیں تیار کی تھیں۔ قدیم عربی کی کتابوں میں جو خاص طور سے شکار کھیلنے، پرندوں اور جانوروں کو سدھانے اور لہو ولعب کے موضوعات پر لکھی گئیں اس طرح کے بہت سے شواہد اور دلائل موجود ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ عباسی دور میں عوام وخواص اور حاکم ورعایا دونوں شکار اور مختلف بازیوں کے کافی شوقین تھے۔ اس کے علاوہ عباسی خلافت میں باغات کی کثرت اور بہترین محلات کے ساتھ پولو کھیلنے کے میدان اور چڑیا گھر بھی واقع تھے جن سے لوگ خوب لطف اندوز ہوتے تھے۔

5.9 عہدِ عباسی کی معاشی صورت حال

عباسی دور میں عوام کو معاشی اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک بالائی طبقہ اور دوسرے زیریں طبقہ۔ اہلِ علم، اہلِ قلم، شعراء، اہلِ فن، تاجر، کاریگر اور مختلف پیشہ ور افراد اعلیٰ طبقے میں شامل تھے۔ معاشی اعتبار سے جن کا خوشحال لوگوں میں شمار ہوتا تھا اور مزدور، کاشت کار، گلہ بان، عوام الناس اور دیہاتی لوگ نچلے طبقے میں داخل تھے اور معاشی لحاظ سے ان کو خستہ حال سمجھا جاتا تھا۔ خلیفہ ہارون رشید سے واثق باللہ تک کے عہدِ سلطنت میں معاشی اعتبار سے بہت خوش حالی تھی لوگ فارغ البال تھے۔ مال ودولت کی اتنی فراوانی تھی کہ خلیفہ المقتدر نے ابن الجصاص جوہری پر کسی گناہ کی پاداش میں سولہ کروڑ طلائی دینار کا جرمانہ لگایا، یہ جوہری جرمانہ ادا کرنے کے بعد بھی بغداد کے ممتاز ترین تاجروں میں شمار ہوتا تھا۔ اسی طرح بصرہ کے بعض تاجروں کی آمدنی دس لاکھ درہم سالانہ سے زیادہ تھی۔

کسی بھی ملک یا ریاست کے معاشی یا اقتصادی حالات کی ترقی اور تنزلی میں تین چیزوں کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ (1) تجارت (2) صنعت وحرفت (3) زراعت وکاشت۔ مذکورہ بالا انہیں تین اکائیوں کے تحت ہم عباسی دور کے معاشی حالات کا مختصر جائزہ لیں گے۔

تجارت: عباسی سلطنت کی وسعت اور اسلامی تہذیب وثقافت کے ارتقا کے نتیجے میں ملک میں بڑے پیمانے پر بین الاقوامی تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ ابتدا میں زیادہ تر تاجر یہودی، عیسائی اور مجوسی تھے لیکن آگے چل کر مسلمانوں نے اپنی انتھک جدوجہد سے ان کا مقام حاصل کر لیا اور تجارت کے میدان میں اپنی ایک ممتاز شناخت قائم کر لی۔ اہل عرب زراعت وکاشت کاری کو بھلے ہی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے لیکن تجارت کے متعلق ان کی سوچ اس کے بالکل برعکس تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مختصر سے وقت میں بغداد، بصرہ، سیراف، قاہرہ اور اسکندریہ جیسی بندرگاہوں نے خشکی اور سمندری تجارت کے لحاظ سے انتہائی کامیاب مراکز کی صورت اختیار کر لی تھی۔

عباسی دارالخلافہ بغداد بے مثال تجارتی شہر کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس کا کرخ محلّہ جو کہ چار میل لمبا اور دو میل چوڑا تھا دنیا کا سب سے عظیم تجارتی مرکز تھا۔ یہاں ہر پیشے کے علیحدہ علیحدہ بازار لگتے تھے۔ جن میں کتابوں اور کاغذ کے بازار بھی شامل تھے۔ بصرہ بین الاقوامی تجارت کا مرکز تھا۔ مشرقی ممالک کا جملہ سامانِ تجارت بصرہ کے راستے عراق میں آتا تھا اور یہاں کے تاجر دنیا کے ہر حصے میں پائے جاتے تھے۔ عراق کے شہروں کے علاوہ قیروان، اسکندریہ، فسطاط، دمشق، اصفہان، رے، نیشاپور، ہرات، بخارا، خوارزم اور سمرقند بھی صنعت وحرفت اور تجارت کے مراکز کی

حیثیت رکھتے تھے۔ دجلہ اور فرات تجارتی راستوں کے کام آتے تھے۔ بصرہ عراق کی سب سے عظیم بندرگاہ تھی لیکن بڑے سمندری جہاز سیدھے بغداد تک جاتے تھے اور اس کے بعد چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے کام لیا جاتا تھا۔ عباسی سلطنت کے روم، چین اور ہندوستان سے براہ راست تجارتی تعلقات قائم تھے اور خلیفہ منصور کے عہد میں عرب تاجر بصرے سے چین جانے لگے تھے اور اس دور میں متعدد مسلمان چین میں آباد بھی ہو چکے تھے جن کو شروع میں تاشیہ اور بعد میں ہوئی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ چین سے آنے والے جہازوں کا سب سے بڑا مرکز سیراف کی بندرگاہ تھی۔ ہندوستان سے ہاتھی دانت، آبنوس کی لکڑی اور صندل، چین سے کاغذ، دوات، سونے چاندی کے برتن اور ریشمی کپڑے درآمد کیے جاتے تھے۔ روس، قفقاز اور آرمینیا جیسے شمالی علاقوں کے لیے تجارت کا مرکزی شہر موصل تھا۔ مسلمان تاجر عربی علاقوں سے کھجور، شکر، سوتی اور اونی کپڑا، فولاد کے اوزار اور شیشے کے برتن لے کر جاتے تھے اور بیرونی ممالک میں مشرقِ اقصیٰ سے مصالحے، کافور، ریشم، استعمالی اشیا اور افریقہ سے ہاتھی دانت، آب نوس اور حبشی غلام لاتے تھے۔

عباسی دور کے تاجروں کے پاس مال و دولت کی اتنی کثرت اور فراوانی تھی کہ بصرے کا ایک جاہل آٹے کی چکی والا اتنا دولت مند تھا کہ سو دینار روزانہ فقیروں میں خیرات کئے اور پھر خلیفہ معتصم کا وزیر مقرر کیا گیا۔ سیراف شہر کے درمیانی درجے کے تاجر کے مکان کی مالی حیثیت دس ہزار دینار سے زائد ہوتی تھی۔ بعض تجار کے مکان تیس ہزار دینار کی قیمت رکھتے تھے۔ اور ایسے بحری تاجروں کی ایک بڑی تعداد تھی جو چالیس لاکھ دینار کی حیثیت رکھتے تھے۔ (تاریخ ملت، عربی، فلپ حتی، ص549 تا553)

صنعت وحرفت: کسی بھی ملک یا ریاست میں صنعت وحرفت کا فروغ اور زراعت وکاشت کی پیداوار زیادہ ہو تبھی تجارتی اور معاشی ترقی ممکن ہے کیونکہ ان کی ترقی کے پس پردہ دراصل صنعت وحرفت اور زراعت وکاشت کی پشت پناہی کا اہم کردار ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عباسی سلطنت کے مختلف علاقوں میں صنعت وحرفت، دست کاری اور زراعت وکاشت کاری نے خوب خوب فروغ پایا۔ ایران اور عراق میں سیکڑوں ایسے کارخانے موجود تھے جو مخصوص ڈیزائن دار قالین، کپڑا، شیشے اور لوہے کی اشیا تیار کرتے تھے اور صنعت کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھتے تھے۔ خود دارالخلافہ بغداد میں کپڑے کی صنعت عروج پر پہونچ گئی تھی۔ یہاں کے کاریگر مختلف رنگوں کے ریشمی کپڑے، باریک ململ، اور اونی چادریں تیار کرنے میں مہارت رکھتے تھے یہ بات مشہور تھی کہ اگر کسی کو نفیس اور باریک کپڑے درکار ہوں تو وہ عراق جائے، زیور، چرم، خوشبودار تیل، عطر، صابن اور شیشے کی صنعت نے بھی بغداد میں نمایاں ترقی حاصل کی تھی۔ کوفہ ریشمی، سوتی اور اونی لباس کے لیے مشہور تھا۔ یہاں کے عمامے تمام عالمِ اسلام میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آلات موسیقی، اسلحہ سازی، زیور اور چرم کی صنعت بھی کافی عروج پر تھی۔ طرح طرح کے بیل بوٹے والے مٹی کے برتن اور گلدان بھی کوفہ کی مخصوص صنعت تھی۔ یہی تمام اشیا اور بعض دیگر چیزیں جیسے اونی اور ریشمی ڈیزائن دار قالین بصرہ اور عراق کے دیگر شہروں میں بھی تیار کئے جاتے تھے۔

شیشے اور لوہے کی صنعت نے بھی عباسی عہد میں خاصی ترقی کی۔ اگر چہ شیشہ سازی کا سب سے عظیم مرکز شام تھا لیکن عراق میں بھی یہ صنعت عروج پر تھی۔ یہاں کے آئینے، مختلف جانوروں کی تصاویر اور قدرتی مناظر والے شیشے کے برتن، قندیل، جھاڑ، فانوس اور جام بہت مشہور تھے۔ لوہے کی صنعت میں اسلحہ سازی کے علاوہ کرسی، برتن، ترازو، باٹ، صندوق، چھری، چاقو، سائنس اور ریاضی کے آلات تیار ہوتے تھے۔ زنجیر، چاقو اور چھری کی صنعت کے لیے موصل، ترازو، سائنسی آلات بالخصوص ستاروں کی بلندی، مقام اور رفتار دریافت کرنے والے، آلہ اصطرلاب کے لیے حرّان خاص طور پر مشہور تھے۔ لکڑی کی دست کاری میں کشتی سازی سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ عراق کے بڑھئی مختلف قسم کی چھتیس کشتیاں تیار کرتے تھے لیکن اُبلّہ کشتی سازی کا سب سے اہم مرکز تھا۔

فارس میں توّاج، فسا جیسی چند بستیاں تھیں جن کو قالین، کار چوب، زربفت اور قبائیں تیار کرنے والے اپنے کارخانوں پر بہت ناز تھا۔ یہاں قیمتی اوراعلیٰ درجے کی اشیا صرف شاہی خاندان کے لوگوں کے لیے تیار کی جاتی تھیں۔خزستان کے علاقہ تستر اور سوس میں کئی ایسے کارخانے تھے جو سفید ریشم بنانے میں مشہور تھے۔جس میں سنہری تصاویر بنائی جاتی تھیں۔ان کے کتے ہوئے ریشم کے پردے، اونٹ اور بکری کے بالوں کا کپڑا اور ریشم کی عبائیں بھی کافی مشہور تھیں۔اونی چغے، ریشم اور زربفت کے لیے شیراز، فرش کی چادروں، پردوں، مسندوں اور تکیے کے غلافوں کے لیے خراسان اور آرمینیہ اور بنے ہوئے غالیچوں کے لیے بخارا پوری دنیا میں امتیازی شہرت رکھتے تھے۔ دمشق رنگین چوکوں اور کاشانی صنعت کا اہم مرکز تھا جہاں دیواروں یا عمارتوں کی اندرونی اور بیرونی زیبائش اور خوبصورتی کے لیے طرح طرح کے نقش ونگار والے چار یا چھ پہلو والے چینی چوکے بھی لگائے جاتے تھے۔

عہدِ عباسی میں کاغذ سازی کی صنعت نے بھی امتیازی عروج حاصل کیا۔آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں چین سے یہ صنعت سمرقند لائی گئی۔ یہاں جو کاغذ تیار ہوتا تھا وہ لاجواب مانا جاتا تھا۔نویں صدی شروع ہونے سے قبل ہی بغداد میں کاغذ کا پہلا کارخانہ قائم ہو چکا تھا اور پھر دوسرے مقامات پر بھی یہ کام رائج ہوگیا تھا۔اسی طرح عباسی دور میں جواہرات کی صنعت نے بھی خوب ترقی حاصل کی۔ عام لوگ عقیق، فیروزہ اور سنگ سلیمانی استعمال کرتے تھے اور موتی، یاقوت، پکھراج، نیلم اور الماس شہزادوں اور سلطانوں کی اولین پسند تھے۔سلطنت کے معدنی وسائل کی وجہ سے اس صنعت کو بہت فروغ ملا۔خراسان میں سونا، چاندی، سنگ مرمر اور سیماب کی کانیں تھیں اور ماوراء النہر میں یاقوت ، لاجورد اور بازہر کے معدن تھے۔کرمان سے شیشہ اور چاندی، بحرین سے موتی، نیشاپور سے فیروزہ، صنعا سے عقیق اور کوہستان لبنان سے لوہا نکلتا تھا۔اس دور کی معدنی اشیا میں تبریز کا سنگ مرمر، شام وفلسطین کا سنگ مرمر و کبریت، اصفہان کے قرب وجوار کا سرمہ، ماوراء النھر کا پارہ اور سنگ فتیلہ اور فرغانہ کا سیاہ اور بدبودار روغن بھی خاصی شہرت رکھتے تھے۔(تاریخ ملت عربی، فلپ حتی ص 557 تا560)

زراعت وکاشت: عباسی دور میں زراعت وکاشت کاری نے بھی ہر پہلو سے خوب ترقی کی راہیں ہموار کیں۔عباسی خلفاء اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ زراعت وکاشت کاری کرنے والے لوگ ہی اس ملک کے قدیم یا اصل باشندے ہیں، جن کی بہت بڑی اکثریت ہے اور حکومت کی مالی آمدنی یعنی زمینی لگان اور سرکاری محصول کا سب سے بڑا یہی ذریعہ ہیں۔لہذا انھوں نے اس طرف خاص توجہ کی اور ان زراعت پیشہ افراد کو بہتر سہولیات اور مراعات فراہم کیں۔ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کسانوں کے ساتھ زیادتی نہ ہو سکے۔ان پر ٹیکس زیادہ نہ ہو اور اس کی وصولیابی میں ظلم وجبر سے کام نہ لیا جائے۔ہارون رشید نے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف سے ''کتاب الخراج'' بھی اسی مقصد کے تحت تصنیف کرائی تھی۔علاوہ ازیں عباسی سلطنت کا دار الحکومت بغداد بھی زراعت وکاشت کے لحاظ سے بہت موزوں جگہ واقع تھا اس کا بھی انھوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔نیز خلیفہ، شاہی خاندان کے افراد، وزرا اور امرا سلطنت کی زمینوں کے بہت بڑے حصے کے مالک تھے جو ان زمینوں کو سرکاری خدمات کے صلہ میں بطور انعام لوگوں کو کاشت کاری کے لیے بخش دیا کرتے تھے۔

عراق میں دجلہ اور فرات اور مصر میں دریائے نیل کے ذریعے اس وقت دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام قائم تھا۔اس نہری نظام کی عباسی دور میں نہ صرف حسب سابق مکمل نگرانی اور حفاظت کی گئی بلکہ جدید نہریں نکال کر اس کی توسیع بھی کی گئی۔مصر اور عراق کے علاوہ خوزستان، سیتان، اور مرو کے قریب دریائے مرغاب کی وادی میں بھی نہری آب پاشی کا بہترین نظم تھا۔جس کی وجہ سے یہ علاقے بھی انتہائی سرسبز وشاداب اور زرخیز نظر آنے لگے تھے۔عراق بالخصوص بغداد میں نہروں کی کثرت کی وجہ سے پانی کی کافی فراوانی تھی جس کے باعث بڑی تعداد میں یہاں باغات موجود تھے۔ جہاں جہاں نہروں کے گندہ ہونے کا خطرہ تھا وہاں ان کو اوپر سے ڈھک دیا گیا تھا۔مختصر یہ کہ کھیتوں کی آب پاشی کے لیے پوری سلطنت میں

نہروں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔ دجلہ اور فرات کی نشیبی وادیوں کو زرخیز بنایا گیا تھا، جو کھیت اور زمینیں بنجر ہوگئیں تھیں ان کو مزروعہ کیا گیا تھا، فرات کی قدیم نہروں کی از سرِ نو کھدائی اور کچھ جدید نہروں کا انتظام کیا گیا تھا جن میں سے نہرِ عیسیٰ، نہر صراح، نہر صرصر نہر الملک، نہر کوثا، نہر دجیل اور نہر الصلح بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ عراق میں جو، گیہوں، چاول، جیسے اناج، سیسم، کپاس جیسی ضروری اشیا اور جنوبی نشیبی زرخیز علاقوں میں سرد اور گرم دونوں خطوں کے پھل اور سبزیاں جیسے اخروٹ، سنترہ، بیگن، باقلہ، مصری، گنا اور پھولوں میں گلاب اور بنفشہ خوب پیدا ہوتے تھے۔ اس عہد کے مسلمانوں کی کاشت کاری اور باغ بانی کا پیشہ پھلوں اور سبزیوں کی پیداوار ہی تک محدود نہ تھا بلکہ مختلف اقسام کے پھولوں کی کاشت میں بھی انھوں نے امتیازی مقام حاصل کیا تھا۔

5.10 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- عباسی سلطنت خالص عرب حکومت نہیں تھی۔ ایرانیوں کی حمایت سے برسرِ اقتدار آئی تھی اس لیے ایرانیوں کا اثر غالب تھا۔
- اس دور کے لوگ عیش و عشرت کی زندگی گزارتے تھے اور ایک سے زیادہ منکوحہ عورتیں اور لونڈیاں رکھتے تھے۔
- مذہبی اعتبار سے مسلم، ذمی اور نسلی اعتبار سے عربی اور عجمی طبقات میں لوگ منقسم تھے اور نسلی عصبیت سے شعوبی تحریک کا آغاز ہوا۔
- عباسی دور کے لوگوں کا رہن سہن بھی معیاری تھا۔ گھروں میں قالین، چٹائی، گدے، تکیے، کرسی اور چوکی وغیرہ استعمال کرتے تھے۔
- غسل، طبی فوائد اور راحت و سکون کے لیے حمام کے استعمال کا بھی کثرت سے رواج تھا اور ہزاروں حمام موجود تھے۔
- سماج میں عورتوں کی کافی قدر و منزلت تھی اور وہ لباس میں مخصوص خمار اور زیورات میں پازیب، کنگن اور جواہرات استعمال کرتی تھیں۔
- مردوں کی پوشاک میں عموماً کالی ٹوپی، پائجامہ، قمیص، سینہ بند، قبا اور سیاہ عمامہ ہوتا تھا۔
- شطرنج، چوسر، گھڑ دوڑ، تیر اندازی، چوگان، گیند کے کھیل، تلوار پھینکنی، نیزہ بازی اور شکار ان کے بہترین شوق تھے۔
- بری اور بحری تجارت کے یہاں بہت سے مراکز تھے اور یہاں کے تاجر چین، ہندوستان اور افریقہ وغیرہ بغرض تجارت سفر کرتے تھے۔
- مختلف قسم کے معدنیات کا یہاں کافی ذخیرہ تھا، جن سے سونا، چاندی، لوہا، جواہرات، شیشہ، سرمہ، سنگ مرمر اور پارہ وغیرہ نکلتا تھا۔
- عباسی دور میں صنعت و حرفت بھی عروج پر تھی۔ بغداد کے رنگین ریشمی کپڑے، باریک ململ، اونی چادریں، کوفہ کے سوتی اور اونی لباس اور عمامے، شام کی شیشہ سازی، موصل اور عراق کی لوہا سازی اور فارس کی قالین، زربفت اور قبا سازی دنیا میں مشہور تھی۔
- زراعت و کاشت کے لحاظ سے بھی عباسی دور بہت سرسبز و شاداب تھا۔ مختلف انواع و اقسام کے اناج، سبزیاں، پھل اور پھول وغیرہ کثرت سے یہاں پیدا ہوتے تھے۔ دجلہ، فرات اور نیل کے ذریعے کھیتوں کی آب پاشی کے لیے نہروں کا بھی بہترین انتظام تھا۔

5.11 کلیدی الفاظ

رمّال	:	علم رمل کا ماہر، جیوتشی
زندیق	:	بے دین، وہ شخص جو خدا کی وحدانیت کا قائل نہ ہو۔
زر پاشی	:	مال و دولت لٹانا، سخاوت، فیاضی

عیدقیامت	:	''ایسٹر''یعنی عیسائیوں کا افضل ترین دن، جو یسوع مسیح کے مصلوبیت کے بعد زندہ ہونے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔
عوددان	:	عود یا دیگر خوشبودار چیزوں کے جلانے کا برتن
زربفت	:	ایک کپڑا جو سونے اور ریشم کے تاروں سے بنا جاتا ہے۔
چوسر	:	بساط جس پر کھیل کی گوٹیں رکھی جاتی ہیں، چار گوشہ
نبیذ	:	وہ کم نشے والی چیز جو کھجور اور جو وغیرہ سے بنی ہو۔
گلہ بان	:	بکریاں اور دیگر مویشی چرانے والا۔

5.12 نمونہ امتحانی سوالات

5.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ عباسی خلافت کے نظم و نسق میں کس قوم کو غلبہ حاصل تھا؟

(a). افریقی (b). ایرانی (c). عربی (d). ہندوستانی

2۔ عباسی خلیفہ مہدی نے کون سا محکمہ قائم کیا تھا؟

(a). دیوان الزنادقہ (b). دیوان الوزراء (c). دیوان الانشاء (d). دیوان النظر

3۔ عباسی سلاطین کے کتنے سلطان ایسے ہیں جو آزاد ماؤں کے فرزند تھے؟

(a). تین (b). پانچ (c). سات (d). ایک

4۔ کشتی سازی کا سب سے اہم مرکز کہاں تھا؟

(a). ابلہ (b). خراسان (c). مدینہ (d). مکہ

5۔ شطرنج کی ابتدا کس نے کی؟

(a). امین (b). متوکل (c). ہارون (d). مامون

6۔ کتاب الخراج کس بادشاہ کی خواہش پر تصنیف کی گئی تھی؟

(a). ابوالعباس (b). مہدی (c). امین (d). ہارون

7۔ ابن الجصاص کون تھا؟

(a). جوہری (b). کسان (c). ڈاکٹر (d). عالم

8۔ خلیفہ معتصم کو کس چیز کا شکار کھیلنا بہت پسند تھا؟

(a). ہرن (b). شیر (c). چیتا (d). خرگوش

9۔ خلیفہ متوکل کی وفات کب ہوئی؟

761.(a) 765.(b) 861.(c) 875.(d)

10۔ خیزران کس بادشاہ کی بیوی تھی؟

(a).. مہدی (b). ہارون رشید (c). مامون رشید (d). ابوجعفر المنصور

5.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ عباسی دور کے سماجی طبقات کا مختصر تعارف کرائیے۔

2۔ موسیقی اور رقص و سرود کے تعلق سے عباسی دور کا کیا ذوق تھا؟ واضح کیجیے۔

3۔ عباسی دور کے کھیل اور محبوب مشاغل کیا تھے؟ اجمالاً بیان کیجیے۔

4۔ شعوبی تحریک کے پس منظر اور مقاصد کو اختصار کے ساتھ لکھیے۔

5۔ عہدِ عباسی کے تجارتی مراکز کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تحریر کیجیے۔

5.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ عباسی دور کے سماجی حالات کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ عباسی دور کے رہن سہن، غذا وخوراک اور لباس کے بارے میں مفصل طور پر تحریر کیجیے۔

3۔ عباسی دور کی تجارت، صنعت وحرفت اور زراعت کا خاکہ پیش کیجیے۔

5.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخ ملت عربی : فلپ حتی (اردو ترجمہ)

2۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (حصہ اول) : ثروت صولت

3۔ تاریخ اسلام (حصہ سوم) : شاہ معین الدین احمد ندوی

4۔ دائرہ معارف اسلامیہ (جلد۱۲) : پنجاب یونیورسٹی لاہور

-:oOo:-

اکائی 6 : عباسی دور میں نقلی علوم کی ترقی (حصہ اول)

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید
6.1 مقصد
6.2 عہد عباسی کا مذہبی وسماجی ماحول
6.3 عہد عباسی کی علمی وثقافتی سرگرمیاں
6.4 عہد عباسی میں علوم کا ارتقاء
6.4.1 علوم وفنون کے ارتقاء کے اسباب
6.4.2 نقلی یا دینی علوم کا ارتقاء
6.4.2.1 قرأت
6.4.2.2 تفسیر
6.4.2.3 حدیث
6.5 اکتسابی نتائج
6.6 کلیدی الفاظ
6.7 نمونہ امتحانی سوالات
6.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
6.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
6.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
6.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

6.0 تمہید

اس اکائی میں عہد عباسی کے علمی وتہذیبی ماحول، عباسی خلفاء وامراء کی اس تحریک کی سرپرستی، اس میں ان کی حصہ داری اور علمی وثقافتی

سرگرمیوں اوران کے اثرات پر روشنی ڈالی جائے گی، اور یہ بتایا جائے گا کہ نقلی علوم کی مختلف شاخوں میں سے قرأت، تفسیر اور حدیث کے میدان میں اس عہد میں کیا اضافے اور ترقیاں ہوئیں؟ علاوہ ازیں طلبہ کو ان علوم وفنون کی نمائندہ شخصیات اور ان کے کاموں سے متعارف ہونے کا بھی موقع ملے گا۔

6.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ اس حقیقت سے واقف ہو جائیں گے کہ علوم وفنون خصوصاً علوم نقلی کے تعلق سے دور عباسی کی خصوصیات کیا ہیں؟ اس دور میں ان کا ارتقاء کن خطوط پر ہوا؟ اسی کے ساتھ آپ اس کے اسباب وعوامل اور مستقبل کے تناظر میں اس کے اثرات اور نتائج سے بھی واقف ہو سکیں گے اور آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ اسلامی تہذیب کو عروج سے ہم کنار کرنے میں ان علوم کے فروغ واشاعت نے کیا کردار ادا کیا؟ اور یہ کہ کس طرح اسلام کے دور زریں کی تشکیل میں مسلمانوں کی علم پروری نے جن میں نقلی علوم کو خصوصی و بنیادی اہمیت حاصل ہے، اہم کردار ادا کیا؟

6.2 عہد عباسی کا مذہبی وسماجی ماحول

عہد عباسی میں دینی یا نقلی علوم کی ترقی کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس عہد کے سماجی ومذہبی ماحول پر مجموعی طور پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔عہد عباسی کی شروعات 132ھ (750ء) سے ہوتی ہے۔ یہ اکابر تبع تابعین کا عہد ہے۔ البتہ متعدد تابعین بھی اس عہد سے تعلق رکھتے ہیں، کیوں کہ مختلف روایات کے مطابق آخری تابعی خلف بن خلیفہ ہیں جن کا انتقال 181ھ میں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی بشارت کے مطابق یہ عہد خیر القرون میں شامل ہے۔اس وجہ سے سماج پر خیر غالب ہے۔عوام کی اکثریت مذہب سے ذہنی اور عملی تعلق رکھتی ہے۔حکمراں اپنی بعض اخلاقی کمزوریوں کے باوجود مذہب اور مذہبی امور سے گہرے طور پر وابستہ تھے۔بعض خلفاء (مثلاً مامون ومعتصم وغیرہ) نے بعض گمراہ فرقوں (جیسے معتزلہ، مرجئہ) کی سرپرستی کے ذریعے راسخ العقیدہ مذہبی فکر کو نقصان پہنچایا۔ تاہم اس سے ان کی مذہب سے عدم وابستگی پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ بہرحال مذہب کے تعلق سے ان کے دلوں میں حمیت پائی جاتی تھی۔

مختلف قومیتوں کے لوگ اسلامی خلافت کے مرکزی شہروں خصوصاً بغداد کی طرف کھنچ کر چلے آئے اور یہاں آ کر مقیم ہو گئے۔ان کو یہاں پھلنے پھولنے کے وسائل حاصل ہوئے۔ ذمی، موالی اور غلاموں کی ایک بڑی تعداد عباسی سماج کا حصہ تھی۔عباسی عہد کے سماج میں ان کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ملا اور ان سے عباسی سماج نے فائدہ حاصل کیا۔ دیکھا جائے تو عباسی سماج ایک طرح کا میٹروپولیٹن سماج تھا۔ جہاں لوگوں کو فکری آزادی حاصل تھی اور اس وجہ سے سماج پر شمولیت پسندی (Inclusiveness) کا رنگ غالب تھا۔

البتہ جب بڑی تعداد میں مختلف مذہبی پس منظر رکھنے والی نئی قومیں اسلام میں داخل ہوئیں تو ان سے مسلم سماج کو نئے چیلنجز پیش آئے۔ اسلامی عقائد ونظریات سے متصادم نظریات کا پھیلاؤ ہوا تو اہل علم کا ایک طبقہ ان کے فریب میں آ کر اسلام میں نئی بدعتیں پیدا کرنے لگا۔اس سے نمٹنے کے لیے مہدی نے دیوان الزنادقہ قائم کیا، اور ان کے رد میں کتابیں لکھوائیں۔ تاہم عباسی خلفاء اموی خلفاء کے مقابلے میں آزاد خیال اور وسیع النظر تھے۔جس کی وجہ سے بہت سی بدعات کو بھی اس عہد میں فروغ پانے کا موقع ملا۔لیکن یہ صرف ایک پہلو ہے۔عباسی خلفاء نے بنیادی طور مذہب اور مذہبی مظاہر کو سماج میں قائم وبرقرار رکھنے کی پوری کوشش کی۔ دینی علوم سے وابستہ علماء کی سرپرستی کی اور جو لوگ ان سے وابستہ ہوئے ان کو مالی عطیات سے نوازا۔حدیث وفقہ کی پہلی سب سے جامع کتاب موطا امام مالک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خلیفہ منصور کی فرمائش پر لکھی گئی۔خلیفہ اسے اپنا دستوری وثیقہ بنانا چاہتا تھا لیکن امام مالک نے اس کی اجازت نہیں دی۔ تاکہ عوام کو کسی ایک مسلک کا پابند نہ کیا جائے۔

علماء، فقہاء اور محدثین کا طبقہ مذہب کا نمائندہ طبقہ تھا جسے سماج میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔عوام مذہبی معاملات میں ان سے

رجوع کرتے تھے۔علماء وفقہاء کے علاوہ ایک طبقہ صوفیہ کا تھا جس نے عوام وخواص کے اندر عملی اور اخلاقی سطح پر دین سے تعلق قائم کرنے کی کوشش کی اور دنیاداری کے رجحان کی اصلاح پر زور دیا۔

اس طرح عہد عباسی کا سماجی و مذہبی ماحول خواہ ہر طرح سے مثالی نہ ہو، تاہم وہ ایسے اوصاف اپنے اندر رکھتا تھا جن کی بنا پر اس عہد میں علمی وتہذیبی سرگرمیوں کو پروان چڑھنے کا موقع ملا۔جس پر ایک اجمالی نظر اگلے مضمون میں ڈالی گئی ہے۔تاکہ اس سے عہد عباسی کی ان ثقافتی سرگرمیوں کا اندازہ ہو سکے جو علمی ترقیات کی اساس بنتی ہیں۔

6.3 عہد عباسی کی علمی وثقافتی سرگرمیاں

عہد عباسی میں اسلام کے حوالے سے علمی وتہذیبی سرگرمیوں کو جو عروج حاصل ہوا، اس نے عہد وسطی کے ماحول میں دینی اور انسانی علوم کی وراثت کو محفوظ کرنے اور آگے کی نسلوں اور دوسری قوموں تک انہیں منتقل کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔خلفاء وامراء کے اندر علم سے دلچسپی پائی جاتی تھی۔کتابیں پڑھنا اور اپنے گھروں میں کتابیں رکھنا باذوق عوام وخواص کا شیوہ تھا۔خلفاء علمی مناقشوں سے دلچسپی رکھتے تھے۔چنانچہ ان کے درباروں میں باکمال اصحاب علم کو بلا کر مناقشے کی مجلسیں سجائی جاتی تھیں۔فقہاء، متکلمین، اہل لغت ولسانیات کے درمیان مختلف موضوعات پر مناظرے ہوتے رہتے تھے۔

اس طرح کے علمی مناظروں کی جھلک مشہور عربی ادیب ابوحیان توحیدی کی ''الامتاع والموانسۃ'' اور اس جیسی دوسری کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔اسی طرح شعراء کی نوک جھونک کے واقعات عہد عباسی کی علمی سرگرمیوں پر لکھی جانے والی کتابوں میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔ان مناقشوں اور مناظروں سے اس عہد کی علمی وثقافتی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا۔

نقلی یا دینی علوم کی جو وراثت صحابہ وتابعین کے ذریعے اس دور کے اصحاب علم کو حاصل ہوئی، ان میں خاص طور پر محدثین وفقہاء سرفہرست ہیں۔فقہاء ومحدثین کے علمی حلقے بڑی تعداد میں اموی دور میں تشکیل پائے، جو عام طور پر مساجد میں قائم تھے جیسے مدینہ میں ربیعۃ الرائے کا حلقہ، بصرہ میں حسن بصری کا حلقہ وغیرہ۔عہد عباسی میں ان علمی حلقوں نے مختلف علمی وفکری دبستانوں کی شکل اختیار کر لی، جن کی سرگرمیوں نے علمی ماحول سازی میں اہم کردار ادا کیا۔علمی وتہذیبی سرگرمیاں اسلامی مملکت کے تمام ہی اطراف وجوانب میں پائی جاتی تھیں۔تاہم ان کے اہم مراکز میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، بغداد، شام اور مصر وغیرہ نمایاں ہیں۔

عہد عباسی میں نقلی علوم کے فروغ پانے کا ایک اہم سبب اس معاشرے میں علوم دین کے حاملین کو حاصل ہونے والی قدر ومنزلت تھی۔ان کی یہ قدر ومنزلت عوام اور حکمراں طبقے دونوں میں تھی۔حکمرانوں کی اکثریت انہیں خود سے قریب رکھنے کو اپنے لیے باعث عزت وبرکت سمجھتی تھی۔تاہم علماء وفاضلین کی اکثریت حکمراں طبقے سے دور رہ کر علم دین کی خدمت میں مشغول ہونے کو ترجیح دیتی تھی۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ یہ علماء اپنے اصولوں سے سمجھوتا کرنے پر کبھی مجبور نہیں ہوئے اور انہوں نے یک سوئی کے ساتھ علم دین کی پرورش میں خود کو مصروف رکھا۔

عباسی عہد کی علمی سرگرمیوں کے تعلق سے یہ پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ان کو عروج تک لے جانے اور ان کی نتیجہ خیزی میں اہم رول اہل عرب سے زیادہ اہل عجم نے ادا کیا۔یہی وجہ ہے کہ اس دور کے اصحاب علم کی اکثریت غیر عربوں پر مشتمل ہے۔حدیث میں صحاح ستہ کے مولفین عرب سے تعلق نہیں رکھتے۔یہی حال دوسرے عقلی اور نقلی علوم کا ہے۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ غیر عرب باشندوں نے عرب معاشرے میں اپنی حیثیت کو مضبوط کرنے اور وقار ومرتبہ حاصل کرنے کے لیے عربوں کے مقابلے میں زیادہ جدوجہد کو اپنا شعار بنایا۔اس طرح موالی اور غیر عربوں کا غلبہ عرب سماج میں اس قدر بڑھا کہ وہ عربوں کی برتری کے احساس کی جگہ عربوں پر اپنی برتری کے احساس میں مبتلا ہوئے جس کے نتیجے میں شعوبی

کی تحریک وجود میں آئی جو اسی احساس کا مظہر تھی۔

بہرحال مندرجہ بالا سطور میں عہد عباسی کی علمی وثقافتی سرگرمیوں پر ایک نظر ڈالنے سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس طرح ان سرگرمیوں نے علوم کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا جن میں خاص طور پر نقلی علوم شامل ہیں۔

6.4 عہد عباسی میں علوم کا ارتقاء

عہد عباسی (750-1258ء) کی ابتداء 750ء سے ہوتی ہے جب ابوالعباس عبداللہ السفاح (عہد خلافت: 750-754ء) نے امویوں کی حکومت کا خاتمہ کر کے عباسی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ اس کی بنیاد سیاسی ہنگاموں اور خلفشار کے ماحول میں ڈالی گئی تھی، السفاح نے اپنے مخالفین پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے اور اسے کافی مزاحمتوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، تاہم اس حکومت کو کافی استحکام حاصل ہوا اور اس نے اسلامی تہذیب کے فروغ واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا جس کے اثرات اسلامی تاریخ سے کبھی بھی ختم نہیں ہوئے۔ اکثر عباسی خلفاء علم سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے علم اور اصحاب علم کی سرپرستی کی جس سے علوم کو اس عہد میں پھیلنے کا موقع ملا اور اس کے اسلامی تہذیب پر دوررس اثرات مرتب ہوئے۔

عباسی حکومت اموی حکومت سے کئی چیزوں میں مختلف تھی۔ سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ اموی حکومت خالص عربی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ زبان، طرز معاشرت اور اپنی ثقافتی ترکیب میں وہ یکسانیت پسند اور اپنی قومی خصوصیات کی پابند تھی۔ اگرچہ فتوحات کے ذریعے اس کا دوسری قوموں سے میل جول (Interaction) ہوا، تاہم اس نے ان قوموں کی سماجی وثقافتی خصوصیات کو اختیار کرنے سے خود کو دور رکھا۔ جب کہ عباسی حکومت پر ایرانی رنگ غالب تھا، کیونکہ بنیادی طور پر وہ ایرانی نسل کے لوگوں کی مدد سے وجود میں آئی تھی۔ نیز چونکہ ایرانی تہذیب عربوں سے کافی ترقی یافتہ تھی جس سے استفادہ عربوں کے لیے ناگزیر تھا، علاوہ ازیں دوسری قوموں سے تہذیبی استفادے میں حرج محسوس کرنے کے بجائے وہ اس کو اہمیت دیتی تھی، اس وجہ سے خصوصاً ایرانی اور عموماً غیر عربی قوموں کے تئیں اس کے رویے میں غیر جانب داری اور فراخ دلی کا عنصر پایا جاتا تھا۔ عباسی عہد تقریباً پانچ صدیوں (750-1258ء) پر محیط ہے۔ جس میں کافی نشیب وفراز (Unevenness) پائے جاتے ہیں۔ مختلف حکمرانوں کے دور میں سیاسی وسماجی صورت حال میں چھوٹی بڑی تبدیلیاں پیدا ہوتی رہیں۔ جن کے مثبت یا منفی اثرات تہذیبی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر پڑتے رہے جن میں علوم وفنون کی سرگرمیاں بھی شامل ہیں۔

جدید مورخین عموماً عہد عباسی کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

1. السفاح کے ذریعے حکومت کے قیام 750ء سے متوکل کی خلافت کی ابتدا: 846ء تک
2. 847ء سے بغداد میں بویہی حکومت کے مضبوط ہونے یعنی 946ء تک
3. 947ء سے سلجوقیوں کے بغداد میں داخل ہونے سے 1055ء تک
4. 1056ء سے تاتاریوں کے ہاتھوں سقوط بغداد 1258ء تک

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس طویل مدت کی خصوصیات یکساں نہیں ہوسکتیں۔ صدی دوصدی کے دورانیے میں نئے تمدنی انقلابات رونما ہوجاتے ہیں اور پرانی تمدنی روایات مٹ جاتی ہیں، یا ان کا زور کم ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اس پوری مدت میں علوم وفنون کے مظاہر میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں اور ان کی سرگرمیاں انقلابات زمانہ سے متاثر ہوتی رہیں۔ لیکن مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ عباسی دور علوم وفنون کی پختگی، توسیع اور عروج

کا دور ہے۔ اموی عہد میں علم کا تصور اوراس کے مظاہر زیادہ تر دینی دائرے میں سمٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ حدیث،تفسیر،فقہ،سیرت ومغازی کا براہ راست تعلق دین وشریعت سے تھا۔عہد عباسی میں صورت حال تبدیل ہوگئی۔ترجمے کی تحریک کے نتیجے میں بڑے پیمانے پرعقلی یا سیکولرعلوم کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا جیسے منطق،فلسفہ،طبعیات، ریاضی،فلکیات، طب،موسیقی وغیرہ،حتی کہ ان میں وہ موضوعات بھی شامل ہو گئے جو بظاہر اسلام کی راست تعلیمات سے ٹکراتے ہیں۔جیسے سحر وکہانت (Magic and Soothsaying)اورعلم نجوم(Astrology) وغیرہ۔ پھر یہ بھی اہم ہے کہ ان اولین مترجمین کی اکثریت بھی غیر مسلموں عیسائی، یہودی، ہندو، پارسی اور صابی (Sabian)علماء پر مشتمل تھی۔ کیونکہ وہی ان زبانوں سے واقف اوران سے عربی میں ترجمہ کرنے کی صلاحیت کے حامل تھے۔

عباسی حکمرانوں نے بغیر کسی تحفظ اوراندیشے کے ان غیر مسلم ماہرین واصحاب علم کی صلاحیتوں سے استفادہ کا منصوبہ بنایا۔انہیں دور دراز مقامات سے بلوایا۔ان کو اپنی مملکت کا حصہ بنایا۔اور قیمتی عطیات اور بخششوں سے نوازکران سے کتابوں کے ترجمے،تصنیف اورنقل وکتابت کا کام لیا۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ان حکمرانوں نے دوسرے مذاہب سے وابستگی کی بنیاد پران کے ساتھ کوئی تعصب کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اپنے مذاہب کی تعلیمات پرعمل کی مکمل آزادی دی۔انہوں نے کوئی ایسی شرط عائد نہیں کی جن کی وجہ سےان کی صلاحیتوں سے استفادے میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔آگے چل کرخود مسلم اصحاب علم وفن نے ان کی جگہ لے لی۔موجودعلوم وفنون کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس میں مسلم علماء واصحاب فن نے اپنی صلاحیتوں کے جوہر نہ دکھائے ہوں۔اس طرح مسلمانوں نے وقت کے غالب علوم کا بڑا سرمایہ عربی میں محفوظ کرلیا۔دراصل یہی وہ سرمایہ اورعلمی کاوشیں تھیں جودورجدید میں یورپ کی علمی وعقلی فتوحات کا مقدمہ بنیں۔

دینی علوم میں سے بہت سےعلوم کی بنیاد بھی اس عہد میں پڑی اور جن علوم کی بنیاد سابق عہد میں پڑ چکی تھی،ان کے ساتھ ان کا ارتقاء بھی اس عہد میں ہوا۔عہد عباسی میں علوم کی ان دونوں قسموں (عقلی اورنقلی) کوبھرپورطور پر پھلنے پھولنےاورفروغ پانے کا موقع حاصل ہوا۔اگلی سطور میں ہم اس عہد میں علوم وفنون کے ارتقاء کے اسباب پرنظر ڈالیں گے۔

6.4.1 علوم وفنون کے ارتقاء کے اسباب

عہد عباسی میں علوم وفنون کے ارتقاء کے واضح تصور کے لیے بنیادی اسباب وعوامل کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے:

- عباسی دور کے آغاز تک تقریباً ڈیڑھ سو سالوں کے دوران دینی وسیاسی سطح پر اسلام کی بنیادیں کافی مستحکم ہوچکی تھیں۔ داخلی انتشار اگرچہ موجود تھا،لیکن اسلامی مملکت (Islamic Empire) کے خارجی حدود پر اس انتشار کا کوئی اثر نہ تھا۔مجموعی طور پر امن وامان کا ماحول تھا۔وسائل کی فراوانی سے معاشی سطح پرلوگ کافی خوش حال ومطمئن تھے۔
- مسلم سماج امویوں کی بدوی تہذیب سے نکل کر مدنی تہذیب میں داخل ہو چکا تھا،جس کو دن رات فروغ حاصل ہورہا تھا۔
- عراق تاریخی اورجغرافیائی طور پرامویوں کے دارالسلطنت دمشق کے مقابلے میں زیادہ ممتاز اورموزوں حیثیت رکھتا تھا۔
- عباسیوں نےعلم ودانش کے مختلف ادارے قائم کیے جنہوں نے علوم کے ارتقاء میں اہم کردارادا کیا۔
- اصحاب علم وفن کی حوصلہ افزائی اورسرپرستی کی وجہ سے ان کے درمیان علم وفن میں مقابلہ آرائی اورایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کا جذبہ پیدا ہوا۔اس نے علمی ماحول کی تشکیل وپرورش میں اہم رول ادا کیا۔

- (جیسا کہ اوپر ذکر آیا) ایک نہایت اہم سبب یہ تھا کہ عباسی حکومت نسلی اور مذہبی تعصّبات سے بالکل خالی تھی۔ عباسی حکومت اور سماج کے اندر پہلے فارسی عنصر غالب رہا پھر مزید غیر ملکی عناصر: ترکی، سریانی، رومی اور بربری بھی شامل ہوگئے۔ ان سب کی اپنی اپنی ثقافت و معاشرت تھی جن کے اختلاط سے ایک وسیع اور متنوع ثقافت کو نمو حاصل ہوا۔ عباسی خلفاء غیر مسلموں کے تعلق سے عموماً انتہائی رواداری کا رویہ رکھتے تھے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو سیاست تک میں اس قدر عمل دخل تھا کہ غیر جانب دار غیر مسلم مؤرخین و مصنفین نے اس پر اپنی حیرت کا اظہار کیا ہے۔ المانوی مستشرق آدم متز (Adam Metz) نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ عیسائی اسلامی ملکوں میں مسلمانوں پر حکومت کرتے تھے۔ (آدم متز: الحضارالاسلامیہ فی القرن الرابع الہجری۔ ترجمہ: محمد عبدالہادی ابوریدہ: ج: 1، ص:105)۔ خلق قرآن کے مسئلے میں بدنام مامون الرشید (عہد حکومت:833-813ء) کا حال یہ تھا کہ وہ خود مائل بہ تشیع، اس کا وزیر یحییٰ بن اکثم سنی اور دوسرا وزیر احمد بن داد معتزلی تھا۔ اسی طرح ابو جعد نامی شخص کی چھ اولادوں میں سے دو شیعہ، دو مرجئی (ارجا کا عقیدہ رکھنے والے) اور دو خارجی تھے۔ (جرجی زیدان: تاریخ آداب اللغۃ العربی، ج:2، ص:19)۔
- اموی عہد (750-661ء) میں عجمیوں کی طرح موالی کے ساتھ بھی تعصب اور تحقیر کا رویہ اپنایا جاتا تھا۔ عہد عباسی میں ان کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا گیا اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ اپنی شناخت وامتیاز کی استواری کے لیے انہوں نے بھرپور کوششیں کیں۔ اور اپنے گراں قدر نقوش واثرات چھوڑے۔ برامکہ اور آل فضل ان ہی موالی میں سے تھے۔
- سب سے اہم سبب یہ تھا کہ اکثر عباسی خلفاء خود بھی اہل علم وذوق تھے اور اسی کے ساتھ علماء وارباب فن کے قدرداں۔ حقیقت یہ ہے کہ بالخصوص عہد وسطیٰ کے معاشرے میں علوم وفنون بغیر امراء وسلاطین کی سرپرستی کے باضابطہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ، جیسا کہ اوپر اس کا ذکر آیا، خلفاء نے اہل علم وفضل کو قریب کیا، ان کی عزت وتکریم کی، اور انعامات واکرامات کے ذریعے ان کی بڑھ چڑھ کر حوصلہ افزائی کی جس کے نتیجہ میں نابغہائے عصر کھنچ کر ان کے پاس چلے آئے۔ خلفاء نے خود اپنی علمی تشنگی کو بجھانے اور اسلامی تہذیب کی جڑوں کو مضبوط کرنے نیز اپنی مملکت کی شان وعظمت کو بلندی عطا کرنے کے لیے ان علمائے روزگار سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور (عہد حکومت:774-754ء) کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ خود راوی حدیث تھا۔ اسی کے ساتھ وہ شعروادب کا اچھا اور تنقیدی ذوق رکھتا تھا۔ اپنے بیٹے جعفر کے انتقال کے دن جب اس کی طلب پر اس کے اہل خاندان میں سے کوئی بھی ایسا فرد نہیں مل سکا جو اسے ایک خاص حزنیہ قصیدہ سنا سکے تو اس نے تڑپ کر کہا کہ:

> خدا کی قسم ایسے شخص کا میرے خاندان میں موجود نہ ہونا جسے یہ نظم یاد ہو، اتنی بڑی مصیبت ہے کہ جس کے آگے میری اس اولاد کی موت کی مصیبت بھی ہیچ ہے۔ (زیدان، ص:12)

منصور کی طرح مہدی (عہد حکومت:785-775ء) اور ہارون رشید (808-786ء) دونوں نہ صرف دینی علوم سے شغف رکھنے والے تھے، بلکہ شعروسخن کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ ہارون رشید (809-787ء) کو جاہلی شاعر ''ذی الرمہ'' کے اشعار بچوں کی طرح یاد تھے۔ مامون (833-814ء) باضابطہ کتابوں کا مصنف تھا لیکن وہ ضائع ہوگئیں۔ مہدی (787-786ء) کے بیٹے ابراہیم کی علمی صلاحیت اور وزراء میں متوکل (862-847ء) کے وزیر فتح بن خاقان کی علم نوازی کے متعلق مؤرخین نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

- علوم کے ارتقاء اوران کی ماحول سازی میں ایک اوراہم چیز جس نے اہم کردارادا کیا وہ ترجمے کی تحریک تھی جو اس عہد میں شروع ہوئی اور عروج پر پہنچی۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر دوسری زبانوں سے ترجمے کی تحریک خلفاء کی سرپرستی میں پیدا نہیں ہوتی تو عقلی علوم کا ارتقاء اوراس کے نتائج واثرات اس طرح سامنے نہیں آتے جس کے مظاہر ہمیں نظر آتے ہیں۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ترجمے کی تحریک نے عقلی علوم کو پروان چڑھانے میں اہم رول ادا کیا تاہم مجموعی طور پر علم کی پرورش اورعلمی ماحول سازی میں اس کا رول نہایت اہم تھا۔ اس کی وجہ سے فاضلین روزگار کی ایک بڑی تعداد خود دارالخلافہ میں جمع ہوگئی۔ اس میں بہت سے اصحاب علم وہ تھے جو عقلی علوم میں طاق ہونے کے ساتھ نقلی علوم میں بھی غیر معمولی مہارت وصلاحیت کے حامل تھے۔ چنانچہ انہوں نے علوم کی دونوں شاخوں میں اہم کارنامے انجام دیئے۔

بہرحال ان چند اہم اسباب وعوامل نے عہد عباسی کی علمی فضاء پر دیرپا اور نتیجہ خیز اثرات قائم کئے۔ ان کے بغیر علوم وفنون کے قابل رشک ارتقاء کا تصور ممکن نہیں تھا۔

6.4.2 نقلی یا دینی علوم کا ارتقاء

عام طور پر علوم کی تقسیم عقلی اور نقلی سے کی جاتی ہے۔ عقلی علوم (Rational Sciences) سے مراد دراصل وہ علوم ہیں جنہیں عربوں نے دوسری قوموں سے حاصل کیا۔ جیسے حکمت وفلسفہ، ریاضی وہندسہ وغیرہ، جب کہ نقلی علوم (Religious Sciences) سے مراد وہ اصل علوم ہیں جن کے آغاز وایجاد کا سہرا خود عربوں کے سر ہے۔ اوران کا بڑا حصہ علوم شریعت یا ان کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ جیسے تفسیر وحدیث، فقہ وکلام، نحو وصرف اور تصوف وعلم فرائض وغیرہ۔ (نحو یعنی گرامر اور تصوف: Mysticism دوسری زبانوں اور تہذیبوں کے ساتھ بھی مشترک ہیں، لیکن عربی اوراسلامی تہذیب میں ان کی خصوصیات منفرد ہیں)۔ علامہ ابن خلدون کا خیال ہے کہ علوم نقلیہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اس اعتبار سے ہم معروف تقسیم کے لحاظ سے انہیں دینی ودنیوی علوم سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ بعض مصنفین مثلاً احمد امین نے ضحیٰ الاسلام میں کیا ہے۔

عربوں میں علوم کا جو انقلاب آیا اس کا اصل سبب یا منبع دراصل قرآن کریم تھا۔ یہ بات جس طرح علوم نقلیہ کے تعلق سے درست ہے اسی طرح علوم عقلیہ کے تعلق سے بھی۔ قرآن اپنے الفاظ واسلوب اور مضامین ومعانی دونوں کے اعتبار سے ایک معجزہ تھا۔ اس نے ایک زبردست بھونچال پیدا کر کے عربوں کی خشک صحرائی عقل کی پرتیں کھول دیں اوراس میں بے پناہ وسعت وروشنی پیدا کردی۔ قرآن کو صحیح طور پر پڑھنے کے لیے قرأت وتجوید کا فن وجود میں آیا۔ پھر قرآنی آیات میں غور وخوض اوراسلامی قانون سازی کے لیے تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کی علوم کی شکل میں ترتیب وتدوین عمل میں آئی۔ اوراس ضمن میں بہت سے علوم ومضامین پیدا ہوئے۔ علماء نے ان کی تعداد تین سو تک لکھی ہے۔ تاہم ان میں بنیادی حیثیت، قرأت، تفسیر، حدیث، اور فقہ، سیرت نبوی کو حاصل رہی۔ ان میں مزید اضافہ علم کلام اور تصوف سے ہوا۔ جنہیں فقہا ومحدثین کے ایک بڑے طبقے کی تائید حاصل نہیں تھی لیکن ایک وسیع اور ارتقاء پذیر تہذیب ومعاشرت سے پیدا ہونے والی صورت حال کے فطری تقاضے کے تحت انہوں نے دینیات کی صفوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ عہد عباسی میں دینیات کی ان شاخوں کو زبردست عروج حاصل ہوا۔ ان کا آغاز عہد اموی میں ہوا تھا لیکن اس عہد کے مخصوص حالات اور نسبتاً اس کی مدت کے مختصر ہونے کی وجہ سے انہیں مزید پھلنے پھولنے کا اس عہد میں موقع نہیں ملا۔ عہد عباسی کے حوالے سے ہم یہاں ان سطور میں ان علوم کے ارتقاء پر نگاہ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

6.4.2.1 قرأت

عہد عباسی میں قرآنی علوم کو سب سے زیادہ فروغ حاصل ہوا جن میں علم قرأت وتفسیر سب سے نمایاں ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ

مسلمانوں کی علمی وتہذیبی روایت میں قرآن کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔اس لیے سب سے پہلے اس پر توجہ مبذول کی گئی کہ قرآن کو کس طرح پڑھا اور سمجھا جائے؟ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق (بخاری ومسلم) قرآن کا نزول سات حرفوں پر ہوا ہے۔اس لیے بھی اس سوال کو سنجیدگی کے ساتھ لیا گیا کہ قرآن کو کن اصول وضوابط کے ساتھ پڑھا جائے؟ چنانچہ علم قرأت پر مختلف صحابہ وتابعین نے خصوصی توجہ دی۔اس تعلق سے جن صحابہ کرام کو شہرت حاصل ہوئی ان میں خلفائے اربعہ کے علاوہ عبداللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص، حذیفہ، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، عمرو بن العاص، عبداللہ بن زبیر، اورازواج مطہرات میں حضرت عائشہ، حفصہ اورام سلمہ رضی اللہ عنہم وعنہن وغیرہ شامل ہیں۔جب کہ تابعین میں سعید بن المسیب، سالم بن عبداللہ، عروہ بن زبیر، سلیمان بن یسار اور عطا بن یسار رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

صحابہ وتابعین کی علم قرأت کے حوالے سے علمی وراثت کو جن سات قاریوں (قرائے سبعہ) نے آگے بڑھایا ان میں سے تین کا تعلق اموی دور سے جب کہ چار کا تعلق عباسی دور سے ہے۔اموی دور کے تین قراء (عبداللہ بن کثیر مکی، عبداللہ بن کثیر دمشقی اور عاصم بن ابی النجود) کے علاوہ چار قراء کے نام یہ ہیں: ابوعمر بن علا، حمزہ بن حبیب، نافع بن ابی نعیم، علی بن حمزہ کسائی۔ان قراء کے تلامذہ عباسی عہد سے تعلق رکھتے ہیں جن کے ذریعے اس فن کو اس دور میں عروج حاصل ہوا۔اس عہد میں اس فن پر متعدد کتابیں لکھی گئیں۔اوراس فن کو باضابطہ مرتب کیا گیا۔اس تعلق سے جن لوگوں کی خدمات کو شہرت حاصل ہوئی ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں: ابن کامل، ابن مجاہد، خلف بن ہشام، ابوبکر النقاش، ابوطاہر وغیرہ۔ان قراء سے متعلق تفصیلی ذکر الفہرست (ابن ندیم)، تاریخ بغداد (خطیب بغدادی)، غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء (ابن جزری)، معرفۃ القراء الکبار (شمس الدین ذہبی) وغیرہ کتابوں میں ملتا ہے۔عہد عباسی میں مختلف علاقوں سے علمائے قرأت کھنچ کر بغداد چلے آئے جو علمی، سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔زیادہ تر قراء کا تعلق کوفہ، بصرہ، واسط، حجاز، نہروان، شام اور خراسان وغیرہ سے تھا۔

اس کے مختلف عوامل تھے جن میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ بغداد عباسی خلافت کا مرکز تھا۔یہاں ہر میدان کے علماء وفاضلین موجود تھے۔تمدنی ترقی کے لحاظ سے بغداد کی حیثیت یہ تھی کہ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ جس نے بغداد نہیں دیکھا اس نے دنیا نہیں دیکھی۔دوسری وجہ عباسی خلفاء کی علمی سرپرستی تھی۔جس میں قرآن کو مرکزیت حاصل تھی۔عباسی خلفاء دینی علوم سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔چنانچہ اپنے بچوں کو قرآن کی صحیح قرأت وتلاوت سے آشنا کرنے کے لیے بڑے قراء کو اپنا اتالیق بناتے تھے۔چنانچہ ہارون رشید ابوبکر بن عیاش، یحیٰ ابن المبارک کو بالترتیب کوفہ وبصرہ سے بغداد بلایا۔ان کے علاوہ جو قراء مختلف علاقوں سے بغداد آئے ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں: مفضل الضبی، حفص بن سلیمان، سلیم بن عیسی، علی بن حمزہ الکسائی، عبیدہ بن حمید بن صہیب، ابوبکر بن عیاش، ابوزکریا یحیٰ بن آدم، حمزہ بن قاسم، رویم بن یزید، سعید بن اوس، قاسم بن بشار وغیرہ۔یہ فہرست بہت طویل ہے۔یہاں صرف چند قراء کے نام ذکر کیے گئے ہیں۔

6.4.2.2 تفسیر

قرآنی آیات کی تفسیر کی ابتداء قرآن کے نزول کے ساتھ ہی شروع ہوگئی تھی۔رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے آیات کے مفہوم کے بارے میں استفسار پر قرآنی آیات کی تفسیر کرتے اوراس کا اصل مطلب سمجھاتے تھے۔آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اصحاب نے خاص طور پر نئے اسلام قبول کرنے والوں کے لیے قرآنی آیات کی تفسیر ووضاحت کی۔صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اس حوالے سے کافی شہرت حاصل ہوئی۔انہیں ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔عبداللہؓ بن عباسؓ کے علاوہ عبداللہؓ بن مسعودؓ کو بھی قرآن کی تفسیر وتفہیم کے حوالے سے شہرت حاصل

ہوئی۔عہد خلفائے راشدین کے بعد عہد اموی میں تابعین کی ایک خاصی تعداد نے علم تفسیر کے کام کو آگے بڑھایا اس میں پیش پیش عبداللہؓ بن عباسؓ کے تلامذہ تھے۔ابتداء میں تفسیر،حدیث اور فقہ کا حصہ تھی اور صرف نقل و روایت پر مشتمل تھی۔عہد عباسی کے شروع میں ایک منفرد علم کی حیثیت سے اس کے خدوخال مرتب ہونا شروع ہوئے اور پھر آگے چل کر اس نے باضابطہ ایک اہم دینی علم کی شاخ کی حیثیت اختیار کر لی۔اس طرح کی جو پہلی اہم جامع تفسیر عہد عباسی کی ابتداء میں لکھی گئی، وہ محمد بن جریر طبری (وفات:923ء) کی جامع البیان ہے۔جو عہد اموی میں تفسیر سے متعلق ہونے والے کام کا پوری طرح احاطہ کرتی ہے اور اس پر مشتمل ہے۔

عہد عباسی میں مختلف پہلوؤں سے علم تفسیر کا ارتقاء ہوا۔مختلف مذاہب تفسیر کو اسی عہد میں منضبط کیا گیا اور اس ضمن میں متعدد اہم اور بنیادی کتابیں تحریر کی گئیں۔لغت و نحو اور حدیث و فقہ وغیرہ علوم کی باضابطہ تدوین و توسیع سے علم تفسیر میں بھی ترقی آئی اور اس کا دائرہ وسیع ہوا۔چنانچہ صرف لغت و قواعد کے پہلو سے قرآن کے اعراب و اشتقاق،مشکل الفاظ،تراکیب وغیرہ کو بنیاد بنا کر تفسیری کتابیں لکھی گئیں۔اس طرح فقہ کو بنیاد بنا کر چاروں فقہی مکاتب فکر کے علماء نے احکام القرآن کے نام اور عنوان سے متعدد تفسیری کتب تصنیف کیں۔فلسفہ اور علم کلام کے زیر اثر بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔رازی کی مفاتیح الغیب اسی قبیل کی تفسیر ہے۔

تفسیر کے دو بنیادی مناہج وجود میں آئے:ایک تفسیر بالماثور اور دوسرے تفسیر بالرائے۔تفسیر بالماثور وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب سے مروی روایات و آثار کی بنیاد پر کی جائے۔اس میں اجتہاد کا کوئی دخل نہ ہو۔جب کہ تفسیر بالرائے کا مطلب یہ ہے کہ قرآنی آیات و احکام کی وضاحت میں عقل و رائے کو بھی اہمیت دی جائے۔

تفسیر بالماثور کی نمائندہ تفاسیر جو اس عہد میں لکھی گئیں وہ یہ ہیں:

جامع البیان فی تفسیر القرآن (طبری)،معالم التنزیل (بغوی)،زادالمسیر فی علم التفسیر (ابن جوزی)،الکشف والبیان (ثعلبی)،التفسیر الوسیط (واحدی) وغیرہ۔

تفسیر بالرائے کی نمائندہ تفاسیر یہ ہیں:

مفاتیح الغیب (رازی)، الکشاف عن حقائق التنزیل (زمخشری)، البحرالمحیط (ابوحیان التوحیدی)، مدارک التنزیل (نسفی)، انوار التنزیل واسرار التاویل (قاضی بیضاوی)،لباب التنزیل (خازن) وغیرہ۔

فقہ کے رجحان کی حامل چند تفسیریں یہ ہیں:

احکام القرآن (ابوبکر جصاص)،حقائق التفسیر (ابوعبدالرحمٰن سلمی)،عرائس البیان (ابومحمد روزبہان)،تفسیر القرآن العظیم (سہل بن عبد اللہ تستری) وغیرہ۔

اسی طرح لغت و بیان کے رجحان کی حامل تفاسیر میں سے چند یہ ہیں:

مشکل اعراب القرآن (مکی بن ابی طالب قیسی)،البیان فی غریب اعراب القرآن (ابوالبرکات کمال الدین بن انباری)،التبیان فی اعراب القرآن (ابوالبقاعکبری)،اعجاز القرآن (باقلانی) وغیرہ۔

اس عہد میں نئے علوم کی ایجادات کے ساتھ نئے فرقے بھی وجود میں آچکے تھے۔چنانچہ ان فرقوں کے علماء نے اپنے نظریات کی تشہیر و تائید میں تفسیریں لکھیں۔صوفیا کی طرف سے اشاری اور اعتباری اور باطنیوں کی طرف سے تاویلی تفسیریں لکھنے کا بھی اس عہد میں رواج ہوا۔مشہور صوفی ابن عربی کی تفسیر اسی صوفیانہ منہج سے تعلق رکھتی ہے۔فرقہ باطنیہ کی طرف سے لکھی جانے والی تفسیر اس نقطہ نظر پر قائم ہے کہ قرآن کی آیات جس

طرح اپنے ظاہری معنی رکھتی ہیں اسی طرح ان کے باطنی معنی بھی ہیں۔

اسی طرح اہل تشیع کی بہت سی تفسیری کتب اس عہد میں لکھی گئیں۔ان میں سے چند یہ ہیں:

تفسیر قمی (علی بن ابراہیم قمی)،تفسیر العیاشی (محمد بن مسعود العیاشی)،التبیان فی تفسیر القرآن (ابو جعفر طوسی) وغیرہ۔

ذیل میں عباسی عہد میں لکھی جانے والی چند اہم کتب تفسیر اوران کی اہم امتیازی خصوصیات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

تفسیر طبری: اس ذیل میں سب سے اہم نام تفسیر طبری کا آتا ہے۔علامہ نووی شارح مسلم اور علامہ سیوطی جیسے دیگر اکابر علماء کا خیال ہے تفسیر میں اس جیسی کوئی دوسری تفسیر نہیں لکھی گئی۔اسے تفسیر بالماثور کا سب سے اہم مرجع تصور کیا جاتا ہے۔اس کی امتیازی خصوصیات میں سب سے اہم یہ ہے کہ اس میں صحابہ وتابعین کے اکثر تفسیری اقوال وآثار شامل ہو گئے ہیں۔کثرت سے احادیث وآثار سے استدلال کیا گیا ہے۔اہم قرأتوں پر توجہ مرکوز رکھی گئی ہے،اور جو قرأتیں اجماع سے ہٹ کر ہیں انہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔اسی طرح عقیدے اور فقہی احکام دونوں پہلوؤں پر بہت منضبط گفتگو کی گئی ہے۔

معالم التنزیل: اس کو تفسیر بغوی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔عہد عباسی میں لکھی جانے والی یہ ایک نہایت معتبر تفسیر سمجھی جاتی ہے۔اس میں زیادہ تر کتاب وسنت پر اعتماد کیا گیا ہے۔اس میں مقبول قرأتوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔مصنف کو لغت ولسانیات میں بھی خاصی مہارت حاصل ہے۔چنانچہ اس کے مظاہر بھی تفسیر میں موجود ہیں۔

مفاتیح الغیب: تفسیر رازی کے نام سے مشہور یہ تفسیر،تفسیر بالرائے کی نمائندہ تفسیر ہے۔مصنف نے مروجہ عقلی استدلالات کے معیار کو بروئے کار لاتے ہوئے عقل ونقل کے درمیان جو بظاہر تصادم اور تعارض نظر آتا ہے اسے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔تفسیر کے باب میں اسے عہد عباسی کے بڑے کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔

تفسیر کشاف: عہد عباسی میں قرآن کی زبان وبلاغت کے لیے جو تفسیری ذخیرہ مرتب ہوا،کشاف ان میں سب سے اہم ہے۔قرآن کی بلاغت کی تفہیم کے حوالے سے یہ تفسیر سب سے اہم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔مصنف ایک معتزلی عالم ہیں،لیکن یہ ان کے لافانی اور لاثانی کتاب کا کرشمہ ہے کہ یہ کتاب امت کے تمام حلقوں میں ماخذ ومرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

احکام القرآن: ابوبکر جصاص کی یہ تفسیر اپنے آپ میں ایک بڑا علمی کارنامہ ہے اور عباسی عہد کے تفسیری ذخائر میں نہایت بلند مقام کی حامل ہے۔اس کے مصنف حنفی ہیں۔انہوں نے اس تفسیر میں عقل ونقل دونوں کی متوازن رعایت کی ہے۔فقہی رجحان کی حامل یہ تفسیر موجودہ جب کہ دین وشریعت کو عقل نقل دونوں میں دیکھنے کا رجحان بڑھا ہے،یہ تفسیر اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔اس کی تمام خوبیوں کا کریڈٹ عہد عباسی کو جاتا ہے۔

متعلقات قرآن: تفسیر کے علاوہ قرآنیات سے تعلق رکھنے والے بہت سے دیگر علوم میں بھی اس عہد میں کتابیں لکھی گئیں۔ان علوم میں اعراب القرآن،مشکل القرآن،علم الناسخ والمنسوخ،اسباب النزول،اعجاز القرآن،غریب القرآن،لغات القرآن،متشابہ القرآن،امثال القرآن وغیرہ شامل ہیں۔ان موضوعات میں سے چند پر لکھی گئی بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

اعراب القرآن: معانی القرآن واعرابہ (ابواسحاق الزجاج)،الملخص فی اعراب القرآن (خطیب بغدادی)،اعراب القرآن (ابن قتیبہ الدینوری)

مشکل القرآن: تاویل مشکل القرآن (ابن قتیبہ)،باہر البرہان فی معانی مشکلات القرآن (محمود بن علی نیشاپوری)

الناسخ والمنسوخ: الناسخ والمنسوخ فی القرآن العزیز (ابوعبید قاسم بن سلام)،الناسخ والمنسوخ (ابوداود سجستانی)،نواسخ القرآن (ابن

جوزی)۔

6.4.2.3 **حدیث**

عہد اموی میں حدیث کی تدوین کی باقاعدہ شروعات عمرؒ بن عبدالعزیز کے حکم سے ہوئی تھی۔عہد عباسی میں یہ کام اپنے فطری تقاضے کے تحت بڑے پیمانے پر ہوا۔منصور نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی۔ کیونکہ وہ خود بھی راوی حدیث تھا۔مشہور قول کے مطابق،اسی کی ایماء پر امام مالک نے موطا تصنیف کی، جو اپنے استناد و جامعیت میں سب سے بڑھ کر تھی۔دوسری صدی کے نصف ثانی میں ہی موطا کے علاوہ مختلف علاقوں میں مختلف لوگوں نے حدیث کی جمع و تدوین و تحقیق کا کام کیا اور اس میں کتابیں لکھیں۔مکہ میں ابن جریج اور سفیان بن عیینہ، مدینہ میں امام مالک کے علاوہ محمد بن اسحاق، بصرہ میں الربیع بن الصبیح ،سعید بن عروبۃ ،کوفہ میں سفیان ثوری،شام میں اوزاعی،مصر میں لیث بن سعد وغیرہ نے حدیث کے موضوع پر کام کیا اور اس کو آگے بڑھایا۔تیسری صدی میں احادیث کی تدوین کے ساتھ نقد رجال و تحقیق متن کا کام بھی شروع ہوا۔احادیث کے درجات کی تعیین کے لیے بنیادی اصول وضع کیے گئے۔راویوں کی تحقیق اور تجریح و تعدیل کے حوالے سے اسماء الرجال کا فن وجود میں آیا۔

عہد عباسی کا امتیاز یہ ہے کہ دیگر بنیادی اور اہم نقلی و عقلی علوم کی طرح حدیث اور علوم حدیث کی تدوین اسی عہد میں عروج کو پہنچی۔حدیث پر کام کرنے والے علماء کی وہ نسل اس عہد میں سامنے آئی جس نے اپنی زندگیاں اس علم کے لیے وقف کردیں اور اپنا اثاثہ حیات حدیث اور متعلقات حدیث کو مرتب کرنے میں صرف کردیا۔یہی وہ عہد ہے جس میں حدیث کے اہل سنت کے نزدیک سب سے معتبر اور مستند مجموعے مرتب ہوکر سامنے آئے جو صحاح ستہ کے عنوان سے معروف ہیں: بخاری، مسلم،ابوداؤد، ترمذی،ابن ماجہ اور نسائی۔حدیث کی سب سے بڑی اور جامع کتاب مسند احمد ابن حنبل کی ترتیب بھی عہد عباسی میں ہوئی۔

عباسی عہد میں چوتھی اور پانچویں صدی میں صحیح ابن خزیمہ (ابن خزیمہ)،سنن دارقطنی (دارقطنی)،صحیح ابن حبان (ابن حبان)،مستدرک حاکم (ابوعبداللہ)،السنن الکبری (بیہقی)،المعجم الکبیر،المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر (طبرانی) وغیرہ لکھی گئیں۔حدیث کے ان مجموعوں کے علاوہ اس عہد میں اس کی شرحیں بھی لکھی گئیں جیسے سنن ابوداوو کی شرح معالم السنن (خطابی)۔اس کے علاوہ متعدد دوسری کتب حدیث کی بھی شرحیں لکھی گئیں۔

حدیث پر اس دور میں ہونے والے کام کا ایک پہلو علم اسماء الرجال پر لکھی جانے والی کتابیں ہیں۔ان میں سے چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

التاریخ الکبیر اور التاریخ الصغیر (امام بخاری)، الجرح والتعدیل (ابن حنبل)، تاریخ الضعفاء (نسائی)،الکامل فی الضعفاء (ابن عدی)، الجرح والتعدیل (ابواسحاق الجوزجانی)، کتاب التاریخ (ابن ماجہ)،الضعفاء والمتروکین (امام نسائی)۔

علل الحدیث میں: علل الحدیث (ابن ابی حاتم)،علل حدیث الزہری (محمد بن یحیی)، مسند حدیث الزہری (نساء)، المسند المعلل (یعقوب بن ابی شیبہ)۔اسی موضوع پر ابوزرعہ رازی،ابوزرعہ الدمشقی، ترمذی اور بزار کی کتابیں بھی ہیں۔

مراسیل میں :المراسیل (ابوداود)، کتاب المراسیل (ابن ابی حاتم)

ان کے علاوہ حدیث و متعلقات حدیث پر بڑی تعداد میں دوسری کتابیں بھی لکھی گئیں۔ جیسے:

اصول حدیث میں الکفایہ فی اصول الراوی (خطیب بغدادی)،معرف علوم الحدیث (حاکم نیشاپوری)۔اسی طرح اس موضوع پر مقدمہ ابن الصلاح (ابن الصلاح) جو مختلف مدارس عربیہ میں شامل نصاب ہے،اسی دور میں تالیف کی گئی۔ بیان اوہام المحدثین (امام مسلم) اور تاویل مختلف الحدیث (ابن قتیبہ) جیسی عظیم اہمیت کی حامل کتابیں اسی عہد میں تصنیف کی گئیں۔ان کے علاوہ درجنوں کتابیں اور مؤلفین ہیں،جن کا تعلق

عہد عباسی سے رہا ہے۔

یہ تفاصیل تو اہل سنت کی کتابوں کی ہیں۔ جہاں تک اہل تشیع کی حدیث کے موضوع پر موجود ان کتابوں کا ہے جو عہد عباسی میں لکھی گئیں، تو اپنی تعداد کے اعتبار سے وہ بھی بہت ہیں۔ یہاں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

الکافی (محمد بن یعقوب الکلینی): اہل تشیع کے نزدیک یہ حدیث کی نہایت معتبر، اور چار مستند کتابوں میں سے ایک کتاب تصور کی جاتی ہے۔ عہد عباسی میں چوتھی صدی میں تصنیف کی گئی۔

من لایحضرہ الفقیہ (علی بن بابویہ القمی، م: 381): یہ بھی حدیث کا نہایت اہم اور ضخیم مجموعہ ہے۔ اہل تشیع کی حدیث کی چار اہم کتابوں میں سے دوسری کتاب ہے۔ اس میں فقہی موضوعات کے لحاظ سے ابواب کی ترتیب عمل میں آئی ہے۔

تہذیب الاحکام (ابوجعفر محمد بن حسن طوسی) اہل تشیع کی تیسری اہم کتاب ہے۔ حدیث کی تدوین فقہی موضوعات کے لحاظ سے کی گئی ہے۔

الاستبصار فیما اختلف من الاخبار (ابوجعفر محمد بن حسن طوسی): یہ اہل تشیع کے نزدیک حدیث کی چوتھی اہم کتاب ہے۔

6.5 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- عباسی عہد علوم کے عروج وارتقاء کے تعلق سے تمام اسلامی عہدوں میں سب سے اہم عہد کی حیثیت رکھتا ہے۔
- اس عہد میں اسلامی تہذیب اپنے عروج وکمال کو پہنچی۔
- اس عہد میں علوم کی تشکیل اور پھیلاؤ کے بہت سے اسباب تھے۔ جن میں سب سے اہم سبب یہ تھا کہ تہذیب اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ ہر طرف خوش حالی اور امن تھا۔ علماء اور اہل کمال کی عزت افزائی کا سارا سامان موجود تھا۔ ایک بہت بڑی وجہ عباسی خلفاء کی علمی سرپرستی تھی۔ اسی طرح عباسی خلفاء کی دوسری خوبی ان کا بالعموم تعصب سے پاک رویہ تھا۔ اس لیے عباسی معاشرے میں تمام طبقات کو چاہے وہ عرب ہوں یا موالی انہیں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ملا۔
- مسلمانوں کی علمی میراث کا بڑا حصہ اسی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ کچھ علوم کی بنیاد اس سے ماقبل کے دور میں پڑ چکی تھی، عباسی عہد میں ان کو ترقی حاصل ہوئی جب کہ بعض دوسرے علوم کو اسی عہد میں آغاز اور ارتقاء کا موقع ملا۔
- اس عہد میں (عقلی علوم کے ساتھ) دینی علوم یا علوم نقلیہ میں زبردست ترقی ہوئی۔ دینی علوم کی نئی نئی شاخیں اس عہد میں نکلیں اور ان میں علمائے روزگار نے اہم کتابیں تصنیف کیں۔
- علوم قرآن میں قرأت وعلوم قرأت، تفسیر وعلوم تفسیر اور حدیث وعلوم حدیث بنیادی اہم کتابیں اور شخصیات اسی عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔
- قرأت میں ابن کامل، ابن مجاہد، خلف بن ہشام، ابوبکر النقاش، ابوطاہر وغیرہ قراء نے خصوصی شہرت حاصل کی۔ عہد عباسی میں مختلف علاقوں سے علمائے قرأت کھنچ کر بغداد چلے آئے جو علمی، سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ زیادہ تر قراء کا تعلق کوفہ، بصرہ، واسط، حجاز، نہروان، شام اور خراسان وغیرہ سے تھا۔
- تفسیر میں جامع البیان فی تفسیر القرآن (طبری)، معالم التنزیل (بغوی)، زاد المسیر فی علم التفسیر (ابن جوزی)، الکشف والبیان

(ثعلبی)، مفاتیح الغیب (رازی)، الکشاف عن حقائق التنزیل (زمخشری)، البحرالمحیط (ابوحیان التوحیدی)، مدارک التنزیل (نسفی)وغیرہ کتابیں اسی عہد کی یادگار ہیں۔

- اسی طرح حدیث میں صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کے مختلف موضوعات پر اہم کتابیں تصنیف کی گئیں۔تفسیر وحدیث کی کتابوں میں سنی اورشیعہ دونوں علماء کی کتابیں شامل ہیں۔
- علوم نقلیہ کواس کے بعد کسی اوردور میں اس قدرفروغ حاصل نہیں ہوا۔

6.6 کلیدی الفاظ

موالی	:	آزادکردہ غلام
معتزلہ	:	مسلمانوں کاایک عقلیت پسندفرقہ
اشاعرہ	:	اہل السنّت والجماعت میں سے معتزلہ ودیگرفرق باطلہ کے رد میں اٹھنے والاحکمائے اسلام کا طبقہ
مرجئہ /مرجیہ	:	ایک مسلم فرقہ جس کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ایمان کاتعلق محض دل اورزبان سے ہے،عمل سے نہیں
برامکہ	:	ایک فارسی النسل خاندان جس کے بہت سے افراد نے عہدعباسی میں وزارت کی ذمہ داری سنبھالی
باطنی	:	فرقہ باطنیہ کا پیروجواہل تشیع کی ایک شاخ ہے۔اورجس کے اعتقاد کے مطابق ہرشرعی امرکاایک ظاہری اورایک باطنی معنی ہوتا ہے۔ظاہری معنی غیرمقصوداورباطنی معنی مقصود ہودتا ہے جس کی تعیین امام حاضر یااس کے نائبین ہی کے ذریعے ہوسکتی ہے۔
زندقہ	:	کفرکودل چھپاتے ہوئے اسلام کااظہارکرنا۔
خیرالقرون	:	اسلام کی شروع کی تین صدیاں جن میں حدیث کیمطابق خیراورنیکی غالب تھی۔
علم اسماءالرجال	:	علم حدیث سے تعلق رکھنے والاوہ علم جس میں حدیث کے راویوں کے ناموں سے بحث کی جاتی ہے۔
راسخ العقیدہ فکر	:	اہل سنت والجماعت کے نزدیک دین کی وہ موروثی فکرجس پرکسی طرح کی بدعت اوربدعقیدگی اثراندازنہیں ہوئی ہے۔

6.7 نمونہ امتحانی سوالات

6.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ دیوان الزنادقہ کس نے قائم کیا تھا؟

(a). مہدی (b). ہادی (c). ہارون (d). مامون

2۔ مؤطاامام مالک کس کی فرمائش پرلکھی گئی تھی؟

(a). معتصم (b). ہارون (c). امین (d). منصور

3۔ ''علوم نقلیہ صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں''، یہ کس کی رائے ہے؟

(a). فواد سزگین (b). صبحی صالح (c). ابن خلدون (d). احمد امین

4۔ درج ذیل میں سے کون سی تفسیر، تفسیر بالماثور کی نمائندہ تفسیر نہیں ہے؟

(a). لباب التنزیل (b). مدارک التنزیل (c). البحر المحیط (d). جامع البیان

5۔ درج ذیل میں سے کون سی تفسیر فقہی منہج پر لکھی گئی ہے؟

(a). مشکل اعراب القرآن (b). احکام القرآن (c). مفاتیح الغیب (d). تفسیر الکشاف

6۔ تفسیر 'معالم التنزیل' کا دوسرا معروف نام کیا ہے؟

(a). تفسیر بغوی (b). تفسیر طبری (c). تفسیر بیضاوی (d). تفسیر رازی

7۔ درج ذیل میں سے کون سی تفسیر بلاغت کے حوالہ سے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے؟

(a). معالم التنزیل (b). مفاتیح الغیب (c). تفسیر الکشاف (d). تفسیر طبری

8۔ عہد عباسی کی ابتداء میں مدینہ منورہ میں حدیث کے حوالہ سے کسے مرجع کی حیثیت حاصل تھی؟

(a). سعید بن عروبۃ (b). سفیان بن عیینہ (c). سفیان ثوری (d). امام مالک

9۔ درج ذیل میں سے کس قاری کا تعلق عہد عباسی سے نہیں ہے؟

(a). نافع بن ابی نعیم (b). حمزہ بن حبیب (c). ابو عمر بن علا (d). عاصم بن ابی النجو د

10۔ درج ذیل میں سے کون سی تفسیر، تفسیر بالرائے کے نہج پر لکھی گئی ہے؟

(a). مدارک التنزیل (b). انوار التنزیل (c). مفاتیح الغیب (d). سب صحیح

6.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ نقلی یا دینی علوم کے ارتقاء سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ تحریر کیجیے۔

2۔ عہد عباسی میں علوم وفنون کے ارتقاء کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔

3۔ عہد عباسی میں علم قرأت کے ارتقاء پر ایک نوٹ لکھیے۔

4۔ 'عباسی دور میں تفسیر قرآن کے مختلف مناہج وجود میں آئے اور ان پر اہم تفسیریں لکھی گئیں' وضاحت کیجیے۔

5۔ عہد بنو عباس میں علوم کے ارتقاء پر روشنی ڈالیے۔

6.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ عہد بنو عباس کے سماجی ماحول اور علمی وتہذیبی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے۔

2۔ عہد بنو عباس کی تفسیری خدمات قلمبند کیجیے۔

3۔ اس عہد میں حدیث کے موضوع پر ہونے والے کاموں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیجیے۔

6.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	History of The Arabs	:	Philip K. Hitti
2۔	ضحیٰ الاسلام (جلد دوم وسوم)	:	احمد امین (عربی)
3۔	Legacy of Islam (عربی ترجمہ: تراث الاسلام)	:	جوزف شاخت؛ سی۔ ای۔ بوزورتھ
4۔	تاریخ افکار وعلوم اسلامی (جلد اول ودوم)	:	راغب الطباخ (اردو ترجمہ: افتخار احمد بلخی)
5۔	محاضرات قرآنی، محاضرات حدیث	:	محمود احمد غازی
6۔	حدیث اور فہم حدیث	:	عبداللہ معروفی
7۔	تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ سوم)	:	یسین مظہر صدیقی
8۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول)	:	ثروت صولت
9۔	تاریخ التراث الاسلامی (جلد اول)	:	فواد سزگین
10۔	علوم القرآن	:	صبحی صالح (اردو ترجمہ: غلام احمد حریری)

-:oOo:-

اکائی 7 : عباسی دور میں نقلی علوم کی ترقی (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید

7.1 مقصد

7.2 فقہ وعلوم فقہ

7.3 سیرت وتاریخ اسلامی

7.4 علم کلام

7.5 تصوف واخلاق

7.6 علوم نقلیہ کے معاون علوم

7.6.1 نحو

7.6.2 بلاغت

7.7 اکتسابی نتائج

7.8 نمونہ امتحانی سوالات

7.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

7.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

7.0 تمہید

اس یونٹ کے مطالعے سے طلبہ کو اندازہ ہو سکے گا کہ اسلامی علوم کی بعض اہم شاخوں کا ارتقا عہد عباسی میں کس طرح ہوا۔ عہد عباسی کی اس تعلق سے کیا خدمات رہیں؟ ان کو یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ ان علوم نے خود اسلامی علوم کی تشکیل میں کیا رول نبھایا اور ان کی اس میں کیا حصہ داری

رہی؟اس حوالے سے ان کے سامنے ایک مختصر منظر نامہ پیش کیا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ عہد عباسی کا اہم امتیاز نقلی علوم کا فروغ اور اشاعت ہے۔ اسلامی تہذیب اپنے عروج پر اسی عہد میں پہنچی اور ان کی تشکیل میں علوم نقلیہ اور ان علوم سے وابستہ علما نے بنیادی رول ادا کیا۔البتہ دوسرے علوم کا کردار بھی نہایت اہم تھا۔

فقہ وعلوم فقہ، سیرت نگاری، علم کلام، اور تصوف و اخلاق کے موضوع پر اس اکائی میں گفتگو کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح ماقبل اور مابعد عہد کے مقابلے اس عہد میں ان علوم نے تیز رفتاری کے ساتھ اپنی ترقی کے زینے طے کیے۔اسی عہد میں ان علوم کی اہم اور ممتاز شخصیات پیدا ہوئیں، جن کے دوررس اثرات آج تک اسلامی علوم پر محسوس کیے جاتے ہیں۔علوم اسلامی کے بعض متعلقہ علوم پر بھی اس اکائی میں گفتگو کی گئی ہے تا کہ اس کا اندازہ ہو سکے کہ علوم نقلیہ کے متعلقہ علوم کا اس باب میں کیا کردار رہا؟ امید کی جاتی ہے کہ طلبہ اس اکائی کو پڑھ کر اس لائق ہو سکیں گے کہ وہ ان علوم کے حوالے سے بہتر طور پر اظہار خیال کرنے کے قابل ہو سکیں۔

7.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد عہد عباسی میں اسلامی علوم: فقہ وعلوم فقہ، سیرت، علم کلام، تصوف و اخلاق اور اسلامی علوم کے معاون علوم: نحو و بلاغت کے نشو و ارتقا پر روشنی ڈالنا اور یہ واضح کرنا ہے کہ ان علوم نے اس عہد میں کس طرح اپنی جگہ بنائی؟ کن بنیادوں پر ان کا ارتقا ہوا؟ اس عہد میں ان علوم کی کیا صورت حال رہی؟ کن علما نے کون سی اہم کتابیں اور رسائل تصنیف کیے جنہوں نے ان علوم کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا؟ اور ان کے مصنفین کون تھے اور کن طبقات سے تعلق رکھتے تھے؟

ان کا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کے سامنے ان علوم کے حوالے سے ایک واضح تصویر آ جائے۔وہ یہ سمجھنے کے قابل ہو سکیں کہ عہد عباسی کا ان علوم کے فروغ میں کیا رول رہا ہے؟ عہد عباسی میں اسلامی تہذیب جو اپنے ارتقا پر پہنچی، ان میں ان علوم نے نہایت گہرا رول ادا کیا تھا۔البتہ نقلی علوم کے ساتھ عقلی علوم کی بھی اس عہد میں گرم بازاری تھی، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ عقلی علوم نے عموماً نقلی علوم کے دوش پر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ان علوم کے فروغ کے اسباب کیا تھے؟ان پر پچھلی اکائی میں گفتگو ہو چکی ہے، وہاں اس کا مطالعہ کرنا چاہیے، تاہم ان صفحات میں ان کی جھلک بھی نظر آئے گی۔

7.2 فقہ وعلوم فقہ

علمِ فقہ وہ علم ہے جس میں تفصیلی دلائل کے ذریعے احکامِ شرعیہ کو سمجھا جاتا ہے، بحث کی جاتی ہے اور قوانین اخذ کیے جاتے ہیں۔علم فقہ اپنے روایتی اور غیر منضبط شکل میں عہد نبوی اور صدر اسلام میں موجود تھا۔عہد اموی میں اس میں کچھ پیش رفت ہوئی۔تاہم اصولی اور فنی سانچے میں اس کی تشکیل بھی عہد عباسی میں ہی ہوئی۔اموی خلفاء نے فقہ پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی یا دوسرے الفاظ میں فقہ حدیث کا حصہ تھی۔چنانچہ عہد اموی میں اصل توجہ حدیث کی جمع و تدوین پر مرکوز رہی۔سرکاری سرپرستی میں اس کے مجموعے مرتب ہوئے۔خاص طور پر عمر عبد العزیز کے سر یہ کارنامہ جاتا ہے۔عہد اموی کے اواخر میں البتہ فقہی مکاتب کے ابتدائی نقوش تیار ہونے لگے۔کیوں کہ صحابہ کرام اور ان کے شاگردوں کے رجحانات کو مختلف اصحاب علم اور عوام کے گروہوں اور جماعتوں نے اپنے اپنے ذوق دینی وعلمی کے مطابق اختیار کرنا شروع کر دیا تھا۔قرآن وسنت کی نصوص میں مختلف رجحانات کی گنجائش موجود تھی جس کی وجہ سے خود صحابہ کرام کے درمیان مختلف مسائل میں اختلاف پایا جاتا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ انہی اختلافات نے آگے چل کر باضابطہ طور عہد اموی میں مستقل رجحانات کی شکل اختیار کی۔

عہد عباسی میں یہ رجحانات اور پختہ ہوگئے اور اس میں جہاں دوسرے علوم وفنون کی باضابطہ تشکیل عمل میں آئی۔ وہیں فقہ اور اس سے تعلق رکھنے والے علوم بھی تشکیل کے مراحل سے گزرے اور عروج کو پہنچے۔ چوں کہ عہد عباسی میں اسلامی تہذیب اپنے عروج کو پہنچی اس لیے فقہ اور قانون کی تدوین اس خلافت اور اس کے ذریعے ارتقا پذیر تہذیب کی اولین ضرورت تھی۔ امام مالک کی موطا کو عہد عباسی اول میں اسی لیے خصوصی اہمیت حاصل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ منصور عباسی کی فرمائش پر موطا کی تصنیف عمل میں آئی تھی۔

ابو یوسف جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے عباسی خلافت میں قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس کے عہدے پر فائز رہے۔ عباسی خلفاء مہدی، ہادی اور ہارون رشید نے ان کو ان کی توقیر کے ذریعے اسلامی فقہ اور قانون سازی کی تشکیل کے کام کو آگے بڑھایا۔ کہا جاتا ہے کہ اصول فقہ پر ابتدائی کام قاضی ابو یوسف نے ہی کیا۔ جس کو عروج پر پہنچانے میں امام شافعی نے اہم رول ادا کیا۔

بغداد کے دارالخلافہ بننے کے بعد دینی علم کی تحریک میں فقہ کو ایک اہم اور مرکزی مقام حاصل ہوا۔ اور اس میں نابغین روزگار شخصیات پیدا ہوئیں جن میں سرفہرست امام ابوحنیفہ (وفات: 767ء) ہیں جنہیں منصور نے کوفہ سے بغداد بلایا، ان کی تعظیم وتکریم کی اور انہیں اور ان کے اصحاب کی اس کام میں مدد کی۔ چنانچہ فقہ کے اولین اصول ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب بالخصوص ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی نے مرتب کیے۔

اس عہد میں فقہ کی ترقی کے مختلف اسباب تھے۔ جن میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

- عباسی حکم رانوں کی اس پر خصوی توجہ
- اسلامی مملکت کی وسعت جو مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی جس کا قانونی بندوبست انتہائی اہمیت رکھتا تھا۔
- بڑے بڑے فقہاء ومجتہدین کا اس عہد میں ظہور میں آنا جن کے اندر اجتہاد اور قانون سازی کی حیرت انگیز صلاحیت پائی جاتی تھی۔
- احادیث وسنن کی تدوین اس سے قبل عمل میں آ چکی تھی جس کی وجہ سے فقہ وتدوین فقہ کا کام آسان ہو گیا۔ اور علماء وفقہاء کی توجہ تفقہ اور قانون سازی پر مرکوز ہو گئی۔

عہد عباسی میں فقہ کے دو بنیادی اسکول یا منہج باضابطہ شکل میں سامنے آئے۔ ایک عراقی اور دوسرا حجازی۔ ائمہ اربعہ میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد دوسرے اسکول سے اور امام ابوحنیفہ پہلے اسکول سے تعلق رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے علاوہ اس باب میں سب سے وقیع کام امام شافعی نے کیا۔ انہوں نے اصول فقہ میں الرسالہ اور مسائل فقہ کتاب الام لکھ کر آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے بیش قیمت زمین فراہم کر دی۔

مکاتب فقہ اور اہم فقہاء

اہل سنت والجماعت کے چاروں مکاتب فقہ: حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اور شیعہ مکتب فقہ، فقہ جعفری کی تشکیل اسی عہد میں ہوئی۔ ان تمام مکاتب فقہ کی اکابر شخصیات (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام جعفر صادق) کا تعلق اسی عہد سے ہے۔ دوسرے مکاتب فقہ جو اگرچہ آگے چل کر ختم ہو گئے ان میں سے متعدد کا تعلق اسی عہد سے ہے: جیسے طبری، اوزاعی، سفیان ثوری، لیث بن سعد، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، داود ظاہری وغیرہ۔ ان کی اساسی کتابیں بھی زیادہ تر اسی عہد میں مرتب کی گئیں۔ اہل تشیع کی فقہ کو بھی اس دور میں رواج ملا۔ فاطمیوں کے ہاتھوں فقہ تشیع کو رواج اور مضبوطی حاصل ہوئی۔ اسماعیلی فقہاء میں سب سے اہم نام ہبۃ اللہ شیرازی کا ہے جو موید کے نام سے معروف ہیں۔

کتب فقہ

سنی اور شیعہ مکاتب فقہ کی اہم کتابیں اسی عہد میں تحریر کی گئیں۔اوران میں سے بہت سوں پر شرحیں بھی اس عہد میں لکھی گئیں۔آگے آنے والے ادوار میں یہی کتابیں ان مسالک کی تفصیلی خدوخال کا ذریعہ بنیں۔ان کتابوں کی ایک لمبی فہرست ہے جس کو ابن ندیم کی الفہرست اور دوسری کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔یہاں اہل سنت اور اہل تشیع میں سے جعفری فقہ کی اہم کتابوں کے ناموں کا ذکر کیا جاتا ہے۔جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اس علم کی ترقی کا پیمانہ عہد عباسی میں کیا رہا:

فقہ حنفی: ظاہر الروایۃ ،الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، السیر الصغیر، السیر الکبیر، المبسوط ،الزیادات (امام محمد الشیبانی)، کتاب الخراج (قاضی ابو یوسف)، مختصر القدوری (احمد بن محمد قدوری)، الھدایۃ (علی بن ابی بکر مرغینانی)، تقویم الادلۃ (ابوزید الدبوسی)، امام بلخی (شرح الجامع الکبیر)، اصول الشاشی (ابوعلی الشاشی)۔

فقہ شافعی: امام شافعی کی الرسالۃ اور کتاب الام جن کا ذکر اوپر آیا۔مختصر المزنی (امام مزنی)، شرح کتاب الرسالۃ (ابوبکر قفال الشاشی)، الاحکام السلطانیہ (ابوالحسن ماوردی)، الوجیز، المستصفی (امام غزالی)۔

فقہ حنبلی: المختصر فی الفقہ (عمر بن حسین خرقی)، الارشاد (ابوعلی ہاشمی)، شرح المذاہب (ابوجعفر بن ابوموسی)، المجموع فی الفروع (ابوالحسین بن فرا بغدادی)، المقنع (عبدالعزیز بن جعفر)۔

فقہ مالکی: فقہ کی کتابیں زیادہ تر اسپین میں لکھی گئیں تاہم موطا جو اموی دور کے اخیر میں لکھی گئی تھی، اس کی توسیع و اشاعت عباسی دور میں ہوئی۔اس کے علاوہ المدون الکبری (محمد بن سحنون)، کتاب آداب القضا اس عہد میں لکھی گئیں۔ مذہب مالکی کی ان کے علاوہ اور دوسری کتابیں بھی ہیں جو اس عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔

فقہ جعفری: کتاب الکافی (ابوجعفر کلینی) اور من لا یحضرہ الفقیہ (محمد بن علی بن بابویہ قمی)

جس طرح فقہ کو عہد عباسی میں عروج حاصل ہوا، اسی طرح مکاتب فقہ کی تشکیل اور عوام اور علما دونوں سطحوں پر تقلید کی گرم بازاری اور باب اجتہاد کے عملاً بند ہو جانے کی وجہ سے فقہ کو زوال بھی اسی عہد کے اواخر میں ہوا۔اس زوال کی ایک اہم وجہ بعد کے عباسی حکمرانوں کی اس سے بے توجہی بھی تھی۔تاہم فقہ اسلامی کا اصل ورثہ جس نے آگے اسلامی قانون سازی اور اجتہاد کی بنیاد کو مضبوط کرنے میں اہم رول ادا کیا، وہ اسی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔فقہ پر بحیثیت مجموعی اور اسی کے ساتھ اس کی مختلف شاخوں پر بھی اس عہد میں کام ہوا۔

7.3 سیرت و تاریخ اسلامی

عہد عباسی میں جن علوم نقلیہ کی تدوین ہوئی اور انہیں فروغ حاصل ہوا، ان میں سیرت نبوی بھی شامل ہے۔سیرت نبوی سے متعلق روایات مغازی کے عنوان سے عہد اموی میں جمع اور مدون ہو چکی تھیں۔البتہ اس موضوع پر باضابطہ کام عہد عباسی میں ہوا۔سیرت رسول سے عباسیوں کو دلچسپی تھی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ خود کو رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے وابستہ اور اس کا وارث تصور کرتے تھے۔اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ عباسی حکمرانوں نے سیرت نگاروں کو خود بغداد بلوا کر ان کا اعزاز و اکرام کیا۔

سیرت نگاری کے باب میں چار شخصیات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ان میں سے پہلا نام محمد بن اسحاق (م:768) کا ہے۔سیرت کی

جس پہلی باضابطہ کتاب کومرجع کی حیثیت حاصل ہے وہ محمد بن اسحاق کی مغازی ابن اسحاق ہے۔ان کی زندگی کا بڑا حصہ عہد اموی میں گزرا۔انہوں نے اپنی یہ مشہور کتاب عہد اموی میں ہی لکھی تاہم ایک تو اس کا خلاصہ عہد عباسی میں لکھا گیا دوسرے عہد عباسی میں اس کی تعلیم وتدریس کا عمل بڑے پیمانے پر مقبول ہوا۔اوروہ عوام وخواص کے درمیان متداول ہوئی۔البتہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کتاب عباسی خلیفہ منصور کے حکم سے لکھی گئی تھی۔لیکن پہلی روایت زیادہ قابل اعتماد ہے۔بعض اسرائیلی روایات کی وجہ سے علمانے اس پر نقد کیا ہے لیکن اسے بالاتفاق سیرت کا نہایت اہم ماخذ تصور کیا جاتا ہے۔امام شافعی، ذہبی اور ابوزرعہ دمشقی جیسے لوگ ابن اسحاق کی سیرت نگاری کی صلاحیت کے قائل نظر آتے ہیں۔

اس عہد کا دوسرا بڑا نام محمد بن عمر واقدی (م:822) کا ہے۔ان کی ''کتاب المغازی'' سیرت نگاری کے باب میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔واقدی مدینہ کے رہنے والے تھے۔بعد میں مالی تنگی اور پریشانی کی وجہ سے 180 ہجری میں بغداد چلے آئے۔یہ ہارون رشید کا زمانہ تھا۔واقدی کی اس کتاب کے علاوہ بھی سیرت میں دوسری کتابیں ہیں۔لیکن اہم اور مفصل کتاب یہی ہے۔اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ عہد نبوی کی معاشرتی وثقافتی زندگی کے خدوخال بھی اس میں ملتے ہیں۔مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

عہد عباسی کے سیرت نگاروں کی فہرست میں تیسرا روشن نام محمد بن سعد (م:845) کا ہے۔انہوں نے طبقات لکھی۔ان دونوں کتابوں کو سیرت نبوی کے باب میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔وہ واقدی کے کاتب تھے۔ابن سعد کی سیرت پر لکھی گئی کتاب ان کی کتاب الطبقات الکبری کا حصہ ہے۔اس کتاب کو علماء کی نظر میں خصوصی اعتماد واستناد حاصل ہے۔مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔اوراسے سیرت کے ایک اہم ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسرائیلی روایات سے پاک ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں اس کو اصحاب علم ودانش نے خصوصی اہمیت دی ہے اور بعد میں لکھی جانے والی سیرت کی کتابوں کا وہ ماخذ رہی ہے۔

چوتھا نام ابن ہشام (م:833) کا ہے۔انہوں نے ''السیرۃ النبویہ'' کے نام سے مغازی ابن اسحاق کی تدوین نو کی جو سیرت نبوی پر سب سے اہم اور مکمل مرجع اور موجودہ شکل میں سیرت سب سے اہم کتاب تصور کی جاتی ہے۔امت میں اس کو خصوصی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔چنانچہ بعد کے تاریخی ادوار میں اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔

ان ناموں کے علاوہ بہت سے نام ہیں جو اس عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔چنانچہ ایک اہم نام ابومعشر نجیح سندھی کا ہے۔ان کا نام سیرت نگاری کے باب میں اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ سندھ کے تھے۔اگرچہ وہ حدیث وفقہ میں بھی درک وبصیرت رکھتے تھے لیکن ان کی شہرت کی اہم وجہ سیرت پر ان کا کام ہے۔ان کا تعلق مدینہ سے تھا لیکن بعد میں وہ خلیفہ مہدی کی دعوت پر بغداد آگئے تھے۔یہیں انہوں نے اپنی کتاب ''کتاب المغازی'' تصنیف کی۔واقدی ان کے شاگرد تھے۔دوسرا اہم نام سلیمان بن بلال تیمی کا ہے۔نیز عبدالملک بن محمد بن ابوبکر انصاری، علی بن مجاہد، زیاد بن عبداللہ بکائی، ابراہیم بن سعد، یحیٰ بن سعید، عبدالرزاق بن ہمام، عبدالملک بن حبیب وغیرہ کا نام بھی اس ذیل میں آتا ہے۔ایک اہم نام علی بن محمد المدائنی کا ہے جنہوں نے اس موضوع پر متعدد کتابیں تالیف کیں۔

ان کتب ومصنفین کے علاوہ بہت سی کتب اور ان کے مصنفین وہ ہیں جنہوں نے تاریخ اسلامی کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔جن میں تفصیل کے ساتھ نبوی کے واقعات کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ان میں محمد بن جریر طبری کی 'تاریخ الرسل والملوک' جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے۔بلاذری کی 'فتوح البلدان' اور 'انساب الاشراف'، یعقوبی کی 'تاریخ یعقوبی'، مسعودی کی 'مروج الذہب' وغیرہ۔

تاریخ اسلامی پر بھی اس عہد میں متعدد کتابیں لکھی گئیں جن میں سے چند یہ ہیں:

- ابن اثیر الجزری (م:1233ء) : الکامل فی التاریخ
- خطیب بغدادی (م:1071ء) : تاریخ بغداد
- ابن عساکر (م:1176ء) : تاریخ دمشق
- یعقوبی (م:898ء) : تاریخ یعقوبی
- مسعودی (م:957ء) : مروج الذہب اور کتاب التنبیہ والاشراف
- ابن مسکویہ (م:1030ء) : تجارب الامم وتعاقب الھمم
- ابن الجوزی (م:1201ء) : کتاب المنتظم

ان کے علاوہ اور بہت سی کتابیں ہیں جو تاریخ اسلامی کے موضوع پر عہد عباسی کے وقار کو بلند کرتی ہیں۔ جنہوں نے آگے تاریخ اسلامی کی تدوین میں اہم کردار ادا کیا۔

7.4 علم کلام

اسلامی فتوحات اور ان کی وسعت کے نتیجے میں مسلمانوں کے بڑے پیمانے پر دوسری اقوام کے ساتھ اختلاط ہوا، جس کے نتیجے میں اسلامی عقائد وافکار پر بحث شروع ہوئی۔ بہت سے ان نظریات نے جن سے مسلمان ناآشنا تھے، وہ اسلامی مملکت کے قلب میں پروان چڑھنے اور پھیلنے لگے۔ اس سے تشویش بجا تھی جو مسلمانوں میں پیدا ہوئی۔ چنانچہ عہد اموی میں جبر وقدر کے نظریات نے جگہ بنانی شروع کردی۔ معبد جہنی، غیلان دمشقی اور جہم بن صفوان جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اول اول جبر وقدر کے مسائل پر زبان کھولی جس نے آگے چل کر ایک مستقل رجحان کی شکل اختیار کرلی۔ یہ اس نوع کے دوسرے مسائل کی گرہ کو سلجھانے کے لیے جو بحث شروع ہوئی اس کے بطن سے علم کلام کی پیدائش ہوئی۔ البتہ اصل سبب بہرحال سیاسی ہی تھا۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ اسباب (جن کا ذکر اوپر کتاب میں کیا گیا) فراہم تھے لیکن ابتدا پالیٹیکس یعنی ملی ضرورت سے ہوئی۔ بنو امیہ کے زمانے میں چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا، طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی۔ لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تھا تو طرف داران حکومت یہ کہہ کر اس کو چپ کردیتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے، ہم کو دم نہیں مارنا چاہیے۔ (شبلی نعمانی، علم الکلام، ص:16)

عہد اموی میں تو اس کا آغاز ہوا تاہم اس کے باضابطہ نشو ونما اور ارتقاء کا سہرا عہد عباسی کو جاتا ہے۔ عہد عباسی میں کچھ سیاسی اور کچھ علمی وفکری سرگرمیوں کے نتیجے میں جس کا ذکر اوپر آیا، علم کلام کو پرکھولنے کا موقع ملا۔

اسے عباسی عہد کے حکمران، امرا واعیان مملکت اور اصحاب علم وفکر کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ عباسی حکمرانوں میں اس تعلق سے سب سے زیادہ اہمیت مامون کو حاصل ہے۔ مامون کو فلسفے اور علوم عجم سے خصوصی دلچسپی تھی اور وہ عربی دائرہ فکر کو ان علوم کے ذریعے زیادہ وسیع کرنے کا خواہاں تھا۔ اسی وجہ سے اس نے بڑے پیمانے پر فلسفے اور دوسرے مضامین میں لکھی گئی کتابوں کا یونانی، سنسکرت اور دوسری زبانوں سے ترجمہ کروایا۔ ترجمے کی اس تحریک نے بھی علم کلام کی سرگرمی میں اضافہ کیا۔ مامون نے معتزلہ کی سرپرستی کی۔ یہ وہ جماعت تھی جو عقلی سطح پر اسلامی عقائد ونظریات کے دفاع کے لیے اٹھی

تھی۔اس جماعت کی مامون کے ذریعے سرپرستی سے علم کلام کوفروغ حاصل ہوااوراس کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔

عباسی حکمرانوں میں سے مامون کے علاوہ معتصم اور واثق بھی معتزلی خیالات ونظریات کا حامل تھا۔چنانچہ علم کلام کوان کی سرپرستی میں بھی فروغ پانے کا موقع ملا۔ان کے علاوہ عہد عباسی میں اس علم کی سیاسی سطح پر سرپرستی میں برامکہ اورنو بخت خاندان کوبھی اہمیت حاصل ہے۔برامکہ میں یحییٰ بن خالد برمکی کواس علم سے خصوصی شغف تھا۔وہ کلامی مناقشوں اور مناظروں کی مجلسیں منعقد کرتا تھا۔مسلک اعتزال سے تعلق رکھنے والے بہت سے اصحاب علم اس سے وابستہ تھے۔عہد عباسی میں جہاں فقہ،فلسفہ اورلغت کی مجالس منعقد ہوتی تھیں،ان میں علم کلام بھی شامل تھا۔خاندان نو بخت میں سے اسماعیل جونو بخت کا پوتا تھا خودعلم کلام کے ماہرین میں سے تھااور متکلمین کی سرپرستی کرتا تھا۔اس نے علم کلام میں متعدد کتابیں بھی لکھی ہیں۔

علم کلام کا بانی ابوالہذیل علاف کوسمجھا جاتا ہے۔جس نے اس فن میں چھوٹی بڑی ساٹھ کتابیں لکھیں۔(شبلی نعمانی:علم الکلام:ص:35) سب سے پہلے مہدی کے حکم سے اس موضوع پر کتابوں کی تالیف عمل میں آئی۔علاف کے علاوہ عہد عباسی سے تعلق رکھنے والے ایسے معتزلی علماء کی ایک بہت بڑی تعداد جس نے علم کلام کی تشکیل وفروغ میں اہم حصہ نبھایا۔جن میں چنداہم نام یہ ہیں:

ابراہیم بن یسار بن ہانی النظام،جو''النظام'' سے معروف ہیں۔بشر بن معتمر،ابوالحسین خیاط،ابوعثمان جاحظ،قاضی عبدالجبار،ابوعلی الجبائی، ہاشم الجبائی،عبدالرحمان بن کیسان،معمر بن عبادالسلمی،احمد بن ابی دواداورابوالقاسم بلخی وغیرہ۔

علم کلام کی سرپرستی اوراس کوفروغ دینے کے حوالے سے اہل علم وفکر کا جودوسراطبقہ وجود میں آیاوہ اشاعرہ کا تھا۔کلام کے اشعری مکتب فکر کی نسبت ابوالحسن اشعری سے کی جاتی ہے جواشعریت کے بانی ہیں۔ابوالحسن اشعری(وفات:936)ایک معتزلی گھرانے میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ لیکن کافی غوروخوض اورمعروضی تحقیق اصول وضوابط کے بعدانہوں نے معتزلہ کی مخالفت میں بہت سی کتابیں لکھیں اورعلم کلام میں ایک نئے طرزفکر اشعریت کی بنیاد ڈالی جس کے ماننے والے اشاعرہ کہلائے۔

ابوالحسن اشعری نے معتزلہ کی کلامی فکرکواسلامی فکر کی راہ سے منحرف اور بدعت پرمبنی تصور کیااوراس کے مقابلےاوراسلامی فکر سےاعتزالی فکر کے اثرات کےازالے کے لیےعلم کلام کی اس دوسری شاخ کو پروان چڑھایا۔علم کلام کی شاندارروایت کی تشکیل میں ان کا نہایت اہم کردار ہے۔انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی فن کے لیے وقف کردی۔انہوں نے متعددکتب ورسائل تصنیف کیے جن میں ایک طرف علم کلام پراعتراض کرنے والوں کوجواب دیا گیااور بتایا گیا کہ اس علم کا سیکھنا کیوں ضروری ہےاورکس طرح یہ عین اسلامی فکر کے تقاضے کے مطابق ہے؛دوسری طرف انہوں نے ان کتابوں میں اعتزالی افکار کا ردکیااور یہ بتانے اور باورکرانے کی کوشش کی یہ فکراسلام کی صحیح ترجمانی نہیں کرتی۔اعتزالی فکر بہت سی بدعات پر مشتمل ہے۔کتابوں کے علاوہ انہوں نے نہایت باصلاحیت شاگرد پیدا کیے جنہوں نے کلام کے باب میں اشعری مکتب فکرکی ترجمانی کی اوراس علم کوآگے بڑھایا۔

تقریبا اسی دور میں ابومنصور ماتریدی(م،944)سمرقند سے فرق باطلہ کے خلاف نقل وعقل کے مابین تطبیق کے ساتھ کتاب وسنت کے تحفظ کے لیے سامنے آئے۔انہوں نے ماتریدی مکتب فکر کی بنیاد رکھی۔علم کلام کے حوالے سے ان کی خدمات بھی گراں مایہ ہے۔انہوں نے ایک طرف معتزلی فکر کی تردید کی۔تاہم دوسری طرف انہوں نے اشاعرہ سے جومختلف نظریات میں بےاعتدالیاں صادر ہوئی تھیں،ان کو دور کرنے کی کوشش کی۔ان کی فکرمیں عقل ونقل کی تطبیق کا ایک معتدل رجحان سامنے آیا۔

معتزلہ کا زورٹوٹنے کے بعدعلم کلام نے ایک نئی کروٹ لی اوراس طرح اہل السنّت والجماعت کی صفوں سے قاضی ابوبکر باقلانی،عبدالملک

جوینی، غزالی، رازی، عبدالکریم شہرستانی اور آمدی جیسی شخصیات سامنے آئیں۔ جنہوں نے اس علم کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے متعدد کتب و رسائل تصنیف کیے۔

عہد عباسی میں علم کلام میں جو اہم کتابیں لکھی گئیں وہ یہ ہیں:

○	ابوالحسن اشعری (م: 936ء)	:	مقالات الاسلامیین، الابان فی اصول الدیان
○	ابوالمعالی جوینی (م: 1085ء)	:	الشامل، الارشاد
○	ابوحامد غزالی (م: 1111ء)	:	الجام العوام، المنقذ من الضلال
○	ابومنصور ماتریدی (م: 944ء)	:	کتاب التوحید
○	عبدالجبار معتزلی (م: 1025ء)	:	شرح الاصول الخمس، المغنی
○	ابوالحسین الخیاط معتزلی (م: 912ء)	:	الانتصار

ان چند نمائندہ کتابوں کے علاوہ درجنوں کتابیں اسلامی لائبریری کی زینت ہیں کی تصنیف وتالیف کا سہرا اسی عہد عباسی کے سر جاتا ہے۔ جس کی تفصیلات اس موضوع پر لکھی جانے والی کسی بھی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد عباسی کے بعد یہ علم ترقی نہیں کر سکا۔ اس کی ایک وجہ یہ رہی ہے کہ حکومت کی طرف سے اس کی سرپرستی ختم ہوگئی۔ متوکل نے اعتزال کے اثرات کو ختم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس طرح وہ چپقلش جو معتزلہ اور اشاعرہ کے درمیان پیدا ہوگئی تھی وہ بہت حد تک ختم ہوگئی اور علم کلام کا بازار بھی سرد پڑ گیا۔ تاہم جو کتابیں عہد عباسی میں لکھی گئیں ان کی اہمیت اپنی جگہ باقی ہے۔ کیونکہ آج وہی کتابیں علم کلام کی تشکیل میں اہم رول ادا کر سکتی ہیں جس کی تشکیل کے لیے علماء کا ایک حلقہ کوشاں ہے۔ (علم کلام کے عہد بہ عہد کے لیے دیکھیے: حسن محمود الشافعی: المدخل الی علم الکلام)

7.5 تصوف و اخلاق

تصوف کے بنیادی تصورات قرآن وسنت میں احسان، اخلاق اور تزکیہ کے حوالے سے پائے جاتے ہیں۔ انہی تصورات نے آگے چل کر ایک مکمل علم اور فن کی صورت اختیار کر لی۔ اموی حکمرانوں نے اپنے سیاسی مفادات کے لیے لوگوں پر ظلم کرنا شروع کیا۔ اسی کے ساتھ فتوحات کی کثرت سے مسلم سماج میں دولت وخوش حالی آئی۔ جس کے نتیجے میں دنیا پرستی بڑھنے لگی تو آخرت سے لو لگانے والوں نے زہد کا راستہ اختیار کیا۔ یہی رجحان مزید آگے بڑھا اور اس نے ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کر لی۔ شروع میں اس کو علم باطن، علم حقیقہ وغیرہ سے یاد کیا جاتا تھا لیکن بعد میں اسے مستقل طور پر تصوف کے لفظ سے موسوم کیا جانے لگا۔

تصوف کی مشہور اور عظیم شخصیات کو جن کے نام اور کام سے آگے کے تاریخی مرحلوں میں تصوف کو ایک فن اور علم کی حیثیت سے فروغ حاصل ہوا، عہد عباسی میں شہرت اور ناموری حاصل ہوئی۔

نویں اور دسویں صدی میں تصوف کے طریقوں کی تشکیل ہوئی۔ صوفیہ کے حلقے قائم ہوئے۔ اور ان میں تربیت کے طریقوں کو رواج ملا۔ پھر تصنیف وتالیف کا دور شروع ہوا اور بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ البتہ دوسرے اسلامی علوم: تفسیر، حدیث، فقہ اور کلام کے مقابلے میں تصوف کے موضوع پر کتابیں تصنیف کرنے کا رجحان کم رہا۔ کیونکہ تصوف علمی وفکری سے زیادہ ایک عملی اور ذوقی چیز ہے۔ بصرہ، کوفہ، بغداد، نیشاپور، خراسان

وغیرہ میں تصوف کی اہم شخصیات پیدا ہوئیں۔جن میں سے اہم شخصیات کے نام یہ ہیں:

ابراہیم بن ادہم، حارث محاسبی، ابو یزید بسطامی، ذوالنون مصری، سہل بن عبداللہ التستری، جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، حسین بن منصور الحلاج، ابونصر السراج طوسی، ابوبکر کلاباذی، ابوطالب مکی، ابوالقاسم القشیری، علی بن عثمان الہجویری، ابوحامد الغزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، نجم الدین کبری اور شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی وغیرہ۔

تصوف کے حوالے سے اس دور کا ایک اہم مظہر خواتین صوفیہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔اس باب میں سب سے معروف نام رابعہ بصریہ کا ہے تاہم ان کے علاوہ ایک خاصی تعداد خواتین صوفیہ کی ہے جن کا مطالعہ ابوعبدالرحمٰن السلمی کی کتاب ''ذکر النسوۃ المتعبدات الصوفیات'' میں کیا جاسکتا ہے۔

عصر عباسی میں صوفیہ کے مختلف مکاتب یا دبستانوں کی بھی تشکیل عمل میں آئی۔ان دبستانوں میں نیشاپور میں ابونصر سراج اور بغداد میں معروف کرخی اور جنید بغدادی کے دبستانوں کی تشکیل ہوئی۔ان میں سے ہر ایک کی اپنی خصوصیات تھیں۔علاوہ بہت سے صوفیہ فرقوں کو فروغ ملا۔ایسے بارہ فرقوں کا تذکرہ کشف المحجوب میں علی بن عثمان الہجویری نے کیا ہے۔اسی طرح خانقاہوں کا رواج بھی اسی عہد میں ہوا۔چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ابوسعید ابوالخیر وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے نیشاپور میں خانقاہی نظام کی شروعات کی۔

ذخیرہ تصوف میں پائی جانے والی اہم کتابیں اس دور سے تعلق رکھتی ہیں:

- حارث محاسبی (م:857ء) : رسالۃ المسترشدین، الرعایۃ لحقوق اللہ، بدء من اناب الی اللہ
- ابونصر سراج طوسی (م:988ء) : اللمع فی التصوف
- ابوبکر الکلاباذی (م:990ء) : التعرف لمذہب اہل التصوف، بحر الفوائد فی معانی الاخبار
- علی بن عثمان الہجویری (م:1077ء) : کشف المحجوب
- ابوالقاسم القشیری (م:1074ء) : الرسالہ القشیری
- ابوحفص عمر السہروردی (م:1234ء) : عوارف المعارف
- ابوطالب مکی (م:998ء) : قوت القلوب
- عبدالقادر جیلانی (م:1166ء) : غنی الطالبین
- نجم الدین کبری (م:1221ء) : منازل السائرین، منہاج السالکین
- شہاب الدین سہروردی (م:1191ء) : حکم الاشراق، ہیاکل النور
- ابوحامد الغزالی (م:1111ء) : معراج السالکین، مشکاۃ الانوار

وغیرہ اہم اور معروف کتابیں ہیں۔

اخلاق

تصوف کے قبیل کا ہی ایک موضوع اخلاق کا بھی ہے۔اخلاق کا مضبوط تصور اسلام نے دیا تھا۔رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ میں دنیا

میں بلند اخلاق کی تکمیل کے لیے ہی بھیجا گیا ہوں۔اس لیے مسلمانوں نے اس پہلو کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی۔شروع میں ادب، زہد اور تصوف کے حوالے سے کتابیں لکھی گئیں لیکن عہد عباسی میں یونانی فلسفے کی کتابیں ترجمہ کی گئیں تو اس میں فلسفیانہ پہلو شامل ہو گیا۔اس کے تحت متعدد کتابیں لکھی گئیں جن میں سب سے اہم ابن مسکویہ کی تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق ہے۔اس کے علاوہ ماوردی کی ادب الدین والدنیا، راغب اصفہانی کی الذریعہ الی مکارم الشریعہ، رازی کی الطب الروحانی وغیرہ شامل ہے۔

7.6 علوم نقلیہ کے معاون علوم

علوم نقلیہ میں براہ راست جو علوم آتے ہیں، ان کا ذکر اکائی نمبر 6 کے گزشتہ صفحات میں کیا گیا۔لیکن حقیقت اور انصاف کی بات یہ ہے کہ صرف ان علوم کے تذکرے سے عہد عباسی میں علم نقلیہ کی سرپرستی اور فروغ و اشاعت کی مکمل تصویر سامنے نہیں آ سکتی۔ایسے متعدد معاون علوم ہیں جن کا ذکر اس ذیل میں ضروری ہے۔اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علوم قرآن کی تعداد جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں اسّی (80) لکھی ہے۔

یہی حال حدیث کا ہے۔اس سے تعلق رکھنے والے علوم کی بھی ایک بڑی تعداد ہے۔جن میں سے چند کا حدیث پر گفتگو کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔آئندہ سطور میں ان سے ہٹ کر ان چند علوم کا ذکر کیا جاتا ہے جو اپنی باضابطہ الگ شناخت رکھتے ہیں۔ان میں علوم سے قابل ذکر علوم یہ ہیں: نحو و صرف، بلاغت، لغت و اشتقاق وغیرہ۔ان علوم کو نصوص قرآن و سنت کے فہم و تفہیم کے لیے آلات و وسائل کی حیثیت حاصل ہے۔اس لیے انہیں ''علوم آلیہ'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

7.6.1 نحو

نحو و صرف عربی زبان کے اساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور عربی زبان، اس کی قواعد اور اس کی لسانی ساخت اور اس سے متعلق علوم سے واقفیت اس لیے ضروری ہے تا کہ ان کے ذریعے نصوص کی تفہیم ممکن ہو سکے۔اسلامی علمی روایت میں نصوص کی تفہیم میں سب سے اہم کردار خود زبان کا ہے۔''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> ''عربی زبان براہ راست دین سے تعلق رکھتی ہے۔اس کا سیکھنا واجب ہے۔اس لیے کہ کتاب و سنت کے فہم کا حصول فرض ہے۔اس کا فہم عربی زبان کے فہم پر موقوف ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز واجب اور فرض کی ادائیگی کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے، اس کا حصول بھی واجب اور ضروری ہوتا ہے''۔(ص:469)

یہی بات امام شاطبی نے اپنی کتاب ''الموافقات'' میں بنیادی اصول کے طور پر لکھی ہے:

> ''چونکہ شریعت عربی زبان میں آئی ہے اس لیے اس کا صحیح فہم اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو عربی زبان سے کما حقہ واقف ہو''۔(الموافقات: جلد:5،ص:53)

یہی وجہ ہے کہ عربی زبان کی معرفت پر علمائے اسلام نے خصوصی توجہ دی۔خود حضرت عمر اور حضرت علی سے اس تعلق سے اقوال مروی ہیں جن میں عربی زبان و ادب میں گہری معرفت حاصل کرنے پر توجہ دلائی گئی ہے۔کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے نحو کے ابتدائی قواعد حضرت علی کی ایما پر ابوالاسود دولی (69ھ) نے مرتب کیے۔پھر یہ کام اموی عہد میں آگے بڑھا اور، دوسرے علوم کی طرح عباسی عہد میں اپنے عروج پر پہنچا۔عہد

اموی نے جن علماء نے اس فن کو ترقی دینے میں اہم رول ادا کیا ان میں عیسیٰ بن عمر، ابوعمرو بن العلا، عبداللہ بن اسحاق وغیرہ اسماء خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

نحو کی تشکیل اور ارتقاء کے دو بڑے مراکز تھے: کوفہ اور بصرہ۔ یہ دونوں شہر نحو کے دو اسکول یا مکاتب فکر کے طور پر تاریخ میں معروف ہوئے۔ ان دونوں کے درمیان نحوی مسائل میں چپقلش پائی جاتی تھی۔ عباسی عہد میں کوفہ میں کسائی اور بصرہ میں سیبویہ کو نحو کے حوالے سے شہرت حاصل ہوئی۔ اس عہد کی نحو سے تعلق رکھنے والی چند نمایاں شخصیات کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

خلیل بن احمد فراہیدی (م:790ء)

خلیل بن احمد کا تعلق بصرہ سے تھا۔ انہوں نے عمرو بن علا اور عیسی بن عمر سے اخذ واستفادہ کیا۔ وہ باکمال شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے ہی علم عروض کی ایجاد کی اور عربی کی سب سے پہلی ڈکشنری ''کتاب العین'' کے نام سے تصنیف کی۔ جس کا ذکر لغت کے ذیل میں آئے گا۔ نحو میں ان کی کتاب ''الجمل فی النحو'' ہے۔ ان کے عظیم شاگردوں میں سیبویہ، اصمعی، کسائی اور نظر بن شمیل جیسے باکمالوں کے نام آتے ہیں جن کے ہاتھوں عربی نحو نے ارتقا کے مراحل طے کیے۔

سیبویہ (م:796ء)

دوسری اہم شخصیت سیبویہ کی ہے۔ ان کا اصل نام عمرو بن عثمان بن قنبر ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا وہ خلیل بن احمد کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ انہوں نے عیسیٰ بن عمر اور یونس بن حبیب اور اخفش سے بھی استفادہ کیا۔ انہوں نے عربی نحو کی مشہور کتاب ''الکتاب'' تصنیف کی جس میں انہوں نے سب سے زیادہ خلیل بن احمد کی آرا سے استفادہ کیا ہے۔

مبرد (م:898ء)

تیسرا اہم نام مبرد کا ہے۔ ان کا پورا نام ابوالعباس محمد بن یزید ہے۔ مبرد کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا تعلق بصرہ سے تھا۔ انہوں نے ابوعمرو بن صالح اور ابوعثمان بن بکر وغیرہ سے اخذ واستفادہ کیا۔ ان کے شاگردوں میں الزجاج، الاخفش الاصغر، ابن المعتز، ابوجعفر النحاس جیسے اساتذہ نحو ولغت شامل ہیں۔ ان کی کتاب ''الکامل'' کو نحو ولغت میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

زمخشری (م:1144ء)

عہد عباسی کے علمائے نحو کی طویل فہرست میں ایک اہم نام زمخشری کا ہے۔ ان کا پورا نام ابوالقاسم محمود بن عمر ہے جو جاراللہ زمخشری کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ ترکمانستان کے شہر زمخشر میں پیدا ہوئے۔ ان کی کتاب ''المفصل'' کو اس باب میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

ان چار ناموں کے علاوہ عہد عباسی کے اساطین علمائے نحو میں ان حضرات کا شمار ہوتا ہے: علی بن حمزہ کسائی، اخفش، قطرب ابوعثمان المازنی، ابوحاتم سجستانی، ثعلب، ابوزکریا فراء وغیرہ۔

نحوی سرگرمیوں کے حوالے سے عہد عباسی کی درج ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں:

- علمائے نحو کی کثرت
- نحو کی اہم اور بنیادی کتابوں کی تالیف

- نحو کے دبستانوں کا ظہور۔
- امرا و حکام کا نحو پر خصوصی طور پر توجہ دینا۔
- مناظروں اور مناقشوں کی گرم بازاری وغیرہ۔

علم صرف کا آغاز اسی عہد میں ہوا جس میں ابو عثمان مازنی اور ابوالفتح عثمان جنی نے کتابیں لکھیں۔

7.6.2 بلاغت

قرآنی علوم پر توجہ کے ذیل میں علم بلاغت کو بھی علما نے توجہ کا مرکز بنایا۔ بعض لوگوں نے ارسطو کے نظریات کو علم عربی علم بلاغت کی اساس قرار دیا ہے جو اس نے ''ریطوریقا'' (Rhetoric) میں پیش کیے ہیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ابن خلدون کے بقول یہ علم خالص عربی ماحول کی دین ہے۔ جس کا مقصد زبان کو رکاکت سے محفوظ رکھنا تھا۔ پروفیسر یسین مظہر صدیقی کے مطابق، سب سے پہلے اس میں جعفر بن یحیٰ، جاحظ اور قدامہ نے کتابیں لکھیں۔ اور اس فن کو باضابطہ طور پر مرتب کرنے والے سکاکی ہیں۔ جنھوں نے اس فن میں مفتاح العلوم لکھی۔ (تاریخ تہذیب اسلامی، جلد:3،ص:258)

اہم بات یہ ہے کہ عہد عباسی میں اس فن کا آغاز ہوا اور وہ اپنی ارتقا کو پہنچا۔ ادب اور لغت سے تعلق رکھنے والے علما نے اس فن کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ چوں کہ قرآن کا ایک بڑا معجزہ اس کی زبان میں پوشیدہ ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس پہلو کو لسانی قواعد اور ان کے استعمالات سے آشکارا کیا جائے۔ یہ علم بلاغت ہی تھا جس سے علم اعجاز القرآن کی شروعات ہوئی اور اس نے ایک باقاعدہ علم کی شکل اختیار کی۔ جس کے تحت قرآن کے لغوی و بیانی اعجاز کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

جن اہم علما اور ان کی کتابوں نے عہد عباسی میں اس فن کے ارتقا میں اہم رول ادا کیا وہ حسب ذیل ہیں:

ابوعثمان الجاحظ (م:868)

ان کا پورا نام ابوعثمان عمرو بن بحر ہے۔ بصرہ میں پیدا ہوئے اور عربی ادب کے ایک عظیم ادیب کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ ان کی بہت سی کتابوں کو شہرت حاصل ہے جس میں البیان والتبیین، کتاب الحیوان، کتاب البخلا شامل ہیں۔ اول الذکر کتاب میں انہوں نے بلاغت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ لیکن یہ بحثیں منظّم نہیں ہیں۔ البتہ ان بحثوں نے بلاغت کی تدوین میں اہم رول ادا کیا۔

عبداللہ بن معتز (م:908)

عبداللہ بن معتز خلفائے بنوعباس کے خاندان سے تھے۔ انہیں خلیفہ بھی بنایا گیا لیکن پھر ان قتل کر دیا گیا۔ یہ بہت بڑے ادیب و شاعر بھی تھے۔ بغداد میں ان کی پیدائش ہوئی۔ جاحظ کے بعد علم بلاغت کو آگے بڑھانے میں انہوں نے اہم رول ادا کیا۔ ان کی کتاب البدیع کو اس تعلق سے شہرت حاصل ہوئی۔

عبدالقاہر جرجانی (م:1078)

عبدالقاہر جرجانی جرجان میں پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے ان کے نام کے ساتھ جرجانی لگا ہوا ہے۔ بلاغت میں ان کی دو کتابوں کو انتہائی شہرت حاصل ہوئی۔ یہ کتابیں ہیں: اسرار البلاغ اور دلائل الاعجاز۔ انہوں نے علم معانی و بیان کو جو علم بلاغت کی ہی قبیل سے ہیں، منظّم کیا۔ کہا جاتا

ہے کہ جرجانی نے بلاغت کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ پھر اس میں باضابطہ اضافہ نہیں ہوا۔ عبدالقاہر جرجانی کے بعد ایک اور بڑا نام ابو یعقوب سکاکی کا ہے، جن کا ذکر پہلے آیا ان کی مذکورہ بالا مفتاح العلوم کو علم بلاغت میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

7.7 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- عہد عباسی میں جن علوم نقلیہ یا منقولہ کا ارتقا ہوا ان میں فقہ، سیرت نگاری، تاریخ اسلامی، علم کلام اور تصوف و اخلاق شامل ہیں۔ یہ وہ علوم ہیں جن کا تعلق براہ راست علوم نقلیہ سے ہے۔
- ان کے علاوہ وہ علوم ہیں جو ان کے متعلقات یا معاون کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے نحو اور بلاغت وغیرہ۔ ان کا فروغ بھی عہد عباسی میں ہوا۔
- فقہ کے حوالے سے اس عہد کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فقہ کے چاروں سنی، ان کے علاوہ ظاہری اور اہل تشیع کے مکاتب فقہ وجود میں آئے۔ اسی عہد میں فقہ کی اہم شخصیات سامنے آئیں: جیسے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام جعفر صادق، جن کے نام سے اہل سنت اور اہل تشیع کے مکاتب فقہ موسوم ہیں۔ دوسرے مکاتب فقہ جو اگرچہ آگے چل کر ختم ہو گئے ان میں سے متعدد کا تعلق اسی عہد سے ہے: جیسے طبری، اوزاعی، سفیان ثوری، لیث بن سعد، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داود ظاہری وغیرہ۔ ان کی اساسی کتابیں بھی زیادہ تر اسی عہد میں مرتب کی گئیں۔ اہل تشیع کی فقہ کو بھی اس دور میں رواج ملا۔ فاطمیوں کے ہاتھوں فقہ تشیع کو رواج اور مضبوطی حاصل ہوئی۔ فقہ کی اہم کتابیں بھی اسی عہد میں لکھی گئیں۔ اور اصول فقہ کی تشکیل بھی اسی عہد میں ہوئی۔ جس میں سب سے اہم کتاب امام شافعی کی الرسالہ ہے۔ اس کے علاوہ امام محمد نے اسلامی قانون سازی کے مختلف حصوں کو ترقی دی۔

عہد عباسی میں جن علوم نقلیہ کی تدوین ہوئی اور انہیں فروغ حاصل ہوا، ان میں سیرت نبوی بھی شامل ہے۔ سیرت نبوی سے متعلق روایات مغازی کے عنوان سے عہد اموی میں جمع اور مدون ہو چکی تھیں۔ البتہ اس موضوع پر باضابطہ کام عہد عباسی میں ہوا۔ سیرت رسول سے عباسیوں کو دلچسپی تھی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ خود کو رسول اللہ کے خاندان سے وابستہ اور اس کا وارث تصور کرتے تھے۔ سیرت کی اہم کتابیں اس عہد میں لکھی گئیں۔

- عہد عباسی میں علم کلام نے زبردست ترقی حاصل کی۔ اسکی ترقی میں مامون کی سرپرستی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ عہد عباسی میں اس علم کی سیاسی سطح پر سرپرستی میں برامکہ اور نوبخت خاندان کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ برامکہ میں یحیی بن خالد برمکی کو اس علم سے خصوصی شغف تھا۔ مسلک اعتزال سے تعلق رکھنے والے بہت سے اصحاب علم اس سے وابستہ تھے۔ عہد عباسی میں جہاں فقہ، فلسفہ اور لغت کی مجالس منعقد ہوتی تھیں، ان میں علم کلام بھی شامل تھا۔ خاندان نوبخت میں سے اسماعیل جو نوبخت کا پوتا تھا خود علم کلام کے ماہرین میں سے تھا اور متکلمین کی سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے علم کلام میں متعدد کتابیں بھی لکھی ہیں۔ علم کلام کی تمام بنیادی کتابیں اسی عہد میں لکھی گئیں۔
- تصوف کی مشہور اور عظیم شخصیات کو جن کے نام اور کام سے آگے کے تاریخی مرحلوں میں تصوف کو ایک فن اور علم کی حیثیت سے فروغ حاصل ہوا، عہد عباسی میں شہرت اور ناموری حاصل ہوئی۔ اسی عہد میں صوفیہ کے حلقے قائم ہوئے۔ اور ان میں تربیت کے طریقوں کو رواج ملا۔ پھر تصنیف و تالیف کا دور شروع ہوا اور بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔۔ بصرہ، کوفہ، بغداد، نیشاپور، خراسان وغیرہ میں تصوف کی

اہم شخصیات پیدا ہوئیں۔جن میں سے اہم شخصیات یہ ہیں: ابراہیم بن ادہم، حارث محاسبی، ابو یزید بسطامی، ذوالنون مصری، سہل بن عبداللہ التستر ی، جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، حسین بن منصور الحلاج، ابونصر السراج طوسی، ابوبکر کلاباذی علی بن عثمان الہجویری، شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ۔

- ان علوم کے علاوہ متعلقات علوم نقلیہ یا علوم نقلیہ کے معاون علوم کو جیسے نحو و بلاغت وغیرہ کو اس عہد میں فروغ حاصل ہوا اور ان کی اہم شخصیات پیدا ہوئیں۔

7.8 نمونہ امتحانی سوالات

7.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ علم عروض کا موجد کسے مانا جاتا ہے؟

(a). خلیل بن احمد (b). سیبویہ (c). مبرد (d). کسائی

2۔ ''الرسالۃ'' کس فقہ کی کتاب ہے؟

(a). حنفی (b). مالکی (c). شافعی (d). حنبلی

3۔ درج ذیل میں سے کسے سیرت نگاری کے باب میں خصوصی اہمیت حاصل نہیں ہے؟

(a). ابن ہشام (b). محمد بن اسحاق (c). محمد بن عمر واقدی (d). امام غزالی

4۔ ''مروج الذہب'' کس فن کی کتاب ہے؟

(a). فقہ (b). تاریخ (c). تفسیر (d). حدیث

5۔ درج ذیل میں سے کون تقدیر کے مسئلہ پر پہلے پہل کلام کرنے والوں میں سے نہیں ہے؟

(a). ابن رشد (b). معبد جہنی (c). غیلان دمشقی (d). جہم بن صفوان

6۔ مامون نے کس کی سرپرستی کی تھی؟

(a). قدریہ (b). ماتریدیہ (c). معتزلہ (d). اشاعرہ

7۔ علم کلام کا بانی کسے سمجھا جاتا ہے؟

(a). ابومنصور ماتریدی (b). ابوالہذیل علاف (c). ابوالحسن اشعری (d). واصل بن عطاء

8۔ درج ذیل میں سے کسے خانقاہی نظام کی شروعات کرنے والا مانا جاتا ہے؟

(a). ابوسعید ابوالخیر (b). علی بن عثمان الہجویری (c). ابونصر سراج طوسی (d). حارث محاسبی

9۔ درج ذیل میں سے کون تصوف کی نمائندہ شخصیات میں سے ہے؟

(a). ابومسلم خراسانی (b). ابوسلمہ خلال (c). فضل بن سہل (d). سب غلط

10۔ ''تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق'' کس کی تصنیف کردہ کتاب ہے؟

(a). رازی (b). راغب اصفہانی (c). ماوردی (d). ابن مسکویہ

7.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ عہد عباسی میں نقلی علوم کے ارتقاء پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔

2۔ عہد عباسی میں سیرت نگاری کا ارتقا کن خطوط پر ہوا، وضاحت کیجیے۔

3۔ عہد عباسی میں علم کلام کی ترقی کے اسباب کیا تھے؟ تحریر کیجیے۔

4۔ تصوف واخلاق کے باب میں عباسی دور میں کیا پیش رفت ہوئی؟ بیان کیجیے۔

5۔ علم نحو سے متعلق عہد عباسی کی اہم شخصیات کا تعارف اور خدمات پر روشنی ڈالیے۔

7.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ عہد عباسی میں فقہ کے ارتقاء پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

2۔ عہد عباسی میں علم کلام کے ارتقا پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے اس علم کی اہم شخصیات کا تعارف کرائیے۔

3۔ اس عہد علوم نقلیہ کے معاون علوم پر ہونے والے کاموں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیجیے۔

7.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	محاضرات فقہ	:	محمود احمد غازی
2۔	محاضرات سیرت	:	محمود احمد غازی
3۔	خطبات بھاول پور	:	پروفیسر حمید اللہ
4۔	علم الکلام	:	شبلی نعمانی
5۔	تاریخ افکار وعلوم اسلامی (جلد دوم)	:	راغب الطباخ /اردو ترجمہ افتخار احمد بلخی
6۔	تاریخ التراث الاسلامی (جلد سوم وچہارم) (عربی)	:	فواد سیزگین
7۔	تاریخ تہذیب اسلامی (حصہ سوم)	:	یسین مظہر صدیقی
8۔	سیرت نگاری: آغاز وارتقاء	:	نگار سجاد ظہیر
9۔	ضحیٰ الاسلام (جلد دوم وسوم) (عربی)	:	احمد امین
10۔	المدخل الی دراس علم الکلام (عربی)	:	حسن محمود شافعی

-:oOo:-

اکائی 8 : عباسی دور میں عقلی علوم کی ترقی (حصہ اول)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقصد

8.2 علوم وفنون کی ترقی کے اسباب ومحرکات

8.3 علوم کی ترقی میں خلفاء وامراء کا کردار

8.4 ترجمہ کی تحریک

8.5 بیت الحکمۃ

8.6 بیت الحکمۃ کے شعبہ ترجمہ کی خدمات

8.7 فلسفہ (Philosophy)

8.8 طب (Medicine)

8.9 اکتسابی نتائج

8.10 نمونہ امتحانی سوالات

8.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

8.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

8.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

8.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

8.0 تمہید

علمی ترقی کے لحاظ سے عباسی حکومت کا دور اسلامی تاریخ میں بہت ممتاز ہے۔ اس زمانہ میں جہاں ایک طرف علوم شریعت اور اس سے متعلق علوم جیسے قرآن وحدیث، فقہ وتصوف، نحو وصرف، سیرت وتاریخ اور علم کلام وفرائض وغیرہ میں نمایاں خدمات انجام دی گئیں۔ دوسری طرف اس عہد میں

عقلی علوم مثلاً حکمت وطب، منطق وفلسفہ، حساب و ہندسہ، علم ہیئت ونجوم اور موسیقی وفنون لطیفہ وغیرہ میں گراں قدر سرمایہ تیار کیا گیا۔ ابتداء میں عربوں نے ان علوم کو دوسری قوموں اور تہذیبوں سے حاصل کئے، پھران میں اس قدر مہارت اور عبور حاصل کرلیا کہ صدیوں دنیا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

ابتداء میں تو قرآن کو درست پڑھنے کے لیے قرات وتجوید کا فن وجود میں آیا۔ پھر قرآنی آیات میں غور وفکر کے لیے تفسیر، علوم قرآن اور اسلامی قانون سازی کے لیے حدیث وعلوم حدیث کی تدوین عمل میں آئی۔ فقہ، علم کلام اور علم نحو بھی اسی دور میں مدون ہوئے۔ تفسیر اور سیرت وتاریخ کی اہم کتابیں بھی اسی عہد میں لکھی گئیں۔ اس طرح عباسی عہد میں اسلامی علوم کے ساتھ سائنس کے مختلف شعبوں میں بنیادی اور بیش بہا کام ہوا۔ حالانکہ ان کاموں کا آغاز عہد اموی ہی میں ہو گیا تھا اور ابتدائی داغ بیل ڈالی جا چکی تھی، لیکن اس عہد کے حالات اور معاملات کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ پھلنے پھولنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ لیکن عباسی عہد میں علوم وفنون کی یہ عظیم الشان اور ہمہ جہات ترقی اس علمی سرمایہ پر مبنی تھا جو اموی دور سے عباسی علماء وفضلاء کو ملا تھا۔ اور عباسی خلافت کے دور میں تمام علوم میں تصنیف وتالیف اور تحقیق کا کام اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گیا۔

8.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ اس بات سے واقف ہوں گے کہ علوم وفنون میں ارتقاء کے لحاظ سے عباسی دور نہایت اہم ہے اور یہ بھی جانیں گے کہ وہ کیا اسباب اور عوامل تھے جن کی وجہ سے اسلامی دنیا میں ان علوم کا فروغ ہوا، نیز خلفائے عباسی کی علمی سرپرستی اور علماء کی قدردانی کا بھی اندازہ ہوگا۔ آپ کو یہ بھی پتا چلے گا کہ بیت الحکمہ ادارہ کے تحت دوسری زبانوں کی عقلی وسائنسی علوم کی کتابوں کے ترجمہ کے ذریعے پوری اسلامی دنیا میں ایک ایسی علمی تحریک شروع ہوئی، جس کے نتیجہ میں بعد میں مسلمانوں نے عقلی اور سائنسی علوم میں ایسا گراں قدر سرمایہ تیار کیا جس کے اثرات کا اندازہ آج بھی کیا جاسکتا ہے۔

8.2 علوم وفنون کی ترقی کے اسباب ومحرکات

عباسی حکومت کا قیام 750 عیسوی میں ابوالعباس عبداللہ السفاح کے ہاتھوں اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد عمل میں آیا تھا۔ عہد عباسی میں علوم وفنون کے عروج وارتقاء کے بہت سے اسباب اور عوامل تھے، جن میں ایک اہم سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کی یہ حکومت نہایت مستحکم اور مضبوط تھی اور معاشی خوشحالی اور وسائل کی فراوانی کے لحاظ سے لوگ کافی حد تک مطمئن تھے، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے دینی علوم کے ساتھ عقلی علوم کی طرف بھی کافی توجہ دی اور مختلف علوم کے فروغ واشاعت میں خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جغرافیائی لحاظ سے بھی حکومت کی حدود کافی وسیع تھیں، جس کی وجہ سے مختلف علاقوں، قوموں، تہذیبوں، مذاہب اور زبانوں کے لوگ اب مسلم حکومت کا حصہ تھے اور ہر ایک کی اپنی جداگانہ تہذیب وثقافت اور علمی وراثت تھی، جس سے مسلمانوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ بعض عباسی خلفا خود بھی اہل علم اور علم کے دلدادہ تھے اور انہوں نے علم اور علما کی خوب سرپرستی اور قدردانی کی۔ انعام واکرام کے ذریعے ان کی حوصلہ افزائی کی، اور ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے بارے میں آتا ہے کہ وہ خود حدیث کا راوی تھا، اور مشہور محدث امام مالک سے درخواست کی تھی کہ علم حدیث کی ایک کتاب تالیف فرمائیں۔ جس کے نتیجہ میں موطا امام مالک جیسی اہم کتاب تصنیف ہوئی۔ منصور کی طرح مہدی اور ہارون رشید کو بھی علم کا شوق تھا اور دینی علم کے ساتھ شعر وادب کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔ مامون نے تو خود بھی کئی کتابیں تصنیف کی تھیں، اور علم کا اس حد تک قدرداں تھا کہ ہر کتاب کے بدلے سونا تول کر صلہ کے طور پر دیتا تھا۔

عہد عباسی میں علوم وفنون کی ترقی کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ عباسی حکومت کے قیام میں چونکہ غیر عربوں کا اہم کردار تھا۔ اس وجہ سے اس

حکومت میں غیر عربی قوموں اور تہذیبوں کے تعلق سے غیر جانبداری اور وسعت قلبی کا رویہ بہت زیادہ تھا۔ حتی کہ عباسی خلفاء کی اس رواداری کی وجہ سے غیر مسلموں کو سیاست وحکومت میں بھی کافی حد تک دخل حاصل تھا۔ اس وجہ سے مختلف مذاہب، تہذیبوں اور زبانوں کے غیر عرب علما کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا بھرپور موقع ملا اور ان کے ذریعے ترجمہ کی ایک ایسی تحریک شروع ہوئی جس سے عربوں کو مختلف علوم وفنون سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اولین مترجمین کی اکثریت عیسائی، یہودی، مجوسی، ہندو اور پارسی وغیرہ اہل علم پر مشتمل تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ ابتدا میں یہی لوگ دوسری زبانوں سے عربی زبان میں ترجمہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے اور ان علوم سے بھی واقف تھے، جو عقلی وسائنسی علوم کہلاتے تھے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سے اسباب ومحرکات تھے جنھوں نے عہد عباسی میں علوم وفنون کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا اور علم میں اضافہ کرکے انسانی فکر کو تحریک اور بلندی عطا کی۔

8.3 علوم کی ترقی میں خلفاء وامراء کا کردار

عباسی خلفاء میں سب سے پہلے ابوجعفر منصور نے باقاعدہ علوم وفنون کی ترقی واشاعت کی طرف توجہ دی۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اس نے امام مالک سے حدیث کی ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ اس کے علاوہ علم طب ونجوم کی بھی بعض کتابیں اس کے حکم سے لکھی گئیں اور جالینوس وسقراط کی کتابوں کا ترجمہ بھی اسی کے دور میں شروع ہوا۔ اس کے بعد ہارون رشید کے زمانہ میں باضابطہ بیت الحکمۃ ادارے کے ذریعے ترجمہ کا کام شروع ہوا۔ اس طرح مختلف زبانوں یونانی، سریانی، فارسی اور سنسکرت میں موجود اہم علمی کتابوں کو عربی میں منتقل کرنے کا کام انجام دیا جانے لگا۔

مامون کا زمانہ اس لحاظ سے کافی ممتاز ہے کہ عباسی خلفاء میں وہ سب سے زیادہ صاحب علم وفضل تھا اور علم کے فروغ واشاعت میں غیر معمولی دلچسپی اور شوق رکھتا تھا۔ علم سے اس کے شغف کا یہ عالم تھا کہ اس نے روم کے بادشاہوں سے جو معاہدے کئے ان میں یہ شرط بھی تھی کہ طب وفلسفہ کی اہم کتابیں عباسی دارالسلطنت بغداد بھیجی جائیں، تاکہ مسلمان ان سے استفادہ کرسکیں۔ مامون خود بھی بہت سے اہل علم کو دوسرے ممالک میں اس مقصد سے بھیجتا تھا کہ وہ وہاں کی نادر کتابیں تلاش کرکے بغداد لائیں اور ان کا ترجمہ کریں۔ ان لوگوں میں حجاج بن مطر ابن بطریق جیسے لوگ شامل تھے۔ اس طرح اس نے دنیا کے مختلف علاقوں اور زبانوں کے علوم وفنون کی کتابیں حاصل کرکے عربی میں ترجمہ کرایا اور یہ علوم مسلمانوں میں پھیلتے چلے گئے۔

ہارون رشید کے پوتے متوکل علی اللہ کو بھی علم کا شوق تھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں حنین بن اسحاق سے ترجمے کا کام لیا اور اس کے بیٹے اور بھانجے اسحاق اور جیش کو ترجمہ کے شعبہ میں اہم عہدوں پر فائز کیا اور انہیں تنخواہوں کے ساتھ قیمتی جاگیریں بھی دیا کرتا تھا۔ معتضد باللہ نے بھی اپنے دور حکومت میں اس روایت کو آگے بڑھایا اور ثابت بن قرۃ جیسے باصلاحیت مترجمین کی قابل قدر عزت افزائی کی۔

خلفاء اور حکمراں کی سائنسی اور عقلی علوم کے تعلق سے اس دلچسپی نے عوام کے اندر بھی شوق پیدا کردیا، جس کے نتیجہ میں انفرادی طور پر بھی لوگوں نے ان علوم کی ترقی میں عملی حصہ لینا شروع کردیا۔ ان میں موسیٰ بن شاکر اور اس کے خاندان کے دیگر افراد کی خدمات خاص کر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے قیمتی اور نادر کتابوں کی تلاش اور جستجو میں بہت زیادہ دولت خرچ کی۔ یہ لوگ اپنے خرچ سے علماء کو مختلف ممالک اور شہروں میں بھیجتے اور کتابیں تلاش کرواکر ان کا ترجمہ کراتے۔ موسیٰ بن شاکر کی اولاد کے لیے ترجمہ کرنے والوں میں حنین بن اسحاق، جیش بن الحسن اور ثابت بن قرۃ جیسے بہترین مترجمین شامل تھے۔ اس طرح محمد بن عبدالملک الزیات کے بارے میں آتا ہے کہ اس کو علم سے اس قدر لگاؤ تھا کہ وہ کتابوں اور ترجموں پر ذاتی طور پر دوہزار دینار ماہانہ خرچ کرتا تھا۔ حنین بن اسحاق نے اس کے لیے بھی ایک اہم کتاب 'کتاب الصوت' کا ترجمہ کیا تھا۔ اسی طرح ترجمہ پر خرچ کرنے والوں میں ایک اہم نام احمد بن مدبر کا بھی ہے، جس کے لیے ابن نوبخت جیسے مشہور فلسفی نے ترجمہ کا کام کیا تھا۔ اس طرح قریب دوسو سال تک عباسی حکومت کے عروج کے عہد زریں میں علوم وفنون کی کتابوں کے ترجمے ہوتے رہے۔

عہد عباسی میں خلفاء کے دربار کے علاوہ امراء اور دیگر حکمرانوں کے مکان بھی علمی مجالس اور مباحثہ کے مرکز ہوتے تھے، جہاں لوگ اظہار خیال کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بغداد اور دوسرے شہروں میں لٹریری کلب بھی ہوا کرتے تھے۔ ان کلبوں میں منطق و فلسفہ اور دیگر عقلی علوم کے مسائل پر مذاکرے، مباحثے اور مناظرے ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں با قاعدہ کتب فروشی کا رواج بھی ہو چلا تھا، جس کی بڑی اہمیت تھی۔ یہ دکانیں بھی علماء و فضلاء کا مرکز ہوا کرتی تھیں، جہاں کتابوں کی خرید و فروخت کے علاوہ فلسفیانہ اور سائنسی بحثیں بھی ہوتی تھیں۔ ان علمی و ادبی مجلسوں میں مردوں کی طرح عورتیں بھی شریک ہوتی تھیں۔ ہارون و مامون کے عہد میں ملکہ زبیدہ ایک بلند پایہ شاعرہ اور ادیبہ تھی۔ اس نے ان دونوں کو جو خطوط لکھے تھے ان سے اس کی صلاحیت اور قابلیت کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح سے ایک اور شاعرہ فضل شعر و سخن میں بڑے بڑے شعراء کے ہم پلہ شمار ہوتی تھی۔

8.4 ترجمہ کی تحریک

جب عباسی حکومت کا دائرہ وسیع ہوا تو مسلمانوں کا واسطہ بہت سی غیر مسلم اقوام سے ہوا جن کے پاس علمی و فکری لحاظ سے بہت قیمتی سرمایہ موجود تھا۔ حالانکہ غیر مسلم افکار کی کتابوں کے ترجمے کی ابتداء عہد اموی سے ہی ہو گئی تھی، لیکن عہد عباسی میں اس نے باقاعدہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی تھی۔ تاریخی طور پر ترجمے کا یہ کام تین مختلف ادوار میں انجام دیا گیا۔ پہلا مرحلہ خلیفہ ابو جعفر المنصور کے عہد سے خلیفہ ہارون رشید کے عہد یعنی 808ء-754ء تک کا ہے۔ خلیفہ منصور نے باقاعدہ شاہ روم کے پاس اپنا ایک وفد بھیج کر اقلیدس اور طبعیات کی کچھ کتابیں منگوائی تھیں۔ عربی میں ان کتابوں کے منتقل ہونے کے بعد جب مسلمانوں نے مطالعہ کیا تو ان کے اندر یونانی علوم کے جاننے اور پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس کے بعد خلیفہ مہدی و ہادی سے لے کر ہارون رشید کے زمانہ تک ترجمہ کا کام ترقی کرتا رہا۔ اسی دور میں بیت الحکمۃ کا قیام عمل میں آیا، جس کے نتیجہ میں یونانی کے ساتھ ساتھ ہندی، ایرانی اور دیگر علوم و فنون کی کتابیں بھی بڑے پیمانے پر عربی میں منتقل کی جانے لگیں۔ اس دور کے مترجمین میں چند مشہور نام ہیں: یحییٰ بن بطریق، عبداللہ بن المقفع، جورجیس بن جبرائیل، محمد بن الفزاری، یوحنا بن ماسویہ، سلام بن الابرش وغیرہ۔

یونانی سے عربی میں ترجمہ کا دوسرا دور المامون کے عہد سے شروع ہو کر 913ء تک کا ہے۔ مامون کو حکمائے یونان میں ارسطو کی کتابوں سے گہری دلچسپی تھی۔ اس لیے یونانی فلسفہ کی جو کتابیں ترجمہ کی گئیں ان میں زیادہ تر ارسطو کی تصنیفات تھیں۔ اس کے علاوہ بقراط اور افلاطون جیسے یونانی فلسفیوں اور طبیبوں کی کتابوں کے ترجمے بھی کئے گئے۔ اس عہد کے مترجمین ہیں: یوحنا بن بطریق، حجاج بن مطر، قسطا بن لوقا، حنین بن اسحاق، ثابت بن قرۃ اور جیش بن الحسن وغیرہ۔ یونانی علوم کے ترجمے کا تیسرا دور تیسری صدی ہجری کے آخر سے چوتھی صدی ہجری کے نصف تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دور میں ارسطو کی زیادہ تر منطق و فلسفہ اور دوسرے حکماء کی بعض کتابوں کے ترجمے کئے گئے۔ عربوں نے ترجمہ و تشریح کے ساتھ خود بھی ان علوم میں مہارت حاصل کر کے اس کو فروغ دینا شروع کر دیا تھا۔ اس دور کے اہم مترجمین ہیں: متی بن یونس، یحییٰ بن عدی، سنان بن ثابت بن قرۃ، ابو علی بن زرعہ، بلال بن ہلال حمصی اور عیسیٰ بن سہر بخت وغیرہ۔

عہد عباسی میں عقلی علوم میں ترقی کی شروعات دوسری زبانوں کی کتابوں کے ترجمہ سے ہوئی، پھر یہ ایک علمی تحریک بن گئی۔ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کو علم طب، نجوم اور ہیئت سے خصوصی شغف اور لگاؤ تھا۔ اس کی وجہ سے ان علوم میں اس کے دور میں اہم کتابوں کے ترجمہ کا آغاز ہوا۔ علم فلکیات پر سنسکرت زبان میں لکھی گئی برہمہ گپت کی مشہور کتاب 'سدھانت' کا ترجمہ مترجم محمد بن الفزاری نے کیا اور سنسکرت ہی کی ایک دوسری کتاب 'پنچ تنتر' کا ترجمہ ابن المقفع نے 'کلیلہ ودمنہ' کے نام سے پہلوی زبان سے عربی میں کیا۔ جالینوس کی طب کی کتاب اور سقراط کی بعض کتابوں کے ترجمے بھی منصور کے عہد میں ایک دوسرے مترجم یحییٰ بن البطریق نے کئے۔ اس کے علاوہ بطلیموس کی کتاب 'المجسطی' اور اقلیدس کی کتاب 'اولیات' کا ترجمہ بھی اس عہد میں ہوا۔

مامون کو بھی مختلف عقلی علوم جیسے منطق وفلسفہ کا بہت شوق تھا۔لہٰذا اس نے بہت سے علاقوں کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو خطوط لکھ کر وہاں کی اہم کتابیں منگوائیں، اوران کا عربی میں ترجمہ کرایا۔کہا جاتا ہے کہ مامون کی فرمائش پر شاہ روم نے منطق وفلسفہ کی بہت سی ایسی کتابیں بھی بھجوائی تھیں جنھیں کافی عرصہ سے رومیوں نے ایک الگ کمرہ میں بند کرا کے قفل لگوا دیا تھا۔اس لیے کہ وہ ان کتابوں کو مذہب کے لیے خطرہ اور فتنہ وفساد کی وجہ سمجھتے تھے،لیکن مامون نے وہ کتابیں حاصل کر کے انہیں عربی میں منتقل کرایا،اوراہل علم کے لیے ان علوم کے حصول کی راہ آسان کردی۔مامون نے مختلف ملکوں اور شہروں مثلاً مصر،شام،آرمینیا،فلسطین،قبرص اور صقلیہ میں سرکاری طور پر لوگوں کو بھیج کر بھی وہاں کتابیں تلاش کرنے کا حکم دیا۔اس سلسلے میں ابن لوقا بعلبکی روم گیا اور وہاں سے بہت سی فلسفہ کی کتابیں لایا،جس سے خوش ہوکر مامون نے اسے بیت الحکمۃ میں ترجمہ کے کام میں لگا دیا۔مامون کا ایک اور مترجم یعقوب کندی تھا،جو خاص کر ارسطو کی کتابوں کے ترجمے پر مامور تھا۔یہ فارسی،ہندی،یونانی اورکئی زبانیں جانتا تھا۔خود مامون نے یونانی زبان اسی سے سیکھی تھی۔مامون کے زمانہ میں ترجمہ کے اس کام نے ایک ایسی تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی جس نے بہت جلد مختلف تہذیبوں، قوموں اور زبانوں کے علمی ورثہ کو عربی میں منتقل کر کے مسلمانوں کو مختلف علوم وفنون کا ماہر بنا دیا اور پوری اسلامی دنیا سائنسی وعقلی علوم کا مرکز بن گئی۔

اس طرح عباسی خلفاء کا دربار ہر مذہب وملت کے عالموں سے بھرا ہوا تھا اور روم ویونان کا کوئی ایسا علمی خزانہ نہیں تھا جس تک مسلمانوں کی رسائی نہیں ہوئی تھی۔اس کے علاوہ لوگ اپنے ذاتی شوق کی بنا پر بھی کتابیں لکھتے تھے اور دوسری زبانوں سے ترجمہ کرتے تھے۔شاکر منجم اور اس کے بیٹوں کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ یہ لوگ ہندسہ،موسیقی اور علم نجوم میں ماہر تھے۔انہوں نے بھی اپنی کوششوں سے بہت سی کتابیں حاصل کیں اوران کا ترجمہ بھی کرایا۔اسحاق،ابومعشر،محمد بن موسیٰ،احمد سرخسی اور ابونصر فارابی جیسے بہت سے ایسے فلسفی اور سائنس داں تھے جن کی تحقیقات اور تصنیفات نے فلسفہ اور سائنس کے میدان میں ارسطو اور افلاطون کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔راضی باللہ کے عہد میں متی بن یونس نے ارسطو کی بعض اہم کتابوں کا ترجمہ کر کے بڑی شہرت حاصل کی۔محمد بن یحییٰ جوزجانی اور ابوالفرج نے سریانی زبان سے کتابوں کے ترجمے کئے اوران پر شرحیں بھی لکھیں۔یحییٰ بن عدی اور عیسیٰ بن زرع وغیرہ نے ترجمے کرنے کے علاوہ پہلے کئے گئے ترجموں کی اصلاح کا کام بھی انجام دیا۔ان کے علاوہ محمد بن عبدالملک اور علی بن یحییٰ وغیرہ نے بھی ترجمہ کے اس کام کی بھرپور سرپرستی کی اور علوم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

8.5 بیت الحکمۃ

عقلی علوم میں ترجمہ،تصنیف اور تحقیق کے لیے ہارون رشید اور مامون کے ذریعے قائم کیا گیا ایک ادارہ بیت الحکمۃ تھا۔اس ادارہ نے عوامی سطح سے لے کر شاہی خاندان تک عقلی وسائنسی علوم کے فروغ واشاعت کی ایک ایسی طاقتور روایت شروع کی، جو پوری اسلامی دنیا میں ایک ہمہ گیر علمی انقلاب کا ذریعہ بن گئی۔اس ادارہ کے جو شعبہ جات تھے،انہیں دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کتنے منظّم انداز میں ان علوم کو فروغ دیا گیا۔یہ شعبہ جات اس طرح تھے:

(1). شعبہ ترجمہ (2). شعبہ اصلاح ونظر ثانی (3). شعبہ تالیف (4). شعبہ تسوید (5). شعبہ جلد سازی

(1). شعبہ ترجمہ

اس شعبہ کے تحت بیان کیا جاتا ہے کہ دوسو کے قریب مترجمین کام کرتے تھے،ان میں چار خاندانوں کے نام سب سے اہم ہیں،جنھوں نے اہم خدمات انجام دیں: 1. آل بختیشوع، 2. آل ماسرجویہ، 3. آل حنین، 4. آل ثابت

علوم کے اعتبار سے اس شعبہ کے ذریعے ریاضی،فلکیات،حکمت،فلسفہ اور مبادی سائنس کی کتابیں یونانی اور سریانی زبان سے سب سے زیادہ ترجمہ کی گئیں۔فارسی اور سنسکرت سے ترجمہ کی گئی کتابوں میں طب،ادب،تاریخ اور سیر وسوانح سے تعلق رکھتی تھیں۔اسی طرح سے زراعت اور

طلسمات کی کتابیں نبطی اور کلدانی زبان سے ترجمہ کی گئیں۔اس میں تورات کا ترجمہ بھی شامل ہے۔

(2). شعبہ اصلاح ونظر ثانی

اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں ایک ثابت بن قرۃ ہیں جنھوں نے حکمت، فلسفہ اور طب کی کئی کتابوں کا ترجمہ اور نظر ثانی کی۔ دوسرا نام لوقا بعلبکی کا ہے جس نے ترجمہ کرنے کے ساتھ اس میں زبردست اصلاحات بھی کیں اور اسے بہتر بنایا۔اس شعبہ کا پہلا نگراں ابوزکریا یحیٰ بن ماسویہ تھا۔اس کے بعد ابوزید حنین بن اسحاق العبادی کو اس کا سربراہ مقرر کیا گیا، ان لوگوں نے ترجمہ کے فن کو ایک نیا رنگ اور اسلوب دیا۔

(3). شعبہ تالیف

ابوزکریا یوحنا بن ماسویہ کی مشہور کتاب 'کتاب المستجر' اور ابوزید حنین بن اسحاق کی کتاب 'کتاب المسائل' اسی شعبہ کے تحت لکھی گئیں۔اس کے علاوہ بھی متعدد طبع زاد کتابیں اس شعبہ کے ذریعے تصنیف کی گئیں۔

(4). شعبہ تسوید

اس شعبہ کے تحت مختلف زبانوں اور علوم کے ماہرین خوش نویسی کا کام کرتے تھے، ان میں علان شعولی اور ازرق اہم نام ہیں۔ان کے علاوہ بعض لوگ ملازمت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ذاتی شوق کی بنیاد پر بھی یہاں خوش نویسی کیا کرتے تھے۔

بیت الحکمۃ میں رصدگاہیں بھی تجربات ومشاہدات کے لیے اہم شعبہ تھیں۔مامون کو ان میں بڑی دلچسپی تھی۔وہ مختلف ملکوں سے فلکیات کے ماہرین کو بلا کر تجربے کرواتا تھا۔اس نے بغداد، دمشق اور دوسرے شہروں میں رصدگاہیں تعمیر کروائیں اور بہت سے قیمتی آلات رصد تیار کروائے جہاں سورج، چاند اور دوسرے ستاروں اور سیاروں کے حالات دریافت کئے گئے۔مامون کے عہد میں ابوجعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے دنیا کی تمام مستند زیجوں سے ایک ایسی زیج تیار کی تھی جو سب سے زیادہ مستند تھی۔اس کی اتنی مقبولیت ہوئی کہ تمام زیجوں پر فوقیت لے گئی۔

اسی طرح کرۂ ارض کی صحیح پیائش کے لیے سنجار کی مسطح زمین میں تجربہ کیا گیا، جس میں جدید رصد کے آلات کا استعمال کر کے یہ پتا لگایا گیا کہ زمین کا محیط چوبیس ہزار میل ہے۔

ان شعبوں کے علاوہ بیت الحکمۃ میں اور بھی مختلف حصے تھے جنہیں خزانہ کہا جاتا تھا۔عربی میں خزانہ المماری کو کہتے ہیں۔اس ادارہ میں الگ الگ خانوں اور المماریوں میں مختلف علوم اور حکمرانوں کی کتابیں رکھی گئی تھیں، مثلاً قسطنطنیہ سے آئی ہوئی کتابوں کو الگ خزانہ میں رکھا گیا تھا۔اسی طرح سے دیگر شہروں اور ملکوں سے لائی گئی کتابوں کے الگ خزانہ تھے۔حکمرانوں کے نام سے بھی موسوم خزانہ تھے، مثلاً خزانۃ الرشید اور خزانۃ المامون وغیرہ۔

بیت الحکمۃ کے ذریعے علمی اور سائنسی انداز کی اس تحریک نے پوری اسلامی دنیا پر بہت دیرپا اثرات چھوڑے۔گرچہ بعد میں یہ ادارہ باقی نہ رہا، لیکن اس کے اثرات کے نتیجہ میں بعد کے دور میں اس طرح کے کئی ادارے اسلامی ممالک میں قائم ہوئے، مثلاً طرابلس میں 1017ء میں ابوطالب حسن بن العمار نے دارالعلم قائم کیا۔زیادۃ اللہ ثالث نے قیروان میں اس نام سے ایک ادارہ بیت الحکمۃ قائم کیا۔فاطمی حکومت کے عہد میں قاہرہ میں دارالحکمۃ قائم ہوا۔اس میں ایک کتب خانہ تھا جس میں چھ لاکھ کے قریب کتابیں تھیں، جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا کتب خانہ تھا۔

ان کے علاوہ انفرادی طور پر بھی بہت سے لوگوں نے اس قسم کے ادارے قائم کئے تھے، جیسے عراق میں ابوالحسن علی منجم کا خزانۃ الحکمۃ، نیشاپور میں قاضی ابن حبان کا دارالعلم اور بغداد میں ابن مارستانیہ کا قائم کردہ ادارہ دارالعلم وغیرہ۔

8.6 بیت الحکمۃ کے شعبہ ترجمہ کی خدمات

عباسی عہد میں علوم وفنون کی ترقی اور فروغ میں اہم کردار ادا کرنے والے ادارہ بیت الحکمۃ کے تحت بہت سے شعبہ جات قائم تھے۔جیسا

کہ ذکر ہوا اس میں ایک اہم شعبہ ترجمہ بھی تھا۔ ترجمہ کرنے والوں کی ایک پوری ٹیم اس شعبہ سے وابستہ تھی، جس کا ایک سربراہ اور بہت سے اس کے معاونین ہوتے تھے۔ مامون کے دور میں بیت الحکمۃ کا سربراہ مسلم نامی ایک عالم تھا اور ترجمہ کرنے والوں کا نگراں جبریل بن بختیشوع کا شاگرد یوحنا بن ماسویہ تھا جس نے خود بھی بہت سی اہم کتابوں کے ترجمے کئے تھے۔ وہ عیسائی مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی طرح عیسائی مذہب کا ایک مشہور مترجم حنین بن اسحاق سریانی زبان کا ماہر تھا۔ اس لیے وہ یونانی زبان کی کتابوں کا ترجمہ پہلے سریانی زبان میں کرتا تھا، پھر اس کے معاون مترجمین ان کتابوں کو سریانی سے عربی میں منتقل کرتے تھے۔ افلاطون، ارسطو اور جالینوس کی اکثر کتابوں کے ترجمے اسی نے کئے تھے۔ اس کے ترجمہ کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مامون ہر کتاب کے ترجمہ کے بدلے اسے کتاب کے برابر سونا تول کر دیا کرتا تھا۔

بیت الحکمۃ کے مترجمین میں ایک اہم نام ثابت بن قرۃ کا ہے جو صابی مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس مذہب میں ستاروں کی پرستش کی وجہ سے یہ علم فلکیات اور علم ریاضی میں خصوصی مہارت اور معلومات رکھتا تھا۔ اس نے خود بھی ان موضوعات کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کئے اور اس کے بعد اس کے بیٹے سنان اور سنان کے بیٹے ابراہیم اور ابوالفرج نے بھی بہت سی کتابوں کے عربی میں ترجمے کئے۔ فارسی زبان سے ترجمہ کرنے والوں میں اہم نام فضل بن نوبخت کا ہے جس نے علم نجوم کی بعض اہم کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔ دوسرا نام علی بن زیادہ کا ہے جس نے 'کتاب ربیع الشہر یار' کا ترجمہ کیا۔ سنسکرت سے ترجمہ کرنے والوں میں منکہ ہندی، ابن دہن اور اسحاق سلیمان بن علی الہاشمی تھے، اور نبطی زبان سے ترجمہ کرنے والوں میں اہم نام ابن وحشیہ کا ہے۔

بیت الحکمۃ میں صرف کتابوں کے ترجمہ ہی نہیں کئے جاتے تھے، بلکہ طبع زاد کتابیں بھی تیار ہوتی تھیں۔ علم ریاضی وفلکیات اور علم ہیئت ونجوم میں محمد بن موسیٰ خوارزمی، سند بن علی، عباس بن سعید جوہری، احمد بن محمد بن کثیر فرغانی، محمد بن موسیٰ جلیس، خالد بن عبدالملک مروزی جیسے اہم لوگ یہ کام انجام دے رہے تھے۔

8.7 فلسفہ (Philosophy)

یہ بات درست ہے کہ فلسفہ کی ابتداء اور اس کا ارتقاء یونانی حکماء کے ذریعے ہوا تھا، اور عربوں میں اس علم کا آغاز انہی کی کتابوں سے ہوا۔ اس لیے بعض مصنفین کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں نے یونانی فلسفہ کی کتابوں کے صرف ترجمے کئے ہیں۔ اس میں ان کی طرف سے کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔ عباسی خلافت کے عہد زریں میں گرچہ مسلم فلاسفہ اور غیر مسلم مترجمین نے ترجمہ کا کام کیا، لیکن بعد کی صدیوں میں اسلامی دنیا میں عظیم مسلم فلاسفہ پیدا ہوئے۔ ابو یوسف یعقوب الکندی (متوفی: 868ء) پہلے مسلم فلسفی ہیں جنہیں فیلسوف العرب کا لقب دیا گیا۔ یہ خلیفہ المامون سے متوکل کے عہد تک تھے اور خلیفہ معتصم نے ان کو اپنے بیٹے احمد کا اتالیق بھی مقرر کیا تھا۔ کندی نے فلسفہ میں بیس کتابیں تحریر کیں، اگرچہ انہوں نے ارسطو اور افلاطون سے کافی استفادہ کیا، لیکن بعض جگہ یونانی حکماء پر تنقیدیں بھی کی ہیں۔ اس موضوع پر ان کی مشہور تصنیف کتاب الفلسفہ الاولی فی مادون الطبیعیات والتوحید ہے جس میں انہوں نے فلسفہ کا دفاع کیا ہے۔ آپ نے اپنی تحریروں میں یونانی فلسفہ اور اسلام کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک مفکر کی حیثیت سے ہر چیز کو عقل کے میزان پر سمجھنے کو رواج دیا۔

فلسفہ میں مسلمانوں کی عظیم شخصیت ابونصر الفارابی (متوفی: 950ء) کی ہے۔ فلسفہ میں ان کے استاد متی بن یونان اور یوحنا بن جیلان تھے۔ انہوں نے ارسطو کے فلسفہ میں مہارت حاصل کی۔ روایت میں آتا ہے کہ فارابی نے ارسطو کی کتاب طبیعیات کا چالیس مرتبہ مطالعہ کیا تھا، اور ارسطو ہی کی ایک دوسری کتاب کو دوسو مرتبہ پڑھا تھا۔ اگر ارسطو کا لقب معلم اول ہے تو الفارابی معلم ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ الفارابی نے مختلف علوم پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں پچاس کے قریب کتابیں فلسفہ اور منطق پر ہیں۔ انہوں نے افلاطون اور ارسطو کی طرح سیاسیات پر

بھی بحث کی ہے اوراس موضوع پر دو کتابیں رسالہ فی آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ اور سیاسۃ المدینۃ لکھیں۔انہوں نے یونانی فلسفہ کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کی اس کوشش کو آگے بڑھایا، جس کی شروعات الکندی نے کی تھی۔

محمد بن زکریا رازی (متوفی:854ء) فلسفہ کے بھی ماہر تھے۔وہ ارسطو کے فلسفہ کے مخالف اور فیثا غورثی فلسفہ طبعی کے حمایتی تھے۔فلسفہ کے موضوع پر ان کی دو کتابیں بہت اہم ہیں: کتاب الشکوک والمناقصات اور کتاب فی السیر ۃ الفاضلہ۔ابن مسکویہ (متوفی: 1030ء) بھی ایک عظیم فلسفی تھے۔فلسفہ اخلاق پر ان کی کئی تصانیف ہیں، جن میں تہذیب الاخلاق، کتاب ترتیب السعادات، کتاب السیر ،الفوز الکبیر اور الفوز الاصغر بہت مشہور ہیں۔عباسی دور میں مسلم فلاسفہ کی ایک انجمن اخوان الصفا کے نام سے بغداد میں قائم کی گئی تھی۔اس جماعت کے لوگوں نے مختلف علوم پر رسائل اخوان الصفا کے نام سے باون (52) رسالے تحریر کئے تھے۔جن میں فلسفہ کی مختلف قسموں پر بحث کی گئی ہے۔ان رسائل نے فلسفہ پر دیر پا اثرات مرتب کئے جن سے بعد کے مسلم مفکرین بڑی تعداد میں متاثر ہوئے۔

مشرقی مسلمانوں میں سب سے بڑے فلسفی شیخ ابوعلی ابن سینا (متوفی: 1037ء) ہیں۔انہیں طب اور فلسفہ میں شہرت دوام حاصل ہے۔انہوں نے ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعیات کا چالیس سے زائد مرتبہ مطالعہ کیا اور بالآخر فارابی کی شرح کے ذریعے جب وہ سمجھ میں آئی تو اس خوشی میں بطور شکرانہ خیرات تقسیم کی۔انہوں نے بھی کندی اور فارابی کی طرح فلسفہ اور اسلام کے درمیان تطبیق کرنے کی کوشش کی،اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ بقول فلپ کے ہٹی: ''یونانی فلسفہ کو اسلام سے ہم آہنگ کرنے کا عمل کندی نے شروع کیا جو عرب تھے، فارابی نے اسے جاری رکھا جو ترک تھے اور مشرق میں ابن سینا نے اسے مکمل کیا جو ایرانی تھے''۔ابن سینا فلسفہ میں ارسطو کی عظمت کے قائل تھے۔فلسفہ میں ان کی تصانیف کتاب حاصل ومحصول اور کتاب الارصاد الکلیہ ارسطو کی کتابوں کی شرحیں ہیں۔اس کے علاوہ فلسفہ پر ان کی بہت سی کتابیں اور رسائل ہیں، مثلاً کتاب البر والاثم، کتاب الاشارات والتنبیہات وغیرہ۔مختلف علوم کی فلسفیانہ بحثوں پر محیط ان کی سب سے مشہور اور ضخیم ترین تصنیف کتاب الشفا ہے۔ان کی اس کتاب کا بارہویں صدی میں لاطینی میں ترجمہ ہوا اور صدیوں بیشتر یورپی مفکرین نے اس سے استفادہ کیا اور ہر ایک نے ابن سینا کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔

ابن سینا کے بعد عالم اسلام کے سب سے بڑے فلسفی ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (متوفی:1111ء) کا نام آتا ہے۔آپ علوم اسلامی قرآن، حدیث، فقہ، تصوف کے علاوہ فلسفہ اور علم کلام کے بھی ماہر تھے۔امام غزالی کی فلسفہ اخلاق پر لافانی کتاب احیاء علوم الدین چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔انہوں نے پہلی مرتبہ علمی انداز میں فلسفہ کا تنقیدی جائزہ لیا اور فلاسفہ کے ان نظریات کا جو اسلام سے متصادم تھے، مدلل جواب دیا۔اس سلسلے میں انہوں نے اپنے پیش رو مسلمان فلسفی فارابی اور ابن سینا پر بھی تنقید کی ہے۔فلسفہ کے موضوع پر ان کی دو کتابیں مقاصد الفلاسفہ اور تہافت الفلاسفہ بے انتہا مشہور ہیں۔موخر الذکر کتاب کی الٰہیات کی دلیلوں نے مشرق ومغرب دونوں کو بہت متاثر کیا۔ایک طرف اس کتاب کو مسلمانوں نے فلسفہ کے خلاف اسلام کے دفاع میں استعمال کیا تو دوسری طرف عیسائی علماء نے عیسائیت کے دفاع میں نقل کیا ہے۔امام غزالی کی ایک کتاب المنقذ من الضلال فلسفہ کے موضوع پر اس حیثیت سے منفرد ہے کہ اس میں انہوں نے فلسفہ سے تصوف کی طرف آنے کی روداد بیان کی ہے۔آپ کی اکثر کتابوں کے ترجمے یوروپ کی مختلف زبانوں میں کئے گئے ہیں۔

اسپین میں فلسفہ کو رواج دینے والے پہلے مسلم فلسفی ابوبکر محمد بن یحیٰی المعروف بہ ابن باجہ (متوفی:1138ء) ہیں۔ان کا فلسفہ الٰہیات کا خلاصہ یہ ہے کہ روح انسانی خدا کے ساتھ اتحاد یا وصال کی نعمت سے سرفراز ہوسکتی ہے۔ابن باجہ کے بعد اندلس کے دوسرے مشہور فلسفی ابن رشد (متوفی: 1198ء) تھے، جو فلسفہ میں ارسطو کے شارح کے نام سے اہل یوروپ میں جانے جاتے ہیں۔ان کی بیشتر کتابیں عبرانی اور لاطینی زبان میں ترجمہ ہوچکی ہیں۔ان کی فلسفیانہ تصانیف میں فصل المقال فیما بین الحکمۃ والشریعۃ من الاتصال اور کتاب الکشف عن مناھج الادلۃ فی عقائد الملۃ وتعریف ما وقع فیھا

بحسب التاویل من الشبہ المزیفۃ والعقائد المضلۃ اہم ہیں۔فلسفہ کے موضوع پر ان کی معرکۃ الآراء کتاب تہافۃ التہافۃ ہے جو امام غزالی کی تصنیف تہافۃ الفلاسفۃ کے رد میں لکھی گئی ہے۔ابن رشد کی شخصیت یہودی وعیسائی علماء کے درمیان بڑی مختلف فیہ رہی ہے، لیکن اس کے باوجود یوروپی دانشوروں، سیاسی رہنماؤں اور مذہبی قائدین کے نزدیک ابن رشد کے افکار ونظریات کو بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے۔

اسلامی دنیا کے دیگر مشہور فلاسفہ میں اہم نام ہیں: ابوالبرکات بغدادی (متوفی:1152ء)، فلسفہ میں ان کی کتاب معتبر بڑی اہم ہے۔شیخ اشراق شہاب الدین (متوفی:1162ء) نے فلسفہ اشراق کے نام سے اپنا جداگانہ فلسفہ ایجاد کیا۔یہ فلسفہ ارسطو کے فلسفہ کے بالکل مخالف ہے،اس حوالے سے انہوں نے دو کتابیں حکمۃ الاشراق اور مشارع ومطارحات لکھیں۔امام فخرالدین رازی (متوفی:1210ء) علوم نقلیہ کے ساتھ منطق وفلسفہ کے بھی ماہر تھے۔ان کی تصنیف تفسیر کبیر قرآن مجید کی فلسفیانہ تشریح اور فلسفہ کے باطل نظریات کی تردید کی نمائندہ تفسیر ہے۔فلسفہ پر ان کی اہم ترین کتابیں مباحث شرقیہ اور شرح اشارات ہیں،جس میں انہوں نے ارسطو کے نظریات کی سخت تنقید کی ہے۔

8.8 طب (Medicine)

اموی عہد سے ہی علم طب میں مسلمانوں نے دلچسپی لینی شروع کردی تھی،اور اس میدان میں مسلمان اطباء کی خدمات بہت نمایاں ہیں۔سب سے پہلے اموی شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہ نے اسکندریہ سے یونانی حکماء اور اطباء کو بلوا کر طب کی کئی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا تھا۔بعد میں دوسرے اموی خلفاء نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا اور علم طب کے فن کو ترقی دی۔خلیفہ مروان بن حکم نے طب کی ایک یونانی کتاب 'کناش' کا ترجمہ یہودی طبیب ماسرجونہ بصری سے کرا کر اپنے خزانہ میں محفوظ کرایا تھا جسے بعد میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد میں اس کی نقلیں تیار کرا کر اسلامی مملکت کے مختلف علاقوں میں لوگوں کے استفادہ کے لیے بھجوایا تھا۔ان ترجموں کے علاوہ بعض مسلمانوں نے بھی اس عہد میں فن طب پر ابتدائی رسالے اور کتابیں لکھی تھیں،جن میں خود خالد بن یزید اموی کے رسالے بھی تھے،جسے علم طب اور علم کیمیا کا شوق تھا۔عہد اموی میں لوگوں کے علاج ومعالجہ کے لیے اسلامی مملکت کے مختلف شہروں میں شفاخانے بھی کھولے گئے تھے،جہاں طبیب علاج کرتے تھے اور مفت دوائیں بھی دی جاتی تھیں۔اس کے علاوہ اموی خلفاء کے اپنے ذاتی اطباء اور حکماء بھی تھے جیسے حضرت امیر معاویہؓ کے مشہور عیسائی طبیبوں میں ابن اثال اور ابوالحکم تھے،اموی حکمرانوں کے دیگر طبیبوں میں ثاذوں،تیازوق اور فرات بن شحنا تا وغیرہ تھے۔

عہد عباسی میں خلیفہ منصور نے جندی سابور کے مدرسہ طب سے ایک عیسائی ماہر طب جورجیس بن بختیشوع کو بلا کر اپنا علاج کرایا تھا جو وہاں کے شفاخانے کا مہتمم اور نگراں بھی تھا۔اس عہد میں اسکندریہ،حران اور جندی سابور علم طب کے اہم مراکز ہوا کرتے تھے۔خلیفہ مہدی نے اپنے بیٹے ہادی کے علاج کے لیے جندی سابور کے ہی ایک طبیب جورجیس کے بیٹے بختیشوع بن جورجیس کو بلایا تھا،جسے بعد میں طبیبوں کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا،پھر اس کا بیٹا جبرئیل بن بختیشوع افسر طبیب ہوا۔وہاں کے دوسرے طبیبوں میں مشہور طبیب سابور بن سہل بھی تھا۔ان کے علاوہ عہد عباسی کے مشہور اطباء میں حنین بن اسحاق اور قسطا بن لوقا بعلبکی اور یوحنا بن ماسویہ وغیرہ تھے۔حنین بن اسحاق کی علم طب پر کتاب المسائل فی الطب اور کتاب المولودین بہت مشہور ہیں۔اس کا بیٹا اور بھتیجا اسحاق بن حنین اور حبیش بن الحسن الاعسم اس عہد کے اہم اطباء اور مترجمین میں شمار ہوتے ہیں۔علم طب کا دوسرا اہم مرکز حران تھا،جہاں کے مشہور طبیب ثابت بن قرہ حرانی نے طب پر کئی کتابیں لکھیں۔اس کا بیٹا سنان بن ثابت بھی ماہر طبیب اور افسر اطباء تھا۔پھر اس کے جانشین اور فرزند ابراہیم بن سنان نے علم طب پر متعدد کتابیں لکھیں۔حران کے دوسرے مشہور اطباء میں ابواسحاق ابراہیم بن زہرون حرانی،ابوالحسن ثابت اور ثابت بن ابراہیم حرانی وغیرہ تھے۔

عباسی دور میں ایرانی اور ہندوستانی اطباء اور حکماء نے بھی علم طب کی ترقی میں حصہ لیا۔ایرانی مترجم عبداللہ بن المقفع نے فلسفہ وطب کی کئی

کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ہندوستانی اطباء میں گنگا، سنجل، صکہ، راجہ، منکہ اور زنکل وغیرہ مشہور طبیب تھے۔ ان میں منکہ نے خلیفہ ہارون رشید کا کامیاب علاج کیا تھا اور کئی ہندی اور فارسی کتابوں کا عربی میں ترجمہ بھی کیا، جن میں ایک کتاب زہروں کے مختلف اقسام کے متعلق ہندوستان کے ایک طبیب شاناک کی تھی۔ اس کے علاوہ دیگر طبیبوں میں حنین بن اسحاق، قسطا بن لوقا، عیسیٰ بن یحییٰ وغیرہ نے علم طب کی مختلف شاخوں جیسے علامات امراض اور وبائی امراض وغیرہ موضوعات پر بقراط اور جالینوس کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ان کتابوں کے ترجمہ سے مسلمانوں میں بھی علم طب کا شوق پیدا ہوا۔ شروع میں انہوں نے یونانی، ایرانی اور ہندی اطباء کی کتابوں سے استفادہ کیا، پھر اس میں مہارت حاصل کر کے اپنا خود کا طبی سرمایہ تیار کرنا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں سیکڑوں مسلم اطباء نے نام کمایا اور اعلیٰ درجے کی طبی تحقیقات وتصنیفات پیش کیں۔ ذیل میں عہد عباسی کے مشہور مسلمان اطباء کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

ابو بکر محمد بن زکریا رازی (متوفی: 932ء) عباسی دور کے عظیم اطباء میں تھے۔ انہوں نے بغداد میں طب کی تعلیم حاصل کی اور پہلے رے پھر بغداد کے شفا خانے کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ بغداد میں انہیں حکومت کی طرف سے ایک شفا خانہ کے قیام کے لیے موزوں جگہ منتخب کرنے کا کام سونپا گیا۔ رازی نے یہ تدبیر کی کہ شہر کے مختلف مقامات پر گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے لٹکا دیئے اور تین دنوں تک اس کے رنگ، بو اور مزے میں ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیتے رہے۔ تین دن گذرنے کے باوجود جس مقام کا گوشت سب سے زیادہ اپنی اصل کیفیت پر باقی رہا اس جگہ کو بیمارستان کے لیے منتخب کیا۔ اس واقعہ سے اس طبیب کی مہارت اور ذہانت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے طب کے موضوع پر اپنے تجربات ومشاہدات پر مبنی سیکڑوں کتابیں تصنیف کی ہیں۔

رازی کی پچیس (25) جلدوں پر مشتمل طب کی سب سے ضخیم کتاب 'الحاوی' ہے جو طب کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کا لاطینی ترجمہ صدیوں تک یوروپ کے میڈیکل کالجوں میں داخل نصاب رہا۔ ان کی ایک دوسری ضخیم کتاب 'المنصوری' ہے، جسے انہوں نے امیر خراسان منصور بن اسحاق کے لیے لکھی تھی۔ رازی کا چیچک اور خسرا کے موضوع پر طبی شاہکار 'کتاب الجدری والحصبہ' ہے۔ وبائی امراض کی تاریخ میں چیچک کے موضوع پر یہ دنیا کی پہلی کتاب ہے جس کے کئی یوروپی زبانوں میں ترجمے ہوئے اور مدتوں یوروپ میں داخل نصاب رہی۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری اہم کتابیں ہیں: سر الطب، کتاب الفہیم والتشجیر، کتاب طب الفقراء اور کتاب الطب الملو کی وغیرہ۔ رازی نے علاج کے کئی نئے طریقے دریافت کئے۔ فوری علاج کے لیے فرسٹ ایڈ کا طریقہ انہوں نے ہی ایجاد کیا۔ پارے کے لیپ اور زخموں کے ٹانکوں میں حیوانی آنتوں کے استعمال سے پہلی مرتبہ انہوں نے متعارف کرایا، اور علم الجنین، علم تولید اور امراض چشم کی سرجری کے متعلق متعدد دریافتیں پیش کیں۔ جراحی کے لیے نشتر (Seton) انہوں نے ہی بنایا ہے۔ وہ دواؤں کے اوصاف اور امراض کی تشخیص کے بھی ماہر تھے اور جڑی بوٹیوں پر بہت تجربات کئے۔ دواؤں کے درست وزن کے لیے میزان طبعی ایجاد کیا جس سے چھوٹی سے چھوٹی چیز کا وزن معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ماہر طبیعیات کی حیثیت سے نامیاتی اور غیر نامیاتی کیمیا کی تقسیم بھی انہوں نے ہی کی تھی۔ رازی بلاشبہ فن طب کے امام اور دنیائے اسلام کے عظیم ترین طبیب اور معالج تھے۔

بغداد کے ایک اہم طبیب ابوالحسن علی بن سہل طبری (متوفی: 251ھ) ہیں، جو وہاں کے تمام اسپتالوں کے ناظم اعلیٰ تھے۔ وہ صحت، موسم، آب وہوا اور ادویہ کی خصوصیات کے تعلق سے اپنے طبی تجربات کو لکھتے رہتے تھے۔ ان تجربات کو انہوں نے ابجدی ترتیب سے فردوس الحکمت کے نام سے کتابی صورت میں مرتب کیا۔ اس کے علاوہ بھی طب کے موضوع پر ان کی کئی اہم کتابیں ہیں۔ مشہور فلسفی ابو یوسف یعقوب الکندی (متوفی: 257ھ) ایک ماہر طبیب بھی تھے۔ وہ خلیفہ مامون سے متوکل کے زمانہ تک درباری طبیب رہے اور طب پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ طب میں سنان بن ثابت حرانی (متوفی: 320ھ) کا نام بھی اہم ہے۔ انہوں نے طب میں پیشہ وارانہ اصلاحات کیں، مثلاً اطباء کے لیے اسناد جاری کیں، مطب

کھولنے کی اجازت دی، عطائی اطباء کو علاج سے منع کیا اور پہلی مرتبہ سرکاری رجسٹریشن اور مطب کے لیے اجازت نامہ کو لازم قرار دیا۔ ثابت حرانی نے گشتی شفاخانہ کا طریقہ بھی ایجاد کیا۔ جس میں اطباء دواؤں کے ساتھ علاقوں کا دورہ کرتے تھے اور مریض کو ان کے مقام پر علاج فراہم کرتے تھے۔

مسلمانوں کے عظیم اطباء میں ایک نام ایرانی طبیب علی بن عباس (متوفی:384ء) کا ہے۔ ان کی کتاب 'کامل الصناعۃ' نظری اور عملی طب کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے طب عملی، علم تشریح اور علم جراحت پر بحث کی ہے، نیز یونانی و عربی اطباء اور ان کی تالیفات پر نقد و تبصرہ بھی کیا ہے۔ علی بن عباس نے اپنی کتاب میں علم الجنین کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں وہ آج بھی بالکل درست ہیں۔ اسی طرح زہروں اور ان کے اثرات و تریاق پر بھی ان کی تحقیقات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

طب کی تحقیق میں نمایاں نام ابو منصور موفق ہروی (متوفی: 961ء) کا ہے۔ وہ نباتیاتی اور جمادیاتی ادویہ کے بڑے محقق تھے، اور معدنی مفردات و مرکبات میں بھی ان کی متعدد تحقیقات ہیں۔ ہروی دواؤں کی صفات اور خواص کے ماہر تھے، اور بہت سی دواؤں کے موجد بھی ہیں۔ ان کی کتاب حقائق الادویہ مقبول ترین تصنیف ہے، جس میں چھ سو کے قریب دواؤں کے نام اور ان کی پہچان بتائی گئی ہے۔ انہوں نے ادویہ کو معدنی، نباتاتی اور حیواناتی تین حصوں میں منقسم کر کے ان کے اثرات کے چار درجے متعین کیے ہیں۔

آنکھ انسانی جسم کا انتہائی نازک عضو ہے۔ مسلم اطباء نے آنکھ کی بیماریوں کی طرف خصوصی توجہ دی۔ امراض چشم کے ممتاز ماہرین میں ابو القاسم عمار بن علی الموصلی (متوفی:998ء) کا نام آتا ہے۔ موتیابند کا آپریشن سب سے پہلے انہوں نے ہی کیا۔ آنکھ کی بیماریوں اور ان کے علاج کے طریقوں پر کتاب المنتخب فی علاج العین ان کی گرانقدر تصنیف ہے، جس کا کئی مغربی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں آنکھ کے کئی آپریشنوں کا تذکرہ ہے جس میں صرف موتیابند کے علاج کے لیے چھ طرح کے آپریشنوں کا بیان ہے۔ انہوں نے آپریشن کے لیے ایک آلہ بھی ایجاد کیا تھا، جس کے ذریعے غیر متحجر موتیابند کا پانی کھینچ لیا جاتا ہے۔ امراض چشم کے ماہرین میں دوسرا بڑا نام علی بن عیسیٰ (متوفی:1049ء) کا ہے۔ انہوں نے آنکھوں کی بیماریوں اور ان کے علاج پر مفصل کتاب 'تذکرۃ الکحالین' تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب امراض چشم کے موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، جس کا بیشتر مغربی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور صدیوں یوروپ میں اسے سند کا درجہ حاصل رہا۔ مصنف نے اس کتاب میں آنکھ کی ایک سو تیس بیماریوں اور ان کے علاج سے متعلق ایک سو تینتالیس (143) ادویات کے نام اور ان کے خواص کا تذکرہ کیا ہے۔

دنیائے طب کے امام الائمہ الشیخ الرئیس ابو علی حسین بن عبداللہ ابن سینا (متوفی: 1037ء) ہیں۔ ابن سینا 980ء میں بخاریٰ کے ایک گاؤں افشنہ میں پیدا ہوئے۔ کم عمری ہی میں اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم میں کمال حاصل کر لیا اور اکیس سال کی عمر میں اپنی پہلی کتاب تصنیف کی۔ ان کی پوری زندگی انتہائی اضطراب و پریشانی کے عالم میں گذری، لیکن اس کے باوجود مختلف علوم وفنون پر دو سو سے زائد کتابیں و رسالے تصنیف کئے۔ ان میں سے بعض کتابیں اتنی ضخیم ہیں کہ دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہیں۔ طب کے موضوع پر ان کی کئی کتابیں اور متعدد رسائل ہیں، مثلاً کتاب القولنج، کتاب الادویۃ القلبیۃ اور القانون فی الطب وغیرہ۔

آپ کی شہرہ آفاق تصنیف القانون فی الطب چودہ جلدوں پر مشتمل ہے، جس کے پانچ حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں اصول طب، دوسرے میں ادویہ مفردہ، تیسرے میں امراض اعضائے خاصہ، چوتھے میں امراض عامہ اور پانچویں میں ادویہ مرکبہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب صدیوں تک طبی دنیا کی اساس رہی اور مشرق و مغرب کی درس گاہوں میں داخل نصاب تھی۔ دنیا کے تمام اطباء اور حکماء نے اس کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اکثر یوروپی زبانوں میں پندرہویں اور سولہویں صدی میں نہ صرف اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے بلکہ بیسویں مرتبہ ترجمے کئے گئے اور شرحیں لکھی گئیں۔ ابن سینا کا شمار پورے اسلامی عہد کے سب سے بڑے طبیب کے طور پر

ہوتا ہے۔ وہ علم طبیعیات، حیاتیات، تشریح الاعضاء، منافع الاعضاء اور علم العلاج، علم الامراض و علم الادویہ کے عظیم ترین محقق تھے۔ انہوں نے اعضاء جسمانی کی اعضاء مفردہ اور اعضاء مرکبہ کی حیثیت سے جو تقسیم کی ہے وہ عصر حاضر تک قائم ہے۔

اسپین کے مسلم اطباء میں سب سے قابل فخر خدمات ابوالقاسم بن خلف بن عباس الزہراوی (متوفی: 1009ء) کی ہیں۔ انہوں نے قرطبہ یونیورسٹی میں تعلیم پائی، جراحت میں کمال حاصل کیا اور سرجری کے موجد کہلائے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شاہی شفاخانے میں طبیب مقرر ہوئے اور خلیفہ کے شاہی معالج بھی رہے۔ الزہراوی دنیا کے پہلے سرجن ہیں جنہوں نے آپریشن کیا اور آلات سرجری ایجاد کئے۔ وہ اپنے طبی تجربات ومشاہدات کو لکھ لیا کرتے تھے، جو بعد میں التصریف لمن عجز عن التالیف کے نام سے کتابی صورت میں تیار ہوئی۔ یہ کتاب طب کی تاریخ میں عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اس میں تیس مقالے ہیں جس میں وہ حصہ انتہائی اہم ہے جو جراحت سے متعلق ہے۔ اس کتاب کے متعدد یوروپی زبانوں میں ترجمے ہوئے اور اطباء نے استفادہ کیا۔

زہراوی نے زخموں کو جلانے، مثانے کی پتھری کو پیسنے اور آپریشن کے ذریعے اسے نکالنے کا طریقہ بتایا۔ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے کے بعد ان پر پلاسٹر چڑھانے، ہڈی کو آپریشن سے الگ کرنے اور پٹی باندھنے کے طریقوں کی وضاحت کی۔ جسم کے نازک ترین اندرونی حصوں اور آنکھوں کے آپریشن کا طریقہ ایجاد کیا اور آپریشن سے پہلے مریض کو بے ہوش کرنے کے لیے مناسب دواؤں کو دریافت کیا۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کینسر کے مرض پر تحقیق کر کے بتایا کہ کینسر کے زخم کو چھیڑنا نہیں چاہئے۔ زخموں کو ٹانکنے کے لیے مناسب دھاگوں کا استعمال کرنا انہی کی ایجاد ہے۔ آلات جراحت کے ذریعے وضع حمل کا تجربہ پہلی مرتبہ انہوں نے کیا۔ وہ آلات سرجری کے بھی موجد ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں دوسو سے زائد ایسے آلات کی تصویریں دی ہیں جو عمل جراحی میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ آلات عمدہ قسم کے فولاد سے بنائے جاتے تھے، جنہیں کاری گروں سے وہ خود اپنی نگرانی میں تیار کراتے تھے۔ سرجری میں ان کے کارنامے ناقابل بیان ہیں۔

اسپین کے اطباء میں ایک اہم طبیب ابن زہر (متوفی: 1162ء) ہیں۔ طب پر ان کی مشہور تصنیف التیسر فی المداوات والتدبیر ہے، جس میں انہوں نے بعض ایسی بیماریوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے اس سے پہلے اطباء ناواقف تھے، جیسے دل کے بیرونی غلاف پر پھوڑوں کا بننا، حلق کا فالج، خارش کا ہونا، کان کے درمیانی حصہ میں ورم ہو جانا اور انتڑیوں کا گھلنا وغیرہ۔ انہوں نے ٹوٹی ہڈی کو جوڑنے یا اکھڑی ہوئی ہڈی کے بٹھانے کے طریقے ایجاد کئے۔ اسپین کے اطباء میں ابن رشد (متوفی: 1998ء) کا نام بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے طب کے موضوع پر الکلیات فی الطب تصنیف کی جو طب کی مستند ترین کتاب کی حیثیت سے یوروپ میں برسہا برس استعمال کی جاتی رہی۔ وہ پہلے طبیب ہیں جنہوں نے پردہ چشم کے عمل کی تشریح کی اور سب سے پہلے دریافت کیا کہ چیچک کا مریض شفایاب ہونے کے بعد پھر ہمیشہ اس سے محفوظ رہتا ہے، یعنی چیچک کا حملہ زندگی میں صرف ایک بار ہوتا ہے۔

علاء الدین ابوالحسن بن ابی الحرزم ابن النفیس القرشی الدمشقی (متوفی: 1288ء) کا شمار دنیا کے ممتاز اطباء میں ہوتا ہے۔ وہ امراض چشم کے ماہر اور تشریح اجسام یعنی دوران خون کے محقق ہیں۔ قاہرہ کے شفاخانہ بیمارستان ناصری کے رئیس الاطباء اور سلطان کے شاہی معالج تھے۔ طب کے موضوع پر انہوں نے بہت قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے۔ جس میں امراض چشم پر ان کی کتاب المهذب فی الکحل بہت اہم ہے۔ طب پر ابن النفیس کی اسّی (80) جلدوں میں ضخیم تصنیف کتاب الشامل فی الصناع الطبیہ ہے۔ ان کی سب سے مقبول تصنیف شرح تشریح القانون ہے جو ابن سینا کی مشہور کتاب القانون فی الطب کی شرح ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بقراط اور حنین بن اسحاق کی کتابوں کی بھی شرحیں لکھیں۔ ابن النفیس کا سب سے عظیم کارنامہ دوران خون کی دریافت ہے۔ جس کا سہرہ بدقسمتی سے مائیکل سرفیٹس (Michacl Servetus) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، جو در

حقیقت ابن النفیس کا کارنامہ ہے۔انہوں نے پہلی مرتبہ اپنی کتاب شرح تشریح القانون میں یہ نظریہ پیش کیا کہ دوران خون مسلسل جاری رہتا ہے اور پھیپھڑوں سے ہوتا ہوا پورے جسم میں گردش کرتا ہے۔اس تحقیق کے ذریعے ابن النفیس نے جالینوس کے اس نظریہ کو مسترد کردیا کہ خون براہ راست دل کے دائیں طرف سے بائیں طرف جاتا ہے۔

مسلمان اطباء کی فہرست بہت طویل ہے۔قرطبہ کے مشہور طبیب عریب بن سعد الکاتب (متوفی:976ء) حمل، جنین اور امراض نسواں کے ماہر تھے۔اس موضوع پر ان کے طویل تجربات پر مشتمل بہت اہم تالیفات ہیں۔لسان الدین بن خطیب (متوفی:1374ء) نے پہلی مرتبہ متعدی اور غیر متعدی امراض کی شناخت کی اور بتایا کہ متعدی بیماری کی وجہ کچھ ایسے جراثیم ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے۔طاعون کی بیماری پر بھی ان کی تحقیقات بہت اہم ہیں۔اسپین کے طبیب ابن خاتم (متوفی:1369ء) نے بھی طاعون کے سلسلے میں یہ وضاحت کی کہ اگر کوئی شخص کسی طاعون زدہ مریض کے ربط میں آتا ہے تو وہ بھی اس مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے۔چیچک وخسرہ کے متعلق ابوبکر رازی نے سب سے پہلے بحث کا آغاز کیا تھا۔اس کے بعد ابن الجزار طبیب نے اپنی تصنیف زاد المسافر میں اس مرض کی تفصیلات بیان کیں۔

عباسی دور کے اطباء نے طب میں مختلف جہت سے اضافے کئے، جیسے ابن وافد نے علاج بالغذاء کی اہمیت پر زور دیا اور رضی الدین نے دوا کے بجائے غذائی دواؤں کو ترجیح دی۔ابوالبرکات نے ایک خاص وبائی مرض میں انگلیاں کاٹنے کا علاج ایجاد کیا۔ابوالمنصور نے فالج، لقوہ اور استرخاء میں بادرادویہ اور منع غذا کے علاج کا طریقہ دریافت کیا۔اطباء نے موتیا بند کے آپریشن اور جراحت کے طریقے بتائے اور اس کے آلات بنائے۔چیچک کا ٹیکہ مسلمانوں کی ایجاد ہے۔الرازی نے اپنی کتاب الجدری والحصبہ میں پہلی بار چیچک وخسرہ کا علاج بیان کیا۔مسلمان اطباء نے سیکڑوں نئی دوائیں دریافت کیں اور کیمیاوی مرکبات اور مرکب ادویہ بنانے کے طریقے سیکھائے۔عطاری کی دکانیں کھولیں اور دوا خانے اور شفا خانے بنائے، نیز حفظان صحت کے اصول طے کئے۔

8.9 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- عہد عباسی علوم وفنون کی ترقی وعروج کے لحاظ سے پورے اسلامی عہد میں سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں ہے۔دینی علوم میں تفسیر، حدیث، فقہ اور علم کلام کی بنیادی کتابیں اور اہم شخصیات اس عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔
- اس دور میں علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ علم طب، ریاضی، فلسفہ، منطق، فلکیات، نجوم وغیرہ میں بھی اہم خدمات انجام دی گئیں۔
- عباسی دور میں عقلی علوم کے ارتقاء کے مختلف اسباب وعوامل تھے، جن میں حکومت کا استحکام، معاشی خوشحالی، وسائل کی فراوانی، تہذیبی وتمدنی ترقی اور مختلف تہذیبوں اور قوموں سے میل ملاپ اور ان سے استفادہ تھا۔
- عباسی خلفاء کی علم دوستی، اہل علم کی سرپرستی وقدردانی اور غیر عربوں کے ساتھ رواداری، غیر جانبداری اور وسعت قلبی نے بھی علوم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔
- عباسی خلفاء میں خاص کر ابوجعفر منصور، ہارون رشید اور مامون رشید کے عہد میں مختلف قوموں اور زبانوں کی تقریباً تمام اہم کتابوں کو عربی زبان میں ترجمہ کیا گیا، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ان علوم سے خاصی دلچسپی پیدا ہوئی۔
- عہد عباسی میں سرکاری سرپرستی میں بیت الحکمۃ ادارہ کے ذریعے ترجمہ، تصنیف اور تحقیق کی ایک ایسی زبردست تحریک شروع ہوئی جو پوری اسلامی دنیا میں ایک ہمہ گیر علمی انقلاب کا سبب بن گئی۔

- عباسی حکومت کے دارالسلطنت بغداد کا یہ عالم تھا کہ مختلف علوم وفنون کے ماہرین جب تک بغداد کے علماء سے استفادہ نہ کرتے تھے ان کے علم کو ناقص سمجھا جاتا تھا۔
- فلسفہ اور طب کے میدان میں مسلمان محققین نے بہت اہم تحقیقی و تصنیفی خدمات انجام دی ہیں۔

8.10 نمونہ امتحانی سوالات

8.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ ترجمہ کے کام میں شریک مشہور خاندانوں میں ذیل میں سے کون خاندان نہیں ہے؟

(a). آل بختیشوع (b). آل ماسرجویہ (c). آل حنین (d). آل مروان

2۔ المجسطی کے مصنف کا نام بتائیے۔

(a). بطلیموس (b). بقراط (c). سقراط (d). جالینوس

3۔ خلیفہ ابوجعفر منصور نے کن سے حدیث کی کتاب لکھنے کی درخواست کی تھی؟

(a). امام بخاریؒ (b). امام مسلمؒ (c). امام مالکؒ (d). امام ترمذیؒ

4۔ مشہور کتاب 'کلیلہ ودمنہ' کو عربی میں کس نے منتقل کیا تھا؟

(a). ابن المقفع (b). حنین بن اسحاق (c). ابن بطریق (d). ثابت بن قرۃ

5۔ ذیل میں کون سی کتاب زکریا رازی کی تصنیف نہیں ہے؟

(a). کتاب التصریف (b). کتاب المنصوری (c). طب الملوکی (d). کتاب الحاوی

6۔ ملکہ زبیدہ کس حکمراں کے عہد کی مشہور ادیبہ وشاعرہ تھی؟

(a). عمر بن عبدالعزیز (b). ابوالعباس السفاح (c). ابوجعفر منصور (d). ہارون رشید

7۔ مترجم ثابت بن قرۃ کس مذہب سے تعلق رکھتے تھے؟

(a). یہودی (b). عیسائی (c). صابی (d). اسلام

8۔ خلیفہ مامون کے عہد میں کس نے سب سے مستند زیج تیار کی تھی؟

(a). شاکر منجم (b). ابونصر فارابی (c). محمد بن موسیٰ خوارزمی (d). ابومعشر

9۔ بابائے جدید سرجری کسے کہا جاتا ہے؟

(a). ابن الہیثم (b). ابن سینا (c). ابراہیم الفزاری (d). ابوالقاسم الزہراوی

10۔ علم فلکیات کی مشہور کتاب 'سدھانت' کا ترجمہ سنسکرت سے عربی میں کس مترجم نے کیا تھا؟

(a). جیش بن الحسن (b). محمد بن الفزاری (c). متی بن یونس (d). ابن المقفع

8.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ عہد عباسی میں علوم کے ارتقاء پر ایک نوٹ لکھیے۔

2۔ عباسی دور میں علوم وفنون کے ارتقاء کے اسباب ومحرکات کا جائزہ لیجیے۔

3۔ بیت الحکمۃ کے شعبہ ترجمہ کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

4۔ ابوعلی سینا کی طبی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

5۔ فلسفہ میں چند مشہور فلاسفہ کی خدمات کا تعارف کرائیے۔

8.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ طب میں مسلم سائنس دانوں کی خدمات بیان کیجیے۔

2۔ علوم کے فروغ واشاعت میں بیت الحکمۃ کے کردار پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

3۔ علوم کی ترقی میں عباسی خلفاء وامراء کی خدمات بیان کیجیے۔

8.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	تاریخ اسلام	:	اکبر شاہ نجیب آبادی
2۔	تاریخ اسلام	:	شاہ معین الدین ندوی
3۔	مختصر تاریخ اسلام	:	غلام رسول مہر
4۔	ضحیٰ اسلام	:	احمد امین مصری
5۔	تاریخ افکار وعلوم اسلامی	:	افتخار احمد بلخی
6۔	تاریخ تہذیب اسلامی (جلد سوم)	:	محمد یٰسین مظہر صدیقی
7۔	علوم وفنون عہد عباسی میں	:	محمد رضوان علوی
8۔	قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے	:	غلام قادر لون

-:oOo:-

اکائی 9 : عباسی دور میں عقلی علوم کی ترقی (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا

9.0 تمہید

9.1 مقصد

9.2 ریاضیات (Mathemetics)

9.3 فلکیات (Astronomy)

9.4 طبیعیات (Physics)

9.5 کیمیا (Chemistry)

9.6 معدنیات (Mineralogy)

9.7 نباتیات (Botany)

9.8 حیوانیات (Zoology)

9.9 اکتسابی نتائج

9.10 نمونہ امتحانی سوالات

9.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

9.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

9.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

9.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

9.0 تمہید

عباسی خلافت کا زمانہ عقلی علوم کے تعلق سے مسلم عہد کا عہد زریں ہے۔ عالم اسلام کے نامور سائنسداں اوران کی ایجادات اسی عہد سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس دور میں سائنسی علوم کے ہر شعبہ میں زبردست ارتقاء ہوا۔ اس میں نئے نئے گوشے اور شاخیں نکلیں اور ہر اعتبار سے ان کی تکمیل ہوئی۔

طب وحکمت، ریاضی وہندسہ، فلسفہ ومنطق، فلکیات ونجوم، طبعیات وکیمیا اور نباتیات وحیوانیات وغیرہ میں نہایت اہم خدمات انجام دی۔
عہد عباسی اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس ابتدائی دور میں علم وحکمت کی آبیاری کے لیے جس اعلیٰ دماغی اور علم دوستی کی ضرورت تھی ان علماء وحکماء میں یہ بہ درجہ اتم موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مختصر مدت میں انہوں نے یونان وروم اور ہندوستان وایران تک اس وقت کی پوری علمی دنیا کی کتابوں کو اپنی زبان میں منتقل کر کے ان پر عبور حاصل کر لیا، اور اس کے بعد علمی روایت کو آگے بڑھایا۔ عہد عباسی میں علوم وفنون سے متعلق جن علمی کارناموں کی تفصیل ذیل میں بیان کی گئی ہے اس کی حیثیت سمندر کے چند قطرے کی ہے، ورنہ مسلم سائنس دانوں کی خدمات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

9.1 مقصد

اس اکائی کے مطالعہ سے آپ پر یہ بات آشکارہ ہو جائے گی کہ بہت سی سائنسی ایجادات کے اولین موجد مسلمان سائنس داں تھے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان سائنس دانوں کے کارناموں سے واقف ہو کر انہیں اپنا سرمایہ سمجھیں گے اور ان کے اندر اپنے اسلاف سے سیکھنے کا جذبہ وحوصلہ پیدا ہوگا۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اسلام کے زیر سایہ عربوں نے قدیم عقلی علوم کے ورثے کو عربی میں منتقل کر کے اس میں اس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ بعد میں خود بھی قابل قدر اضافے کئے۔ اس کی واقعی قدر وقیمت کو آپ سمجھ سکیں گے، کیونکہ اکثر لوگوں میں یہ غلط فہمی عام ہے کہ سائنس کی ترقی صرف یوروپی اقوام کی مرہون منت ہے۔ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد وہ یہ جان لیں گے کہ مسلمانوں نے بھی سائنس کے مختلف شعبوں میں بہت سی ایجادات کو وجود بخشا ہے اور یوروپ کی ترقی کے لیے بنیادیں فراہم کی ہیں۔

9.2 ریاضیات (Mathemetics)

ریاضی میں مسلمانوں کی خدمات اتنی گرانقدر ہیں کہ مغربی مصنفین نے بھی ان کا اعتراف کیا ہے۔ اس زمانہ میں ریاضیات میں حساب وہندسہ کے ساتھ علم نجوم اور ہیئت کے علوم بھی شامل تھے، کیونکہ ان علوم کا انحصار بڑی حد تک ریاضیات پر تھا۔ حساب وکتاب میں جو اعداد استعمال کئے جاتے ان سے دنیا کو مسلمانوں نے متعارف کرایا ہے۔ اسی وجہ سے اہل یوروپ انہیں (Arabic Numbers) کہتے ہیں۔ ریاضی کے موضوع پر عباسی عہد کے اہم ریاضی دانوں اور ان کی خدمات کا تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔
احمد عبداللہ حبش حاسب (متوفی: 829ء) علم ریاضی وہندسہ کے ماہر تھے۔ انہوں نے ٹرگنومیٹری کی بنیاد پر ایک نقشہ مرتب کیا اور زاویہ کی چھ نشستوں میں فصل جیوب (Co-Tangent) کا طریقہ ایجاد کیا۔ علم مثلث سے انہیں خاص لگاؤ تھا، قاطع (Secant) کو دریافت کر کے اسے علم المثلث میں رواج دیا۔ عباس بن سعید جوہری ریاضی اور علم ہیئت کے ماہر تھے۔ ریاضیات پر ان کی کتابیں تفسیر اقلیدس اور کتاب الاشکال ہیں۔ ابوالطیب سند بن علی (متوفی: 839ء) بھی ایک مشہور ریاضی داں تھے۔ علم ریاضی اور ہندسہ پر ان کی کئی کتابیں ہیں۔ ان میں کتاب الحساب الہندی، کتاب الجمع والتفریق، کتاب القواطع اور کتاب الجبر والمقابلہ بہت اہم ہیں۔
علم ریاضیات میں سب سے اہم کارنامہ محمد ابن موسیٰ الخوارزمی (متوفی: 850ء) کا ہے۔ خلیفہ مامون رشید کی خواہش پر الخوارزمی نے علم الحساب کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں انہوں نے حساب کے اصول وقواعد بیان کئے ہیں۔ خوارزمی نے اپنی دوسری تصنیف کتاب المختصر من حساب الجبر والمقابلہ میں الجبرا کو ایک مستقل ریاضی کی حیثیت سے پیش کیا ہے، جس کی وجہ سے انہیں الجبرا کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے خوارزمی کا مقصد لوگوں کو وراثت، شراکت اور تجارت وغیرہ میں آسان اور قابل عمل حسابی طریق کار سے واقف کرانا تھا۔ مصنف نے پہلے حصہ

میں مساواتیں اور الجبرائی ضرب وتقسیم سے بحث کی ہے، دوسرے حصہ میں سطحوں کی پیائش اور مساحت کے مسائل کو حل کیا ہے اور تیسرے حصہ میں ریاضی کی تقسیم اور ترکے کے مسائل کی تفصیل بیان کی ہے۔ الخوارزمی کا ایک بڑا کارنامہ عددی نظام ہے جسے اہل یوروپ (Arabic Numerals) اور عرب ہندی اعداد کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے یونان کے ستینی نظام کی جگہ اعشاری نظام کو رائج کیا۔

احمد بن یوسف بن ابراہیم بن الدایۃ المصری (متوفی: 912ء) نے ریاضی کے موضوع پر کئی جہت سے کام کیا۔ انہوں نے مماثل قوسین پر ایک کتاب تحریر کی۔ بطلیموس کی کتاب Centiloquium کی شرح لکھی۔ لیکن ان کی سب سے اہم تصنیف رسالہ فی النسبۃ والتناسب ہے۔ احمد بن یوسف نے اس میں تناسبی رشتوں پر اقلیدس کی تعریفات کا اطلاق کرتے ہوئے اٹھارہ صورتیں بیان کی ہیں۔ نویں صدی عیسوی کے ابوعبداللہ محمد ابن عیسیٰ الماھانی نے ارشمیدس کے ایک اہم مسئلے کو الجبرا سے حل کرنے کی کوشش کی۔ گرچہ وہ اسے پوری طرح سے حل نہ کر سکے، لیکن سہ درجی مساوات کی طرف دوسرے ریاضی دانوں کو متوجہ کرنے میں کامیاب رہے۔

الحاسب المصری کے نام سے مشہور ابوکامل شجاع بن اسلم (متوفی: 956ء) عظیم ریاضی داں ہوئے ہیں۔ انہوں نے ریاضی کے موضوع پر تقریباً چودہ کتابیں تحریر کیں۔ ان میں کتاب الطرائف فی الحساب مشہور تصنیف ہے۔ اس کتاب میں غیر معین مساواتوں Indeterminate Equations کے تکمیلی مرحلوں Integral Solutions پر بحث کی ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے اپنی دوسری کتاب میں مساواتوں کا حل ناطقی (Rational) شکل میں پیش کیا ہے۔ ریاضی داں ابوکامل نے اپنی ایک تصنیف الخمس والمعشر میں جیومیٹری کے بیس مسائل کو الجبرا کی مدد سے حل کر کے الجبرائی مباحث کی تکمیل کر دی ہے۔ اس میں دو درجی مساوات کے دونوں جذور متعین کئے اور ان کی تشکیل کی اور الجبرا کے مقداروں کی ضرب اور تقسیم کا عمل بیان کیا اور جمع وتفریق کا وہ طریقہ سمجھایا جسے آج ہم فارمولہ میں بیان کرتے ہیں۔

ریاضی کے میدان میں ابوجعفر محمد بن محمد بن الحسین الخراسانی المعروف بہ الخازن (متوفی: 981ء) کی خدمات بھی بہت اہم ہیں۔ اس موضوع پر ان کی کتابیں ہیں: کتاب المسائل العددیۃ، مطالب الجزیۃ، میل میول الجزیۃ اور المطالع الکرۃ المستقیمۃ۔ ان کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پہلی مرتبہ اس مسئلہ کو حل کیا کہ مخروطی اشکال کے استعمال سے اس سہ درجی مساوات کا حل نکالا جو مسئلہ الماہانی کہلاتا ہے۔ الخازن کے ہم عصر ابو الوفا محمد بن محمد البوزجانی نے بھی علم حساب پر کئی کتابیں تصنیف کیں۔ اس میں مشہور کتاب فی ما یحتاج الیہ الکتاب والعمال من علم الحساب ہے۔ اس میں تاجروں، منشیوں اور زمین کی پیائش کرنے والوں کے لیے حساب وکتاب کے آسان اور عام فہم طریقے بتائے گئے ہیں۔ مصنف نے اس کتاب میں سات منزلوں کے تحت سات ابواب میں مثالوں کے ذریعے مضامین کو واضح کیا ہے۔

اندلس کے ریاضی دانوں میں مسلمہ بن احمد المجریطی (متوفی: 1007ء) نے حساب، الجبرا اور ہندسہ کے طریقے سے تجارتی حساب وکتاب اور محصولات کی بحثوں پر ایک کتاب المعاملات تحریر کی۔ المجریطی کے شاگرد محمد ابن السمح (متوفی: 1025ء) نے بھی اپنے ایک رسالہ میں ان موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ ان کی ایک کتاب حساب الھوائی اعداد کے موضوع پر بھی ہے۔ ابومحمود حامد بن الخضر الخجندی (متوفی: 1000ء) پہلے ریاضی داں ہیں، جنہوں نے ثابت کیا کہ دو مکعب عددوں کا مجموعہ مکعب عدد نہیں ہوسکتا۔

ابوالحسن احمد بن ابراہیم الاقلیدسی (متوفی: 953ء) نے حساب کے موضوع پر ایک کتاب الفصول فی الحساب الھند تحریر کی تھی۔ اس کتاب میں ہندی حساب کے طریقے میں مصنف نے ایسی ترمیمیں بیان کی ہیں جن سے گنتارے سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے، جس میں ہندسوں کو لکھ کر بار بار مٹانا پڑتا ہے۔ ان ترمیموں میں انہوں نے نابینا افراد کے لیے ایک گنتی بورڈ کا بھی ذکر کیا ہے۔ کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں پہلی بار ستینی اور اعشاری نظاموں کو استعمال کیا گیا ہے۔

ابوبکر بن محمد بن الحسن الکرجی (متوفی:1019ء) ایرانی ریاضی داں تھے۔انہوں نے اس موضوع پر تقریباً بارہ کتابیں تصنیف کیں۔ان میں ایک کتاب الفخری فی الجبر والمقابلہ ہے جس میں کثیر رقمی اعداد پر بحث کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ انہیں کثیر رقمی اعداد کے الجبرا کا بانی کہا جاتا ہے۔دوسری تصنیف البدیع فی الحساب میں پہلی کتاب کی بحثوں کی مزید وضاحت کی ہے۔تیسری کتاب الکافی فی الحساب دراصل علم حساب کے مبادیات پر ہے۔الکرجی نے حسابی افعال کا با قاعدہ اطلاق کر کے الجبرا کو جیومیٹری کے اثرات سے الگ کیا۔انہوں نے پہلی مرتبہ کثیر رقمی اعداد میں جذر نکالنے کا ایک قاعدہ دریافت کیا۔نیز ایک کثیر رقمی عدد کی غیر ناطق مقداروں سے تقسیم کا عمومی قاعدہ بھی وضع کیا۔انہوں نے پچیس ایسی مساواتیں بیان کی ہیں جو یونانیوں کے یہاں نہیں تھیں۔الکرجی کا اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے نظریہ اعداد (Theory of Numbers) میں الجبرائی حساب کا اطلاق کیا اور ساتھ میں الجبرائی علم الاحصاء (Algebraic Calculus) کی ایسی پہلی اور مکمل تھیوری پیش کی جس سے ریاضی داں واقف نہیں تھے۔

ابوالحسن علی بن احمد النسوی (متوفی: 1040ء) بھی ایک ریاضی داں تھے۔ان کی ریاضی پر دو کتابیں المقنع فی الحساب الہندی اور کتاب الاشباع ہیں۔انہوں نے اپنی پہلی کتاب میں ہندی اعداد کے نظام کو استعمال کیا ہے،اور پہلی مرتبہ اس میں اعشاری نظام کو بروئے کار لاکر موجودہ زمانہ کی طرح کسروں کی تقسیم اور جذر و جذر الکعب کے استخراج کو واضح کیا ہے۔عبدالقاہر ابن طاہر البغدادی (متوفی: 1037ء) ایک ایسے عالم ہیں،جنہوں نے علم ریاضی کو بھی اپنا موضوع بنایا۔اس تعلق سے ان کی دو کتابیں ہیں۔ایک کتاب المساح،جس میں پیمائشی اصول،رقبہ اور حجم کی اکائیوں کا ذکر ہے۔دوسری التکمیل فی الحساب جس میں حساب کے مروجہ نظاموں اور قسموں کا بیان ہے۔انہیں ترکے کے مسائل حل کرنے میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔

ابن الہیثم (متوفی:1038ء) دیگر سائنسی علوم کی طرح ریاضی میں بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔انہوں نے اپنی تصنیف مقالہ فی استخراج سمت القبلۃ میں Theorem of Contangent کا قانون وضع کیا۔ابن الہیثم نے ریاضی کے چند ایسے مسائل حل کئے جو عرصہ دراز سے موضوع بحث بنے ہوئے تھے، مثلاً سہ درجی مساوات کا مسئلہ جو الماہانی سے حل نہ ہوسکا تھا،اسے قطع مخروطات کے ذریعے حل کرنے میں کامیاب ہوئے۔آپ نے اپنی مشہور تصنیف کتاب المناظر میں چار درجی مساوات پر منحصر پیچیدہ مسئلہ کو بھی مساوی الجوانب ہذلولی شکل کو دائرے کے ساتھ قطع کرتے ہوئے حل کرلیا ہے۔

گیارہویں صدی کے عظیم مسلم سائنس دانوں میں البیرونی کا نام ہے۔انہوں نے دیگر علوم کے ساتھ ریاضیات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔اس موضوع پر ان کا اہم کام مثلثات (تکونیات) پر ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے حساب،الجبرا اور ہندسہ پر بھی کام کیا ہے۔البیرونی کے بعد اپنے زمانہ کے سب سے بڑے مسلم ریاضی داں عمر خیام (متوفی:1121ء) ہیں۔ریاضی میں عمر خیام کی شہرت الجبرائی تحقیقات ہیں۔اس موضوع پر انہوں نے دو کتابیں تحریر کیں،جن میں رسالہ فی البراہین علی مسائل الجبر والمقابلہ بہت مشہور ہے۔انہوں نے الجبرا میں مکعب مساواتوں پر بحث کی ہے،اور یہ مفروضہ بیان کیا ہے کہ مکعب مساواتوں میں سے جنہیں دو درجی مساواتوں میں تحویل کرنا ممکن نا ہو مخروطی تراشوں کی مدد سے حل کرنا چاہئے۔خیام نے مساواتوں کی درجہ بندی کر کے ان کی تیرہ صورتوں کی نشاندہی کی ہے۔

اس کے علاوہ دیگر قابل ذکر ریاضی دانوں میں شرف الدین طوسی (متوفی:1213ء) کا نام ہے۔انہوں نے الجبرا کے موضوع پر کتاب فی الجبر والمقابلہ لکھی،جس میں سہ درجی مساواتوں کے عددی حلوں پر گفتگو کی۔اسی علاقہ کے نصیر الدین طوسی (متوفی:1274ء) نے بھی ایک کتاب جوامع الحساب بالتخت والتراب تحریر کی۔ابوزکریا محمد الحصار کی تصنیف کتاب الصغیر فی الحساب ہے جس میں انہوں نے کسروں کو افقی خط کے ساتھ لکھا ہے۔نظریہ اعداد کے تعلق سے ابراہیم اندلسی کی کتاب مراسم الانتساب فی علم الحساب اہم تصنیف ہے۔

9.3 فلکیات (Astronomy)

علم فلکیات میں مسلم سائنس دانوں نے بڑی قیمتی خدمات انجام دی ہیں۔ حالانکہ عہد اموی کے اختتام تک عرب اس علم سے بہت زیادہ آشنا نہ تھے۔ البتہ اس دور میں سب سے پہلے خالد بن یزید اموی نے ریاضی اور کیمیا کے ساتھ علم فلکیات کی چند کتابوں کا عربی میں ترجمہ کرایا تھا اور زمین کا ایک کرہ بھی بنوایا تھا۔ عباسی عہد کے خلیفہ ابو جعفر منصور کو اس علم میں دلچسپی تھی۔ جیسا کہ گذشتہ اکائی میں ذکر ہوا 771ء میں منصور کے دربار میں سندھ کے راجہ کا ایک سفیر حاضر ہوا اور اپنے ساتھ سنسکرت زبان میں علم ہیئت کی ایک کتاب مہا سدھانت لایا۔ خلیفہ کے حکم سے محمد بن ابراہیم فزاری نے اس ہندی سفیر اور ایک مسلم سائنس داں یعقوب بن طارق کی مدد سے زیج السند ہند الکبیر کے نام سے اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا، اس طرح عربی زبان میں علم ہیئت کی پہلی کتاب ترجمہ کی گئی۔ فزاری نے اسی زمانہ میں عربی تقویم کے مطابق ایک فلکیاتی جدول زیج علی سن العرب نامی بھی تیار کی تھی۔ یعقوب بن طارق نے علم فلکیات کی دو کتابیں ترکیب الافلاک اور کتاب الھلال تصنیف کیں اور ایک زیج محلول فی السند هند لدرجة درجة تیار کی تھی۔ اس کے بعد عباسی خلفاء کی علم دوستی اور علوم و فنون کے ماہرین کی سرپرستی کی وجہ سے دوسرے علوم کی طرح علم فلکیات کو بھی ترقی ملی اور یہ علم بھی مسلم سائنس دانوں کے یہاں اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ ذیل میں مسلم سائنس دانوں کی انہی خدمات کو پیش کیا گیا ہے۔

ابراہیم بن جندب ایک ماہر علم نجوم و ہیئت تھے اور اجرام فلکی و ستاروں کا گہرا علم رکھتے تھے۔ انہوں نے اصطرلاب اور دیگر آلات متحرکہ ایجاد کئے تھے۔ خلیفہ المنصور کے عہد سے خلیفہ مامون رشید کے عہد تک موسیٰ بن شاکر، نوبخت، فضل بن نوبخت اور ماشاءاللہ وغیرہ علم ہندسہ اور علم ہیئت کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ اس عہد کے پہلے بڑے ہیئت داں یحییٰ بن ابی منصور (متوفی: 829ء) ہیں۔ انہوں نے اپنی نگرانی میں بغداد کی رصدگاہ منصوریہ اور دمشق میں قاسیون نامی مقام پر مامونی رصدگاہ تعمیر کرائی تھی۔ انہوں نے چاند اور سیاروں کی رفتار کے متعلق بھی نئی معلومات فراہم کیں۔ ستاروں کے متعلق سب سے پہلے انہوں نے ہی ایک زیج تیار کی تھی جس کو خلیفہ مامون الرشید کی طرف منسوب کر کے زیج مامونی نام رکھا۔ انہیں فلکیات کا پہلا مصنف مانا جاتا ہے۔ اس موضوع پر ان کی کئی کتابیں ہیں: کتاب الزیج الممتحن، کتاب مقالہ فی عمل ارتفاع سدس ساعة العرض مدینة السلام اور کتاب ارصاد لہ وغیرہ۔

اس زمانہ میں چار سائنس دانوں کو فلکیاتی سائنس کا عناصر اربعہ کہا جاتا تھا۔ یہ چار نام ہیں: عباس بن سعید جوہری، حکیم یحییٰ بن منصور، خالد بن عبدالملک مروزی اور ابوالطیب سند بن علی۔ مامون نے عباس بن سعید سے بغداد میں شماسہ اور دمشق میں قاسیون کے مقام پر رصدگاہیں تعمیر کرائیں اور ان میں آلات رصدیہ کی تنصیب اور دیکھ بھال بھی انہیں کی ذمہ داری تھی۔ انہوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کو ایک زیج میں مرتب کیا تھا۔ ابوالطیب سند بن علی آلات رصد بنانے کے ماہر اور معمار تھے۔ قاسیون کی رصدگاہ کے مہتمم خالد بن ولید مروزی اجرام فلکی کے ماہر تھے۔ انہوں نے سورج سے متعلق کئی نئی تحقیقات پیش کیں اور زیج مامونی کی ترتیب میں حکیم یحییٰ بن منصور کا تعاون کیا۔

علم فلکیات میں ایک عظیم سائنس داں ابو عباس احمد محمد فرغانی ہیں، جو علم ہیئت اور جغرافیہ دونوں کے ماہر تھے۔ آپ مشہور ایجاد دھوپ گھڑی (Sundial) کے موجد ہیں۔ گھڑی میں پنڈولم کا استعمال سب سے پہلے مسلمانوں نے کیا تھا۔ انہوں نے طغیانی ناپنے کا آلہ بھی ایجاد کیا تھا، جس سے دریا کے پانی کا صحیح اندازہ اور سیلاب کے بارے میں پہلے سے معلوم ہو جاتا تھا۔ مامون کے حکم پر انہوں نے زمین کی پیائش کی تھی جو آج کی تحقیق کے مطابق کافی حد تک درست ہے۔ علم فلکیات پر فرغانی کی مشہور کتاب جوامع علم النجوم کا کئی یوروپی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، اور ان کی دوسری تصنیف المدخل الی علم ھیئة الافلاک صدیوں تک یورپ میں مستند ماخذ تسلیم کی جاتی رہی۔

علی بن عیسیٰ الاصطرلابی علم فلکیات میں ایک معروف نام ہے۔انہیں اصطرلاب ایجاد کرنے میں مہارت حاصل تھی۔انہوں نے چاند، ستاروں اورسورج کے درمیان مسافت کی پیائش کا طریقہ ایجاد کیا تھا۔اجرام فلکی کی تحقیق کے لیے انہوں نے ایک آلہ سدس(Sixtant) تیار کیا تھا، جس سے کم سے کم فاصلہ کو ناپا جاسکتا تھا۔جابر بن سنان حرانی (متوفی:904ء) مشہور ہیئت داں تھے۔انہوں نے کئی آلات رصد ایجاد کئے اس میں ایک خاص آلہ کروی اصطرلاب(Spherical Astrolabe) بھی ہے جس کے ذریعے زمین سے اجرام فلکی کے فاصلہ کی پیائش کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اور بھی بعض آلات متحرکہ ایجاد کئے تھے۔

محمد بن جابر البتانی (متوفی: 917ء) علم ہندسہ وفلکیات کی ایک اہم شخصیت ہیں۔انہوں نے زمین کی گردش اور سورج کی رفتار سے متعلق اپنی تحقیقات کتاب زیج البتانی میں لکھی ہیں۔اس میں انہوں نے سورج کی گذرگاہ کا جھکاؤ یعنی (Trepidation of equinoxes) کو غلط ثابت کیا تھا۔انہوں نے یہ بھی بتایا کہ زمین سورج کے گرد جس مدار میں گھومتی ہے وہ دائرہ کی طرح گول نہیں بلکہ بیضوی ہے۔انہوں نے علم فلکیات سے متعلق کئی نقشے تیار کر کے ان کے متعلق (Astronomical Tables) بنائے ،اور دائرۃ البروج (Inclination of Ecliptic) کی صحیح پیائش بھی کی تھی۔محمد بن جابر البتانی نے ایک رصد گاہ تعمیر کی تھی،اور رصد کا ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا جس سے زاویوں کی پیائش منٹوں تک کی جاسکی تھی اس سے سیاروں کے آپسی فاصلہ کا درست طریقہ معلوم کیا تھا۔انہوں نے نیا چاند دیکھنے اور چاند گرہن کی مقدار معلوم کرنے کے طریقے بھی بتائے، نیز سیاروں کی حرکت کے حالات درج کئے۔ان کے شاگرد ابومحمد العدلی القاینی (متوفی:987ء) بھی علم فلکیات کے ماہر تھے۔انہوں نے رصدگاہ کی تعمیر کے وقت کئی آلات ایجاد کئے اور ان کو اس میں نصب کیا۔زیج ارجانی کی مدد سے انہوں نے جابر البتانی کی زیج کی اصلاح بھی کی اور خود بھی زیج عدلی کے نام سے ایک زیج لکھی۔

ابن یونس صوفی (متوفی:1004ء) علم فلکیات کی ایک نہایت اہم شخصیت ہیں۔انہوں نے ایسی تحقیقات اور تجربات پیش کئے ہیں، جو آج بھی درست مانے جاتے ہیں۔ان تحقیقات میں دائرہ البروج کے انحراف (Inclination of the Eciplic) کی صحیح تعیین اور اوج شمس (Sun's Apogee) کا فلکی طول دریافت کیا جو آج کی جدید تحقیق کے مطابق ہے۔اسی طرح سے ان کے مطابق اعتدالین کے استقبال یعنی (Percession of Equinoxes) کی قدر سکنڈ سالانہ ہے، جو کافی حد تک درست ہے۔ان کی کتاب صورالکواکب الثابتۃ ایک شاہکار ہے۔ جس میں 48 جھرمٹوں کے علاوہ دیگر اہم سیاروں کا ذکر ہے۔یہ کتاب تصویروں کے ساتھ ہے جس میں انسانوں اور حیوانوں کی شکلوں میں آسمانی برج دکھائے گئے ہیں۔اور کتاب میں چمک کے لحاظ سے سیاروں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔

ابوالوفا جوز جانی (متوفی:998ء) بھی ایک قابل ہیئت داں اور ماہر ریاضی تھے۔انہوں نے پہلی مرتبہ بتایا کہ سورج میں کشش ہے اور چاند بھی گردش کررہا ہے،اوراس پر سورج کے اثرات ہوتے ہیں۔ان کا نظریہ اختلال قمر ایک اہم تحقیق ہے۔انہوں نے زاویوں کے جیب(Sine) کا اصول معلوم کیا اور بتایا کہ ایک درجہ سے لیکر نوے درجہ تک کے سارے زاویوں کے جیوب کی صحیح تعیین آٹھ درجہ اعشاری تک ہے۔علم فلکیات کے موضوع پر ان کی تصانیف کتاب المنازل اور کتاب الزیج سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

اسپین کے سائنس دانوں میں ابواسحاق ابراہیم ابن یحییٰ الزرقانی نامور ہیئت داں تھے۔ان کی تصنیف الزیج الطلیطلی یوروپ میں جداول طلیطہ (Toledian Tables) کے نام سے مشہور ہے۔الزرقانی نے آلہ صفیحۂ زرقالیہ کے نام سے علم ہیئت کا ایک اہم فلکیاتی آلہ ایجاد کیا تھا۔اس آلہ کی مدد سے انہوں نے جو مشاہدات کئے تھے ان کے نتیجے جدید دور کی مقداروں کے بالکل مطابق ہیں۔انہوں نے برج اسد کے سب سے چمک

دارستارے قلب الاسد (Regulus) کا طول البلد پتا کیا اور ستاروں کا تکبد (Culmination) بھی معلوم کیا۔ الزرقانی کی اہم دریافت یہ نظریہ ہے کہ ستاروں کے مقابلہ میں اوج شمس کی حرکت ثابت کی اور اس حرکت سے پیدا ہونے والی تبدیلی کی پیمائش بھی بتائی۔ انہوں نے مدار کو بیضاوی بتایا تھا، جو جدید تحقیقات کے مطابق درست ہے۔

ان ماہرین علم فلکیات کے علاوہ محمد بن احمد خوارزمی (متوفی: 972ء)، ابن الاعلم العلوی (متوفی: 989ء)، احمد بن محمد سجستانی (متوفی: 1042ء)، بوعلی سینا (متوفی: 1037ء)، البیرونی (متوفی: 1049ء)، علی نسوی (متوفی: 1048ء)، اور عمر خیام (متوفی: 1131ء) وغیرہ اسلامی تاریخ میں علم ہیئت ونجوم کے عظیم سائنس داں ہوئے ہیں۔ ان میں شیخ ابن سینا نے مقالہ فی الاجرام السماویہ اور مقالہ فی آلالۃ الرصدیہ تصنیف کئے۔ البیرونی نے اپنی کتاب التفہیم میں مثلث اور عرض البلد وطول البلد کے ضمن میں علاقوں کی مسافت کا طریقہ بیان کیا ہے۔ عمر خیام نے شمسی اور قمری سال کی بہت باریک بینی سے پیمائش کی اور ان میں توافق پیدا کرنے کے لیے لیپ کا سال (Leap Year) کا جدید طریقہ ایجاد کیا۔ مسلمان سائنس دانوں نے شمسی سال کا ایک ایسا کلینڈر تیار کیا تھا جو موجودہ رائج گریگورین کلنڈر سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

فلکیات اور اجرام سماوی کے مشاہدے کے لیے آلات کی مدد سے اسلامی دنیا میں ترصید کا عمل ایران سے شروع ہوا اور عباسی، فاطمی اور سلجوقی عہد میں بغداد، دمشق، قاہرہ، رے، سمرقند اور اسپین وغیرہ میں رصدگاہیں قائم ہوئیں جن میں عظیم ماہرین فلکیات نے بڑی اہم تحقیقات انجام دیں۔ ان رصدگاہوں میں سائنس دانوں نے فلکیاتی جدولیں مرتب کیں، جنہیں زیج کہا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے آلات سازی، آلات کی تنصیب اور ان کے استعمال کے طریقے ایجاد کر کے علم فلکیات کو سائنسی بنیادیں فراہم کیں۔ افلاک اور اجرام ساوی کو سمجھانے کے لیے آسمانی گلوب ایجاد کئے، جن میں ستاروں کے جھرمٹ متناسب حجم کے ساتھ دکھائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اجرام سماوی کی حرکات کا مشاہدہ کرنے والے بعض آلات ایسے بنائے تھے جو حلقوں پر مشتمل تھے۔ سورج اور چاند گرہن کا مشاہدہ کرنے کے لیے جس آلہ کا استعمال کیا جاتا تھا اس میں پانچ حلقے تھے، ان میں سب سے بڑا حلقہ بارہ فٹ وسیع تھا جس میں درجے اور منٹ تک موجود تھے۔ فلکیات میں مسلمانوں کی ایک قابل قدر دریافت دائرۃ البروج کے انحراف کی صحیح مقدار کی تعیین ہے۔ اس تعلق سے زرقانی، البتانی، البیرونی اور ابن یونس نے جو قیمتیں بتائیں وہ صحیح ہیں۔ سیاروں کی سالانہ حرکات کا مطالعہ بھی مسلمانوں نے کیا اور اپنی زیج میں پانچ روشن سیاروں کی سالانہ حرکات کی مقداریں درج کی ہیں جو جدید تحقیقات سے مطابقت رکھتی ہیں۔

9.4 طبیعیات (Physics)

مسلم سائنس دانوں نے طبیعیات کو العلم الطبعی کا نام دیا ہے۔ فارابی نے اپنی کتاب احصاء العلوم میں اسے یونانی لفظ سے اخذ کر کے الفیز یقیا کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس وقت اسے فزکس کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس علم میں بھی مسلمانوں نے خاصے اہم کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ابو یوسف یعقوب الکندی (متوفی: 871ء) پہلے ماہر طبیعیات ہیں، جنہوں نے نظری طبیعیات پر چوالیس کے قریب کتابوں اور رسالوں میں فزکس کی مختلف شاخوں اور موضوعات پر گفتگو کی ہے۔ انہوں نے موجوں کا مطالعہ کر کے گرتے ہوئے اجسام کی رفتار متعین کرنے والے قوانین اور اصولوں کو معلوم کیا اور روشنی کی رفتار پر اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ کندی نے موسیقی میں سروں اور لہروں پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے سروں کی تکرار معلوم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اور اس طریقے سے اس کا درجہ متعین کیا ہے۔ بصریات (Optics) کے موضوع پر بھی کندی کی اہم تصنیف علم البصر ہے۔ انہوں نے ہندسی (Geometrical) اور عضویاتی (Physiological) بصریات پر اہم تحقیقات پیش کی ہیں۔ وہ علم بصریات کے موجد مانے جاتے ہیں۔

علم طبیعیات کے ماہرین میں ابوبکر رازی کا بھی شمار ہوتا ہے۔ گرچہ وہ بحیثیت طبیب زیادہ مشہور ہیں، لیکن فزکس کے موضوعات مادہ، حرکت، مکان، زمان، مناظر اور بصریات پر بھی کافی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انہوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ مادہ جوہروں سے مل کر بنتا ہے اور یہ جوہر مل کر عناصر کی تشکیل کرتے ہیں۔ رازی نے مختلف چیزوں کی باہمی کشش اور زمین کی کشش ثقل پر تحقیقات کیں اور اپنی کتاب سبب وقوف الارض فی السماء میں یہ نظریہ پیش کیا کہ زمین اپنی باہمی کشش ثقل کے سبب فضا میں معلق ہے۔ کشش ثقل کے موضوع میں جن دوسرے سائنس دانوں نے دلچسپی کا مظاہرہ کیا، ان میں ابن سینا، ابوالبرکات بغدادی اور ابن مسکویہ شامل ہیں۔

ابونصر فارابی مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب احصاء العلوم میں علم کو پانچ فصلوں اور ہر فصل کے تحت الگ الگ شاخوں میں تقسیم کیا ہے۔ علم البصریات کا تعلق اس تقسیم میں علم ریاضیات سے جوڑا ہے اور علم طبیعیات کی آٹھ شاخوں کی نشاندہی کی ہے۔ رسائل اخوان الصفاء میں سے سترہ رسائل میں مادہ، مدوجزر، مناظر اور عناصر وغیرہ طبیعیات کے موضوع پر بحث کی گئی ہے۔ ان میں مادہ کی ماہیئت، مدوجزر کے بننے، عناصر کی تشکیل، زلزلوں کے آنے، سورج و چاند کے گرہنوں اور صوتی لہروں جیسے متعدد قدرتی مظاہر کے سائنسی اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

مشہور فلسفی اور طبیب ابن سینا بعض اہل علم کے نزدیک طب وفلسفہ سے زیادہ ماہر طبیعیات تھے۔ انہوں نے حرکت، قوت، خلا، نور، حرارت اور وزن وغیرہ علم طبیعیات کے تمام موضوعات پر بنیادی تحقیقات پیش کی ہیں۔ البیرونی ماہر طبیعیات بھی تھے۔ ان کی ہی یہ تحقیق ہے کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ پانی کے دباؤ اور سطح آب کے ہموار ہونے کے سلسلے میں انہوں نے سائنسی توجیہات بیان کی ہیں۔ ھبۃ اللہ بن علی یعنی ابوالبرکات بغدادی (متوفی: 1152ء) نے اپنی تصنیف کتاب المعتبر میں قیاس وتخمین کے مقابلے میں تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر فزکس کے مختلف مسائل پر تحقیق کی ہے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ متحرک اشیاء کی حرکت پر ایسا قانون پیش کیا جو حرکات (Dynamics) کا بنیادی اصول قرار پایا۔ اس موضوع پر ابوبکر رازی، بیرونی، ابوالبرکات، یعقوب کندی اور ابن باجہ نے بڑی شاندار بحثیں کی ہیں۔ ابومعشر بلخی اور ابن مسکویہ نے مدوجزر کا مطالعہ کر کے بتایا کہ سمندر کی یہ تبدیلیاں چاند کی کشش کے سبب ہوتی ہیں، اور انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ تمام سیارے دراصل سورج کی کشش کے سبب اس کے گرد گھومتے ہیں۔

ابوعلی الحسن بن الحسین بن الھیثم البصری المعروف بہ ابن الہیثم (متوفی: 1039ء) ایک عظیم سائنس داں تھے۔ طبیعیات کے موضوع پر انہوں نے چوالیس کتابیں تحریر کی ہیں، جن میں کتاب المناظر کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ انہوں نے شفق، رنگ، نور، آئینہ، بصریات اور چاند و سورج پر گراں قدر تحقیقات پیش کی ہیں۔ بصارت کے سلسلہ میں ان کا نظریہ ہے کہ جب کسی چیز پر روشنی پڑتی ہے تو اس کی شعاعیں آنکھوں کی طرف واپس آتی ہیں جس سے انسان اس چیز کو دیکھتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یونانی حکماء کا خیال تھا کہ خود آنکھ سے شعاعیں نکل کر چیزوں پر پڑتی ہیں۔ ابن الہیثم نے یہ نظریہ پیش کیا کہ سورج اور چاند طلوع سے پہلے اور غروب کے بعد دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ فضا کی لطافت یا کثافت کی وجہ سے چیزوں کے وزن میں کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے۔ ابن الہیثم پہلے سائنس داں ہیں جنہوں نے کیمرہ مظلمہ (Camera Obscura) کا طریقہ ایجاد کر کے اس کا استعمال کیا اور اس پر ایک تحریر مقالہ فی صورۃ الکسوف لکھی۔ انہوں نے سوراخ دار یا چھید کیمرہ (Pinhole) کا اصول بھی دریافت کیا جس کا نام انہوں نے ثقبالہ رکھا تھا۔

روشنی ابن الہیثم کی تحقیقات کا خاص موضوع رہا ہے، اور اس کے متعلق انہوں نے کئی ایسے قوانین دریافت کئے جو آج بھی مسلّم ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب المرایا المحرقہ میں آئینوں اور روشنی کے متعلق کئی اہم تحقیقات کا انکشاف کیا۔ انہوں نے روشنی کو توانائی کی ایک قسم بتایا ہے جس طرح حرارت

کی توانائی ہوتی ہے۔ نیز بتایا کہ شعاع روشنی کا ایک ایسا راستہ ہے جو خط مستقیم پر چلتی ہے، کیونکہ یہی اس کی خاصیت ہے۔ اس میں اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں روشنی کے انعطاف (Refraction of Light) پر بھی تفصیلی بحث کی ہے۔ گویا ابن الہیثم اپنے عہد کے عظیم سائنس داں تھے، جس کا اعتراف جدید وقدیم دور کے تمام مستند علمی آ خذوں میں بھی کیا گیا ہے۔ انہیں فادر آف فزکس کا لقب دیا گیا ہے۔

علم بصریات میں اندلس کے مشہور سائنس داں ابوعبداللہ محمد بن معاذ الجیانی (متوفی: 1079ء) کی تحقیقات بھی اہم ہیں۔ انہوں نے صبح کاذب کی ابتداء اور شام کے دھند لکے کے وقت آفتاب کا زاویہ انحطاط 18 ڈگری دریافت کیا ہے جو بڑی حد تک درست مانا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر انہوں نے فضا میں اس نمی کی اونچائی کو جاننے کی کوشش کی جو دھندلکوں کے مظاہر کا سبب ہوتی ہے۔ طبعیات میں اندلس کے ایک دوسرے مسلم سائنس داں ابن رشد اندلسی کی تحقیقات بھی قابل قدر ہیں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ انکشاف کیا کہ آنکھوں میں دیکھنے کا عمل صرف پتلی کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ آنکھ کے اندر پردۂ شبکیہ (Retina) پر اس کا اثر پڑتا ہے جس سے آنکھیں دیکھتی ہیں۔

بصریات کے موضوع پر نصیرالدین طوسی (متوفی: 1274ء) نے دو کتابیں تحریر المناظر اور مباحث فی انعکاس الشعاعات والانعطافات کے نام سے تحریر کیں۔ اس میں انہوں نے ابن الہیثم کے اس نظریہ کی تائید کی کہ دیکھی جانے والی چیز سے روشنی کی کرنیں آنکھ کی طرف آتی ہیں جس کی وجہ سے وہ چیز نظر آتی ہے۔ نصیرالدین طوسی کے مشہور شاگرد قطب الدین شیرازی نے بھی اپنی تصنیف نہایۃ الادراک فی درایۃ الافلاک میں بصریات پر کئی فصلوں میں گفتگو کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں رویت کی خاصیت اور قوس وقزح کے رنگوں کی تشکیل کا سبب بیان کیا ہے، جو آج بھی سائنس دانوں کی رائے ہے۔ اسی طرح سے قطب الدین شیرازی کے نامور شاگرد کمال الدین فارسی نے بھی ایک کتاب تنقیح المناظر تصنیف کی۔ انہوں نے بارش کے قطروں میں سورج کی روشنی کے انعطاف کا جائزہ لینے کے لیے شیشے کے کرے کے اندر کرنوں کے راستے کا مشاہدہ کیا جس کی مدد سے انہوں نے پہلی اور دوسری قوس کے پیدا ہونے کی وضاحت پیش کی۔ قوس وقزح کی یہ سائنسی توضیح ہی ان کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

9.5 کیمیا (Chemistry)

عربوں نے جن سائنسی علوم میں اہم خدمات انجام دیں ان میں علم کیمیا بھی ہے۔ ابتداء میں مسلمانوں نے اس میں یونانیوں سے استفادہ کیا، لیکن بعد میں اپنے تجربات ومشاہدات سے اسے پختہ بنیادوں پر استوار کیا۔ مسلمانوں میں اس علم کا آغاز اموی شہزادہ خالد بن یزید (متوفی: 704ء) سے ہوا۔ اس نے مصر کے یونانی علماء سے جن یونانی کتابوں کے ترجمے کرائے تھے ان میں علم کیمیا کی کتابیں بھی تھیں۔ اسے اس علم میں اس قدر دلچسپی تھی کہ اس نے علم کیمیا سیکھنے کے لیے ایک راہب کی شاگردی بھی اختیار کی تھی۔ تعارف کتب پر اپنی مشہور کتاب میں ابن ندیم نے علم کیمیا کے موضوع پر خالد بن یزید کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ابتدائی کیمیا دانوں میں امام جعفر صادق کا بھی نام آتا ہے، لیکن ان دونوں کی کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے سب سے مشہور کیمیا داں خالد بن یزید اور امام جعفر صادق کے شاگرد جابر بن حیان ہیں، جنہیں کیمسٹری کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ انہوں نے علم کیمیا کو باقاعدہ سائنس کی شکل دی اور اپنے تجربات پر مبنی ایک سو کے قریب کتابیں تصنیف کیں جن میں کتاب الرحمۃ، کتاب الجمیع، الذیباق الشرقی اور کتاب السبعین وغیرہ اہم ہیں۔ انہوں نے نظری علم کے ساتھ تجربات پر زور دیا جو جدید کیمسٹری کی بنیاد بنے۔ جابر بن حیان نے ایسا کاغذ ایجاد کیا تھا جسے آگ نہیں جلا سکتی تھی اور لوہے کی زنگ سے ایسی روشنائی تیار کی تھی جس سے لکھی گئی تحریروں کو رات کی تاریکی میں بھی پڑھا جا سکتا تھا۔ وہ مختلف دھاتوں کے خواص سے بھی واقف تھے۔ ایسے وارنش تیار کئے تھے جس سے کپڑا بھیگنے سے، لوہا زنگ لگنے سے اور لکڑی جلنے سے محفوظ رہے۔ انہوں نے پارہ، دھاتوں کے پگھلانے، بھاپ کے ذریعے چیزوں کو غائب کرنے اور تیزابوں کے بنانے کا طریقہ ایجاد

کیا اور ماءالملوک نام سے ایسا طاقتور تیزاب دریافت کیا جو سونے کو بھی پگھلا دیتا ہے۔ ان کی دریافت میں ایک ایسا پتھر بھی ہے جس سے زخموں کو خشک کیا جاتا تھا۔ انہوں نے سلفائڈ سے سفیدہ، سنکھیا اور کحل بنانے کے طریقے بتائے۔ تقطیر، تصعید، تبخیر وغیرہ کے طریقے، تکلیس، تحلیل اور نوشادر یا ایمونیم کلورائڈ اور تینوں تیزاب پھٹکری، پرکیسس اور شورے بھی انہی کی دریافت ہیں۔

جابر بن حیان کے بعد اسلامی دنیا کے مشہور کیمیا داں اور ان کی اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

ابو یوسف یعقوب الکندی: کتاب ابطال دعوی المدعین صناعۃ الذہب والفضہ من غیر معادنھا۔

ابوبکر محمد بن زکریا رازی: سرالاسرار، ابومحمد الحسن بن احمد بن یعقوب ہمدانی، جوہرتین العتیقتین۔

محمد بن محمد طرخان فارابی: مقالہ وجوب صناعۃ الکیمیا، مسلمہ بن احمد المجریطی، رتبۃ الحکیم ورغایۃ الحکیم،

محمد بن ملک صالحی خوارزمی: عین الصنعہ وعون الصناع

موید الدین حسین بن علی طغرائی: حقائق الاستشہاد و جامع الاسرار وتراکیب، اور

ابوالحسن موسی بن ارفع الانصاری: شذور الذھب وغیرہ

کیمیادانوں میں زمانہ قدیم سے یہ نظریہ عام رہا ہے کہ ایک خاص عمل سے کم قیمت دھاتوں کو قیمتی دھات بالخصوص سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ابتداء میں عرب کیمیاداں بھی اس کے قائل تھے، لیکن بعد میں یہ خیال بدل گیا۔ لیکن اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دھاتوں کے خواص اور ان کے اوصاف کی وضاحت کے نتیجہ میں خالص عملی انداز کے تجربات شروع ہوئے۔ مسلم کیمیاداں اس سلسلہ میں دو مختلف الخیال نظریات کے حامل تھے۔ ایک گروہ کا خیال یہ تھا کہ معمولی دھاتوں کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ تمام دھاتیں ایک ہی نوع سے تعلق رکھتی ہیں۔ دھات کی ماہیئت بدلی جا سکتی ہے۔ اس خیال کے ماننے والوں میں اہم سائنس داں تھے: ابوبکر رازی اور ابونصر فارابی جن کی اس موضوع پر اہم کتاب مقالہ وجوب صناعۃ الکیمیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مؤیدین کے نام اور ان کتابیں یہ ہیں: محمد بن ملک صالحی خوارزمی، کتاب عین الصنعۃ وعون الصناع، مؤید الدین طغرائی، حقائق الاستشہاد وغیرہ۔

دوسرے گروہ کا کہنا تھا کہ معمولی دھاتوں کو سونے میں تبدیل کرنا ناممکن اور محال ہے۔ قلب ماہیئت کا امکان کے انکار کرنے والوں میں اہم نام ہے: ابو یوسف یعقوب الکندی جنہوں نے اپنی کتاب ابطال دعوی المدعین صناعۃ الذھب والفضۃ من غیر معادنھا میں سختی سے نکیر کی ہے۔ اس خیال کے مؤید تھے ابوحیان توحیدی اور ابن سینا جیسے مشہور حکیم اور سائنس داں۔ ان دونوں نے یہ خیال پیش کیا کہ کسی دھات کی اصلیت کسی کیمیائی عمل سے تبدیل نہیں کی جا سکتی۔ اس سے صرف دھات کی ظاہری صورت تبدیل ہو سکتی ہے اور رنگ وشکل بدلا جا سکتا ہے۔ کیمیاگری کے مخالفین میں علمائے اسلام میں سے مشہور نام ہیں: امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، الجوزیہ اور ابن خلدون وغیرہ۔ بہرحال ان مباحثوں اور تجربات نے علم کیمیا کو ایک مستقل فن بنا دیا اور ایسی قابل قدر ایجادات ہوئیں جو بعد میں طب اور دوسرے شعبوں میں بڑی کارآمد ثابت ہوئیں۔

جابر بن حیان کی دریافت کے علاوہ یعقوب الکندی نے اپنی تصنیفات میں فولاد سازی، عطر اور رنگ بنانے کی قیمتی معلومات فراہم کیں جس سے شیشہ سازی، روغن سازی، عطر اور روشنائی بنانے کی مختلف قسم کی صنعتوں کو ترقی ہوئی۔ ابوبکر رازی نے کیمیائی عملوں کے لیے آلات کی تشریح کی اور کیمیائی مادوں کو جمادات، نباتات اور حیوانات میں تقسیم کر کے علم کیمیا کے موضوع کو وسعت دی۔ دوا سازی پر تجربات کر کے کیمیادانوں نے متعدد طبی کیمیاوی مرکبات بنانے کا طریقہ ایجاد کیا جس سے علم طب کو فروغ ملا۔ اس طرح عہد عباسی کے مسلم کیمیادانوں نے نظری علم، تجرباتی تحقیق اور کیمیاوی تجربات کے ذریعے جدید علم کیمیا کی بنیاد رکھی۔

9.6 معدنیات (Mineralogy)

عرب مسلم سائنس دانوں کو علم معدنیات میں بھی کافی دلچسپی تھی۔عربوں کے یہاں یہ فن حجریات کہلاتا تھا۔اس علم کا آغاز مسلمانوں میں ارسطو کی تصنیف معدنیات سے ہوا، جب اس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا، پھر آٹھویں صدی سے مسلمانوں میں معدنیات یا حجریات میں دلچسپی اور شوق پیدا ہوا۔مسلم سائنس دانوں نے قیمتی پتھروں کے خواص، کیفیات، طبی اوصاف اور معدنیات کے دوسرے موضوعات پر پچاس سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔سب سے پہلے مشہور کیمیا داں جابر بن حیان (متوفی:813ء) نے اس موضوع پر تین کتابیں کیمان المعادن، کتاب جواہر الکبیر اور رسائل فی الحجر تصنیف کیں۔جس میں انہوں نے مختلف قسم کے پتھروں اور دھاتوں کے متعلق اہم معلومات قلمبند کیں۔اس کے بعد مشہور حساب داں عطارد بن محمد الحاسب (متوفی:832ء) نے اپنے تجربات و مشاہدات کو الجواہر والاحجار میں لکھے۔ابوطیب سند بن علی (متوفی:838ء) نے اصلی اور نقلی دھاتوں میں تمیز کرنے کے لیے (Specific Gravity) کا طریقہ ایجاد کیا۔ابو یوسف یعقوب الکندی (متوفی:868ء) نے معدنیات پر کئی رسالے لکھے، مثلاً رسالہ فی انواع الجواہر الثمینہ اور رسالہ فی انواع الحجارۃ والجواہر۔ان رسالوں میں فولاد، اسلحہ سازی اور معدنیات کے موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ابوبکر رازی (متوفی:923ء) نے بھی اپنی تصنیف کتاب الاسرار میں معدنیات کی مختلف قسموں کی تفصیل بیان کی ہے۔

معدنیات پر تصنیف کی گئی کتابوں میں پتھروں کے اوصاف، اصلی و نقلی دھاتوں کے فرق اور ان کی خصوصیات کے ساتھ کان کنی اور علم ارضیات کے متعلق بھی قیمتی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔شیخ الرئیس بوعلی سینا (متوفی:1037ء) نے معدنیات پر اپنی تصنیف الاحجار میں پہاڑوں کی بناوٹ اور علم ارضیات کے دوسرے مباحث مثلاً زلزلوں کا آنا، ہواؤں کے اثرات اور دیگر جغرافیائی تفصیلات بیان کی ہیں۔اسی طرح سے رسائل اخوان الصفا میں معدنیات کے ساتھ گرمی، سردی اور ارضیاتی عوامل پر بحث کی گئی ہے۔اس علم میں سب سے اہم کام البیرونی کا ہے۔انہوں نے الجماھر فی معرفۃ الجواہر میں اٹھارہ سے زائد پتھروں اور دھاتوں کی کافی حد تک صحیح قدر ثقالت کا تعین کیا ہے۔اس کے علاوہ معدنیات پر شرف الدین ابوبکر احمد بن یوسف (متوفی:1252ء) کی کتاب الازھار الافکار فی جواہر الاحجار اور نصیر الدین طوسی (متوفی:1274ء) کی کتاب تنکسوخ نامہ اہمیت کی حامل ہے۔

معدنیات کے میدان میں مسلم سائنس دانوں نے صرف جواہرات کی صفات و تاثیر اور خواص ہی بیان نہیں کئے ہیں، بلکہ دواؤں میں اس کی اہمیت و افادیت پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ابومنصور موفق بن علی ھروی (متوفی:951ء) نے اپنی کتاب الابنیہ عن حقائق الادویۃ میں معدنیات سے تیار ہونے والی پچھتر سے زائد دواؤں کا تذکرہ کیا ہے۔معدنیات کے اوزان مخصوصہ کی دریافت بھی مسلم سائنس دانوں کا اہم کارنامہ ہے۔اس تعلق سے سب سے پہلا کام ابوالطیب سند بن علی کا ہے۔

9.7 نباتیات (Botany)

علم نباتیات مسلم سائنس دانوں کی توجہ کا خاص موضوع رہا ہے، کیونکہ زیادہ تر ادویہ نباتات ہی سے تیار کی جاتی تھیں۔اس لیے مسلمانوں نے نباتات کی طبی افادیت کی وجہ سے اس کا نام الادویۃ المفردۃ رکھا ہے۔اس علم میں آٹھویں صدی سے تحقیقات، تجربات اور تصنیفات کا آغاز ہوا، اور مسلمان اطباء اور سائنس دانوں نے اس میں گراں قدر کام انجام دیا۔سب سے پہلے جابر بن حیان نے نباتات پر کتاب الحدود، عبدالملک اصمعی (متوفی:828ء) نے کتاب النبات والاشجار اور جاحظ بصری (متوفی:895ء) نے کتاب الزرع والنخل تصنیف کیں۔ان کتابوں میں پودوں، درختوں اور نباتات سے متعلق بحث کی گئی ہے۔اسی عہد میں ابوحنیفہ الدینوری (متوفی:898ء) نے بھی کتاب النباتات لکھی تھی اور رسائل اخوان الصفا میں بھی نباتات کے موضوع پر تذکرہ ملتا ہے۔

مشہور محقق ابو منصور موفق بن علی ھروی کی تصنیف الانبیہ عن حقائق الادویۃ نباتات کی بہت اہم کتاب ہے، جس میں پانچ سو چوراسی (584) دواؤں کا ذکر ہے۔علی بن علی (متوفی:1049ء) امراض چشم کے ماہر تھے۔انہوں نے اپنی کتاب تذکرۃ الکحالین میں آنکھ کے علاج میں کام آنے والی ایک سو تینتالیس (143) جڑی بوٹیوں اور پودوں کے متعلق تفصیلات بیان کی ہے۔مشہور قانون داں اور طبیب شیخ بوعلی سینا نے اپنی کتاب القانون فی الطب میں آٹھ سو دواؤں کے تعلق سے معلومات درج کی ہیں، جو زیادہ تر نباتات سے متعلق ہیں۔اسی طرح البیرونی نے بھی بوعلی سینا کی طرح حروف تہجی کے اعتبار سے اپنی تصنیف کتاب الصید لہ فی الطب میں الگ الگ مقالات کے تحت سات سو سے زائد مفرد دواؤں کی تفصیلات قلمبند کی ہیں۔اس کے علاوہ ادویات مفردہ پر ابن الندیم، ابن ابی اصیبعہ اور القطفی کی کتابیں بھی بڑی اہم ہیں۔

اسلامی دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی نباتیات پر خاص کر ادویات مفردہ کے تعلق سے مسلمانوں نے بہت کام کیا۔اسپین کے مشہور طبیب ابن جلجل (متوفی:994ء) نے یونانی ماہر نباتیات دیسقوریدوس کی کتاب کی اصلاح کی اور عربی زبان میں اس کی شرح بھی لکھی۔انہوں نے اپنی کتاب مقالۃ فی ذکر الادویۃ المفردۃ لم یذکرھا دیسقوریدوس میں ان جڑی بوٹیوں اور نباتیاتی دواؤں کا تذکرہ کیا ہے، جو دیسقوریدوس کی کتاب میں نہیں تھیں۔ابن جلجل کے علاوہ اسپین کے دوسرے طبیبوں نے الادویۃ المفردۃ کے حوالے سے کئی اہم کتابیں لکھیں، مثلاً عریب بن سعد القرطبی اور ابوالصلت، ابوعبید البکری، محمد بن ابراہیم البصال، محمد بن مالک الطغتری، الحاج الغرناطی اور علی ابن اللونقہ وغیرہ۔

علم نباتیات میں کتاب الادویۃ المفردۃ کے مصنف ابوجعفر محمد الغافطی کا نام بڑا اہم ہے۔انہوں نے اسپین اور افریقہ کے پودوں کی کافی معلومات اپنی کتاب میں جمع کی ہیں۔العباس (متوفی:1239ء) نے بحر اٹلانٹک سے بحر قلزم تک پودوں اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں سفر کیا اور اس سفر کے نتائج کو اپنی کتاب الرحلۃ النباتیۃ میں درج کیا ہے۔رشید الدین الصوری (متوفی:1241ء) کا نباتیات کی تحقیق کے سلسلے میں ایک منفرد طریقہ یہ تھا کہ وہ جڑی بوٹیوں کی تلاش کے وقت ہمیشہ ایک مصور اپنے ساتھ رکھتے، انہوں نے جڑی بوٹیوں، پودوں، ان کی شاخوں اور پتوں کے متعلق اپنے مشاہدات وتجربات کے ساتھ ان کی تصویریں بھی بناتے اور ان میں رنگ بھرتے جسے اپنی تصنیف کتاب الادویۃ المفردۃ میں شامل کیا ہے۔

مسلم سائنس دانوں میں علم نباتیات میں سب سے زیادہ شہرت ابومحمد عبداللہ بن احمد ابن البیطار (متوفی: 1248ء) کو حاصل ہے۔انہوں نے مغرب سے لے کر مشرق تک بہت سے علاقوں کا سفر کیا اور اپنے تجربات پر مبنی کئی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ان میں المغنی فی الادویۃ المفردۃ اور الجامع المفردات الادویۃ والاغذیۃ کافی مشہور ہیں۔ان کی اس دوسری کتاب میں تقریباً چودہ سو دواؤں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، اور ایک سو پچاس سے زائد مصنفین کے اقوال اس سلسلے میں نقل کئے ہیں۔اس طرح علم نباتیات میں تحقیقات وتجربات کے ذریعے مسلم سائنس دانوں نے مختلف قسم کے نباتات کے خواص بتائے اور ان کی طبی خصوصیات سے آگاہ کیا۔جڑی بوٹیوں، پودوں اور ان کے مفردات کا مشاہدات کیا اور ان کی اقسام اور خصوصیات بیان کیں۔ان سے ادویات سازی کے ساتھ رنگ سازی اور زراعت میں بھی بہت مدد ملی۔

9.8 حیوانیات (Zoology)

عرب مسلمان سائنس دانوں نے علم الحیوانات کو شروع ہی سے اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اونٹ، گھوڑے اور بکری وغیرہ ان کی زندگی کی بنیادی ضرورت تھے۔سب سے پہلے ابوبکر رازی نے کیمیاوی مادوں کو معدنیات، نباتات اور حیوانات میں تقسیم کیا تھا۔اس تقسیم کے نتیجہ میں علم حیوانیات نے باقاعدہ ایک جداگانہ علم کی حیثیت اختیار کر لی۔عہد عباسی میں ماہرین حیوانات نے نہایت قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔سب سے پہلے اس موضوع پر ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ (متوفی:824ء) نے ایک سو کتابیں تصنیف کیں۔جن میں تقریباً نصف تعداد صرف

گھوڑوں سے متعلق ہے۔ باقی کتابیں دوسرے جانوروں اونٹ، بھیڑ، بکری، سانپ، بچھواور دیگر حشرات الارض پر ہیں۔ ان میں سے چند تصنیفات یہ ہیں طبقات الفرسان، کتاب الفرس، کتاب الخیل، کتاب الحیات اور کتاب العقارب وغیرہ۔ اس کے بعد ماہر حیوان شناسی عبدالملک اصمعی نے حیوانات پر متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں کتاب الخیل، کتاب الابل، کتاب الوحوش اور کتاب الشاۃ شامل ہیں۔

علم الحیوانات میں مسلم سائنس دانوں میں بڑا نام ابوعثمان عمرو بن الجاحظ البصری (متوفی: 868ء) کا ہے۔ ان کی تصنیف کتاب الحیوان یونانی، ایرانی، شامی اور ہندوستانی حیاتیاتی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں دوڑنے، رینگنے، اڑنے اور تیرنے والے تین سو پچاس حیوانات کی تفصیلی معلومات بیان کی ہیں۔ حالانکہ انہوں نے اس سلسلے میں ارسطو کی تصنیف Historia Animalium سے کافی استفادہ کیا، لیکن حیوانوں اور جانوروں کی عادات، ان کے خورد ونوش اور فوائد نیز پرندوں کی نقل مکانی کے اپنے ایسے مشاہدات کا تذکرہ کیا ہے، جن کی تفصیلات اس سے پہلے کی کتابوں میں نہیں ملتی ہیں۔ علم حیوانیات سے متعلق معلومات رسائل اخوان الصفا میں بھی خاصی تفصیل سے ملتی ہیں۔ اس میں حیوانات کی مختلف حیثیتوں سے درجہ بندی کر کے جانوروں کی پیدائش، نشو ونما، ساخت اور حواس پر بحث کی گئی ہے۔

یعقوب بن اسحاق الکندی (متوفی: 1873ء) نے اس موضوع پر کئی رسالے تصنیف کئے، مثلاً رسالہ فی الطائر الانسی، رسالہ فی النحل، رسالہ فی الحشرات اور رسالہ فی تمریخ الحمام وغیرہ۔ ابن رشد نے حیوانات کے اعضاء اور ان کی پیدائش سے متعلق ارسطو کی دو کتابوں کی شرح لکھی اور ابوالقاسم مسلمہ المجریطی نے نسل الحیوان کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ ابن سینا نے اس موضوع پر باقاعدہ کوئی کتاب تو نہیں لکھی، البتہ کتاب الشفا میں حیوانوں کی نفسیات پر کافی بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ جن سائنس دانوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، ان میں مشہور نام اور کتابیں ہیں: شرف الزماں المروزی کی طبائع الحیوان، زکریا ابن محمد القزوینی کی عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات، شمس الدین دمشقی کی نخبۃ الدھر فی عجائب البر والبحر وغیرہ۔ ابن قتیبہ الدینوری نے اپنی کتاب عیون الاخبار میں حیوانات پر اچھی معلومات فراہم کی ہیں۔ بزرگ بن شہریار نے عجائب الھند میں بحر ہند اور اس کے علاقہ کے جانوروں پر گفتگو کی ہے، اور حمید اللہ مستوفی القزوینی نے اپنی کتاب نزھۃ القلوب میں دوسو اٹھائیس جانوروں کا تذکرہ کیا ہے۔

حیوان شناسی کے موضوع پر محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ بن علی الدمیری کی کتاب حیاۃ الحیوان پوری دنیا میں علم الحیوان پر ایک عظیم کارنامہ شمار ہوتی ہے۔ اس میں نوسو اکتیس جانوروں کے نام، عادات، غذائیت، حلت وحرمت، طبی افادیت، خواص اور دیگر اہم چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پوری کتاب حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے تصنیف کی گئی ہے۔ اس کتاب کے سبب مصنف کو عربوں کا سب سے بڑا ماہر حیوانیات تسلیم کیا جاتا ہے۔ کتاب کی اسی اہمیت کے پیش نظر متعدد لوگوں نے اس کے خلاصے تحریر کئے ہیں۔

9.9 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- عباسی خلافت کا زمانہ تحقیق وایجاد، تدوین وتصنیف اور علوم وفنون کے ارتقاء کا عہد ہے۔
- اس عہد میں مسلم سائنس دانوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے عقلی علوم کے مختلف شعبوں میں بے شمار گراں قدر خدمات انجام دیں۔
- اس دور کے طبیب، حکیم، ریاضی داں، فلاسفر، کیمیا گر اور ماہر فلکیات، طبیعیات، معدنیات، نباتیات وحیوانیات کی تحقیقات اور تصنیفات کا اثر مشرق ومغرب میں آج تک نمایاں نظر آتا ہے۔

- علم ریاضی والہندسہ کے شعبہ میں محمد ابن موسیٰ الخوارزمی، احمد بن یوسف بن ابراہیم المصری، احمد عبداللہ حبش حاسب، ثابت بن قرہ حرانی اور عمر خیام نے قابل فخر اضافے کیے۔
- علم فلکیات میں ابوالعباس، احمد محمد فرغانی، علی بن عیسیٰ اصطرلابی، ابوعبداللہ محمد بن جابر بتانی وغیرہ کے کارنامے اہم ہیں۔
- اسی طرح عہد عباسی میں علم کیمیا، طبعیات، معدنیات اور نباتیات وحیوانیات کے سلسلے میں مسلمان محققین نے بیش قیمتی تحقیقی، تصنیفی وتالیفی سرمایہ تیار کیا ہے۔

9.10 نمونہ امتحانی سوالات

9.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ چاند گردش میں ہے یہ دریافت سب سے پہلے کس نے پیش کی؟

(a). عیسیٰ الاصطرلابی (b). جابر البتانی (c). ابن یونس صوفی (d). ابوالوفا جوزجانی

2۔ محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ بن علی الدمیری کس کتاب کے مصنف ہیں؟

(a). کتاب الحیاۃ (b). کتاب الحیاۃ الحیوان (c). کتاب الحیوان (d). طبائع الحیوان

3۔ ابوعثمان عمرو بن جاحظ کس فن سے تعلق رکھتے ہیں؟

(a). ریاضیات (b). طب (c). حیوانیات (d). نباتیات

4۔ مشہور سائنس داں ابن البیطار کس فن کے ماہر شمار ہوتے ہیں؟

(a). حیوانیات (b). طب (c). نباتیات (d). ریاضیات

5۔ انبیہ عن حقائق الادویہ کس کی کتاب ہے؟

(a). موفق بن علی ہروی (b). جابر بن حیان (c). عبدالملک اصمعی (d). رشید الدین الصوری

6۔ ابن الہیثم کو کیا لقب دیا گیا ہے؟

(a). فادر آف فزکس (b). معلم ثانی (c). بطلیموس ثانی (d). شارح ارسطو

7۔ الغ بیگ نے فلکیاتی مشاہدات کے لیے رصد گاہ کہاں تعمیر کرائی تھی؟

(a). سمرقند (b). شماسیہ (c). مراغہ (d). قاہرہ

8۔ جابر بن حیان علوم عقلیہ کے کس میدان میں مشہور ہیں؟

(a). علم نباتیات (b). علم فلسفہ (c). علم طب (d). علم کیمیا

9۔ الجبرا کا موجد کون ہے؟

(a). احمد بن یوسف المصری (b). محمد ابن موسیٰ الخوارزمی (c). احمد عبداللہ حاسب (d). یحییٰ بن ابی منصور

10۔ کتاب المناظر کے مصنف کا نام بتائیں۔

(a). ابن الہیثم (b). ابن سینا (c). ابونصر فارابی (d). ابوبکر رازی

9.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ علم نباتیات میں ابن البیطار کی خدمات پر ایک مضمون لکھیے۔

2۔ علم ریاضی میں موسیٰ خوارزمی کے کاموں کا جائزہ لیجیے۔

3۔ کیمیا کے میدان میں جابر بن حیان کی خدمات بیان کیجیے۔

4۔ عہد عباسی میں فلکیاتی مشاہدات اور رصدگاہوں کی تعمیر پر نوٹ لکھیے۔

5۔ علم طبیعیات میں ابن الہیثم کے کارناموں کا تعارف کرائیے۔

9.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ معدنیات میں مسلم سائنس دانوں کی خدمات بیان کیجیے۔

2۔ علم ریاضی و ہندسہ میں مسلمانوں کے کارناموں پر ایک مضمون لکھیے۔

3۔ علم حیوانیات میں مسلم محققین کی چند اہم خدمات پر روشنی ڈالیے۔

9.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	تاریخ تہذیب اسلامی (جلد سوم)	:	محمد یٰسین مظہر صدیقی
2۔	قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے	:	ڈاکٹر غلام قادر لون
3۔	سو عظیم مسلم سائنس داں	:	رفیق انجم اور ابراہیم عمادی
4۔	علوم وفنون عہد عباسی میں	:	محمد رضوان علوی
5۔	تاریخ افکار وعلوم اسلامی	:	افتخار احمد بلخی

-:oOo:-

اکائی 10 : فاطمی حکومت کا قیام اور استحکام

اکائی کی اجزا

10.0 تمہید

10.1 مقصد

10.2 فاطمی حکومت کا تعارف

10.3 اسماعیلی تحریک کا تعارف

10.4 شمالی افریقہ میں اسماعیلی دعوت

10.4.1 ابوعبداللہ شیعی

10.4.2 اغلبی حکومت کا سقوط اور ابوعبداللہ کا اقتدار

10.4.3 ابوعبداللہ کے انتظامات

10.5 عبیداللہ مہدی کی آمد اور فاطمی حکومت کا قیام

10.5.1 عبیداللہ مہدی کے انتظامات

10.5.2 عبیداللہ مہدی کی مشکلات

10.5.3 توسیع سلطنت

10.5.4 اسماعیلی دعوت کے فروغ میں عبیداللہ کی کوششیں

10.5.5 فاطمی حکومت کے قیام و استحکام میں عبیداللہ مہدی کا کردار

10.6 قائم بامراللہ

10.7 منصور بنصراللہ

10.8 اکتسابی نتائج

10.9 نمونہ امتحانی سوالات

10.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
10.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
10.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
10.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

10.0 تمہید

یہ اکائی شمالی افریقہ میں قائم ہونے والی فاطمی حکومت کے قیام واستحکام کے بارے میں ہے۔ فاطمی حکومت کا شمار اسلامی تاریخ کی اہم حکومتوں میں ہوتا ہے۔ یہ حکومت اسماعیلی شیعی نقطہ نظریہ کی بنیاد پر ایک چھوٹے سے شہر میں قائم ہوئی، اور بہت جلد اغلبی حکومت کا خاتمہ کرتے ہوئے ترقی کی منزلیں طے کیں، اور پورے شمالی افریقہ کو اپنے تسلط میں لے لیا۔ اس اکائی میں فاطمی حکومت پر اجمالی نظر بھی ڈالی گئی ہے، اور اس کے قیام اور استحکام پر مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

10.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو فاطمی حکومت کے قیام واستحکام کے بارے میں معلومات فراہم کی جائے۔ اس اکائی کو پڑھ کر آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ فاطمی حکومت کی توسیع کس طرح ہوئی، اور ابتدائی زمانہ میں کون کون سی مشکلات پیش آئیں، اور فاطمی حکمراں ان سے کس طرح نبرد آزما ہوئے۔ اور کس طرح ایک نوخیز حکومت ایک طاقتور اور مستحکم سلطنت میں تبدیل ہوگئی۔

10.2 فاطمی حکومت کا تعارف

اسلامی تاریخ میں فاطمی خلافت کو ایک خاص مرتبہ حاصل ہے، شمالی افریقہ اور مصر میں قائم ہونے والی یہ حکومت امامت کے شیعی تصور کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی۔ اسماعیلی مذہب کے داعیوں نے اس کے لیے راہ ہموار کی۔ فاطمی حکومت نے فن تعمیر سے دلچسپی اور علوم وفنون کی ترویج وترقی کی وجہ سے بھی اسلامی تاریخ میں بڑا نام کمایا ہے۔ فاطمی سلطنت کا زمانہ 297ھ/909ء سے 567ھ/1171ء تک ہے، جس کی مدت تقریبا 270 برس بنتی ہے۔ فاطمی سلطنت کی پوری تاریخ کو تین اہم مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا مرحلہ: شمالی افریقہ میں حکومت کے قیام اور استحکام کا مرحلہ، جس کا دورانیہ 297ھ/909ء یعنی عبید اللہ مہدی کی خلافت سے 341ھ/953ء یعنی اسماعیل منصور کی وفات تک کو محیط ہے۔

دوسرا مرحلہ: مصر کی فتح اور ترقی وعروج کا زمانہ، اس کا دورانیہ 341ھ/953ء یعنی المعز کی تخت نشینی سے الظاہر کی وفات یعنی 427ھ/1036ء تک ہے۔

تیسرا: خلفاء کی کمزوری اور وزراء کی حکومت کا دور، اس کا دورانیہ 427ھ/1036ء یعنی مستنصر باللہ کی تخت نشینی سے 567ھ/1171 یعنی صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں فاطمی حکومت کے زوال تک کو محیط ہے۔

فاطمی حکومت میں کل چودہ حکمراں ہوئے، جن میں ابتدائی تین یعنی عبید اللہ مہدی، ابوالقاسم قائم بامراللہ اور اسماعیل المنصور بنصر اللہ کا تعلق پہلے دور سے ہے، اس کے بعد کے چار حکمراں یعنی المعز لدین اللہ، عزیز باللہ، حاکم بامراللہ اور الظاہر لاعزاز دین اللہ کا تعلق دوسرے دور سے

ہے۔اس کے بعد کے سات حکمرانوں کا تعلق تیسرے دور سے ہے۔

10.3 اسماعیلی تحریک کا تعارف

اسماعیلی شیعہ اہل تشیع کا وہ گروہ ہے، جو امام اسماعیل بن جعفر صادقؒ کو اپنا رہنما قرار دیتا ہے۔ امام جعفر صادقؒ اہل تشیع کے چھٹے امام ہیں، آپ کے دو فرزند تھے، بڑے فرزند کا نام اسماعیل تھا، اور چھوٹے فرزند کا نام موسی کاظم تھا۔ اسماعیل کی وفات امام جعفر صادق کی زندگی میں ہوگئی، اور موسی کاظم بعد تک باحیات رہے۔ یہیں سے اہل تشیع کے دو بڑے گروہوں کا آغاز ہوا۔

ایک گروہ کا ماننا ہے کہ جعفر صادق نے اسماعیل کی وفات کے بعد موسی کاظم کے لیے نص کیا تھا۔ اس لیے ساتویں امام وہ ہیں، اس گروہ کو موسویہ اور امامیہ اثناعشریہ کہا جاتا ہے۔ دوسرے گروہ کا ماننا یہ ہے کہ امام جعفر صادق کے بعد ان کے فرزند اکبر اسماعیل ہی امام ہوں گے، کیوں کہ جعفر صادق نے ان کی حیات میں ان کے لیے نص کیا تھا۔ اس گروہ کو اسماعیلیہ کہا جاتا ہے۔ اسماعیلیہ کو سبعیہ اور باطنیہ بھی کہا جاتا ہے، سبعیہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ ساتواں امام اسماعیل بن جعفر صادق کو مانتے ہیں، اور باطنیہ اس وجہ سے کہ یہ حضرات قرآن مجید کی باطنی تفسیر کے قائل ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ قرآن کا ایک ظاہری معنی ہے اور ایک باطنی معنی۔ باطنی معانی ائمہ میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے ہیں۔

اسماعیلیہ کا ماننا ہے کہ امام اسماعیل نے اپنے بیٹے محمد المکتوم کے لیے نص کیا تھا۔ اور وہ عباسی حکومت کی کاروائیوں سے بچنے کے لیے ایران کے ایک مقام میں پوشیدہ ہوگئے، اور وہیں سے اسماعیلی داعیوں کے ذریعے اپنی دعوت کو عالم اسلام میں پھیلانا شروع کیا۔

10.4 شمالی افریقہ میں اسماعیلی دعوت

مغرب عربی میں فاطمی حکومت کا مقدمہ آغاز وہ دعوتی سرگرمیاں تھیں، جو شیعیت کی ترویج وتشہیر کے لیے اسماعیلی داعیوں نے شروع کی تھیں۔ یہ دعوتی سرگرمیاں کئی مرحلوں میں انجام دی گئیں۔

ابوسفیان اور حلوانی

اسماعیلی دعوتی مرکز سے مختلف مقامات میں اسماعیلی دعوت کو فروغ دینے کے لیے داعیوں کے بھیجنے کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ملک یمن ان کی دعوت کا بڑا مرکز بن چکا تھا، جہاں حسن بن فرح بن حوشب نامی داعی نہایت سرگرمی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ ابن حوشب نے عالم اسلام میں اپنی سرگرمیوں کی توسیع کے لیے سنہ 145ھ مطابق 762ء میں دو داعیوں کو شمالی افریقہ روانہ کیا، جن کے نام ابوسفیان اور حلوانی تھے۔ ان کو حکم دیا گیا کہ وہ افریقہ میں بربری قبائل کے علاقہ میں جائیں، اور ائمہ اہل بیت کے علوم کی عظمت وفضیلت عوام الناس میں بیان کریں۔ ان کو اس بات کی بھی تاکید کی گئی کہ دونوں الگ الگ علاقوں میں کام کریں۔

ابوسفیان نے مرماجنہ نامی علاقہ کو اپنا مستقر بنایا، اور حلوانی نے طاقتور بربری قبیلہ کتامہ کے یہاں پڑاؤ ڈالا۔ دونوں داعیوں نے زہد وتقوی کو اپنا شعار بنایا، اہل بیت کے فضائل بیان کئے، ان کو خوش خبری دی کہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے مہدی منتظر آئیں گے، جو زمین سے ظلم وجور کا خاتمہ کریں گے، اور تمام انسانیت کو عدل وانصاف فراہم کریں گے۔ اس طرح اس علاقہ اور اطراف کے قبائل میں بڑے پیمانہ پر شیعت کو فروغ ہوا۔ ان دونوں داعیوں نے اس قدر زمین ہموار کردی کہ بعد میں آنے والے کے لیے بیج ڈالنے کا کام باقی رکھا۔

10.4.1 ابوعبداللہ شیعی

ابوسفیان اور حلوانی کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے شمالی افریقہ کی سرزمین میں ابوعبداللہ شیعی کو بھیجا گیا۔ ابوعبداللہ شیعی کا نام حسین بن احمد

تھا، جو کوفہ کا باشندہ تھا۔شیعی اسماعیلی قیادت نے پہلے اس کو تربیت کے لیے یمن بھیجا، جہاں اس نے حسن بن فرج بن حوشب کے پاس رہ کر تربیت حاصل کی۔اس کے بعد سنہ 279ھ/893ء میں یمن کے ایک قافلہ کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوا۔مکہ مکرمہ میں قبیلہ کتامہ کے حاجیوں سے ملاقات کی، اور حج کے بعد ان کے ساتھ ہی مصر جانے لیے روانہ ہو گیا۔مصر پہنچ کر ابوعبداللہ شیعی نے ارادہ ظاہر کیا کہ وہ یہیں تعلیم وتدریس کے لیے قیام کرنا چاہتا ہے۔اس کے ارادہ کو جان کر قبیلہ کتامہ کے شیوخ نے اس سے درخواست کی کہ وہ ان کے قبیلہ میں تشریف لے چلیں، اور ان کے بچوں کی تعلیم وتربیت کریں۔انہوں نے ہر طرح کی معاونت کا وعدہ کیا۔چنانچہ ابوعبداللہ ان کے ساتھ مراکش روانہ ہوا۔قبیلہ کتامہ کی سرزمین پہنچ کر ابوعبداللہ نے ایک قلعہ کو اپنا مستقر بنایا، جس کا نام ایکجان تھا۔ابتدا میں وہ صرف قبائل کے شیوخ کے بچوں کو تعلیم دیتا تھا۔اس ذریعہ سے صرف شیوخ کو ہی اپنی دعوت کا مخاطب بناتا تھا۔اس نے سب سے پہلے بنیادی باتیں لوگوں کے سامنے پیش کیں، جن کو قبول کرنا آسان تھا، انہیں اہل بیت کی فضیلت کا قائل کیا، پھر بتایا کہ وہ امامت وخلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔پھر لوگوں میں امام مہدی کے عقیدہ کی ترویج کی کہ ان پر ایمان لانا اور ان کی تعظیم وتقدیس کرنا واجب ہے، اور بتایا کہ ان کے ظہور کا وقت قریب آرہا ہے۔

اس عمومی دعوت کے علاوہ اس نے اپنے مخصوص شاگردوں کی ایک جماعت بھی تیار کی، جو اس کے مخلص معاونین مشتمل تھی۔اس جماعت کو اس نے مومنین کا لقب دیا، جس کا مفہوم تھا کہ انہوں نے اسماعیلی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔

اس دوران ابوعبداللہ شیعی کو قبیلہ کتامہ کے اندر مخالفتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔اس کی مقبولیت کو قبائل کے بعض شیوخ نے اپنے اختیارات کے لیے ایک خطرہ سمجھا۔ابوعبداللہ کی حیثیت اب صرف ایک مذہبی اور روحانی معلم کی نہیں رہ گئی تھی، اب وہ ایک سیاسی لیڈر بن چکا تھا، جو قبیلہ کتامہ کی طاقت کو ساتھ لینے کی وجہ سے مقامی اغلبی حکومت کے لیے ایک چیلنج بنتا جارہا تھا۔

10.4.2 اغلبی حکومت کا سقوط اور ابوعبداللہ کا اقتدار

اغلبی حکومت کو جب اس تحریک کے فروغ اور مقبولیت کی خبریں ملیں تو اغلبی فرمانروا ابراہیم ثانی کو طبعاً فکرمندی ہوئی، لیکن اس نے کوئی کارروائی نہیں کی۔اس کی دو وجوہات تھیں، ایک تو ابھی تک ابوعبداللہ شیعی کو خود قبیلہ کتامہ کا مکمل اعتماد حاصل نہیں ہوا تھا۔دوسری اغلبی حکومت خود داخلی انتشار کا شکار تھی۔

قبیلہ کتامہ کی سرزمین کے قریب ایک شہر تھا، جس کا نام میلہ تھا، اس شہر کا حاکم موسی بن عیاش تھا، جس کو ہمیشہ اس بات کا خطرہ رہتا تھا کہ ابو عبداللہ شیعی کی دعوتی سرگرمیاں بڑھ جائیں گی تو اس کی حکومت خطرہ میں پڑ جائے گی، اس لیے اس نے ابوعبداللہ کی راہ میں روڑا اٹکانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ابوعبداللہ نے اسماعیلی دعوت کو فروغ دینے کے لیے اس شہر پر قبضہ کرنا ضروری سمجھا، اس لیے 902ء میں میلہ شہر پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔

میلہ پہلا شہر تھا، جو ابوعبداللہ شیعی نے اغلبی حکومت سے چھینا تھا۔اس کے ساتھ ہی ابوعبداللہ کا اثر ورسوخ بڑھتا گیا۔کچھ عرصہ بعد اس نے طبنہ اور بلزمہ نامی دو شہر فتح کر لیے، طبنہ اغلبی حکومت کا اہم شہر تھا، دارالحکومت قیروان کے بعد مال ودولت اور آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا شہر یہی تھا۔یہ شہر 293ھ/906ء میں فتح ہوا۔اگلے دو سال تک متواتر لڑائیاں ہوتی رہیں، جن میں زیادہ تر اغلبی افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔296ھ/909ء میں اغلبی حکومت کا مضبوط شہر اربس بھی ابوعبداللہ کی فوج کے ہاتھ آ گیا۔یہ شہر قیروان میں داخلہ کا دروازہ تھا۔اربس کی شکست کے بعد زیادۃ اللہ ثالث اور اس کی افواج نے قیروان سے راہ فرار اختیار کی، اور جمادی الآخری 296ھ/909ء میں ابوعبداللہ شیعی قیروان میں داخل ہوا۔اس فتح کے بعد اس نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کے حقیقی امام عبیداللہ مہدی ہیں، جو جلد ہی تشریف لائیں گے، ان کی آمد سے عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا۔ابوعبداللہ کی فتوحات کے بعد اغلبی لشکر اور عوام الناس کی ایک بڑی تعداد نے اس کی اتباع کر لی۔

10.4.3 ابوعبداللہ کے انتظامات

اغلبی حکومت کے سقوط کے بعد ابوعبداللہ شیعی نے انتظامات کی طرف توجہ کی، حکومت کے تمام شعبوں کو شیعیت کا رنگ دیا، قیروان کی گورنری اور قضا کے عہدوں پر اہل تشیع کو مقرر کیا۔ خطبہ میں پنج تن پر درود و سلام کو لازم قرار دیا، اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کا اضافہ کیا۔ ٹکسال لگا کر اپنا سکہ جاری کیا۔ جو مال و دولت غنیمت کے طور پر حاصل ہوا تھا، اس کو اپنے تصرف میں لانے کے بجائے محفوظ کروادیا، تاکہ جب مہدی کی آمد ہو تو اس کے حوالہ کر دے۔

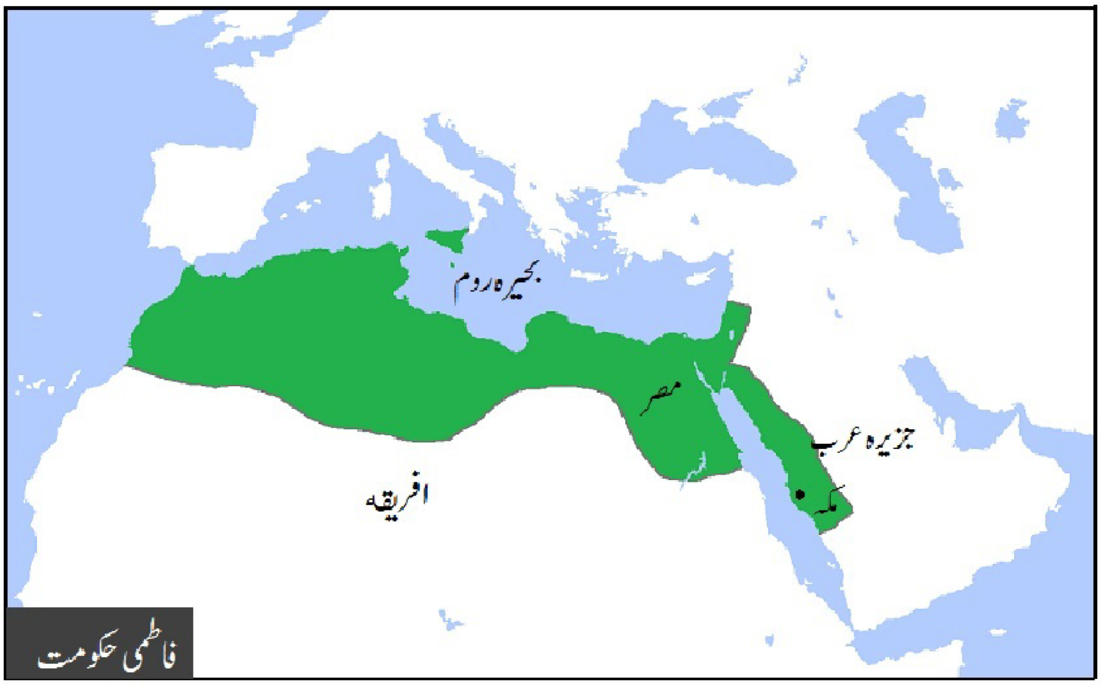

10.5 عبیداللہ مہدی کی آمد اور فاطمی حکومت کا قیام

ان انتظامات سے فارغ ہو کر اس نے عبیداللہ مہدی کو ان تمام تبدیلیوں سے واقف کرایا، جو شمالی افریقہ میں رونما ہوئی تھیں، اور ان کو دعوت دی کہ وہ یہاں تشریف لائیں۔ عبیداللہ مہدی نے اپنے فرزند قائم کے ساتھ رجب 289ھ/902ء میں شمالی افریقہ کا رخ کیا۔ راستہ میں ان کو مختلف مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ عباسیوں سے بچتے بچاتے مصر پہونچے، مصر سے نکل کر مختلف مقامات سے گزرتے ہوئے سجلماسہ پہنچے۔ زیادۃ اللہ ثالث نے سجلماسہ کے حاکم کو عبیداللہ کا مخالف بنا دیا۔ حاکم سجلماسہ نے عبیداللہ پر پہرے بٹھادیے، اور ان کے معانین کو قید و بند میں ڈال دیا۔ جب ابوعبداللہ شیعی کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے سجلماسہ پر حملہ کیا، اور عبیداللہ مہدی کو نکال کر حکومت قائم کرنے کی دعوت دی۔ عبیداللہ مہدی نے قید سے نکل کر چالیس دن سجلماسہ ہی میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے ایکجان پہنچے، جہاں داعیوں کے جمع کئے ہوئے تمام اموال کو امیر المؤمنین کی حیثیت سے وصول کیا۔ پھر رقادہ پہنچ کر امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ اور 21، ربیع الآخر 297ھ/جنوری 910ء کو جمعہ کے روز امیر المؤمنین مہدی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، اور عباسی خلیفہ کا نام خطبہ سے نکال دیا گیا۔ اس طرح شمالی افریقہ میں اسماعیلی شیعوں کی فاطمی خلافت کا آغاز ہوا۔

عبیداللہ مہدی نے جو حکومت قائم کی، اس کو فاطمی خلافت کہتے ہیں۔ اس کو خلافت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ عباسی خلافت کو غیر شرعی تصور کرتے تھے، اور خلافت و امامت کو صرف حضرت فاطمہ کی اولاد میں خاص سمجھتے تھے۔ اسماعیلی شیعوں کا دعوی تھا کہ عبیداللہ مہدی کے والد محمد

الحبیب محمد المکتوم کے پوتے تھے۔اس طرح وہ حضرت فاطمہ کی اولاد میں ہے،عبیداللہ مہدی کا سلسلہ نسب اس طرح بتایا جاتا ہے: عبیداللہ مہدی بن محمد الحبیب بن جعفر المصدق بن محمد المکتوم ابن امام اسماعیل ابن امام جعفر الصادقؑ۔

10.5.1 عبیداللہ مہدی کے انتظامات

بیعت وامامت کے اہم کاموں سے فارغ ہوکر عبیداللہ مہدی نے اپنی نئی سلطنت کا نظم ونسق درست کرنے اوراس میں مذہبی وسیاسی امور کو مرتب کرنے کی طرف توجہ کی۔آپ نے سیاست میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا ارادہ کیا، اور بتایا کہ وہ نہ صرف اپنے معاونین کا، بلکہ تمام مسلمانوں کا خیال رکھیں گے۔جولوگ دشمنی کریں گے،امانت میں خیانت کریں گے،یا عہد کوتوڑیں گے،ان کوسخت سزادیں گے۔

نظم ونسق کومرتب کرنے کے لیے عبیداللہ مہدی نے انتظامی امور کی تنظیم نو کی،اپنے خصوصی خدام اور دربان مقرر کیے،محل پر علیحدہ پہرے دار بٹھائے۔چوں کہ فاطمی حکومت کا قیام مذہبی بنیاد پر ہوا تھا۔اس لیے عبیداللہ نے اپنی سلطنت میں مذہبی نظام نافذ کیا۔عبیداللہ نے امیرالمؤمنین مہدی کا لقب اختیار کیا،اورفرمان جاری کیا کہ رقادہ، قیروان اور قصر قدیم کے شہروں میں منبر پر پنجتن کے بعدان کا نام لیا جائے۔اوران کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔

ابتدا میں عبیداللہ مہدی نے شیعیت میں غلو سے کام لیا۔آپ نے اہل سنت سے الگ اپنی شناخت بنانے کے لیے درج ذیل تعلیمات کوفروغ دیا:

حضرت علیؓ تمام صحابہ سے افضل ہیں،اوررسول اللہ کے بعد وہی خلافت وامانت کے مستحق ہیں۔

رمضان میں باجماعت تراویح کا سلسلہ ختم کردیا۔

فقہی امور میں قیاس کوترک کر کے قرآن پرمکمل اعتماد ظاہر کیا،اوراپنے مخصوص طریقے کے مطابق اس کی تاویل کی۔

اذان میں حی علی خیرالعمل ،محمدؐ وعلیؑ خیرالبشر کی عبارت کا اضافہ کیا۔

عبیداللہ مہدی نے ابتدا میں ان تعلیمات کوفروغ دینے کے ساتھ اہل سنت علماوفقہا پرسخت نگرانی بھی شروع کی۔سنہ 298ھ/910ء میں ایک محکمہ دیوان الکشف کے نام سے قائم کیا، یہ محکمہ ان فقہاء،اہل افتاء وقضاءاورائمہ ومؤذنین کا پتہ لگاتا تھا، جوحکومت کے مذہب کے خلاف ہوں۔ اہل مغرب عموماً سنی مسلمان تھےاور مالکی مسلک پرعمل کرتے تھے،انہوں نے عبیداللہ مہدی کی ان متشدد پالیسوں کی بہت مخالف کی۔جب مہدی نے دیکھا کہ ان کی مذہبی پالیسی حکومت کے لیے خطرہ بن جائے گی توانہوں نے نرمی اختیار کرلی۔

شہر مہدیہ کی تعمیر

شہر مہدیہ کی تعمیر عبیداللہ مہدی کا ایک اہم کارنامہ ہے۔عبیداللہ مہدی کو اندازہ تھا کہ ان کی نوخیز سلطنت کو چاروں طرف سے خطرات گھیرے ہوئے ہیں، ایسے لوگ ہیں جو فاطمی خاندان کی حکومت کوتوڑنے کا پورا ارادہ رکھتے ہیں۔اس لیے انہوں نے ایک ایسے مقام کوتلاش کرنا شروع کیا، جہاں اس نئی سلطنت کا نیا دارالحکومت تعمیر کیا جائے۔

شہر مہدیہ کی تعمیر کے لیے متعدد سیاسی، مذہبی اور عسکری اسباب جمع ہو گئے تھے،مثلاً: فاطمیوں کے لیے رقادہ یا قیروان جیسے بڑے بڑے شہروں کو اپنا دارالحکومت بنانا مشکل تھا،کیوں کہ وہاں قدیم اغلبی حکومت کے وفادار عناصر موجود تھے،ایکجان شہر میں اگر چہ اسماعیلی دعوت کا مرکز تھا، لیکن وہ ملک کے تمام شہروں سے دور دراز علاقہ میں واقع تھا۔عبیداللہ مہدی نے یہ بھی سوچا کہ ان کو ایک ایسے ساحلی شہر کی ضرورت ہے، جہاں سے وہ

بیزنطینیوں کا مقابلہ کر سکے۔ نیز جہاں سے وہ بحر متوسط میں اپنی بحری فوج کا تسلط بڑھا سکے۔

ان مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے عبیداللہ مہدی نے افریقہ کے مشرقی ساحل پر قیروان سے ساٹھ میل جنوب میں ایک جگہ کا انتخاب کیا، جو تین طرف سے سمندر سے گھرا ہوا تھا، یہیں مہدیہ شہر تعمیر کیا اور شہر کی عمارتیں پتھر سے تعمیر کرائیں۔ شہر کے دو دروازے بنائے، جن میں لکڑی کے بجائے مکمل لوہے کا استعمال کیا گیا، بندرگاہ تک پہنچنے کے لیے چٹانوں کو کاٹ کر راستہ بنایا، اور بندرگاہ کے دونوں طرف نگرانی کے لیے دیوہیکل برج تعمیر کئے۔ دونوں برجوں کے درمیان لوہے کی زنجیریں لگوائیں، تاکہ دشمن کے جہاز بندرگاہ تک نہ پہنچ سکیں۔ شہر میں غلہ اور اناج کا ذخیرہ کرنے کے لیے بڑے بڑے ذخائر بنوائے۔ پانی کی کمی کو پورا کرنے کے لیے کثرت سے حوض تعمیر کرائے، جس میں بارش کا پانی بھرلیا جاتا، اور بعد میں استعمال کیا جاتا۔

شہر میں دو محل تھے، ایک خود مہدی کا دوسرا ان کے فرزند قائم کا۔ ایک بہت بڑی مسجد تھی، جس کا انداز تعمیر مشرقی اور مغربی طرز تعمیر سے بالکل جدا تھا۔ مسجد کے عظیم الشان باب الداخلہ کے قریب دو برج قائم تھے، پھر چھوٹے چھوٹے برج بنائے گئے تھے، جن کی وجہ سے مسجد ایک قلعہ کے مانند معلوم ہوتی تھی۔ شہر مہدیہ کی تعمیر کا آغاز سنہ 300ھ میں ہوا، اور سنہ 306ھ میں اس کی تکمیل ہوئی۔ سنہ 308ھ/ 920ء میں عبیداللہ مہدی اپنے مال واسباب، اہل وعیال، فوج اور خزانوں کے ساتھ مہدیہ منتقل ہوئے، اور کہا کہ اب مجھ کو بنو فاطمہ کے بارے میں اطمینان حاصل ہوا ہے۔

10.5.2 عبیداللہ مہدی کی مشکلات

ابوعبداللہ شیعی

خلافت قائم ہونے کے بعد عبیداللہ مہدی نے سلطنت کے تمام امور اپنے ہاتھ میں لے لیے، جس کی وجہ سے ابوعبداللہ شیعی کو اپنے اختیارات کم ہوتے محسوس ہوئے۔ اس لیے اس نے لوگوں کو عبیداللہ مہدی کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ یہاں تک کہہ دیا کہ یہ وہ مہدی موعود نہیں ہے، جس کا ہم انتظار کر رہے تھے، اور اس کی اطاعت ہم پر واجب نہیں ہے۔ ابوعبداللہ شیعی سے متاثر ہوکر بعض لوگوں نے عبیداللہ مہدی کی مخالفت شروع کردی۔ انہوں نے ایک خفیہ اجتماع منعقد کیا، جس میں ابوعبداللہ شیعی بھی شریک ہوا۔ اس اجتماع میں قبیلہ کے سرداروں کے سامنے ابوعبداللہ شیعی نے عبیداللہ کے مہدی کے ہونے کے بارے میں شک کا اظہار کیا اور کہا کہ اہل بیت کے لیے دعا کرنا واجب ہے، امام مہدی برحق ہیں، لیکن ان کا زمانہ میرے نزدیک مجہول ہے، مجھے عبیداللہ کے مہدی ہونے کے بارے میں شک ہے۔ اس کے افعال وعادات برے ہوتے جارہے ہیں، ممکن ہے کہ مہدی کو پہچاننے میں مجھ ہی سے غلطی ہوئی ہو، اور یہ وہ مہدی نہ ہو، جن کے بارے میں بشارتیں وارد ہوئی ہیں، کیوں کہ ان کے معاملات بتار ہے ہیں کہ یہ مہدی موعود اور امام زمان نہیں ہے۔

اس اجتماع کی خبر عبیداللہ کو ہوگئی۔ انہوں نے ان تمام معاملات پر غور کر کے یہ مناسب سمجھا کہ اس فتنہ کو ختم کردیا جائے، مہدی نے ان تمام لوگوں کو اپنے نشانہ پر لیا، جو ابوعبداللہ شیعی کا تعاون کر رہے تھے، اور ان کو دور دور مقامات پر بھیج دیا۔ ابوزاکی تمام بن معارک کو جو کتامہ کا ایک اہم سردار تھا، اور تمام اجتماعات اسی کے گھر میں منعقد ہوتے تھے، طرابلس روانہ کردیا، پھر وہاں کے والی کو خط لکھ کر اس کو قتل کروادیا۔ اسی روز یعنی 15، جمادی الآخر 298ھ/ 18، فروری 911 کو ابوعبداللہ شیعی اور اس کے بھائی کو بھی قتل کروادیا۔

اہل سنت کی مزاحمت

عبیداللہ مہدی کو شمالی افریقہ میں اپنے مذہبی اثر ونفوذ کو پھیلانے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب عبیداللہ مہدی نے اسماعیلی شیعیت کو زبردستی فروغ دینے کی کوشش کی تو اہل افریقہ اور وہاں کے مالکی علمانے اس کی سخت مخالفت کی۔ انہوں نے اس تقدس کا بھی انکار کیا، جس کا لبادہ

عبیداللہ مہدی نے اوڑھ رکھا تھا۔ نماز تراویح پر پابندی، اذان اور خطبوں میں تبدیلی ایسی چیزیں نہ تھیں کہ سنی علماء اور عوام خاموشی سے برداشت کر جاتے۔ چنانچہ سب سے پہلے قصر قدیم نامی شہر میں بغاوت ہوئی، پھر قیروان کے باشندوں نے بغاوت کی۔ اہل قیروان نے قبیلہ کتامہ کے سات سو افراد کو قتل کر دیا، جو عبیداللہ مہدی کے مؤید تھے۔ فاطمی حکومت کے عاملوں نے بڑی مشکل سے ان بغاوتوں کو فرو کیا۔ عبیداللہ مہدی نے بعد میں باغی مالکی فقہاء کو سخت سزائیں دیں۔

طرابلس میں بھی شورش شروع ہوئی، جس کا آغاز بربری قبیلہ ہواری نے کیا، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل شہر نے فاطمی عامل کو بے دخل کر دیا، اور شہر پر ایک قریشی عرب کو والی مقرر کر لیا۔ طرابلس کی شورش فرو کرنے کے لیے عبیداللہ مہدی نے اپنے فرزند قائم کو بھیجا، ساتھ میں پندرہ کشتیوں پر مشتمل ایک بحری بیڑا بھی روانہ کیا۔ چھ ماہ کے طویل محاصرہ کے بعد قائم شہر میں داخل ہوا، اہل شہر پر تاوان جنگ عائد کیا۔ اور تمام قائدین کو قتل کروا دیا۔

قبیلہ زناتہ کی بغاوت

عبیداللہ مہدی کو اپنی حکومت کے قیام کے دوران بربر قبائل کی جانب سے بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ شمالی افریقہ میں مختلف بربر قبائل آباد تھے، جن میں آپس میں قبائلی عصبیت بھی موجود تھی۔ قبیلہ کتامہ اور قبیلہ زناتہ دو اہم قبیلہ تھے، جن میں تنافس اور مقابلہ رہتا تھا۔ ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ اسماعیلی دعوت کے فروغ میں قبیلہ کتامہ نے بھرپور حصہ لیا تھا، جب کہ قبیلہ زناتہ اس کے بالکل مخالف تھا۔

جب ابوعبداللہ شیعی نے تاہرت نامی شہر پر قبضہ کیا، تو قبیلہ زناتہ کی مخالفت میں شدت آ گئی، کیوں کہ یہ شہر نہ صرف یہ کہ ان کی آبادیوں کے قریب پڑتا تھا، بلکہ ان کے تجارتی قافلوں کی گذرگاہ پر واقع تھا۔ عبیداللہ مہدی نے جب حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو ان کو بھی تاہرت کی فوجی اہمیت کا پورا احساس ہو گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے اہم قائدین کو وہاں کا والی مقرر کیا۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر تاہرت شہر فاطمیین اور قبیلہ زناتہ کے درمیان رسہ کشی کا مقام بن گیا۔ اہل زناتہ نے کئی بار تاہرت پر حملہ کیا، لیکن ہر بار وہ ناکام رہے، بالآخر عبیداللہ مہدی نے ایک لشکر مرتب کر کے قبیلہ زناتہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا، اس لشکر نے قبیلہ زناتہ کے آٹھ ہزار افراد کو قتل کر دیا، اور اس کے بعد اس علاقہ پر عبیداللہ مہدی کا مکمل تسلط قائم ہو گیا۔

قبیلہ کتامہ کی بغاوت

قبیلہ کتامہ نے سب سے پہلے اسماعیلی دعوت کو قبول کیا تھا، اور اس کے فروغ میں سب سے زیادہ انہوں نے ہی قربانیاں دی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ عبیداللہ مہدی نے جب زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے اہل قبیلہ کی قربانیوں کا بدلہ دینا چاہا، اور مختلف مقامات کی سربراہی ان کے سپرد کی۔ عبیداللہ مہدی نے ایک اور پالیسی یہ اپنائی کہ قبیلہ کتامہ کے ذیلی قبائل میں سے ان لیڈروں کو دور کیا، جو ابوعبداللہ شیعی سے گہرا تعلق رکھتے تھے، اور جن کی وابستگی اس کے ساتھ نہیں تھی، ان کو قریب کر کے مختلف عہدوں پر مامور کیا۔ گویا پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو پالیسی کو اختیار کیا۔ مہدی نے ابوعبداللہ شیعی کا ساتھ دینے کے جرم میں کتامہ کے کئی اہم سرداروں کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔

مذکورہ اسباب کی بنا پر قبیلہ کتامہ میں عبیداللہ کے مخالفین کا ایک گروہ بن گیا، جنہوں نے ان کی حکومت کے پہلے سال ہی ایک مشورہ کیا، جس میں کتامی سرداروں نے عبیداللہ کے مہدی ہونے پر شک کا اظہار کیا، اور جس میں ابوعبداللہ شیعی بھی شریک تھا۔ مخالفین نے عبیداللہ مہدی کے خلاف ایک اور اجتماع 26، ذی الحجہ 297 / 5، اپریل 910ء کو منعقد کیا، جس میں سب نے بغاوت کا عہد کیا۔ سب سے پہلی چنگاری رقادہ شہر میں بھڑکی، جس کا سبب ابوعبداللہ شیعی اور کتامی سرداروں کا قتل تھا۔ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے خود مہدی کو نکلنا پڑا اور اس بغاوت کو ختم کیا، اور قائدین کو سخت سزائیں دیں۔ دوسری بغاوت زاب نامی منطقہ میں ہوئی، جہاں کتامہ کے بعض قبائل نے فاطمی سلطنت سے اپنی سیاسی اور مذہبی علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے ایک کتامی کو سردار بنا کر اس کے مہدی ہونے کا دعوی کیا۔ اس کے گھر کو اپنا قبلہ قرار دیا۔ پھر آگے بڑھ کر میلہ نامی شہر پر نیز

اس علاقہ کے اکثر اہم شہروں پر قبضہ کرلیا۔

اس خبر نے عبیداللہ مہدی کو حقیقت میں پریشان کر دیا، انہوں نے ان کے مقابلہ کے لیے ایک کتامی سردار بطاس بن حسن ملوسی کو ایک عظیم الشان لشکر دے کر روانہ کیا۔ اس لشکر کو شکست ہوئی تو اپنے فرزند قائم کو روانہ کیا۔ قائم نے آگے بڑھ کر قسطنطینہ نامی شہر پر قبضہ کرلیا، جو قبیلہ کتامہ کا مسکن تھا۔ پھر آگے بڑھ کر میلہ پر قبضہ کیا، اور کتامہ کے باغی سردار کو شکست دے کر رقادہ واپس ہوا۔

10.5.3 توسیع سلطنت

صقلیہ پر فاطمی نفوذ

افریقہ میں فاطمی حکومت کے قیام کے اثرات ان تمام علاقوں پر ہوئے، جو پہلے سے اغلبی حکومت کے ماتحت تھے، ان میں ایک اہم مقام صقلیہ کا جزیرہ تھا۔ اغلبی حکومت کے زوال سے پہلے صقلیہ بھی اغالبہ کے تابع تھا۔ جب اغلبی حکومت کو فاطمیوں کے ہاتھوں زوال ہوا تو اہل صقلیہ نے اغلبی حاکم کو معزول کر کے علی بن ابی الفوارس کو اپنا حاکم بنالیا، اور ابوعبداللہ شیعی کو خط لکھا کہ ہماری نئی حکومت کو منظوری عطا کی جائے۔ ابوعبداللہ شیعی نے ان کو امان نامہ عطا کیا، اور ان کے تئیں خصوصی توجہ کا اظہار کیا۔

عبیداللہ مہدی نے جب حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو انہوں نے صقلیہ کی حکومت سے ابن ابی الفوارس کو معزول کر کے حسن بن محمد کتامی کو والی مقرر کر دیا، اور اس کے ساتھ شیعی قاضی اسحاق بن ابی المنہال کو بھی روانہ کیا۔ حسن بن محمد کتامی نے سنہ 297ھ/ 910ء میں حکومت سنبھالی، اور دو سال وہاں حکومت کی، اس دوران اس نے ظلم و زیادتی کو اپنا شیوہ بنایا۔ فاطمی والی کی اس کی روش دیکھ کر اہل سنت نے اس کے خلاف بغاوت کر دی، اس کو پکڑ کر گرفتار کرلیا، اور عبیداللہ مہدی کو مجبور کیا کہ وہ اس کو رقادہ واپس بلالے۔ عبیداللہ مہدی نے یہ دیکھ کر اس کو واپس بلالیا، اور اس کی جگہ علی بن عمر بلوی کو والی مقرر کیا۔ لیکن صورت حال میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اہل صقلیہ نے سنہ 300ھ/912ء میں اس نئے والی سے بھی پیچھا چھڑا لیا۔ اور احمد بن زیادۃ اللہ بن قُرہُب کو اپنا والی مقرر کرلیا، جو عربوں سے تعلق رکھتا تھا۔

احمد ابن قرہب نے فاطمی حکومت سے اپنا تعلق منقطع کرلیا، اور خطبہ سے عبیداللہ مہدی کا نام ختم کر کے عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کا نام لینا شروع کر دیا۔ اور بغداد میں سفارت بھیج کر درخواست کی کہ عباسی خلافت سے اس کی گورنری کو منظوری عطا کی جائے۔ مقتدر باللہ نے فوراً ہی اس درخواست کو قبول کرلیا، اور سیاہ خلعت اور علم بھیج کر اس کی گورنری کو عباسی خلافت کی جانب سے قانونی حیثیت عطا کر دی۔

احمد نے اہل صقلیہ کو فاطمی خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے ان کو فاطمیوں کے خلاف ابھارا، اور فاطمی علاقوں پر حملے شروع کیے۔ احمد ابن قرہب کی ان کاروائیوں کو دیکھ کر عبیداللہ مہدی نے ایک بحری بیڑا تیار کیا، اور ابوسعید ضیف کو قائد مقرر کیا۔ ابوسعید نے صقلیہ پر تسلط حاصل کرلیا، اور باشندوں پر بھاری تاوان مقرر کیا، نہایت سختی سے ان کو سزا دی، اور اپنے معاون سالم بن راشد کو جزیرہ کا حاکم مقرر کر کے افریقہ واپس ہوا۔

بازنطینی سلطنت کے خلاف کاروائیاں

افریقہ میں حکومت مضبوط ہونے اور صقلیہ پر قبضہ کرنے کے بعد فاطمی بحری بیڑے نے اٹلی کی جنوبی ریاست کلابریا (Calabria) پر حملہ کر دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ریاست نے ایک معاہدہ کے تحت فاطمیوں کو جزیہ دینا منظور کیا تھا۔ لیکن جب جزیہ دینے کا وقت آیا تو انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کر فاطمی بحری بیڑے نے 306ھ کے آغاز میں کلابیریا پر اچانک حملہ کر دیا، اور مال غنیمت اور قیدی لے کر واپس ہوئے۔ سنہ 310ھ میں دوبارہ

حملہ کیا، اور عیسائی قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ سنہ 312ھ/ 924ء میں عبید اللہ مہدی نے بازنطینی حکومت کے خلاف ایک بڑا حملہ کیا، اپنے حاجب جعفر بن عبید صعلوک کو اس کا قائد بنایا۔ یہ لشکر محرم 313ھ/ مارچ 925 میں کلابیریا پر حملہ آور ہوا، برزانہ اور دیگر شہروں پر قبضہ کرتے ہوئے خلیج ٹارنٹ میں بحری بیڑا داخل کردیا، اور ''اوریو'' نامی شہر میں فاطمی فوج داخل ہوگئی۔ اس وقت کلابریا کے حاکم کو یقین ہوگیا کہ خیر اسی میں ہے کہ دوبارہ نئے سرے سے صلح کا معاہدہ کرے۔ جب تک عبید اللہ مہدی باحیات رہے، اٹلی کی جنوبی ریاستیں فاطمی حکومت کو جزیہ دیتی رہیں۔

فاطمی حکومت کی ان کامیابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی بحری قوت کس قدر بڑھالی تھی، ابتدائی دور ہی میں ان کی طاقت اتنی ہوچکی تھی کہ بازنطینی سلطنت ان سے صلح کرنے پر مجبور ہوچکی تھی۔

مصر پر قبضہ کی کوشش

عبید اللہ مہدی نے اپنی حکومت کی توسیع اور مصر کو اپنے مقبوضات میں شامل کرنے کی کئی کوششیں کیں، لیکن ان کو کامیابی نہیں ملی۔ پہلی کوشش سنہ 301ھ/ 914ء کی، اور دوسری کوشش 307ھ/ 919ء میں کی۔ دونوں مرتبہ فوج کا کمانڈر اپنے فرزند قائم کو بنایا، اور دونوں مرتبہ اسکندریہ تک پر قبضہ ہوگیا، لیکن بغداد سے مدد آنے کی وجہ سے فاطمی فوج کو واپس لوٹنا پڑا، اور مصر پر قبضہ کا خواب پورا نہ ہوسکا۔

10.5.4 اسماعیلی دعوت کی اشاعت

مصر میں اسماعیلی دعوت

مصر میں اسماعیلی دعوت پھلنے پھولنے لگی تھی، ابوعلی نامی اسماعیلی داعی نے بڑی تعداد میں مصریوں کو اپنا مرید بنالیا تھا، انہوں نے مصر پر کسی بھی فاطمی حملہ کی صورت میں ساتھ دینے کی پوری تیاری کرلی تھی، بلکہ ان میں سے ایک جماعت نے خط وکتابت کرکے مصر پر حملہ کی دعوت بھی دی تھی۔ عبید اللہ مہدی کے حملوں کی وجہ سے بھی اسماعیلی دعوت کو اس کی وجہ سے مصر میں فروغ حاصل ہوا۔

اندلس میں اسماعیلی دعوت

عبید اللہ مہدی نے اپنی حکومت کے مضبوط ہوتے ہی اندلس کی طرف توجہ کی، اندلس میں اس وقت اموی حکومت تھی۔ امویوں اور علویوں کے درمیان ابتدا ہی سے مخاصمت چلی آرہی تھی۔ اس لیے عبید اللہ مہدی نے اپنے داعیوں کو اندلس بھیجا، جس کا مقصد یہ تھا کہ اندلس کے سیاسی، اقتصادی اور مذہبی احوال سے واقفیت حاصل کی جائے، اور وہاں اسماعیلی دعوت پھیلائی جائے۔ اسماعیلی داعیوں نے وہاں کے حالات سے واقف ہوکر مرکز کو مفصل روداد بھیجی، اور کوشش کی کہ یہاں اسماعیلی دعوت کو ترقی حاصل ہو، لیکن اندلس میں ان کو خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوئے، اتنا ضرور ہوا کہ وہاں شیعیت کی بنیاد پڑ گئی، لیکن کوئی بڑا سیاسی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

عبید اللہ مہدی کی وفات

سنہ 322ھ/ 934ء میں عبید اللہ مہدی کو مرض لاحق ہوا، اور ایک مختصر سی علالت کے بعد 15، ربیع الاول 322ھ 3/ مارچ 934ء کو انتقال ہوا، اس وقت ان کی عمر 63 سال تھی۔

10.5.5 فاطمی حکومت کے قیام واستحکام میں عبید اللہ مہدی کا کردار

عبید اللہ مہدی (مدت حکومت: 322-297ھ/ 934-909ء) کا شمار دنیا کے عظیم بانیان سلطنت میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک ایسے خطے میں اپنی حکومت قائم کی، جو ان کی جائے پیدائش سے بہت دور تھا، جہاں ان کے مخالفین زیادہ اور موافقین کم تھے۔ انہوں نے بہت جلد اپنے قدم

مضبوط کر لیے، اور مخالفین کا قلع قمع کیا، اور چوبیس سال حکومت کی۔ انتظام سلطنت کے ساتھ تعمیر وترقی کی جانب بھی توجہ کی، مہدیہ اور محمدیہ دو شہر تعمیر کرائے، فوج کو مضبوط کیا، بحری بیڑا تیار کیا۔ وہ نہ صرف ایک حکومت کے بانی بلکہ ایک تحریک کے داعی بھی تھے۔ انہوں نے حکومت پانے کے بعد بھی اپنا دعوتی سلسلہ نہ روکا، اور دعوت کو دور دور تک پہنچانے کی کوشش میں لگے رہے۔ انہی کے دور میں فاطمی دعوت پردہ خفا سے نکل کر ظہور میں آئی۔ وہ ایک مدبر، بہادر، دور اندیش اور عاقل شخص تھے، خطرات سے گھبرانا انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں فاطمی سلطنت کے سامنے تاریخ کا ایک طویل سفر طے کرنے لیے راہ ہموار کر دی۔

10.6 قائم بامراللہ (334-322ھ/946-934ء)

عبیداللہ مہدی نے اپنی زندگی ہی میں ولی عہد قائم کے لیے نص کر دیا تھا۔ قائم کا پورا نام ابوالقاسم محمد تھا، اور قائم بامراللہ لقب تھا۔ اس کو اپنے والد کے زمانہ میں ہی سے میدان جنگ کا بھر پور تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ انتظامی صلاحیت کے اعتبار سے بھی وہ ایک لائق شخص تھا۔ اس کے باوجود اس کی زندگی میں کوئی خاص فتوحات یا ترقیاتی کارنامے سامنے نہیں آئے، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اسماعیلی روایات کے مطابق قائم بامراللہ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ زہد وتقشّف کے ساتھ دجال کے انتظار میں گذارا۔ قائم کے زمانہ میں سنہ 323ھ/935ء میں مصر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی، جو ناکام رہی۔ بحر متوسط میں بازنطینی اور فاطمی بحری بیڑوں کے درمیان لڑائیاں بھی ہوئیں۔ ابو یزید خارجی کی شورش اس کے زمانہ کا سب سے بڑا واقعہ ہے، جس نے اس کی سلطنت کا سکون درہم برہم کر دیا، اور فاطمی سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا۔

ابو یزید خارجی کی شورش

ابو یزید خارجی کی شورش قائم بامراللہ کے عہد کا سب سے اہم واقعہ ہے۔ ابو یزید خارجی قبیلہ زناتہ کا ایک شخص تھا، جس کا پورا نام مُخَلّد بن کیداد تھا۔ قبیلہ زناتہ کے بارے میں اوپر گذر چکا ہے کہ عبیداللہ مہدی کے ساتھ ان کی چپقلش جاری تھی۔ ابو یزید خارجی نے عبیداللہ کے عہد حکومت ہی میں فاطمی اسماعیلی نظام کے خلاف دعوت دینی شروع کر دی تھی، اور ایک بڑی تعداد اپنے گرد اکٹھا کر لی تھی۔

عبیداللہ مہدی کی وفات سے ان کو باہر نکل کر حملہ کرنے کا حوصلہ ہوا، ابو یزید خارجیوں کی بڑی جمعیت کو ساتھ لے کر فاطمی سلطنت پر حملہ آور ہوا، اور مختلف چھوٹے شہروں پر قبضہ کرتے ہوئے قیروان تک آ پہنچا، قیروان کا عامل حسن بن علی مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ قیروان پر قبضہ کے بعد ابو یزید نے رقادہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات کی وجہ سے اس کی فوج کے حوصلے بہت بلند ہو گئے، اور فاطمی فوج کا حوصلہ پست ہوتا گیا۔

ابو یزید نے اس کے بعد مہدیہ پر حملہ کرنے کے لیے قدم بڑھایا، اور راستہ میں فاطمی فوج کو شکست دیتے ہوئے جمادی الآخری 333ھ/ جنوری 944 میں مہدیہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ قائم نے ابو یزید سے مقابلہ کے لیے بہت تیاریاں کی تھیں، مہدیہ کے گرد خندق کھود لی تھی، فصلیں مضبوط کر لی تھیں، اور اطراف سے اپنی مدد کے لیے فوجیں طلب کر لی تھیں، اس لیے جب ابو یزید نے قریب پہنچ کر حملہ کیا تو یکے بعد دیگرے اس کے چار حملے ناکام ہو گئے۔ وقت گذرنے کی وجہ سے اس کی فوج نے آس پاس کے علاقوں پر حملہ کر کے لوگوں کو ستانا اور لوٹ کھسوٹ کرنا شروع کر دیا۔ ابو یزید کی عیاشانہ زندگی اور فضول خرچی کی وجہ سے بھی اس کے آدمی اس سے بدظن ہوتے گئے، اور اس کی گرفت اپنے لشکر پر کمزور ہوتی گئی، اور سپاہی دھیرے دھیرے اس کی فوج سے نکل کر فاطمی فوج کے ساتھ جانے لگے۔ قائم نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے جوابی حملہ کیا، اور ابو یزید کو شکست کھا کر واپس ہونا پڑا۔

رمضان 334ھ/اپریل 946 میں قائم بامراللہ کا انتقال ہو گیا۔

10.7 منصور باللہ(341-334ھ/953-946ء)

منصور قائم کا بیٹا تھا، اس کا پورا نام ابو طاہر اسماعیل اور لقب منصور بنصر اللہ تھا۔قائم نے اپنی زندگی ہی میں اس کے لیے نص کر دیا تھا۔ اسماعیل منصور نے جس وقت حکومت سنبھالی، اس وقت فاطمی حکومت بہت نازک حالات سے گذر رہی تھی، اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اب اس کا زوال ہو جائے گا۔ فاطمی سلطنت سکڑ کر مہدیہ اور کچھ چھوٹے شہروں تک محدود ہو گئی تھی۔ان حالات کو دیکھ کر سب سے پہلے اس نے ابو یزید خارجی کے فتنہ کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ابو یزید سوسہ نامی شہر کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔اور اس کی فوج چاروں طرف لوٹ مار اور قتل وغارت گری کر رہی تھی۔اسماعیل نے اس سے لڑنے کے لیے بحری اور بری دو طرف سے فوجیں روانہ کیں، سوسہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا، اور فاطمی لشکر کو فتح نصیب ہوئی، ابو یزید کو قیروان کی طرف پسپا ہونا پڑا۔

ابو یزید کی شکست کی خبر سن کر اسماعیل اس کو کھدیڑنے کے لیے خود نکل پڑا، دار الخلافہ پر جوذر حاجب کو نائب بنایا، اور ایک بڑی فوج لیکر قیروان کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا، لشکر گاہ کے ارد گرد خندق کھود لی، اور خوب حفاظتی بندوبست کر لیا۔ابو یزید بھی اپنی لشکر گاہ سے نکل کر فاطمی لشکر کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔کئی مہینہ تک دونوں لشکروں میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں، محرم 335ھ/اگست 946 کے آغاز میں ایک زبردست جنگ ہوئی، ایک ہفتہ تک یہ جنگ جاری رہی، اس جنگ میں فاطمی لشکر کو شاندار فتح ہوئی، اور ابو یزید شکست کھا کر پہاڑی علاقہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔اس جنگ کو وقعۃ المشاعل یعنی مشعلوں کی جنگ کہاں جاتا ہے، کیوں کہ اس میں رات کو جنگ جاری رکھنے کے لیے مشعلیں جلائیں گئی تھیں۔

اس شاندار فتح کی خوشی میں اسماعیل نے ایک شہر کی بنیاد ڈالی، جس کے لیے اسی جگہ کا انتخاب کیا، جہاں اس کے لشکر نے قیام کیا تھا۔اور حکم دیا کہ اس کے گرد مضبوط فصیل بنائی جائے، اور اس میں شاندار عمارتیں تعمیر کی جائیں۔

اسماعیل چاہتا تھا کہ ابو یزید کا خاتمہ کر کے واپس ہو، اس لیے نئے شہر 'منصوریہ' کا انتظام کر کے وہ ابو یزید کے تعاقب میں نکل گیا۔کئی مہینہ پہاڑی علاقہ میں مقابلہ کرنے اور فاطمی فوج کے شدید نقصان کے بعد ابو یزید گرفتار ہوا۔اور اسماعیل کی قید میں زخموں کی تاب نہ لا کر قید میں مر گیا۔

ابو یزید خارجی کو اس کی بہادری اور دلیری کی وجہ سے شمالی افریقہ کی تاریخ میں ایک ہیرو کی طرح شہرت حاصل ہے۔وہ فاطمی سلطنت ختم کر کے ایک نئی سلطنت بنانا چاہتا تھا، اور اپنے آپ اس کا حاکم تصور کرتا تھا، قیروان پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے اپنے نام کے سکے بھی ڈھلوائے تھے۔اس میں شک نہیں کہ وہ ایک بلند حوصلہ قائد، بے مثال سپہ سالار اور چالاک سیاست داں تھا۔وہ اپنے آپ کو اسلام کا محافظ سمجھتا تھا، اور اس کا دعوی تھا کہ وہ ظالمانہ نظام کے خلاف کھڑا ہوا ہے۔اس کا تعلق قبیلہ زناتہ سے تھا، جو ابتدا ہی سے قبیلہ کتامہ کا مدمقابل تھا، اسی مذہبی اور قبائلی عصبیت نے ایک طویل جنگ کی شکل اختیار کر لی تھی، جس کا اختتام ابو یزید کی موت پر ہوا۔

صقلیہ میں بازنطینی مداخلت

اسماعیل منصور کے دور میں فاطمی حکومت کی طرف سے حسن کلبی صقلیہ کا حاکم تھا۔اس نے جزیرہ صقلیہ میں نصاری کے خلاف ایسی سختیاں کیں کہ بازنطینی شہنشاہ قسطنطین ہفتم کو متوجہ ہونا پڑا۔اس نے فاطمی حکومت کے مفادات پر ضرب لگانے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔حسن کلبی نے اسماعیل منصور سے فوری امداد کے لیے درخواست کی، اسماعیل نے فاطمی بحری بیڑے کے کئی جہاز اس کی مدد کے لیے روانہ کئے۔حسن کلبی نے اس کمک کے ذریعے سے بازنطینی فوج کے خلاف کاروائیاں شروع کیں، اور ذوالحجہ 340ھ/مارچ 952 تک عیسائی لشکر کو شکست دے کر واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

دارالخلافہ کی منصوریہ کو منتقلی

اسماعیل منصور کو جب محسوس ہوا کہ فاطمی سلطنت میں دوبارہ امن وامان واپس آچکا ہے،اوراس کا وقار بحال ہو چکا ہے،تو اس نے مناسب سمجھا کہ دارالحکومت مہدیہ سے منصوریہ منتقل کردے۔ چنانچہ شوال 336ھ/اپریل 948 میں وہ اپنے جدید تعمیر کردہ شہر منصوریہ منتقل ہوا اور مہدیہ پر اپنے خصوصی خادم جوذر کو عامل مقرر کیا۔منصوریہ پہنچ کر اسماعیل نے اس نئے شہر کی تعمیر وترقی کی طرف توجہ کی، قیروان شہر سے بازاروں، اہل صنعت وحرفت اور حکومتی دفاتر کو بھی یہیں منتقل کرلیا۔قلیل عرصہ میں منصوریہ نے ترقی کے مدارج طے کئے،اور تجارتی، سیاسی اور انتظامی حیثیت سے فاطمیوں کے نئے دارالحکومت کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔

اسماعیل منصور کی وفات

شوال 341ھ/مارچ 953 میں اسماعیل منصور کا انتقال ہوا۔اسماعیل منصور فاطمی حکمرانوں کے سلسلہ کی اہم کڑی ہے،اس نے ایسے وقت حکومت سنبھالی، جب کہ فاطمی حکومت روبہ زوال تھی،اوراس نے اس میں نئی روح پھونک دی،اگرچہ وہ فاطمی سلطنت کے اس رعب ودبدبہ کو واپس نہیں لاسکا، جو عبیداللہ مہدی نے قائم کیا تھا۔لیکن اس نے اپنے بعد والوں کے لیے اس قدر مستحکم ضرور کردیا کہ اس کے جانشین اس حکومت کو ایک طاقتور اور وسیع سلطنت کے روپ میں عروج کی بلندیوں تک لے جانے میں کامیاب ہوگئے۔

10.8 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- فاطمی حکومت کی داغ بیل شمالی افریقہ میں اسماعیلی داعیوں کے ذریعے ڈالی گئی۔اسماعیلی شیعہ اہل تشیع کا وہ فرقہ ہے،جس کا ماننا ہے کہ امام جعفر صادق کے بعد ساتویں امام ان کے فرزند اکبر امام اسماعیل ہیں۔اسماعیلی نظریہ میں مہدی موعود کے تصور کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ امامت کا منصب نص اور تعیین کے ذریعے منتقل ہوتا ہے۔اور ہر امام کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنی زندگی ہی میں اپنے بعد والے امام کے لیے نص کردے۔
- شمالی افریقہ میں فاطمی حکومت اغلبی حکومت کو ختم کر کے قائم ہوئی۔اس حکومت کے قیام میں ابوعبداللہ شیعی کی مساعی سب سے زیادہ ہیں۔شمالی افریقہ میں اس کا ساتھ ایک بہت بڑے بربری قبیلہ نے دیا،جس کا نام قبیلہ کتامہ تھا۔اسی قبیلہ کی مدد سے عبیداللہ مہدی کو بھی حکومت قائم کرنے میں سب سے زیادہ مدد ملی۔حکومت قائم ہوتے ہی عبیداللہ مہدی نے شیعی نظریات کو نافذ کرنا اور شیعی شعائر کو فروغ دینا شروع کردیا،اور بزور وقوت اپنے مذہب کی ترویج کا حکم دیا،جس کی وجہ سے مقامی اہل سنت عوام اور مالکی مسلک کے علما نے مخالفت شروع کی۔عبیداللہ مہدی نے یہ دیکھ کر سختی ختم کردی،اور مذہبی آزادی بحال کردی،جس کی وجہ سے ان کو استحکام حکومت میں مدد ملی۔
- اس حکومت کو فاطمی حکومت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عبیداللہ مہدی کا دعوی تھا کہ وہ حضرت فاطمہ کی اولاد میں ہے۔
- فاطمی میں کل چودہ حکمراں ہوئے ہیں،سب سے پہلا حکمراں عبیداللہ مہدی تھا،عبیداللہ مہدی کو حکومت قائم کرنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا،ایک طرف ابوعبداللہ شیعی نے اپنے اختیارات کم ہوتے دیکھ کر اندر اندر قبیلہ کتامہ کو مخالف بنانا شروع کردیا،دوسری طرف شیعیت کے فروغ میں ان کے غلو کی وجہ سے اہل سنت نے بغاوتیں کرنی شروع کیں،تیسری طرف کتامہ قبیلہ کے مدمقابل قبیلہ زناتہ نے مخالفت پر کمر کس لی،خود قبیلہ کتامہ میں بغاوت نے جڑ پکڑنی شروع کردی۔عبید اللہ مہدی نے ان تمام مشکلات پر نہایت حکمت،

عزیمت، بہادری اور ہوش مندی سے قابو پایا۔

- عبیداللہ مہدی نے اپنی حکمرانی میں اسماعیلی دعوت کو فروغ دینے کی بھی پوری کوشش کی، شمالی افریقہ کے علاوہ مصر اور اندلس تک اپنے داعیوں کو بھیجا، جنہوں نے اسماعیلی دعوت کو ان علاقوں میں خفیہ طور پر فروغ دیا۔
- عبیداللہ مہدی نے اپنی حکومت کو وسیع کرنے کے لیے صقلیہ اور مصر پر حملے کئے۔ صقلیہ پر قبضہ میں ان کو زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ لیکن مصر پر کئی مرتبہ کی کوششوں کے بعد بھی قبضہ نہ ہو سکا۔
- عبیداللہ مہدی نے فاطمی حکومت کے قیام و استحکام میں اہم کردار ادا کیا، انہوں نے فوج کو مضبوط کیا، بحری بیڑا قائم کیا، بحر متوسط میں بازنطینی سلطنت کے خلاف کارروائیاں کیں، اور مسیحی ریاستوں سے خراج وصول کیا۔ مہدیہ اور محمدیہ نامی دو شہر تعمیر کئے، خزانہ کو پر کیا، انہی وجوہات کی بنا پر ان کو ایک کامیاب بانی سلطنت مانا جاتا ہے۔
- فاطمی سلطنت کا دوسرا حکمراں قائم بامراللہ تھا۔ اس کو اگرچہ اپنی والد کی زندگی میں عسکری اور انتظامی صلاحیتوں کو سیکھنے کے بہترین مواقع ہاتھ آئے تھے، لیکن اس کی زندگی عزلت اور زہد وتقشّف کے ساتھ گذری۔ اس کے عہد حکومت کا اہم واقعہ ابو یزید خارجی کی بغاوت ہے۔ ابو یزید خارجی کا تعلق قبیلہ زناتہ سے تھا، وہ مذہبی اور سیاسی عصبیت کی وجہ سے فاطمی حکومت کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کرنے اٹھ کھڑا ہوا۔ قیروان اور رقادہ پر قبضہ کر کے اس نے مہدیہ کا محاصرہ کر لیا، قائم نے بھر پور مقابلہ کیا اور اس کو مہدیہ سے واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ لیکن قبل اس کے کہ ابو یزید کی شورش پورے طور پر ختم ہوتی، خود قائم کی وفات ہوگئی۔

10.9 نمونہ امتحانی سوالات

10.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ 'دیوان الکشف' کس نے قائم کیا تھا؟

(a). عبیداللہ مہدی (b). ابوعبداللہ شیعی (c). قائم بامراللہ (d). منصور بنصراللہ

2۔ امام اسماعیل جن کی جانب اسماعیلی تحریک منسوب ہے، ان کے والد کا نام بتایئے۔

(a). جعفر صادق (b). موسیٰ کاظم (c). محمد المکتوم (d). عبداللہ

3۔ شمالی افریقہ میں سب سے پہلے کن دو اسماعیلی داعیوں نے کام کیا تھا؟

(a). ابوسفیان اور ابوعبداللہ شیعی (b). ابوسفیان اور حلوانی (c). حلوانی اور ابوعبداللہ شیعی (d). سب غلط

4۔ اغلبی حکومت کا آخری فرماں روا کون تھا؟

(a). زیادۃ اللہ ثالث (b). ابراہیم اول (c). ابراہیم ثانی (d). موسی بن عیاش

5۔ مصر کس کے زمانہ میں فتح ہوا تھا؟

(a). عبیداللہ مہدی (b). منصور باللہ (c). قائم بامراللہ (d). سب غلط

6۔ مہدیہ شہر کس نے تعمیر کیا تھا؟

(a). عبیداللہ مہدی (b). منصور باللہ (c). قائم بامراللہ (d). ابوعبداللہ شیعی

7۔ ابویزید خارجی کا تعلق کس قبیلہ سے تھا؟

(a). قبیلہ کتامہ (b). قبیلہ زناتہ (c). قبیلہ اغالبہ (d). قبیلہ مہدیہ

8۔ اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کا اضافہ کس نے کیا تھا؟

(a). عبیداللہ مہدی (b). منصور بنصراللہ (c). قائم بامراللہ (d). ابوعبداللہ شیعی

9۔ عبیداللہ مہدی کے نام کا خطبہ بطور امیر المؤمنین پہلی بار کب پڑھا گیا تھا؟

(a). 909ء (b). 902ء (c). 910ء (d). 915ء

10۔ فاطمی حکومت کا پایہ تخت مہدیہ سے منصوریہ کس کے زمانہ میں منتقل کیا گیا تھا؟

(a). عبیداللہ مہدی (b). منصور باللہ (c). قائم بامراللہ (d). ابوعبداللہ شیعی

10.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ فاطمی حکومت کے مختلف ادوار کا تعارف کرائیے۔

2۔ اسماعیلی تحریک کا تعارف کرائیے۔

3۔ مہدیہ شہر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں، تحریر کیجیے؟

4۔ فاطمی حکومت کی توسیع کے لیے عبیداللہ مہدی کے اقدامات پر روشنی ڈالیے۔

5۔ ابویزید خارجی کی شورش پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

10.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ ابوعبداللہ شیعی کون تھا، اور فاطمی حکومت کے قیام میں اس کی کیا خدمات ہیں؟ بیان کیجیے۔

2۔ فاطمی حکومت کے قیام کے بعد عبیداللہ مہدی کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟ واضح کیجیے۔

3۔ فاطمی حکومت کے استحکام میں اسماعیل منصور کی حصہ داری کا جائزہ لیجیے۔

10.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخ دولت فاطمیہ : رئیس احمد جعفری

2۔ تاریخ الفاطميين فى شمال افريقية ومصر وبلاد الشام : ڈاکٹر محمد سہیل طقوش

3۔ الدولة الفاطمية فى مصر : تفسير جديد : ڈاکٹر ایمن فواد سید

-:oOo:-

اکائی 11 : فاطمی حکومت کے اہم حکمراں

اکائی کے اجزا

11.0 تمہید
11.1 مقصد
11.2 اہم حکمراں
11.3 المعزلدین اللہ
11.4 عزیز باللہ
11.5 حاکم بامراللہ
11.6 الظاہرلاعزاز دین اللہ
11.7 فاطمی حکومت کا زوال
11.8 فاطمی عہد میں نظم ونسق
11.9 پولیس اور فوج
11.10 عدالتی نظام
11.11 اکتسابی نتائج
11.12 نمونہ امتحانی سوالات
11.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
11.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
11.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
11.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

11.0 تمہید

اس اکائی میں فاطمی سلطنت کے دورعروج کے حالات بتائے گئے ہیں، مکانی اعتبار سے فاطمی سلطنت دوحصوں میں منقسم ہے، پہلا دور

شمالی افریقہ کا ہے، جہاں فاطمی حکومت کو قیام اور استحکام نصیب ہوا، جس کے بارے میں ہم گذشتہ اکائی میں مطالعہ کر چکے ہیں۔ اور دوسرا دور مصر کا ہے، جہاں فاطمی حکومت نے عروج کی منزلیں طے کیں، وہ عالم اسلام کی بڑی سلطنتوں میں شامل ہوئی۔ شام اور حجاز میں فاطمی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسی دور میں ان کے علمی اور تعمیری کارنامے سامنے آئے۔ یہاں ہم اس دوسرے دور کے اہم حکمرانوں پر گفتگو کریں گے۔

11.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو ان اہم حکمرانوں کے بارے میں واقفیت حاصل ہو، جنہوں نے فاطمی سلطنت کو ترقی کی بلندیوں تک پہونچایا، اس اکائی کو پڑھنے سے ان حکمرانوں کے بارے میں اہم معلومات سے بھی واقفیت ہوگی، ان کے اہم کارنامے سامنے آئیں گے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس حکومت کے زوال کے اسباب کیا ہیں۔

11.2 اہم حکمراں

فاطمی خاندان کے اہم حکمرانوں میں ہم نے دور عروج کے چار خلفا کے حالات درج کئے ہیں، ان میں دور ارتقاء کے عبیداللہ مہدی اور اسماعیل منصور کا نام بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ چوں کہ ان کے حالات قیام واستحکام کے ضمن میں پچھلی اکائی میں گذر چکے ہیں، اس لیے یہاں المعز، عزیز باللہ، حاکم اور ظاہر کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

11.3 المعز لدین اللہ (341-365ھ/975-953ء)

المعز کا نام ابوتمیم معد بن اسماعیل منصور تھا۔ اس نے بائیس برس کی عمر میں حکومت سنبھالی۔ تین فاطمی خلفاء مہدی، قائم اور اپنے باپ اسماعیل منصور کا زمانہ پایا تھا، مہدیہ اور مستنصریہ دونوں راجدھانیوں میں زندگی گذاری تھی۔ کئی زبانوں کا ماہر تھا، عربی اس کی مادری زبان تھی، بربری، لاطینی، صقلی اور سوڈانی زبان بھی جانتا تھا۔ علم وادب سے خاص شغف تھا۔ سیاسی اور جنگی امور میں بھی وہ اپنے ہم عصروں سے نہایت فائق تھا۔ فاطمی سلطنت اس کے زمانہ میں بہت وسیع اور طاقتور بن گئی۔ سلطنت میں اپنے تدبر اور حسن انتظام سے نئی روح پھونک دی، شمال مغربی افریقہ اور مصر کو اس نے سلطنت میں شامل کیا۔ آگے بڑھ کر ملک شام پر بھی حملہ کیا، اور بغداد کی عباسی خلافت پر اپنی دھاک بٹھا دی۔ اس نے مملکت میں علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ ٹیکس کی وصولی میں ظلم وجبر کو ختم کیا، جس کی وجہ سے عوام کو معاشی اطمینان حاصل ہوا، اور حکومت کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوا۔ اس کا اہم کارنامہ عدالتی اصلاح کے اقدامات ہیں۔ اس کی قائم کردہ عدالت بالا میں بڑے بڑے امرا اور وزرا کے خلاف درخواستیں پیش ہوتی تھیں، اور خلیفہ کی تصدیق کے بعد قاضی کا فیصلہ نافذ کر دیا جاتا تھا۔

خاندانی خلفشار

اسماعیل منصور نے اپنی زندگی میں المعز کے لیے نص کر دیا تھا۔ اس کے باوجود المعز کو خاندانی شورشوں کا خدشہ لگا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عبیداللہ مہدی کے بعد فاطمی حکومت کو متعدد اضطرابات اور شورشوں کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے المعز کو اپنے چچاؤں اور ان کی اولاد کی طرف سے بغاوت کا ڈر تھا۔ تخت سلطنت کے حصول میں عبیدی خاندان کے اندر خلفشار اور سازشیں جاری تھیں۔ اس مسئلہ سے نمٹنے کے لیے المعز نے تخت حکومت سنبھالنے کے بعد کچھ عرصہ تک اپنے والد کی موت کو چھپائے رکھا۔ جب اس کو اطمینان ہو گیا کہ اب کوئی اندورنی بغاوت نہیں ہوگی، تو چند ہفتے بعد بقرعید کے روز منصوریہ کی جامع مسجد میں اپنے والد کی وفات اور اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ پھر بھی اس نے اپنے والد کے خصوصی خادم جوذر کو جو مہدیہ پر عامل تھا، حکم دے دیا تھا کہ ان لوگوں کو دروازوں سے نکلنے نہ دیا جائے، جو تخت کی دعوے داری کر سکتے ہوں۔

توسیع حکومت

شمال مغربی افریقہ میں فاطمی اثر و نفوذ

دوسری مشکل المعز کے سامنے یہ تھی کہ قائم کے زمانہ میں شروع ہونے والی بغاوتوں نے ملک میں امن و امان کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس کے باپ اسماعیل منصور نے اگرچہ کافی حد تک ان پر قابو پالیا تھا، لیکن ملک میں مکمل اعتماد کی بحالی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ المعز نے اس عزم کے ساتھ حکومت شروع کی کہ وہ اپنے اسلاف کی طرح ملک کے اندر سے فتنوں کی بیخ کنی کر دے گا، اور باشندگان کے دلوں میں اعتماد بحال کرے گا، اور اسماعیلی دعوت کے نظام میں بھی تیزی لائے گا۔

المعز نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ابو یزید خارجی کے فتنہ کی ان چنگاریوں کو بجھایا، جن میں کسی بھی وقت آگ بھڑک سکتی تھی۔ ابو یزید خارجی کے معاون قبیلہ ہوارہ کا مسکن وہ پہاڑی علاقہ تھا، جس کا نام ''جبال اوراس'' تھا۔ یہیں پر قبیلہ زناتہ کے باغی بھی پناہ گزیں تھے۔ سنہ 341ھ کے اواخر/953ء کے اوائل میں المعز بذات خود فاطمی فوجوں کو لے کر نکلا، اور چاروں طرف اپنی فوجیں پھیلا کر ہوارہ قبیلہ کی سرزمین کا گھراؤ کر لیا۔ اب ان کے سامنے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا کہ ہتھیار ڈال دیں۔ المعز نے ان کی خود سپردگی قبول کی، اور منصوریہ جا کر ہوارہ اور زناتہ کے سرداروں کو طلب کیا، ان کے شایان شان ان کا استقبال کیا، ہدایا اور تحائف دئے۔ المعز کے اس برتاؤ سے ''جبال اوراس'' کے قبائل سے شورش کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد المعز نے شمال مغربی افریقہ کے دور دراز علاقوں تک اپنے نفوذ کو پھیلانے کے لیے منصوبہ تیار کیا۔ سلطنت کے توسیعی منصوبہ کے علاوہ اس کی وجہ یہ بھی ہوئی کہ اندلس کی اموی حکومت مغربی افریقہ کی حکومتوں کو فاطمیوں کے خلاف تعاون دیتی رہتی تھی، اس نے ابو یزید خارجی کی درخواست پر اس کی مدد کے لیے بحری بیڑا بھی روانہ کیا تھا۔ عبدالرحمٰن الناصر نے زناتہ، تاہرت اور دوسرے باغی قبائل کے سرداروں کو اموی حکومت سے ملانے کی پالیسی بھی بنا رکھی تھی۔ اس لیے المعز نے ارادہ کیا کہ فاطمی خلافت کو مغربی سمت سے مطمئن کر دینا چاہئے۔ ان علاقوں کا سفر آسان نہ تھا، لشکر کو فاطمی حکومت کے مرکز سے بہت دور جانا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے مذہبی جذبات سے کام لیتے ہوئے جہاد کا اعلان کیا، قبیلہ کتامہ کے جیالے نوجوانوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔ المعز نے مغربی افریقہ کے ایک بڑے قبیلہ صنہاجہ کے سرداروں کو منصوریہ بلا کر انعام و اکرام سے نوازا۔ ہوارہ اور زناتہ قبائل کو بھی جو ابھی اس کی اطاعت میں داخل ہوئے تھے، ساتھ لیا۔ اور سب کے سامنے جہاد کی فضیلت بیان کی، اور فاطمی خلافت کے خلاف کھڑے ہونے والی کسی بھی خلافت کو ختم کرنے کی مذہبی اہمیت بتائی۔ اپنے معتمد خاص جوہر القائد کو اس لشکر کا قائد مقرر کیا۔

سنہ 437ھ/958ء کو یہ لشکر روانہ ہوا۔ سب سے پہلے اس نے تاہرت کے والی یعلی بن محمد کو سزا دینے کا ارادہ کیا، جو فاطمی اطاعت سے نکل کر اموی حکومت سے مل چکا تھا۔ والی تاہرت کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اس لیے اس نے باہر نکل کر جوہر کا استقبال کیا، اور دوبارہ فاطمی اطاعت میں داخلہ کا عہد کیا، لیکن جوہر کو جو ہدایات ملی تھیں، ان کے مطابق عمل کرتے ہوئے اس نے والی تاہرت کو گرفتار کر کے اس کی اولاد کو نظر بند کر دیا۔ اس کے بعد جوہر نے سجلماسہ کا رخ کیا، یہاں پر محمد بن فتح بن واسول نے اپنی خلافت کا اعلان کر کے شاکر باللہ کا لقب اختیار کر رکھا تھا، جب فاطمی لشکر قریب پہونچا تو اس نے فرار ہونے کی کوشش کی، لیکن شہر کے باشندوں نے جو فاطمی حکومت سے وابستگی رکھتے تھے، اس کو پکڑ کر جوہر کے حوالہ کیا، اور جوہر نے اس کو قتل کر دیا۔ سجلماسہ شمال مغربی افریقہ میں تجارتی قافلوں کی گذرگاہ پر واقع تھا۔ یہاں غلاموں اور سونے کا کاروبار بہت عروج پر تھا، اس لیے سلجماسہ پر قبضہ ہوتے ہی المعز نے یہاں اپنے نام کے سکے ڈھالنے کا حکم دیا، تاکہ یہاں پر اس کی مکمل سیاسی بالادستی قائم ہو جائے۔ اور یہاں کے معاشی فوائد سے اندلس کی اموی حکومت محروم ہو جائے۔

اس کے بعد جوہر نے فاس کا رخ کیا۔ یہاں کے حاکم احمد بن بکر جذامی نے اندلس کی اموی حکومت کی اطاعت اختیار کر رکھی تھی۔ جوہر

نے گیارہ مہینے کے محاصرہ کے بعد رمضان 348ھ/ نومبر 959ء میں اس شہر پر قبضہ کیا، اور حاکم فاس کو قید کرلیا۔ فاس پر قبضہ ہوتے ہی اس علاقہ کے باقی بڑے شہروں نے بھی فاطمی حکومت کی اطاعت میں داخلہ کا اعلان کردیا۔ جوہر جب واپس منصوریہ لوٹا تو پورے مغربی افریقہ پر المعز کی بالادستی قائم ہوچکی تھی، صرف دوشہر طنجہ اور سبتہ پر قبضہ نہ ہوسکا، جہاں بدستور اموی حکومت سے وابستگی باقی رہی۔

المعز کی دلی تمنا تھی کہ اندلس پر بھی بڑھ کر حملہ کردے، کیوں کہ وہ اندلس کی اموی خلافت کو غیر قانونی سمجھتا تھا، اور اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا تھا کہ اس کافر حکومت کو زیر کر کے بنو فاطمہ کی اطاعت میں داخل کرے، لیکن اندلس میں موجود اس کے داعیوں نے اس کو انتباہ دے دیا تھا کہ وہ اپنے اس دشمن کو ہرگز بھی کمتر نہ سمجھنے اور جلد بازی میں کسی بھی حملہ کا فیصلہ نہ کرے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ قرطبہ اور منصوریہ میں اقتدار کی رسہ کشی چلتی رہی، اور ایک دوسرے پر بحری حملے بھی طویل عرصہ تک جاری رہے۔

بازنطینی حکومت سے لڑائیاں

المعز کے زمانہ میں فاطمی-بازنطینی معرکوں کی اہم کڑی مجاز کا معرکہ ہے۔ بازنطینی حکومت نے اپنا بحری بیڑا مضبوط کرنے کے بعد بحر متوسط میں اپنی کاروائیاں تیز کردی تھیں، اور سنہ 350ھ میں جزیرہ کریٹ پر قبضہ کرلیا، جہاں سوا سو سال تک اسلامی حکومت رہ چکی تھی، پھر انہوں نے 352ھ میں قبرص بھی مسلمانوں سے چھین لیا۔ اس کے بعد ان کی نظریں صقلیہ پر تھیں، صقلیہ کے عیسائی باشندوں نے بازنطینی لشکر کی فتوحات دیکھ کر ان سے ہاتھ ملالیا، اور سنہ 351ھ میں طرمین اور رمطہ نامی شہر کے دروازے بازنطینی لشکر کے لیے کھول دئے۔ حاکم صقلیہ احمد بن حسن بن علی کلبی نے طرمین کا محاصرہ کر کے اس شہر کو فتح کرلیا، اور بازنطینی لشکر کو یہاں سے بھگا دیا۔ رمطہ صقلیہ کے ساحل پر آباد تھا، ان کی مدد کے لیے شہنشاہ قسطنطنیہ نقفور فوکاس نے پینتالیس ہزار فوجیوں کو جنگی جہازوں پر صقلیہ روانہ کیا تھا۔ حاکم صقلیہ احمد بن حسن نے یہ خبر المعز کو بھجوائی، اور خود تیاریوں میں مشغول ہوگیا، کمانڈر حسن بن عمار کو رمطہ کے محاصرہ کے لیے بھیج دیا۔ المعز نے اس کی مدد کے لیے ایک زبردست بحری بیڑا روانہ کیا۔ عیسائی لشکر نے وہاں پہنچ ساحل مسینا پر قبضہ کرلیا۔ جب یہ لوگ رمطہ پر قبضہ کرنے کے لیے بڑھے تو فاطمی فوج نے زمینی لڑائی میں عیسائی فوج کو زبردست شکست دی، عیسائی فوج شکست کھا کر جنگی جہازوں میں سوار ہو کر بھاگنے لگی تو فاطمی بحری بیڑے نے ان پر حملہ کردیا، بعض مسلمان سپاہوں نے سمندر میں تیر کر بازنطینی جہازوں میں سوراخ کردیا۔ ان کے کئی جہاز ڈوب گئے، شرم ناک شکست بازنطینی فوج کا مقدر بنی۔ حسن بن عمار نے واپس آ کر رمطہ کو بھی فتح کرلیا۔ اس معرکہ کو معرکۃ المجاز کہا جاتا ہے، مجاز ایک سمندری تنگ نائے ہے، جو صقلیہ اور کلابیریا کے درمیان واقع ہے، مسلمانوں کی سمندری فوجیں یہیں سے گذر کر جنوبی اٹلی پر حملے کیا کرتی تھیں۔ معرکۃ المجاز کو سمندری جنگوں کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے، اس جنگ نے نہ صرف رمطہ بلکہ صقلیہ کے مستقبل کا فیصلہ کردیا کہ اگلی کئی دہائیوں تک یہاں مسلمانوں کی حکومت رہے گی۔ بازنطینی شہنشاہ کو صلح کے لیے جزیہ ادا کرنے اور مسلمان قیدیوں کو رہا کرنے کی شرطوں پر معاہدہ کرنا پڑا۔ معرکۃ المجاز کا واقعہ سنہ 354ھ/965ء میں پیش آیا۔

مصر پر فاطمی حملہ

مغربی افریقہ کو فتح کرنے اور صقلیہ میں بازنطینی حکومت کا زور توڑنے کے بعد المعز نے مشرق کی طرف رخ کیا۔ مصر پر قبضہ فاطمی حکمرانوں کی دلی تمنا تھی، 297ھ میں حکومت کے قیام کے بعد سے نصف صدی کے دوران وہ چار مرتبہ مصر پر ناکام حملے کر چکے تھے۔ اس لیے المعز نے اس مرتبہ مصر پر حملہ کے لیے عظیم الشان تیاریاں کیں۔ پوری مملکت سے مال و دولت اکھٹا کیا، خود مہدیہ جا کر اپنے باپ دادا کے محلوں میں جمع شدہ سونا طلب کیا، جو پانچ سو اونٹ پر لاد کر لایا گیا، اس کے علاوہ خراج کا باقی مال بھی جمع کیا گیا۔ تونس سے برقہ تک راستہ میں جگہ جگہ کنویں کھدوائے،

تا کہ لشکر کے لیے پانی کی کمی پیدا نہ ہو۔ بحری بیڑے میں متعدد نئے جنگی جہاز شامل کئے۔ بربری قبائل میں سے اپنے مخلص معاونین کا ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا، جس کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ تمام فوجیوں کو تنخواہیں ادا کردیں۔ اور اس لشکر کا سپہ سالار جوہر القائد صقلی کو بنایا، جس پر المعز کو بے انتہا اعتماد تھا، وہ کہتا تھا کہ مجھے جوہر کی قابلیت پر اس قدر بھروسہ ہے کہ اگر جوہر تنہا بھی جا کر حملہ کردے تو مصر فتح ہو جائے۔ جب لشکر روانہ ہوا تو فوجیوں میں اعتماد پیدا کرنے کے لیے اپنے بچوں، ولی عہد اور بھائیوں کو حکم دیا کہ جوہر کے ساتھ پیدل چل کر اس کو رخصت کریں۔

فاطمی حملہ کے وقت مصر کی حالت

المعز نے مصر پر حملہ کے لیے بہت سازگار وقت کا انتخاب کیا، عباسی خلافت کے دربار میں امیر الامرائی کے لیے رسہ کشی جاری تھی، عباسی خلیفہ بویہی امرا کی لگائی ہوئی پابندیوں میں گرفتار تھا۔ اس کا اپنا اختیار کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا۔ مختلف ریاستوں کے امرا خود مختار ہوئے جا رہے تھے، مصر میں اخشیدی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ ملک کافور نے اپنے زمانہ تک مصر کو فوجی اور معاشی اعتبار سے مضبوط کر رکھا تھا۔ لیکن 357ھ/964ء میں اس کے انتقال کے بعد مصر کے سیاسی حالات دگرگوں ہو گئے تھے، کافوریوں اور اخشیدیوں میں مقابلہ آرائی شروع ہو گئی تھی۔ مصر میں موجود اسماعیلی داعیوں نے اپنی دعوت کو تیزی سے فروغ دیتے ہوئے عوام وخواص میں اپنا حلقہ اثر کافی بڑھا لیا تھا۔

مصر کی فتح

ربیع الآخر 358ھ/مارچ 969ء میں فاطمی لشکر روانہ ہو کر اسکندریہ پہونچا۔ ساتھ میں بحری بیڑا بھی اسکندریہ آکر لنگر انداز ہوا۔ اسکندریہ بلا کسی مقابلہ کے فتح ہو گیا تو جوہر نے اپنی فوجوں میں منادی کروادی کہ باشندوں کے ساتھ بالکل تعرض نہ کریں۔ جب جوہر کے اسکندریہ پہونچنے کی خبر فسطاط پہونچی تو امراء اور وزراء نے آپس میں مشورہ کیا، اور فاطمی لشکر کی طاقت کو دیکھتے ہوئے بہ اتفاق رائے یہ طے کیا کہ بلا مقابلہ مصر جوہر کے حوالہ کر دیا جائے۔ انہوں نے جوہر سے ملاقات کے لیے ایک وفد مرتب کیا، جس میں ایک حسینی سید کو قائد بنایا۔ اس وفد میں شہر کے تمام علماء، ادباء، تجار اور امراء شامل تھے۔ باہمی گفتگو کے بعد طے ہوا کہ جوہر ایک امان نامہ لکھ کر تمام مصریوں کو امان عطا کرے گا۔ جوہر نے یہ امان نامہ تحریر کرایا، جس میں مصر کے تمام باشندوں بشمول مسلمان، عیسائی، فوجی عوام یعنی سب کو جان، مال اور عقیدہ کی آزادی دی گئی۔ 17، شعبان 358ھ/10، جولائی 969ء کو جوہر فسطاط میں داخل ہوا، اور 20، شعبان کو جمعہ کے روز جامع عمرو بن العاص میں نماز پڑھی، خطبہ سے عباسی خلیفہ کا نام نکال دیا گیا، اور فاطمی خلیفہ المعز کا نام داخل کر دیا گیا، اس طرح مصر فاطمی سلطنت میں داخل ہوا۔

جوہر کے انتظامات

مصر پر قبضہ کے بعد جوہر نے سب سے پہلے قاہرہ شہر کی داغ بیل ڈالی، شہر کی مضبوط فصیل تعمیر کی گئی، جس میں چار دروازے بنائے گئے، دو دروازوں کا نام باب النصر اور باب الفتوح تھا، اور بقیہ دو کا باب زویلہ۔ شہر میں المعز کے لیے ایک محل کی بنیاد رکھی، اور المعز کی ہدایت پر ایک مسجد اور مدرسہ تعمیر کیا گیا، حضرت فاطمہ زہرا کی طرف منسوب کر کے مسجد کا نام جامع الازہر رکھا گیا، اس مسجد میں اسماعیلی مذہب کی تعلیم دی جاتی تھی، اور اسماعیلی دعوت کے فروغ کے لیے داعیوں کو تیار کیا جاتا تھا۔ جوہر نے مصر میں فاطمی سکے ڈھلوائے۔ بھوک مری ختم کرنے کے لیے اقدامات کئے، بازار میں نگرانی سخت کر دی، ذخیرہ اندوزوں کو سر بازار سزا دی۔ اس نے کوشش کی کہ مصر کے باشندے امن وامان کے ساتھ زندگی گذاریں۔

ملک شام پر حملہ

مصر پر قبضہ کرنے والی کسی بھی حکومت کی پہلی پالیسی یہی ہوتی تھی کہ وہ ملک شام کو بھی اپنی مملکت میں شامل کرے، اس لیے جوہر نے ایک

کتامی قائد جعفر بن فلاح کو لشکر دے کر شام پر حملہ کے لیے روانہ کیا، جعفر نے پہلے رملہ فتح کیا، پھر 359ھ/970ء میں دمشق پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کر لیا، اور وہاں خلیفہ معز کے نام کا خطبہ پڑھا۔ لیکن ملک شام پر یہ قبضہ بہت جلد ختم ہو گیا۔ اور دوبارہ یہاں عباسی خلیفہ کا خطبہ شروع کر دیا گیا۔

دار الخلافہ کی مصر کو منتقلی

المعز کا ارادہ تھا کہ دار الخلافہ منصوریہ سے مصر منتقل کر دے، اس سے پہلے اس نے شمالی افریقہ میں تمام معاملات درست کیا، بربر قبائل میں ذمہ داریوں کو اس ڈھنگ سے تقسیم کیا کہ طاقت کا توازن برقرار رہے، اور اس کے مصر جانے کے بعد کوئی ایک قبیلہ یہاں خود مختار نہ ہو جائے۔ اس کے بعد شعبان 361ھ/972ء میں مصر روانہ ہوا، جاتے وقت اپنے تمام اموال و ذخائر کے ساتھ مہدی، قائم اور منصور کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر ساتھ لے لیا۔ جس سے صاف ظاہر تھا کہ اب اس کا ارادہ افریقہ پلٹ کر آنے کا نہیں ہے۔ ایک سال کے سفر کے بعد رمضان 362ھ/973ء میں وہ قاہرہ پہونچا۔ جہاں جوہر نے اس کا استقبال کیا۔ المعز کے مصر آنے سے فاطمی خلافت کا مرکز شمالی افریقہ سے مصر منتقل ہو گیا، اور فاطمی خلافت کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ قاہرہ آنے کے تقریباً ڈھائی سال بعد ربیع الآخر سنہ 365ھ /دسمبر 975 میں المعز کی وفات ہوئی، اس نے چوبیس سال حکومت کی۔ المعز نے وفات سے پہلے اپنے تیسرے فرزند ابو منصور نزار کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا۔

11.4 عزیز باللہ (365-386ھ/996-975ء)

المعز لدین اللہ کے بعد اس کا بیٹا ابو منصور نزار "عزیز باللہ" کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ ابتدا میں اس نے والد کی وفات کی خبر چھپائے رکھی، اور جب اس کے قدم مضبوط ہو گئے تو آٹھ ماہ بعد المعز کی وفات کا اعلان کیا۔ عزیز باللہ بھی اپنے والد کی طرح کئی زبانیں جانتا تھا۔ علم و ادب سے گہرا شغف تھا۔ اس نے کئی درباری روایات کو شروع کیا، وہ پہلا شخص تھا، جس نے رمضان کے ہر جمعہ کو شاہانہ سواری کے ساتھ جا کر جمعے کے خطبے دئے۔ رمضان میں دستر خوان لگوائے۔ جامع ازہر میں کھانے کا انتظام کیا۔ وہ نہایت سخی اور داد و دہش کرنے والا تھا۔

اسماعیلی مذہب کی اشاعت

عزیز باللہ نے مصر میں سرکاری سطح پر اسماعیلی دعوت کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا، اس نے قاضیوں کو حکم دیا کہ اسماعیلی مذہب کے مطابق فیصلے کریں۔ شیعوں کو تمام اہم مناصب پر فائز کیا۔ اہل سنت سرکاری ملازمین کو پابند بنایا کہ وہ بھی اسماعیلی مذہب کے احکامات کی پابندی کریں، ورنہ اپنے عہدے سے ہاتھ دھولیں۔ تمام مساجد سے تراویح کا سلسلہ ختم کر دیا، اذان میں "حی علی خیر العمل" کا اضافہ کروایا۔ عاشوراء اور عید غدیر کے دن خصوصی جشن کا اہتمام کیا۔ جامع ازہر میں اسماعیلی فقہ کی تعلیم شروع کی، اور کئی داعیوں کو اسماعیلی مذہب کی تبلیغ و اشاعت پر مقرر کیا، ان داعیوں پر ایک سربراہ مقرر کیا، جس کو داعی الدعاۃ کہا جاتا تھا۔

عزیز باللہ کے دور میں اہل ذمہ یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ نرمی اور اکرام کا معاملہ رکھا گیا، اس نے یعقوب بن کلّس کو اپنا وزیر مقرر کیا، جو فاطمی خلافت کا پہلا وزیر تھا۔ منشا بن ابراہیم یہودی کو ملک شام کا گورنر مقرر کیا۔ اس کا طبیب بھی ایک عیسائی شخص تھا، جس کا نام منصور بن مقشر تھا۔ عزیز باللہ کی بیوی عیسائی تھی، جس کے بھائی کو اس نے بیت المقدس میں عیسائیوں کا بطریک اعظم مقرر کیا تھا۔

دمشق پر قبضہ

المعز کے دور میں ملک شام میں جھڑپیں شروع ہو چکی تھیں، لیکن قبضہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ دمشق پر اس وقت افتگین ترکی حکمراں تھا، جس کو اہل دمشق کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔ عزیز باللہ کے عہد میں جوہر نے دمشق پر دو مرتبہ حملہ کیا، پہلا حملہ سنہ 365ھ/976ء میں ہوا تھا، جس میں جوہر نے

پانچ ماہ تک دمشق کو محاصرہ میں رکھا۔اسی دوران قرامطہ کے سردار حسن الاعصم نے جوہر پر حملہ کر دیا، حسن اور افتگین نے مل کر جوہر کو کھدیڑ دیا، اور یہ حملہ ناکام رہا۔ دوسرا حملہ 368ھ/978ء میں ہوا، اس حملہ میں بھی حسن الاعصم اور افتگین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن اس مرتبہ فاطمی لشکر غالب آیا، افتگین گرفتار ہوا، جس کو بعد میں عزیز باللہ نے معافی دیدی، حسن کو بھی فرار ہونا پڑا۔اس طرح دمشق پر قبضہ مکمل ہوا۔

حرمین میں فاطمی خطبہ

المعز کے زمانہ میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ دیا جاتا تھا، لیکن اس کی وفات پر شرفائے مکہ نے دوبارہ عباسی خلافت کے نام سے خطبہ شروع کر دیا۔عزیز باللہ نے اس کو نامنظور کرتے ہوئے ایک شیعی امیر کی ماتحتی میں فوج روانہ کی، جس نے مکہ اور مدینہ کا محاصرہ کر لیا، جس کی وجہ سے دونوں مقدس شہروں میں غلہ کی کمی ہوگئی، مجبور ہو کر شرفائے مکہ و مدینہ نے فاطمی سیادت کو قبول کر لیا۔منبروں پر دوبارہ فاطمی خطبہ پڑھا جانے لگا۔27، رمضان 386ھ/14، اکتوبر 996ء کو عزیز باللہ کا انتقال ہوا۔

11.5 حاکم بامر اللہ (386-411ھ/996-1021ء)

عزیز باللہ نے اپنی زندگی ہی میں حاکم بامر اللہ کو ولی عہد بنا دیا تھا۔حاکم بامر اللہ کا نام ابوعلی منصور تھا۔جس وقت حاکم بامر اللہ تخت نشین ہوا، اس وقت فاطمی سلطنت بڑی اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تھی، بحر احمر سے بحر اٹلانٹک تک شمال مغربی افریقہ، مصر، یمن، حجاز اور دمشق اس کی سلطنت کا حصہ تھے۔اتنی بڑی سلطنت کا حاکم ہونے کے باوجود حاکم بامر اللہ کی شخصیت فاطمی خلفا میں ایک عجیب وغریب حیثیت کی حامل نظر آتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ حاکم کی زندگی اور حاکم کی موت دونوں پر پیچیدگی کی چادر تنی ہوئی ہے۔خود اس کی حالت بہت عجیب تھی، آج ایک فیصلہ کرتا کل اسے بدل دیتا۔اسے زیادہ دیر تک ایک حالت پر قرار نہ تھا۔مؤرخین نے اس کے بارے جو خیالات ظاہر کئے ہیں، ان میں آپس میں بہت تضاد ہے۔بعض نے اس کو مجنون کہا ہے، تو بعض نے اس کو عبقری گردانا ہے۔عوام الناس میں سے بعض لوگ اس کی الوہیت کے بھی قائل ہوگئے تھے۔

تخت نشینی کی وقت اس کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔اس لیے تین لوگوں کو اس کا وصی بنایا گیا تھا، ایک اس کے مربی اور استاذ برجوان خادم، دوسرے قبیلہ کتامہ کے سردار حسن بن عمار اور تیسرے قاضی قضاۃ محمد بن نعمان۔حاکم بامر اللہ کی حکومت کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ پہلا حصہ جب وہ کم عمر تھا، سلطنت کے معاملات میں اسے کچھ دخل نہ تھا، سارے کام اس کے اولیا اور اوصیا سنبھالتے تھے۔یہ زمانہ سنہ 386ھ/390ء تک ہے۔

2۔ دوسرا حصہ جب اس نے امور سلطنت انجام دینے شروع کئے، اور عملی طور سے ایک حکمراں کی حیثیت سے سامنے آیا، یہ زمانہ 391ھ/1001ء سے 411ھ/1020ء تک ہے۔

پہلے دور میں حکومت میں اضطرابات اور شورشیں پیدا ہوئیں، وزراء اور امراء ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ملک میں مشرقیوں اور مغربیوں کے درمیان سخت کشمکش جاری تھی، مشرقیوں کی نمائندگی ترک کر رہے تھے، جنہوں نے برجوان خادم کو اپنا قائد بنا رکھا تھا، اور مغربیوں کی نمائندگی قبیلہ کتامہ کے لوگ کر رہے تھے، جنہوں نے حسن بن عمار کو اپنا قائد بنا رکھا تھا۔ ابتدا میں مغربیوں کا پلہ بھاری رہا، حسن بن عمار کو امین الدولہ کے لقب کے ساتھ وساطت کا عہدہ دیا گیا۔لیکن برجوان خادم نے مناسب موقع دیکھ کر حسن بن عمار کو دربار سے غیر حاضری پر مجبور کر دیا۔اور خود اس عہدہ پر قبضہ کر لیا۔ برجوان نے حاکم پر پابندیاں بڑھا دیں، اور حاکم کو بے بس کر دیا۔حاکم نے یہ دیکھ کر برجوان خادم کو قتل کرا دیا، پھر حسن بن عمار کو بھی راستہ سے ہٹایا۔اور تمام امور کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے مکمل خود مختاری کے ساتھ امور سلطنت انجام دینے لگا۔

انتظامات

عملی طور سے اپنے دور کا آغاز کرتے ہوئے حاکم نے حسین بن جو ہر کو برجوان خادم کا منصب عطا کیا۔ دیوان البرید اور دیوان الانشاء بھی اس کے سپرد کر کے اسے قائد القواد کے لقب سے نوازا۔ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر عبد العزیز بن نعمان کو مقرر کیا۔ فہد بن ابراہیم نامی عیسائی کاتب کو حکم دیا کہ لوگوں کی شکایتیں اس کے محل تک پہونچایا کرے۔ حاکم بامر اللہ نے ایک شبینہ مجلس کا آغاز کیا، جو رات کو منعقد ہوتی تھی، اور جس میں اس کے تمام اہم عہدہ دار شریک ہوتے، اور انتظام حکومت کے بارے میں مشورہ کیا جاتا۔

ابورکوہ کی بغاوت

حاکم بامر اللہ کے عہد کا مشہور واقعہ ابورکوہ کی بغاوت ہے، ابورکوہ کا نام ولید بن ہشام تھا، اس کا دعوی تھا کہ وہ اندلس کے اموی خاندان سے تعلق رکھتا ہے، اس نے عالم اسلام کی سیر کی تھی۔ مصر کے قریب برقہ شہر میں ایک عربی قبیلہ آباد تھا، جس کا نام بنی قرہ تھا، ابورکوہ نے اس قبیلہ کو اپنا مستقر بنایا، اور بچوں کو پڑھانا شروع کیا۔ ابورکوہ نہایت شیریں زبان میں وعظ کہتا تھا، اور عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کرتا تھا، اس کے تقوی کے مظاہر دیکھ کر عوام اس کی گرویدہ ہوگئی تھی۔ حاکم کی پالیسیوں کی وجہ سے جب برقہ اور طرابلس وغیرہ میں اندرونی شورشیں برپا تھیں، تو اس وقت ابورکوہ نے خروج کیا، اور بنوقرہ اور قبیلہ زناتہ کو ساتھ لے کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ 395ھ/1005ء میں اس نے برقہ پر قبضہ کر کے حاکم کا نام خطبہ سے نکال دیا۔ اور اپنے نام کے سکے ڈھالے۔ حاکم نے اس کے مقابلہ کے لیے ایک بڑا لشکر روانہ کیا۔ ابورکوہ نے راستہ کے تمام کنویں پاٹ دئے، جس کی وجہ سے فاطمی لشکر کو شکست ہوئی، اور ابورکوہ مال غنیمت کے ساتھ واپس آیا۔ اس فتح کی وجہ سے اس کے حوصلہ بہت بلند ہوگئے، اور وہ مصر پر قبضہ کا ارادہ کرنے لگا، حاکم نے 396ھ/1006ء میں اس سے مقابلہ کے لیے دوسرا لشکر بھیجا، اس لشکر نے ابورکوہ کو رأس البرکۃ کے مقام پر شکست فاش دی۔ اور اس طرح یہ شورش ختم ہوئی۔

حاکم کے عہد میں ترقیاتی کام

حاکم بامر اللہ نے اپنے دور میں متعدد مساجد تعمیر کرائیں، جامع الانور کے نام سے خوبصورت مسجد بنائی، جس کو جامع الحاکم بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح راشدہ نامی ایک قبیلہ کی سرزمین پر جامع راشدہ، اور نیل کے ساحل پر جامع المقس کی تعمیر کروائی، جو اب تک موجود ہیں۔ سنہ 400ھ/1010ء میں اس نے جامع الازہر، جامع الحاکمی اور دار الحکمت کے لیے جاگیریں وقف کیں۔ ان مساجد کا سروے کرایا، جہاں آمدنی نہیں ہوتی تھی، ان کی تعداد آٹھ سو نکلی، حاکم نے ان تمام مساجد کے لیے بیت المال سے فنڈ جاری کیا۔ سنہ 405ھ/1014ء میں مساجد کے ائمہ ومؤذنین کو جاگیریں عطا کیں، اسپتالوں کے اخراجات اور میتوں کے کفن دفن کے انتظامات کے لیے بھی جاگیریں وقف کیں۔

دار الحکمت کی تعمیر: حاکم کا ایک اہم کارنامہ قاہرہ کے دار الحکمت کی تعمیر ہے، اس نے 395ھ/1005 میں ایک دار الحکمت کی بنیاد رکھی، جہاں اپنے محل کا کتب خانہ منتقل کیا، اس میں تمام علوم وفنون کی بے شمار کتابیں تھیں۔ حاکم نے دار الحکمت میں علمائے نجوم، اطبا، فقہا، علمائے لغت اور علمائے نحو وصرف کو تدریس کے لیے مقرر کیا۔ اس دار الحکمت میں عوام کو داخلہ اور استفادہ کی پوری اجازت تھی۔ روشنائی، کاغذ، قلم اور دوات وغیرہ سرکاری خرچ پر فراہم کی جاتی تھی۔ مدرسین کے علاوہ یہاں کتب خانہ کا عملہ، خدمت گار اور صفائی کا عملہ بھی ملازم تھا، سب کی تنخواہیں مقرر کی گئیں تھیں۔

حاکم کی سیاسی اور مذہبی پالیسی

عہدے داروں کا قتل

حاکم بامراللہ کی ایک عادت یہ تھی کہ وہ اپنے سوا کسی پر مکمل اعتماد نہ کرتا تھا، اور ہر اس شخص کو قتل کر دیتا، جس کے بارے میں اسے احساس ہوتا کہ یہ امور سلطنت میں مداخلت کر رہا ہے۔ اس بدگمانی میں اس نے اپنے تمام بڑے بڑے عہدے داروں کو قتل کرا دیا، فہد بن ابراہیم اور عبدالعزیز بن نعمان جیسے بیسیوں عہدہ دار اس کا نشانہ بنے۔ حسین بن جوہر کو بھی اندیشہ ہوا کہ قتل کر دیا جائیگا، اس لیے وہ بھاگ کر اسکندریہ چلا گیا۔ حاکم نے بڑے وعدے کر کے اس کو بلایا، ایک معافی نامہ لکھ کر کعبہ پر آویزاں کرایا۔ لیکن جب حسین بن جوہر آیا تو اپنے تمام عہد و پیمان بالائے طاق رکھ کر اس کو قتل کرا دیا۔

اہل سنت سے متعلق فرمان

اس کی ریاست میں معاویہ، عمرو بن العاص اور چند دیگر صحابہ کو علانیہ برا بھلا کہا جاتا تھا۔ بلکہ اس نے حکم دیا کہ مسجد کی دیواروں پر تبرا تحریر کر دیا جائے۔ تراویح بند کر دی گئی تھی، چاشت کی نماز پر پابندی لگا دی گئی۔ جو بھی ان احکام کی مخالفت کرتا، قید میں ڈال دیا جاتا، یا اس کو کوڑے لگائے جاتے۔ اس نے ملوخیہ کھانا اس لیے منع کر دیا تھا کہ یہ حضرت معاویہؓ کو پسند تھا۔ اور جرجیر (پالک کے ساگ) کی اس لیے ممانعت کر دی تھی کہ اس کو کسی طرح حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اسی طرح اس نے متوکلیہ نامی کھانا اس لیے منع کر دیا تھا کہ اس کی نسبت عباسی خلیفہ متوکل کی طرف تھی۔ بہر حال اپنی بدلتی طبیعت کی بنا پر اس نے بعد میں یہ تمام احکام واپس لے لیے، اور حکم جاری کر کے تبرا کی تحریریں مٹوا دیں۔ ایک مدرسہ فقہ مالکی کی تدریس کے لیے قائم کیا، اس کے کتب خانہ کے لیے کتابیں ہدیہ کیں، اور ابوبکر انطا کی کو اس کا ناظم مقرر کیا۔

ذمی رعایا سے متعلق احکام

حاکم کا عہد ذمی رعایا پر ظلم و ستم کے لیے بھی بدنام ہے۔ اس نے یہود و نصاریٰ کو مخصوص لباس پہننے پر مجبور کیا، ان کے گرجاؤں اور عبادت گاہوں کو منہدم کر دیا۔ اور فرمان جاری کیا کہ تمام غیر مسلم یا تو اسلام قبول کر لیں، یا فاطمی مملکت سے نکل کر روم چلے جائیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عیسائیوں اور یہودیوں نے مجبوری میں اسلام قبول کیا۔ نصاریٰ کے ساتھ اس کی متشدد پالیسی یہاں تک پہونچ گئی کہ اس نے سنہ 398ھ/1007ء میں بیت المقدس میں واقع کنیسہ قیامہ کو منہدم کرا دیا۔ اس کنیسہ کو نصاریٰ کے یہاں بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس سے آگے بڑھ کر اس نے سنہ 403ھ/1013ء میں ایک حکم جاری کیا کہ مصر کے تمام گرجا ڈھا دئے جائیں۔ حاکم کی ان کارروائیوں کی وجہ سے رومی شہنشاہ باسیل دوم نے فاطمی حکومت سے تمام تجارتی تعلقات منقطع کر لیے۔

عجیب وغریب احکامات

حاکم بامراللہ کا ماننا تھا کہ سماج میں اصلاح لانے اور لوگوں کو شریعت کا پابند بنانے کے لیے سخت احکامات لاگو کرنا ضروری ہے۔ اس لیے اس نے حکم دیا کہ شراب، نبیذ اور تمام نشہ آور اشیا کے کارخانے ختم کر دئے جائیں۔ اس حکم میں اتنی سختی برتی کہ شہد اور کشمش کی خرید و فروخت بھی ممنوع قرار پائی، اور تاجروں کا بے انتہا مال تجارت نیل میں غرق کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ بازار صرف رات کو کھولے جائیں، اور تمام راستوں کو سجایا جائے، اس وجہ سے خواتین کو سامان خریدنے رات کے وقت نکلنا پڑتا۔ رات کے بازاروں کی وجہ سے لہو لعب کی مجلسیں عام ہونے لگیں تو عورتوں کو گھر سے نکلنے کی ممانعت کر دی، اس بارے میں اتنی سختی برتی کہ عورت کی میت ہو جاتی، یا ولادت کا مسئلہ ہوتا تو درخواست داخل کی جاتی، اور منظوری کے بعد

غسالہ یا دائی پولیس کے پہرے میں باہر نکل کر دوسرے گھر میں جاسکتی تھی۔ یہاں تک سختی برتی کہ جوتے بنانے والوں کو عورتوں کے جوتے بنانے کی ممانعت تھی، تاکہ عورتیں گھر سے نہ نکل سکیں۔

حاکم کی موت

حاکم بامراللہ کی زندگی جس طرح عجیب وغریب تھی، اسی طرح اس کا خاتمہ بھی عجیب وغریب ہوا۔ 27، شوال 411ھ/13، فروری 1021ء کی رات حاکم اپنے محل سے نکلا، اور اپنے پہرے داروں کو لے کر پہاڑوں تک چلا گیا۔ اس کے بعد وہ کبھی نظر نہیں آیا۔ صبح کو ہر طرف اس کو تلاش کیا گیا، پانچ دن بعد اس کے کپڑے ملے، جس پر زخموں کے نشان تھے۔ لیکن اس کی لاش کا کہیں پتہ نہ چلا۔ حاکم کی الوہیت کے قائلین کا کہنا ہے کہ امام حاکم غائب ہوئے ہیں، وہ دوبارہ آ کر زمین میں عدل وانصاف قائم کریں گے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حاکم کی بڑی بہن ست الملک نے حاکم کی حرکتوں سے نالاں ہو کر اس کو قتل کرا دیا۔

11.6 الظاہر لاعزاز دین اللہ (411427ھ/1036-1021ء)

حاکم بامراللہ نے اسماعیلی روایات کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے فرزند کے بجائے اپنے چچازاد بھائی عبدالرحیم بن الیاس کو ولی عہد بنایا تھا۔ حاکم کی موت کے بعد ست الملک نے بہانے سے عبدالرحیم کو قاہرہ بلوایا، اور قتل کروا دیا۔ اس کے بعد اسماعیلی مذہب کے مطابق حاکم کے حقیقی بیٹے ابوالحسن علی کو ''الظاہر لاعزاز دین اللہ'' کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ اس وقت ظاہر کی عمر سترہ سال تھی۔

ست الملک

ست الملک یا سیدۃ الملک حاکم بامراللہ کی حقیقی بہن تھی، جو نہایت سمجھدار اور دور اندیش خاتون تھی، حاکم کے زمانہ میں اس کی حرکتوں سے سخت نالاں تھی۔ جب حاکم نے اپنے بیٹے ظاہر کو محل سے نکال کر دوسرے محل میں منتقل کرنا چاہا، تو اسی نے ظاہر اور اس کی ماں کو اپنے محل میں پناہ دی تھی۔ ست الملک نے تین خلفاء عزیز، حاکم اور ظاہر کا زمانہ پایا، اور تینوں کے دور حکومت میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے اپنے بھائی حاکم کو اس کے غلط فیصلوں سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی تھی، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ بہرحال جب ظاہر تخت نشین ہو گیا، تو ست الملک نے حالات کا جائزہ لیا، جن لوگوں سے اندیشہ تھا کہ وہ اس کی خودمختاری میں حائل ہوں گے، ان کو راستہ سے ہٹا دیا۔ اور پورے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر الظاہر کی مربیہ کی حیثیت سے نہایت ذہانت سے حکومت کی۔ 413ھ/1023ء میں ست الملک کا انتقال ہوا۔

الظاہر کی سیاسی اور مذہبی پالیسی

الظاہر اپنے والد کے برعکس بہت بردبار، عقل مند اور نرم مزاج تھا، اس نے تشدد کی پالیسی ترک کر کے اپنے والد کے زمانہ کے بگاڑ کو دور کیا۔ اقتصادی حالات درست کیے، جس کی وجہ سے اس کے زمانہ میں مصر میں رعایا کو امن واطمینان نصیب ہوا۔ سماجی اصلاح کے نام سے جتنے کام حاکم نے شروع کیے تھے، اس نے ان کو ختم کیا۔ شراب کی فروخت پر سے پابندی اٹھالی، ملوخیہ وغیرہ جن کھانوں کی حاکم نے ممانعت کی تھی، ان کی دوبارہ اجازت دے دی۔ ظاہر نے اسماعیلی دعوت کا نظام دوبارہ سرگرمی سے شروع کیا۔ ساتھ ہی ان مالکی فقہا کو معزول کیا، جن کو حاکم نے دار الحکمت میں تدریس کے لیے مقرر کیا تھا۔ اس نے ذمیوں کے بارے میں معاملہ یکسر بدل دیا، ان کو قریب کیا، ظلم وستم کا خاتمہ کیا، مذہبی آزادی بحال کی، جو گرجا منہدم کر دیے گئے تھے، ان کو دوبارہ تعمیر کرایا، عبادت گاہوں کے اوقاف بحال کیے، یہاں تک رواداری برتی کہ جو یہودی اور عیسائی اس

کے والد کے دور میں جبراً اسلام میں داخل ہوئے تھے، ان کو دوبارہ اپنے مذہب میں لوٹنے کی اجازت دی۔ ان احکامات کی وجہ سے جو عیسائی بازنطینی سلطنت چلے گئے تھے، واپس آ گئے۔

حاکم کے زمانہ میں بازنطینی حکومت سے تعلقات بگڑ گئے تھے، الظاہر نے تعلقات دوبارہ استوار کیے، اس کی ایک وجہ یہ تو یہ تھی کہ فاطمی حکمراں سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی قوت کی طرف یکسوئی سے متوجہ ہونا چاہتے تھے، جو دھیرے دھیرے عباسی خلافت کو طاقت فراہم کرنے لگے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ قسطنطنیہ سے آنے والے غلہ کی مصر کو ضرورت تھی۔ سنہ 418ھ/1027ء میں فاطمی اور بازنطینی حکومتوں میں صلح ہوئی، جس کی رو سے بازنطینی مملکت میں واقع تمام مساجد کو کھول دیا گیا، ان میں فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ کنیسۃ القیامہ دوبارہ زائرین کے لیے کھول دیا گیا۔ بازنطینی شہنشاہ نے اس کی مرمت کروائی۔ نیز مصر کے تمام گرجے جو منہدم کردئے گئے تھے، عیسائیوں کو دوبارہ دئے گئے، اور انہوں نے از سر نو انہیں تعمیر کیا۔ 15، شعبان 427ھ/25، جون 1036ء کو الظاہر کا انتقال ہوا۔

11.7 فاطمی حکومت کا زوال

الظاہر کے بعد سات حکمراں یکے بعد دیگرے تخت سلطنت پر بیٹھے، لیکن مختلف اسباب کی بنا پر حکومت زوال کا شکار ہوتی گئی۔ الظاہر کے بعد مستنصر باللہ بہت کم عمری میں تخت پر بیٹھا، اور اس نے ساٹھ سال حکومت کی، لیکن اس کے عہد میں سارے اختیارات اس کے وزیر بدر الجمالی کو حاصل تھے۔ مستنصر کے بعد تخت نشینی کا جھگڑا شروع ہوا۔ کچھ لوگ اس کے پہلے بیٹے نزار کو اپنا خلیفہ ماننے لگے، اور کچھ لوگ اس کے چھوٹے بیٹے مستعلی کو، جس کے بارے میں مستنصر نے نص کیا تھا۔ اس طرح اسماعیلی تحریک دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔ مصر اور شام پر صلیبی حملوں نے بھی فاطمی حکومت کو بہت نقصان پہونچایا۔ نوعمر بچے تخت نشین ہونے لگے، حکومت کا کاروبار وزراء اور اوصیاء کے ہاتھ میں چلا گیا، اہل دربار میں اقتدار کے لیے رسہ کشی ہونے لگی۔ خلفاء، وزراء اور امراء میں عیش و عشرت کی زندگی عام ہوگئی۔ ملک میں معاشی بحران نے اقتصادی حالت بھی خراب کردی۔ دھیرے دھیرے حکومت کمزور ہوتی گئی۔ صلیبیوں سے مصر کو محفوظ رکھنے کے لیے نور الدین زنگی نے مداخلت کی۔ اسد الدین شیرکوہ کو مصر روانہ کیا، جس نے مصر کو صلیبی خطرہ سے بچایا۔ آخری خلیفہ العاضد لدین اللہ کے عہد میں صلاح الدین ایوبی کو وزیر مقرر کیا گیا۔ العاضد کی وفات کے ساتھ مصر سے فاطمی خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور صلاح الدین نے عباسی خلیفہ کے نام سے خطبہ پڑھا۔ یہ حکومت سنہ 297ھ/909ء سے 567ھ/1171ء تک قائم رہی۔

11.8 فاطمی عہد میں نظم و نسق

فاطمی عہد حکومت میں مملکت کو تین بڑے انتظامی علاقوں میں تقسیم کیا گیا تھا، پہلا مصر، جہاں قاہرہ مرکز خلافت تھا، اور خلیفہ براہ راست اس کا انتظام کرتا۔ دوسرا شام جہاں خلیفہ کے نائب حکومت کرتے تھے۔ تیسرا شمالی افریقہ، یہاں بھی خلیفہ کے نائب مقرر کیے جاتے، جن کو والی کہا جاتا تھا۔ حرمین کا انصرام وانتظام وہیں کے شرفا انجام دیتے، البتہ مذہبی حیثیت سے فاطمی خلیفہ اس کا ذمہ دار ہوتا۔ پورے مصر کو انتظامی طور سے کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جن کو "اقلیم" یا "عمل" کہا جاتا، اقلیم کو مزید تقسیم کرتے ہوئے "کور" بنائے گئے تھے، اور ہر "کور" کئی گاوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ہر اقلیم کا ایک والی ہوتا، اور ہر کور کا نائب والی، اور ہر قریہ کا ایک زعیم ہوتا تھا۔ اسکندریہ، جیزہ، فیوم، اسیوط، بلبیس وغیرہ اقالیم شمار ہوتے تھے۔ اقلیم کا رئیس یا والی اپنے علاقے کے نظم و نسق کا ذمہ دار ہوتا۔ لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کرنا، خلیفہ کے احکامات کو نافذ کرنا اور تمام امور سے باخبر رہنا اس کی ذمہ داری تھی۔ ان میں سے ہر شخص کی حسب مراتب تنخواہ مقرر ہوتی، اور وہ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے خلیفہ کے قریب جگہ پاتا۔ صعید مصر کے والی کا رتبہ وزیر کے بعد سب سے اہم سمجھا

جاتا۔فاطمی حکومت میں سرکاری اورعوامی ضروریات کے لیے محکمے قائم کئے گئے تھے،جن کو دیوان کہا جاتا تھا۔ان دواوین یامحکموں میں کام کرنے کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ امیدوار شیعی مسلک کا پیروکار ہو۔دیوان الانشاء(سیکرٹریٹ)، دیوان البرید(ڈاک خانہ)، دیوان المظالم(شکایات کا دفتر)، دیوان الاقطاع(جاگیروں کا دفتر)اس عہد کے اہم دواوین شمار ہوتے تھے۔

11.9 پولس اورفوج

مملکت میں امن واطمینان قائم رکھنے کے لیے پولیس کا تقرر ہوتا تھا،جس کو عربی میں شرطہ کہتے ہیں۔جرائم کو روکنا،فتنہ وفساد کوختم کرنا،امن وامان برقرار رکھنا پولیس کی بنیادی ذمہ داری تھی۔اس کے علاوہ پولس قاضی کی عدالت میں الزام ثابت کرنے یا بری کرنے اور قاضی کے فیصلوں کو نافذ کرنے میں بھی مدد کرتی تھی۔مجرموں کو سزا دینا اور حد شرعی کو نافذ کرنا بھی اس کی ذمہ داری تھی۔المعز نے شرطہ کو دوحصوں میں تقسیم کیا تھا،قاہرہ کی پولس کو شرطہ علیا کہا جاتا،اور دوسرے حصوں کی پولس کو شرطہ سفلی۔دونوں قسموں کا ذمہ دار الگ الگ مقرر ہوتا،اور کبھی ایک شخص کو بھی دونوں کی ذمہ داری دے دی جاتی تھی۔

فوجی نظام: فاطمیوں نے فوج کی طرف بہت توجہ دی،اور بری اور بحری دونوں فوجوں کو اعلی معیار کے مطابق تیار کیا،فاطمی فوج اپنے زمانہ کی طاقتور ترین فوجوں میں شمار ہوتی تھی۔فوج کے انتظام کے لیے ایک سرکاری محکمہ قائم تھا،جس کو دیوان الجیش بولا جاتا تھا۔دیوان الجیش میں فاطمی سلطنت میں فوجوں کی نقل وحرکت،فوج کی جاگیریں،گھوڑوں اور سواریوں کا انتظام،سپاہیوں کی حاضری،چھٹیاں،اوران کی زندگی اورموت کے بارے میں پورا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔دیوان الجیش کے ذمہ دار کو''صاحب دیوان الجیش''یا''متولی دیوان الجیش''کہا جاتا تھا۔سرکاری عہدوں میں یہ بہت اونچا عہدہ شمار ہوتا تھا۔خلیفہ کے دربار میں اس کے لیے ایک الگ مسند ہوتی۔فاطمی فوج مختلف اقوام اور قبائل کا مجموعہ تھی،جومختلف زبانیں بولتے تھے۔ان میں عربی،بربر،ترکی،رومی،دیلمی،مملوک اور صقلیہ کے باشندے شامل تھے۔بربری سپاہیوں کی اکثریت تھی۔سب سے بڑی فوج المعز کے زمانہ میں تھی۔فاطمی فوج ایک تربیت یافتہ فوج تھی،جونظم وضبط کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوتی۔لشکر میں پانچ حصے ہوتے،مقدمہ،قلب،میمنہ،میسرہ اور ساقہ۔ہرحصہ کا ایک الگ قائد ہوتا۔جس کا علیحدہ جھنڈا ہوتا۔فوج کی روانگی کے وقت جھنڈے بھی ساتھ اٹھائے جاتے،جن پر قرآنی آیات تحریر کی جاتی تھیں۔

بری فوج سواروں اور پیادوں پر مشتمل ہوتی،ہردس سپاہیوں پر ایک عریف ہوتا،اور ہردس عریفوں پر ایک نقیب ہوتا،اور ہردس نقیبوں پر ایک قائد ہوتا تھا۔ ہردس قائدین پر ایک امیر ہوتا تھا۔ہتھیار اور ساز وسامان کی منتقلی کے لیے گاڑیاں ہوتی تھیں،جن کو جانور کھینچتے تھے۔فاطمی فوجوں نے تلوار،نیزہ،ڈھال اور تیر کمان کے علاوہ،منجنیق اور آگ کے گولے بھی استعمال کئے ہیں۔وہ ایک شیشی میں پٹرول اور کچھ دانے ڈال کر زنجیر سے گھما کر پھینکتے تھے،اور جیسے ہی وہ شیشی کسی چیز سے ٹکراتی،اس میں آگ بھڑک اٹھتی تھی۔

فوج کا ایک یونیفارم ہوتا تھا۔فوج میں سپاہیوں کے علاوہ کاتب،مترجم،قاضی اور ڈاکٹر بھی ہوتے تھے۔ساتھ میں دوا علاج کا پورا سامان ہوتا تھا۔جاسوسی کا نظام بھی بہت منظم تھا۔جاسوس دشمن کی فوج میں جا کر خبریں فراہم کرتے۔

بحری فوج کے انتظام کے لیے''دیوان العمائر''کے نام سے ایک الگ محکمہ تھا،جس کا کام جنگی جہاز تیار کرنا اور بحری فوج کا نظام دیکھنا تھا۔ ابتدا میں مہدیہ کے پاس جہازوں کی تیاری کے لیے ایک کارخانہ قائم کیا گیا تھا۔المعز نے مصر آنے کے بعد نیل کے ساحل پر مقس نامی ایک گاؤں میں جہاز سازی کا کارخانہ قائم کیا۔جنگی جہازوں کے لیے یوروپ کے جنوبی ساحل سے لکڑی فراہم کی جاتی تھی،جب کہ تجارتی جہازوں کے لیے

مقامی لکڑی کا استعمال ہوتا تھا۔ فاطمی بحری بیڑے میں کئی قسم کے جہاز شامل ہوتے تھے، سب سے بڑے جہازوں کو ''شوانی'' کہا جاتا، یہ جہاز اتنے بڑے ہوتے کہ سمندر لڑائی میں قلعے کا کام دیتے تھے۔ اور ان میں بڑی مقدار میں جنگی ساز وسامان مہیا کیا جاتا۔ شوانی سے چھوٹے ''حراریق'' نامی جہاز ہوتے تھے، ان میں چھوٹی بڑی منجنیقیں، پٹرول اور آگ والے ہتھیار لادے جاتے۔ ان سے چھوٹے جہازوں کو ''طرادات'' کہا جاتا تھا۔ یہ تیزی سے حرکت کرنے والی کشتیاں تھیں، ان میں اسی گھڑ سوار سواری کر سکتے تھے۔ ان کے علاوہ اغربہ، قراقیر، عشاریات اور شلندیات وغیرہ دوسرے جہاز بھی بحری بیڑے میں شامل رہتے تھے۔ بحری بیڑے کے ذمہ دار کو امیر البحر کہا جاتا تھا۔

11.10 عدالتی نظام

فاطمی دور حکومت میں عدالت کا سب سے اونچا عہدہ قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس کا ہوتا تھا۔ قاضی القضاۃ کی مجلس سنیچر اور منگل کو منعقد ہوتی۔ قاضی القضاۃ کا تقرر خود خلیفہ کرتا تھا۔ ماتحت قاضی کبھی خلیفہ کی جانب سے اور کبھی گورنر کی جانب سے مقرر کئے جاتے۔ لوگ ایک کاغذ پر اپنی شکایات نیز مدعی اور مدعا علیہ کا نام لکھ کر پیش کرتے، اور قاضی باری باری لوگوں کو بلا کر مقدمہ سنتے۔ جو فیصلہ ہوتا، قاضی کے ریکارڈ میں درج کر لیا جاتا، اور فریقین کو بھی اس کی نقل فراہم کی جاتی۔ قاضی کی مدد کے لیے مترجمین بھی عدالت میں موجود رہتے تھے۔ عدالت میں مردوں اور عورتوں کے بیٹھنے کے لیے الگ الگ نشستیں ہوتیں۔ مصر میں عدالتی کارروائیاں مساجد میں بھی انجام دی جاتی تھیں، جامع عمرو بن عاص، جامع بنی طولون، جامع الازہر اور کبھی کبھی خود قاضی کے گھر میں بھی مجلس عدالت قائم ہوتی۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ قاضی تنازعہ کے مقام پر خود جاتا اور احوال کا معاینہ کرتا۔ قاضیوں کو بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا، اس کی مقدار اتنی زیادہ ہوتی کہ قاضی کو کہیں اور توجہ دینے کی ضرورت نہ پڑتی۔

11.11 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- المعز لدین اللہ کے زمانہ میں فاطمی سلطنت بہت وسیع اور طاقتور بن گئی تھی۔ المعز ایک باتدبیر حکمراں تھا۔ اس نے سب سے پہلے خاندانی خلفشار کو ختم کیا، پھر پورے شمالی مغربی افریقہ میں فاطمی بالادستی قائم کی۔ صقلیہ میں بازنطینی حکومت کو شرم ناک شکست دی۔ جوہر القائد صقلی اس کا معتمد خاص اور اس کی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ جوہر نے المعز کے حکم سے مصر پر قبضہ کیا، اور فاطمی سلطنت کو ملک شام تک وسعت دی۔ جوہر نے قاہرہ کی داغ بیل ڈالی، اور جامع ازہر کی بھی بنیاد رکھی۔ المعز کے دور میں فاطمی دار الخلافہ قاہرہ منتقل ہوا۔
- عزیز باللہ نے مصر میں اسماعیلی دعوت کے فروغ میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ عزیز باللہ نے اہل ذمہ یعنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ بہت رواداری برتی۔ اس نے فاطمی خلافت میں سب سے پہلے وزیر کا تقرر کیا، اس کا وزیر یعقوب بن کلس ایک یہودی تھا۔ عزیز باللہ کے دور میں دمشق فاطمی سلطنت میں مستقل طور پر شامل ہوا۔
- حاکم بامر اللہ بہت بڑی اسلامی سلطنت کا فرماں رواں تھا۔ حاکم کی طبیعت میں عجیب بے چینی اور تضاد تھا۔ وہ بہت جلد فیصلہ لیتا، اور جلد ہی اس کو بدل دیتا۔ حاکم کے عہد میں ابورکوہ نامی شخص نے بغاوت کی، جس کو حاکم نے بہ دقت ختم کیا۔ حاکم کے عہد کا اہم کارنامہ دار الحکمت کا قیام ہے، جس میں متعدد علوم وفنون میں تحقیق وتدریس ہوتی تھی۔ حاکم کے عجیب وغریب فیصلوں کی وجہ سے رعایا کو بہت مشکلات اٹھانی پڑیں۔

- فاطمی حکومت کا زوال متعدد اسباب کی وجہ سے ہوا، کم عمر خلفاء کی تخت نشینی، وزراء کی خود مختاری، امراءاور وزراء کی آپسی رسہ کشی، اراکین سلطنت کی عیش وعشرت کی زندگی اور صلیبی حملے زوال حکومت کے اہم اسباب تھے۔
- فاطمی حکمرانوں نے مملکت کو انتظامی اعتبار سے مختلف حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ اور ہر حصے کے نظم نسق کے لیے افراد کا تقرر کیا تھا۔ فاطمی حکومت میں سرکاری کام کاج کے لیے الگ الگ محکمے قائم تھے، جن کو دیوان کہا جاتا تھا۔
- مملکت میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے پولس کا محکمہ بھی تھا۔ عدالتی فیصلوں کو نافذ کرنا اور مجرموں کو سزا دینا بھی اس کی ذمہ داری تھی۔
- فاطمی سلطنت کی فوج بہت طاقتور اور منظم تھی۔ بری اور بحری دونوں فوجیں اعلی معیار کے مطابق تیار کی گئی تھیں۔
- فاطمی دور میں عدالتی نظام کو بھی ترقی ہوئی۔ عدالت میں فیصلوں کے لیے ججوں کا تقرر ہوتا تھا، عدالت میں سب سے اونچا عہدہ قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس کا ہوتا تھا۔ عدالت میں فیصلوں کا ریکارڈ رکھا جاتا، اور فریقین کو نقل بھی فراہم کی جاتی۔

11.12 نمونہ کے امتحانی سوالات

11.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ فاطمی عہد میں مصر کو فتح کرنے والے سپہ سالار کا نام تھا۔

(a). حاکم (b). جوہر (c). معزلدین اللہ (d). عبیداللہ مہدی

2۔ کس خلیفہ کے دور حکومت میں فاطمی دارالحکومت کو منصوریہ سے قاہرہ منتقل کیا گیا۔

(a). حاکم (b). عبیداللہ مہدی (c). عزیز باللہ (d). معزلدین اللہ

3۔ یعقوب بن کلس کو کس خلیفہ نے اپنا وزیر بنایا تھا۔

(a). عزیز باللہ (b). معزلدین اللہ (c). حاکم (d). عاضد

4۔ حاکم بامراللہ نے اپنے بعد کس کو ولی عہد بنایا تھا۔

(a). بیٹا (b). چچازاد بھائی (c). بھتیجا (d). چچا

5۔ دیوان العمائر کے ذمہ تعمیرات کی نگرانی تھی۔

(a). بحری فوج (b). بری فوج (c). تعمیرات (d). نظم ونسق

6۔ ست الملک فاطمی خلیفہ حاکم باللہ کی رشتہ میں کیا تھی۔

(a). بیٹی (b). بہن (c). بھتیجی (d). والدہ

7۔ کس فاطمی خلیفہ نے یہود ونصاری کو مخصوص لباس پہننے پر مجبور کیا؟

(a). الظاہر (b). عاضد (c). حاکم (d). معز

8۔ المعزلدین اللہ نے کتنے سال تک حکومت کی؟

(a). چوبیس سال (b). بارہ سال (c). ایک سال (d). اٹھارہ سال

9۔ دارالحکمت کس کے عہد میں تعمیر ہوا۔

(a). حاکم (b). المعزلدین اللہ (c). عبیداللہ مہدی (d). الظاہر

10۔ بازنطینی سلطنت کی مساجد میں کس دور میں فاطمی خلیفہ کے نام سے خطبہ پڑھا گیا؟

(a). الظاہر (b). حاکم (c). عبیداللہ (d). عاضد

11.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ مصر پر فاطمی قبضہ کے بارے میں ایک مختصر مضمون تحریر کیجیے۔

2۔ ذمیوں کے ساتھ حاکم بامراللہ کے برتاؤ پر ایک نوٹ لکھیے۔

3۔ الظاہر کی مذہبی پالیسی کا جائزہ لیجیے۔

4۔ فاطمی عہد کے نظم ونسق پر روشنی ڈالیے۔

5۔ فاطمی حکومت کے عدالتی نظام کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں، تحریر کیجیے۔

11.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ المعز کے دور میں حکومت کی توسیع پر مفصل نوٹ لکھیے۔

2۔ حاکم بامراللہ کی مذہبی اور سیاسی پالیسی کا جائزہ لیجیے۔

3۔ فاطمی عہد میں پولس اور فوج کے انتظامات پر مضمون لکھیے۔

11.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	تاریخ دولت فاطمیہ	:	رئیس احمد جعفری
2۔	**تاریخ الفاطمیین فی شمال افریقیة ومصر وبلاد الشام**	:	ڈاکٹر محمد سہیل طقوش
3۔	**الدولة الفاطمیة فی مصر: تفسیر جدید**	:	ڈاکٹر ایمن فواد سید
4۔	**نظم الحکم بمصر فی عصر الفاطمیین**	:	ڈاکٹر عطیہ مصطفیٰ مشرفہ
5۔	**الدواوین فی مصر خلال العصر الفاطمی**	:	سمیر عبداللہ سلیمان

-:oOo:-

اکائی 12 : فاطمی دور میں علمی خدمات

اکائی کے اجزا

12.0 تمہید

12.1 مقصد

12.2 تعارف

12.3 افریقی دور

12.4 مصری دور

12.4.1 فلسفہ اور سائنسی علوم

12.5 اہم علمی شخصیات

12.6 اہم علمی ادارے

12.6.1 جامع الازہر

12.6.2 دارالحکمت

12.7 عہد فاطمی کے کتب خانے

12.7.1 عوامی کتب خانے

12.8 اکتسابی نتائج

12.9 کلیدی الفاظ

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

12.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

12.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

12.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

12.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

12.0 تمہید

فاطمی سلاطین نے علوم وفنون کے ارتقاء میں اہم رول ادا کیا ہے، علمی ترقی کی وجہ سے ان کے عہد میں مصر علم وادب کا گہوارہ کہلاتا تھا۔ عہد فاطمی علوم بالخصوص سائنسی علوم کے ارتقاء کے اعتبار سے اپنی مقابل حکومتوں میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اس اکائی میں دولت فاطمیہ کے علمی کارناموں کا تعارف کرایا جائے گا۔ نیز فاطمی دور کے کتب خانوں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی، جو اپنی وسعت وضخامت اور نادر کتب کی بناء پر عجائب زمانہ میں شمار ہوتے تھے۔

12.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو فاطمی دور کے حکماء، وزراء اور امراء کے علمی کارناموں سے واقف کرایا جائے۔ اس اکائی کے مطالعہ سے آپ یہ جان سکیں گے کہ فاطمی ائمہ اور خلفاء نے علم وادب کی ترقی اور توسیع میں کیا رول ادا کیا ہے۔ نیز آپ کو فاطمی دور کے ان اہم اداروں، کتب خانوں، علمی شخصیات اور تصانیف سے متعارف کرایا جائے گا، جس نے تاریخ میں لازوال نقوش ثبت کیے۔

12.2 تعارف

فاطمی خلفاء عرب تھے اور انہوں نے اپنے تقریباً تین سو سالہ دور میں علم کی شمع جلائے رکھی اور اس کی تابنا کیوں نے کئی تاریک گوشوں کو روشن کیا۔ فاطمیین نے اپنے دور عروج میں علم وادب اور فن تعمیر میں بہت ترقی کی اور اپنے مفتوحہ علاقوں کو اپنے مقابل حکومتوں کی طرح علم وادب کا گہوارہ بنا دیا۔

علمی اور فنی سرگرمیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فاطمی دور کی تاریخ دو ادوار میں تقسیم کی جاسکتی ہیں:

1۔ افریقی دور (909 - 973ء)

2۔ مصری دور (973 - 1171ء)

افریقہ میں انکی حکومت تقریباً باسٹھ سال تک قائم رہی۔ اس کے بعد یہ حکومت 973ء میں مصر منتقل ہوگئی۔

12.3 افریقی دور

فاطمی سلاطین کا افریقی دور زیادہ تر سیاسی استحکام اور سلطنت کے حدود کی توسیعی کاوشوں کے ساتھ علمی ترقی کی کوششوں پر بھی مشتمل ہے۔ فاطمی خلفاء کو ابتداء ہی سے علم وادب سے دلچسپی رہی۔ اولین فاطمی امام عبیداللہ مہدی اور ان کے تمام وزراء عالم اور فاضل تھے۔ عبیداللہ مہدی کے پاس ایک موروثی کتب خانہ تھا جس میں کئی لاکھ کتابیں مختلف موضوعات پر موجود تھیں، انہوں نے افریقہ میں اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد یہ کتب افریقہ منتقل کرنا چاہا۔ لیکن دوران منتقلی یہ کتب خانہ چوری ہوگیا، جس کو انکے بیٹے قائم باللہ نے برآمد کیا۔ قائم نے اپنے دور میں اس کتب خانے میں کتابوں کا اضافہ کیا۔ پھر یہ کتب خانہ وراثت میں المعز لدین اللہ کو ملا، اور بعد میں المعز نے خود بھی اس میں نایاب کتب جمع کیں، اور مصر منتقل ہوتے وقت اس کتب خانے کو بھی مصر منتقل کیا۔ یہی وہ کتب خانہ تھا، جو آگے چل کر نادرۂ روزگار فاطمی شاہی کتب خانے کی بنیاد بنا۔

صقلیہ میں قائم دارالعلوم اور یونیورسٹیوں نے یورپ میں سائنس کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ فاطمی حکومت کے افریقی دور ہی میں

صقلیہ فتح ہوا تھا، جہاں فاطمیوں نے علم کی شمعیں روشن کیں۔ اوران کے علمی کارناموں نے یورپ میں علم کے تئیں بیداری پیدا کی اور سائنس کے ارتقا کی نئی راہیں کھولیں۔ فاطمی دور میں صقلیہ علم وادب اور صنعت وحرفت میں اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ اس دور میں مسلم ماہرین کی مدد سے صقلیہ میں علمی ادارے اور یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ عربی زبان کی علاقائی زبانوں کی آمیزش سے ایک ایسی نئی زبان وجود میں آئی، جیسے ہندوستان میں فارسی، عربی، ترکی اور سنسکرت کے سنگم سے اردو زبان پیدا ہوئی تھی۔ صقلیہ میں اسے نئی اطالوی زبان کا نام دیا گیا اور یہ ہر خاص وعام کی زبان بن گئی۔

مختلف علاقائی زبانوں بالخصوص اطالوی اور فرینچ زبانوں میں عربی زبان کی آمیزش فاطمی دور میں ہی ہوئی۔ اور جتنی علمی تحقیقات اس دور میں ہوئیں ان کی اصطلاحات عربی زبان میں ہی رائج ہیں۔ اندلس کی طرح صقلیہ یا سسلی کی راہ سے بھی عربی زبان وادب نے یورپ میں سفر جاری رکھا اور صرف زبان وادب ہی نہیں بلکہ سائنس اور دیگر علوم کی ارتقاء میں صقلیہ نے نہایت اہم رول ادا کیا۔

12.4 مصری دور

فاطمی سلطنت کا مصری دور اپنی علمی سرپرستی کے لیے بے نظیر رہا۔ اس دور میں مصر اور فاطمی سلطنت کے زیر اثر دوسرے علاقوں میں کئی علمی شخصیات ابھریں، جنھوں نے سائنس کو اپنے ایجادات اور تصانیف سے ایک نئی جہت عطا کی۔ فاطمی دور کے کتب خانے بغداد اور غرناطہ کے کتب خانوں کی طرح بے نظیر تھے۔ بغداد کے بیت الحکمت کے طرز پر مصر میں دارالحکمت قائم کیا گیا، جس نے مصر کی علمی تاریخ میں نمایاں رول ادا کیا۔ علم بصریات (Optics and Opthalmology)، علم ریاضیات، علم ہیئت اور علم طب کے میدانوں میں فاطمی دور میں بہت زیادہ تجربات کئے گئے اور اس موضوع پر کثرت سے تصانیف تحریر کی گئیں۔

فاطمیوں کا زمانہ ارباب علم وفن کی وجہ سے خاص طور پر ممتاز رہا، طبیب، فلسفی اور ریاضی داں علی الحسن المعروف ابن الہیثم البصری، اور مشہور ہیئت داں علی بن یونس فاطمی عہد کی معروف شخصیات ہیں۔ اس عہد میں مورخین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جنھوں نے مختلف موضوعات پر تصنیفات پیش کیں۔ تمثیلی انداز میں کئی تفاسیر لکھی گیں، فقہ اور علم باطنی کے موضوع پر بھی کافی کتابیں لکھی گئیں۔ اس دور میں آنکھوں کے علاج سے متعلق جتنی کتابیں تصنیف کی گئیں، وہ آج بھی اپنے موضوع پر کلیدی اور اہم کتابیں تصور کی جاتی ہیں۔ علم صیدلیہ اور طب میں بھی اہم کتب تصنیف کی گئیں۔ اس دور میں تاریخ اور جغرافیہ پر بھی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ شعر وشاعری کی بھی کافی قدر ومنزلت کی گئی۔ مصر اس زمانہ میں گہوارہ تہذیب وتمدن اور علم وفن تھا، فاطمیوں کا کتب خانہ قرطبہ اور بغداد کے کتب خانوں کی نظیر تھا۔

فاطمی عہد میں ابتدائی تعلیم گھر میں اور اس کے بعد مساجد میں دی جاتی تھی۔ اگر چہ کہ فاطمی عہد میں زیادہ مدرسہ نہیں بنائے گئے، البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس دور میں جتنے بھی مدرسے تھے وہ اپنے وقت کے جدید اور ترقی یافتہ مدارس میں شمار ہوتے تھے۔ جہاں تحقیقی اور علمی کام اعلیٰ پیمانے پر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ فاطمیوں کے عہد میں ایک علاحدہ تعلیمی نظام کو بہت زیادہ فروغ ملا جس کا مقصد اسماعیلی عقائد کی تعلیم، تحقیق اور اشاعت تھا۔ اسے دعوۃ کہتے تھے، اس میں علمی بحث ومباحثے ہوتے تھے جسے مجالس الحکم کا نام دیا گیا تھا، اس میں عوام کو بھی تعلیم کے لیے شامل کیا جاتا تھا اور تعلیم دینے والے کو داعی کہتے تھے، ان مجالس میں مذہب اسماعیلی کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اسماعیلی عقائد کے دو پہلو تھے ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ عوام کو علم فلسفہ کے ساتھ علوم عقائد ظاہری کی تعلیم دی جاتی۔ علوم باطنی کو راز رکھا جاتا اور اسماعیلی اماموں کے علاوہ مخصوص داعی ہی ہوتے تھے، جن کو اس کے بارے میں انتہائی خفیہ انداز میں تعلیمات دی جاتی تھیں، سوائے چند

ایک کے انکے عقائد کا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا خواہ وہ انکے عقائد کے پیروہی کیوں نہ ہوں۔

بنو فاطمہ نے جب مصر کو فتح کیا، اور قاہرہ آباد کر کے اس کو اپنا دارالحکومت بنایا، تو جوہرالکاتب الصقلی نے، جو ابوتمیم المعز کا سپہ سالار تھا، 359ھ میں الازہر کے نام سے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا جو کچھ مدت بعد دینی اور دنیوی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ چونکہ یہاں دور دور سے طلبہ آتے تھے اس لیے اس کی حیثیت اقامتی درس گاہ کی ہوگئی۔ یہ درسگاہ آج بھی موجود ہے، اسکا شمار اسلام کی کی قدیم ترین درسگاہوں میں ہوتا ہے۔ اسکا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔

فاطمی خلیفہ حاکم بامراللہ اپنے محل میں علمی مجالس کا اہتمام کرتا تھا۔ آگے چل کر حاکم نے ان مجالس کے لیے 1004ء ایک مستقل ادارہ قائم کردیا، جو دارالحکمت کے نام سے ہوا۔ جس نے بغداد کے بیت الحکمت کی طرح تاریخ میں اپنا نام درج کروایا۔ یہ ادارہ بنیادی طور پر اسماعیلی تعلیمات کے لیے بنایا گیا تھا، خلیفہ حاکم نے اس میں عصری اور طبیعی علوم کی تحقیق و تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کیا، آگے چل کر کتب خانہ بھی اس ادارے سے منسلک ہوگیا، جو بغداد اور قرطبہ کے کتب خانوں کی نظیر تھا۔

12.4.1 فلسفہ اور سائنسی علوم

فاطمی ائمہ اور خلفاء فلسفہ کی تحقیق اور نشر و اشاعت میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ انکے عقائد کی تبلیغ و اشاعت میں فلسفہ کی کافی اہمیت تھی۔ اسی طرح وہ دیگر سائنسی علوم کی ترقی و فروغ کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے۔ انہوں نے علوم جدید کے فروغ کے لیے نہ صرف کتابیں جمع کیں اور کتب خانے آباد کئے، بلکہ ایک کثیر آمدنی علمی اداروں اور شفاخانوں کو سائنسی آلات سے معمور کرنے پر صرف کردی۔ علم ہیئت کو ترقی دینے کے لیے رصدگاہوں کی تعمیر کی گئی اور سائنس اور فلسفہ کے ماہرین کو ایشیاء اور اندلس سے بلا کر ان رصدگاہوں میں معین کیا گیا۔

خلیفہ حاکم کو علم نجوم کا بہت شوق تھا، اس نے فلکیاتی تجربات کے لیے ایک رصدگاہ قاہرہ کے باہر جبل مقطم کے پہاڑ پر تعمیر کی۔ اس وقت کے نامور اور مشہور ہیئت دان علی بن یونس کو زیچ تیار کرنے کا حکم دیا جو'الزیج الکبیر الحاکمی' کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس رصدگاہ میں علی بن یونس نے سترہ سال تک تجربات کیے۔ اس کے علاوہ مشہور سائنس دان ابن الہیثم نے بھی اس رصدگاہ میں سائنسی تجربات کئے۔ اس کے علاوہ کئی علما و ماہرین اس رصدگاہ سے وابستہ تھے۔

اس رصدگاہ کے کتب خانے کے بارے میں آتا ہے کہ اس میں صرف علم نجوم اور ہیئت کی چھ ہزار کتابیں تھیں۔ اور اس کتب خانے میں دو کرّے (Spheres) تھے، جن میں ایک تانبہ کا تھا اور ایک چاندی کا، جس کا وزن تین ہزار درہم تھا اور اسکو تین ہزار درہم میں خریدا گیا تھا۔

فاطمی عہد میں علم طب اور علم الادویہ پر کافی اہم تحقیقات ہوئی ہیں۔ کئی دوائیں ایجاد کی گئیں، اور کئی امراض کے علاج دریافت ہوئے۔ خاص طور پر آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں فاطمی دور کی تصنیفات اپنے فن کی بنیادی کتب شمار کی جاتی ہیں۔

فاطمی دور میں کئی نامی گرامی اطباء ہوئے جنہوں نے اپنی تحقیقات اور ایجادات کے ذریعے علم طب کو گوناگوں ترقی دی۔ فاطمی خلفاء اور اماموں نے انکی ہمت افزائی اور پذیرائی کی اور انہیں اہم عہدوں پر مامور کیا۔

12.5 اہم علمی شخصیات

فاطمی دور میں خاص طور پر ایسی کتابوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی جاتی تھی جن کا تعلق اسماعیلی عقائد کی تشریح تمثیلی انداز اور مجازی رنگ

میں قرآن کی تفسیر اور فلسفہ سے تھا۔اس کے علاوہ علوم طبعی اور سائنس کے میدان میں بھی اس عہد میں بنیادی کتابیں بہت زیادہ لکھی گئیں۔آئندہ سطور میں اہم تصنیفات اور مشاہیر علوم وفنون کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ابن الجزار(979 - 895ء)

ابوجعفر احمد بن ابراہیم الجزار القیر وانی: افریقہ کے شہر تونس میں اغلبی دور میں پیدا ہوئے،اور آپ کی وفات فاطمی دور میں ہوئی۔اپنے دور کے دیگر علماء کی طرح ابن الجزار کو متعدد علوم پر دسترس حاصل تھی ۔ابن الجزار نے علم فقہ، جغرافیہ، تاریخ، علم البلاغہ، علم کلام اور علم طب پر کئی کتابیں تحریر کیں۔علم طب میں طب اطفال اور امراض جنسی پر کئی اہم کتابیں تحریر کیں۔ان کی تصنیف 'زاد المسافر وقوت الحاضر' دسویں صدی کی سب سے اہم طبی کتاب شمار کی جاتی ہے۔

قاضی نعمان (وفات: 363ھ - 974ء)

قاضی نعمان (ابن حَیّون) فاطمی دور کے مشہور فقیہ، قاضی اور سرکاری مورخ تھے۔ وہ فاطمی دور کے آغاز سے ہی فاطمی دربار سے منسلک رہے۔انہوں نے فاطمی خلیفہ المعز لدین اللہ کے دور میں وفات پائی۔فاطمی دور میں قاضی القضاء اور داعی الدعاء کے عہدوں پر مامور تھے۔اسماعیلی عقائد کی تعلیم وتبلیغ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔فقہ اسماعیلی کے علاوہ فقہ مالکی پر بھی دسترس حاصل تھی،اور مالکی مسلک سے وابستہ افراد کے درمیان سے ان کے مسلک کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

قرآن کی تفسیر، فقہ اور خاص کر باطنی عقائد کی تشریح اور تاریخ پر انہوں نے تقریباً چالیس کتابیں تصنیف کیں۔قاضی نعمان فاطمی خلافت کے سرکاری مورخ بھی تھے۔انہوں نے اس دور کے اہم واقعات اور اماموں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ان کی تصنیف 'دعائم الاسلام' نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔یہ کتاب اسماعیلی فقہ کے موضوع پر ہے، اسکو مکمل کرنے میں جملہ تیس سال لگے۔یہ کتاب 32 ابواب پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں سات ابواب ہیں اور اس میں اسماعیلی عقائد سے بحث کی گئی ہے اور دوسری جلد میں جملہ 25 ابواب ہیں جس میں زندگی کے متفرق مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔اس کتاب کو خلیفہ المعز لدین اللہ نے فاطمی سلطنت کا ضابطہ اور قانون قرار دیا تھا۔

تاریخ کے موضوع پر ان کی کتابوں میں ''کتاب افتتاح الدعوۃ وابتداء الدولۃ'' اور ''کتاب المجالس والمسایرات'' بہت اہم شمار کی جاتی ہیں۔

یعقوب بن کِلِس (991 - 930ء)

یعقوب بن کلس بغداد کے یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے، بعد میں اسلام قبول کیا۔ابتداء میں اخشیدی حکومت کے دربار سے وابستہ رہے، بعد میں فاطمی دربار سے وابستگی اختیار کی۔خلیفہ عزیز باللہ نے انہیں اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔علم وادب سے خاص شغف تھا اور اس کی توسیع اور ترقی میں ذاتی دلچسپی لیتے تھے۔ہر جمعہ کو جامع الازہر میں ان کی تقریر ہوتی اور مباحثے منعقد ہوتے، جن میں متفرق علماء اور فنون سے وابستہ لوگ شریک ہوتے تھے۔انہوں نے کئی کتابیں لکھیں، جن میں ''مختصر الفقہ'' اور ''رسالۃ الوزیریہ'' نہایت اہم ہیں۔ 991ء میں انتقال ہوا۔

المختار المسبحی محمد بن قاسم

المسبحی کے نام سے مشہور ہیں۔انھوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں، مصر کی تاریخ پر تاریخ الکبیر کے نام سے اہم کتاب تصنیف کی جو اب ناپید ہے۔

محمد بن سلامہ بن جعفر القضاع (وفات:454ھ - 1062ء)

یہ شافعی فقیہ خلیفہ المستنصر کے عہد میں مصر کے قاضی تھے۔ ان کی کتابوں میں کتاب الشہاب، کتاب مناقب الامام شافعی، تواریخ الخلفاء اور کتاب خطوط مصر بہت مشہور ہیں۔ انھوں نے ۴۵۴ھ میں وفات پائی۔

ابن القلانسی (وفات: 555ھ - 1160ء)

ابو یعلی حمزہ بن اسد تمیمی، ابن القلانسی کے نام سے معروف تھے، ایک اہم سیاستداں اور مورخ تھے۔ ان کی پیدائش دمشق میں ہوئی۔ یہ ایک ایسی علمی شخصیت ہیں جنہوں نے فاطمی، سلجوقی اور زنگی تین حکومتوں کا زوال دیکھا۔ پہلی صلیبی جنگ کے احوال پر مشتمل ان کی تاریخ نہایت اہمیت کی حامل شمار کی جاتی ہے۔ المذیل فی تاریخ دمشق کے نام سے کتاب لکھی، جس میں بلاد شام پر صلیبی حملوں کی تاریخ بیان کی ہے۔ مستشرق گب نے انکی تاریخ کو (The Domascas chronicles of the Crusades) کے نام سے ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔

ابو علی حسن الہیثم (پیدائش: 354ھ - 965ء)

مشہور و معروف سائنس دان، ہیئت دان، فلسفی اور طبیب، 354ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ 996ء میں وہ فاطمی دربار سے منسلک ہو گئے تھے۔ انہیں اس دور کے تمام جدید علوم میں مہارت حاصل تھی۔

ابن ابی اصیبعہ اپنی کتاب عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں ابن الہیثم کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ ابن الہیثم فاضل النفس، سمجھدار اور علوم کے فنکار تھے۔ علم ریاضیات میں ان کے عہد کا کوئی عالم ان کے ہم پلہ نہ تھا۔ وہ ایک کثیر التصنیف اور زاہد انسان تھے۔ ابن الہیثم وہ عظیم سائنس داں ہیں جنھوں نے جدید سائنسی ضابطہ عمل کی بنیاد ڈالی۔ یہ طریقہ کار سائنسی دریافت، معلومات کی درستگی اور نتیجے پر پہنچنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ انھوں نے ریاضی، ہیئت، علم البصریات (Optics)، علم الہندسہ، فلسفہ، علم الادویہ اور طب پر ایک سو سے زیادہ کتابیں لکھیں۔

ملک مصر میں دریائے نیل پر بند ھ باندھنے کا خیال سب سے پہلے انھوں نے پیش کیا تھا، تاکہ تمام سال اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے، بادشاہ الحاکم نے انکے اس منصوبہ کو بہت زیادہ پسند کیا؛ لیکن اس زمانہ کے آلات کے ذریعے اس منصوبہ کو پائے تکمیل تک پہنچانا ناممکن تھا۔ ناکافی وسائل کی بناء پر انکے دور میں جس جگہ بندھ کی تعمیر ممکن نہ ہوسکی، آج اسی جگہ پر سد عالی کے نام سے ڈیم موجود ہے۔

ابن الہیثم اور علم طبیعیات

علم طبیعیات ابن الہیثم کا خاص موضوع رہا ہے صرف علم طبیعیات پر ابن الہیثم نے تقریباً ۴۴ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس موضوع پر ان کا سب سے اہم کارنامہ نظریہ بصارت (Theory of Vision) کو پیش کرنا ہے۔ علم طبعیات میں آنکھوں اور روشنی کے متعلق انکے انکشافات نے انہیں لازوال شہرت بخشی۔ اس موضوع پر ان کی کتاب ''کتاب المناظر'' نے بہت شہرت پائی، اس کتاب میں سات مقالے ہیں۔ اس کتاب کا لاطینی ترجمہ 1572 میں ہوا تھا۔ جس سے عہد وسطی کے تمام مغربی سائنس دانوں نے بہت مدد لی۔ راجر بیکن اور کیپلر کی تصنیفوں میں اس کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ابن الہیثم نے اس کتاب میں اقلیدس اور بطلیموس کے اس نظریہ کی مخالفت کی کہ آنکھ سے بصری شعائیں نکل کے مرئی شے کی طرف جاتی ہیں۔ ابن الہیثم نے زاویہ انعکاس کو معلوم کرنے کے لیے تجربے بیان کئے ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے یہ ثابت کیا کہ روشنی ہمیشہ خط مستقیم میں سفر کرتی ہے۔ ابن الہیثم نے یہ نظریہ بھی پیش کیا کہ روشنی کی شعاع خم دار راستے پر سفر کرتی ہے۔ روشنی ایک رنگ پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ اس میں

متفرق رنگ شامل ہوتے ہیں۔

کتاب المناظر کی وجہ سے انہیں بطلیموس ثانی کا لقب دیا گیا۔ بصریات کے موضوع پر انکی 20 سے زیادہ کتابیں ہیں، بصریات کے میدان میں انکا مقام نیوٹن کی طرح ہے۔ چھید والا کیمرہ (Pin hole camera) کی دریافت کا سہرا ابن الہیثم کے سر ہے۔انہوں نے کیمرہ بنانے کے نہ صرف اصول وضع کئے، بلکہ انہوں نے کیمرہ بھی بنایا جس میں تصویر اصل سے الٹی نظر آتی تھی۔

علم طبیعیات فلکی (Astro Physics)

ابن ہیثم فلکی طبیعیات میں بھی کمال حاصل تھا، انہوں نے خلاء اور اجرام سماوی کے بارے میں ٹھوس نظریات پیش کئے ہیں۔انھوں نے قوس وقزح کے موضوع پر بھی کتاب لکھی ہے۔ان کی تحریریں مقالۃ فی ضوء، مقالۃ فی ضوء القمر، مقالۃ فی اضواء الکواکب اس موضوع پر نہایت اہم شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ مقالے طبیعات کے دیگر مقالوں کے ساتھ مجموع الرسائل کے نام سے دائرۃ المعارف حیدر آباد سے شائع ہو چکے ہیں۔

علم میکانیات

علم میکانیات میں بھی ابن الہیثم نے تحقیقات کیں اور اپنے نظریات پیش کیے۔ابن الہیثم نے حرکیات اجسام پر بحث کی اور 'رسالۃ المکان' تحریر کیا۔اس میں انہوں نے بطلیموس کے نظریات سے اختلاف کیا اور نئے نظریات کا اضافہ کیا۔

ابن الہیثم اور علم بصریات (Opthalmology)

ابن الہیثم طبیب اور دواساز بھی تھے۔فن طب میں انہیں خاص امتیاز حاصل تھا۔ان کو آنکھ کی سرجری میں کمال حاصل تھا۔انہوں نے آنکھوں کی بینائی پر نفسیاتی اثرات کا سب سے پہلے جائزہ لیا۔آنکھوں کی تشریح اعضاء (Anatomy) پر انہوں نے متعدد نقشے (Diagram) بنائے اور آنکھ کے مختلف حصوں کی اصطلاحات (Terminology) وضع کی۔آنکھوں پر عینک کے طور پر شیشے کے عدسے کا استعمال ابن الہیثم نے شروع کیا تھا۔اسی طرح آپ نے فریب نظر پر بھی عمیق روشنی ڈالی۔

ابن الہیثم اور علم ریاضیات

ریاضیات کے میدان میں بھی انکا پایہ بہت بلند ہے۔انہوں نے اقلیدس اور ثابت بن قرۃ کے ریاضی کے کام کو آگے بڑھایا اور الجبرا اور جیومٹری کے مابین تعلق پر نظریات پیش کیے۔انہوں نے ایک ایسا فارمولہ تیار کیا جس سے ابتدائی سو قدرتی عدد (Natural Numbers) کو جمع کیا جاسکتا تھا اور اسکو جیومیٹری کے فارمولہ سے ثابت کیا۔اسی طرح الہیثم نے اعداد پر کئی نظریات پیش کئے۔

الرسالہ فی تاثیر الالحان علی ارواح الحیوانات، موسیقی پر مشتمل ہے، فلسفہ، موسیقی اور مذہبیات پر بھی ابن الہیثم نے کتابیں اور رسائل تحریر کئے ہیں۔ابن الہیثم کا شمار عالم عرب کے سب سے عظیم ریاضی دان کے طور پر ہوتا ہے۔ان کی خدمات کے اعتراف میں چاند کے ایک دہانہ کا نام انکے نام پر رکھا گیا ہے، اور فروری 1997 میں ایک نو دریافت شدہ سیارے کو بھی انکے نام سے موسوم کیا گیا۔ 430ھ 1040 میں ابن الہیثم کی وفات ہوئی۔

علی ابن یونس (وفات: 399ھ - 1009ء)

ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن مصری جو علی بن یونس کے نام سے مشہور ہوئے۔ ماہر ہیئت دان، سائنس داں اور اپنے زمانے کے سب سے عظیم ماہر فلکیات تھے۔انھوں نے اجرام فلکی کے مشاہدات اور تجربات کے بعد چار جلدوں میں 'الزیج الکبیر الحاکمی' کے نام سے ایک فلکیاتی جدول تیار کی۔اس

کتاب میں ابن یونس نے ثابت کیا کہ چاند کی رفتار میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔اس کتاب میں بہت تحقیق اور تصحیح سے مسائل ہیئت لکھے ہیں۔ابن یونس نے اپنا بنایا ہوا اصطرلاب استعمال کر کے کئی سال تک سورج کے مقامات میں سے دس ہزار مداخل کا مشاہدہ کیا۔ابن خلکان نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔انگریز مفکر این ایم سورڈ لو کے مطابق الزیج الکبیر الحاکمی ایک غیر معمولی اور شاہکار کتاب ہے،جس میں سے صرف آدھا حصہ ہی ہم تک پہنچ سکا ہے۔

ابن یونس نے وقت کی پیمائش کے لیے پینڈولم کا استعمال کیا۔انھوں نے علم نجوم اور علم ریاضیات پر کئی کتابیں تصنیف کیں۔ابن یونس کی خدمات کے اعتراف میں چاند کے ایک دہانے کا نام انکے نام پر رکھا گیا ہے۔

ابوالقاسم عمار موصلی (وفات: 400ھ - 1010ء)

یہ ایک مشہور عالم اور سائنس داں ہیں،انہوں نے آنکھ، بینائی اور بصارت کے موضوع پر اہم کتابیں تصنیف کیں۔ان کی کتاب ''المنتخب فی علاج العین'' آنکھوں اور ان کے علاج پر ایک عمدہ تصنیف سمجھی جاتی تھی۔انہوں نے اس کتاب میں موتیا بند کے علاج کے سلسلے میں آنکھ سے موتیا کو ایک نلکی کے ذریعے چوس کر باہر نکالنے کے طریقے کی وضاحت کی ہے۔

حکیم ناصر خسرو (1088 - 1004ء)

حکیم ناصر خسرو فارسی زبان کے ایک بہت بڑے شاعر،فلسفی،اسماعیلی داعی اور سیاح تھے،کئی زبانوں کے ماہر تھے۔فاطمی سلطنت کے عروج کے دور میں انہوں نے مصر کا دورہ کیا اور وہاں کے احوال اپنے سفرنامے میں قلمبند کئے۔فاطمی سلطنت کے عروج وترقی اور علمی تابناکیوں کے عجیب و غریب تذکرے ان کے سفرنامہ میں ملتے ہیں۔انکی شاعری کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی کئی کتابیں تصنیف ہیں،ان کا سفرنامہ آج بھی بہت مشہور ومقبول اور تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔فاطمی دور میں بہت سے مشہور شعرا بھی گزرے ہیں۔جن میں ابن ہانی،علی تولنسی،الامیر تمیم زیادہ مشہور ہیں۔

12.6 اہم علمی ادارے

فاطمی دور میں متعدد علمی ادارے قائم ہوئے،جن میں دواداروں کو لازوال شہرت حاصل ہوئی، پہلا ادارہ جامع الازہر ہے،اور دوسرا ادارہ دارالحکمت۔ان دونوں اداروں نے اپنے اپنے میدان میں عظیم الشان علمی خدمات انجام دیں،جن کی تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے۔

12.6.1 جامع الازہر

جامعہ الازہر فاطمی دور کی ایک ایسی اہم یادگار ہے، جو آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ علم وادب کے شیدائوں کو سیراب کر رہی ہے۔فاطمی حکومت کا پایہ تخت مصر منتقل کرنے کے بعد فاطمی خلفاء نے مصری عوام پر شیعیت کو مسلط نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے عقائد اور علوم کی ترویج کے لیے علاحدہ مساجد اور ادارے تعمیر کئے۔ان میں سب سے پہلے شیعی عبادت گاہ کے طور پر سیدہ فاطمہ الزہراء کے نام پر جامع الازہر کی بنیاد 969 عیسوی میں عمل میں آئی۔

جامع الازہر کا قیام فاطمی خلیفہ المعز کے حکم پر انکے سپہ سالار جوہر الصقلی کی سرپرستی میں ہوا۔اسماعیلی دعوت کی بنیاد کو پختہ بنانے کے لیے اس مسجد میں اسکی تعلیم واشاعت کا اہتمام ہونے لگا۔خلیفہ المعز کے بعد دوسرے خلفاء نے اس مسجد کی تعمیر میں توسیع واضافے کئے۔خلیفہ العزیز کے دور میں اس مسجد کو جامعہ کی حیثیت حاصل ہوئی۔اساتذہ اور فقہاء کے لیے کمرے اور ہال تعمیر کئے گئے، جسے دارالجماعت کا نام دیا گیا۔اس میں ظہر کی نماز کے بعد علمی مذاکرات کے لیے اسماعیلی فقہاء اکٹھے ہوتے ،عصر تک علمی مذاکرے کرتے۔خلیفہ نے ان فقہاء کے لیے وظیفے مقرر کئے تھے اور

اپنے وزیر یعقوب بن کلس کو اسکا نگران بنایا تھا۔ان مجالس کے لیے دور دور سے علماء اور داعی مدعو کئے جاتے اور انہیں بہترین تنخواہوں پر پڑھانے کے لیے مقرر کیا جاتا۔اسماعیلی عقائد،تاویل اور ظاہری علوم کی تعلیم مرد وعورت سب کو دی جاتی تھی۔البتہ اسمٰعیلی علوم باطنہ کی مجلسیں خلفاء اور اماموں کی نشست گاہوں پر انتہائی خفیہ طور پر منعقد ہوتی تھیں۔

جامع الازہر میں اسماعیلی عقائد کے حلقوں کے علاوہ حنفی اور شافعی مذہب کے علماء اور فقہاء کے حلقہ بھی منعقد ہوا کرتے تھے۔فاطمی خلفاء نے جہاں اپنے اسماعیلی عقائد کی ترویج میں تمام کوشش صرف کیں، وہیں انہوں نے اہل السنہ کے عقائد اور علوم کی ترویج اور اشاعت پر کبھی روک تھام نہیں کی اور نہ ہی کسی تعصب سے کام لیا۔وہ اہل السنہ اور اہل تشیع کے ساتھ نہایت فراخدلی کے ساتھ پیش آتے تھے۔اس ادارہ میں ہر عقیدے کے عالم اور قاضی کو اپنے عقیدے کے مطابق فیصلے کرنے کی آزادی تھی۔حاکم نے اپنے دور میں مالکی مذہب کی تعلیم کے لیے دو فقہاء کو مقرر کیا تھا۔ دوسرے اماموں اور خلفاء کے دور میں بھی مختلف مشہور علماء اور فقہاء کی مصر میں آمد جاری رہی۔معتزلہ کے مشہور عالم عبدالسلام بن محمد بن بنداد القزوینی مصر آئے اور چالیس سال تک وہیں مقیم رہے۔

جوہر الصقلی نے الازہر میں ایک نفیس کتب خانہ بھی قائم کیا تھا،جس نے بعد میں کافی شہرت پائی۔آگے چل کر الازہر میں دیگر کتب خانوں سے کتابیں منتقل کی گئیں۔جیسا کہ خلیفہ الحاکم کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے جب دارالحکمت کی عمارت منتقل کی تو دارالحکمت کی کتابیں جامع الحاکم، جامع المقس،اور جامع الازہر میں منتقل کرنے کا حکم دیا تو اس وقت زیادہ کتب جامع الازہر کے کتب خانہ کے حصہ میں آئیں۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم نے اپنی کتاب' تاریخ الاسلام السیاسی والدینی والثقافی والاجتماعی' میں لکھا ہے کہ: فاطمیوں نے جامع الازہر کی شکل میں مصر کے لیے ایک گراں قدر میراث چھوڑی ہے۔اس سے ان کی ان کوششوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے علوم کی نشر واشاعت میں صرف کی ہیں۔

جامع الازہر کے بارے میں ابن جبیر جو عینی شاہد ہیں لکھتے ہیں کہ مصر کے جامع الازہر میں ہر طالب علم کے لیے ایک قیام گاہ ہے۔استاد اس کو اس کے منتخب کردہ مضمون میں تعلیم دیتا ہے۔اسکی تمام ضروریات کے لیے وظیفہ مقرر ہے۔

مشہور مفکر لین پول نے جامع الازہر کے بارے میں لکھا ہے کہ: جامع الازہر میں آج بھی تمام دنیا سے طلباء علم کی پیاس بجھانے آتے ہیں۔

12.6.2 دارالحکمت

فاطمی حکومت میں دارالعلم کے نام سے ایک اہم علمی مرکز تھا۔جس نے آگے چل کر دارالحکمت کے نام سے شہرت پائی۔دارالحکمت کی بنیاد فاطمی خلیفہ حاکم بامراللہ نے ڈالی، جو خلیفہ المعز کے بعد ایک اہم حکمراں شمار کیے جاتے ہیں۔اس ادارہ کی ابتداء خلیفہ الحاکم کے محل میں مجالس الحکم کے نام سے ہوئی۔جس میں اسماعیلی عقائد کی تعلیم دی جاتی تھی اور مباحثہ منعقد کئے جاتے تھے۔ان مجالس میں اسماعیلی داعی اپنے مریدوں کو اسماعیلی عقائد کی تعلیم دیتے تھے۔کچھ عرصے بعد اس کے لیے باقاعدہ عمارت تعمیر کی گئی اور اسے دارالحکمت کا نام دیا گیا۔اس میں کتب خانہ کا اضافہ کیا گیا۔ خلیفہ الحاکم نے اس کتب خانے کا افتتاح بہت اعلی اور شاندار پیمانے پر، جمادی الاولی ۳۹۵ھ میں بروز شنبہ کو کیا۔اس کتب خانہ کی بے مثال زیبائش اور آرائش کی گئی۔کتب خانے کے لیے اعلی قسم کا فرنیچر مہیا کیا گیا۔دروازوں اور غلام گردشوں پر قیمتی پردے لٹکائے گئے۔ضروری عملے کا انتخاب کیا گیا۔اور الحاکم کے شاہی محل میں جتنی کتابیں تھیں انہیں دارالعلم میں منتقل کر دیا گیا۔اس طرح دارالعلم میں ایک نادر کتب کا خزانہ جمع ہو گیا۔جس میں اکثر کتابیں خود مصنفین کی تحریر کردہ تھیں۔

خلیفہ الحاکم نے اس کتب خانے کوعوام کے لیے وقف کر دیا۔اس طرح اپنے طرز کا پر شکوہ کتب خانہ اپنے دور کا پہلا عوامی کتب خانہ بن گیا اوراس طرح عوام کے لیے کتب خانے بنانے کا سہرا خلیفہ الحاکم کے سرجاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ دارالحکمت نے بغداد کے بیت الحکمت کو ماند کر دیا تھا۔

دارالحکمت میں اکثر عقائد پر مبنی مناظرے اور بحث ہوتے تھے۔جن کا اختتام نزاع پر ہوتا تھا۔دارالحکمت میں اسماعیلی عقائد کے علاوہ دیگر علوم بھی پڑھائے جانے لگے۔ چنانچہ یہاں درس وتدریس کے لیے ہیئت داں، نجومی، ماہر لسانیات،اور فلسفی مقرر کیے گئے۔دارالحکمت کے دروازے ہر خاص وعام کے لیے کھلے تھے،اور طالب علموں کے لیے سہولتیں فراہم کی گئیں تا کہ وہ یکسوئی سے علم حاصل کر سکیں۔طالب علموں کو کاغذ، قلم اور سیاہی مفت تقسیم کی جاتی، چنانچہ یہاں طالب علموں کا ایک ہجوم رہتا۔دارالحکمت میں کتابیں نقل کرنے والے، درس میں شرکت کرنے والے اور مطالعہ کرنے والوں کا ہجوم رہتا۔

دارالحکمت چھٹی صدی کے اوائل تک قائم رہا۔ پھر جب اس ادارہ کو مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کیا جانے لگا تو فاطمی وزیر الملک الافضل نے اسکو بند کر دیا۔ بعد میں ۵۱۷ھ میں المامون البطائحی نے خلیفہ کے حکم سے اسے دوبارہ کھول دیا اور وہاں اسی آب وتاب کے ساتھ فاطمی سلطنت کے اختتام تک کام ہوتا رہا۔صلاح الدین ایوبی نے دارالحکمت کو بند کروادیا اوراس میں شافعی مسلک کا مدرسہ کھول دیا۔

دارالحکمت کا کتب خانہ اس دور کے عظیم کتب خانوں کی طرح کافی وسیع اور ضخیم تھا۔اس میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ نادر اور قیمتی کتب موجود تھیں۔مشہور مؤرخ ابن جریر طبری کی مشہور تصنیف تاریخ طبری کے اس کتب خانہ میں 1200 نسخے موجود تھے۔واضح رہے کی یہ کتاب خود کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔مقریزی اور ابوشامہ کے مطابق یہ کتب خانہ عجائب عالم میں سے تھا۔اور قرون وسطی کے کتب خانوں میں بے نظیر تھا۔دار الحکمت کے اس کتب خانے میں دیگر ممالک جیسے کہ یونان، فارس اور ہندوستان کی بھی کئی نایاب کتابیں موجود تھیں۔

12.7 عہد فاطمی کے کتب خانے

فاطمی خلفاء کو علم کی نشر واشاعت کے ساتھ علم کے تحفظ کا بھی بہت اہتمام تھا۔کتابوں اور کتب خانوں سے انہیں غیر معمولی دلچسپی تھی۔اس سلسلے میں انکے غیر معمولی کارنامے ہیں جن کا مؤرخین نے بھی اعتراف کیا ہے۔

فاطمی خلفاء ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے کہ انکے پاس زمانہ بھر کی کتابیں جمع ہوجائیں۔اور وہ اس کے لیے ان کے خزانے کے منہ ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔اگر ان کو کسی کے پاس نادر کتاب یا نایاب نسخے کا پتہ چلتا تو وہ اسکو حاصل کرنے کے لیے پوری منہ مانگی قیمت دے کر حاصل کر لیتے تھے۔

کتابوں کے ساتھ ساتھ فاطمی خلفاء کو کتب خانوں سے بھی عشق تھا۔تقریبا ہر امام اور خلیفہ کے اپنے ذاتی کتب خانے تھے۔جس طرح ہر خلیفہ یا امام کا اپنے لیے قصر تعمیر کرنا ایک معمول تھا اسی طرح ہر محل میں کتب خانہ کا اہتمام بھی اسکا ایک اہم جز تھا۔خلفاء اور بادشاہوں کے ذاتی کتب خانے انتہائی پر شکوہ ہوتے تھے۔ان میں بعض کتب خانے اپنے وقت کے عجائب خانوں میں شمار ہوتے تھے۔فاطمی خلفاء، امام اور داعی اپنے قصر اور ایوانوں میں کتب کے جمع واضافوں کا بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے،حتی کہ تاریخ میں آتا ہے کہ فاطمی شاہی قصر کا کتب خانہ مکتبہ قصر عالم اسلام کے تمام کتب خانوں کا سرتاج تسلیم کر لیا گیا۔

ابن الاثیر کے مطابق المہدی بانی دولت فاطمیہ کو اپنے بزرگوں سے ایک کثیر تعداد کتابوں اور دستاویزوں کی ورثہ میں ملی تھی۔المہدی کا یہ

ذخیرہ کتب چوری ہوگیا تھا۔لیکن بعد میں اس کے بیٹے شہزادہ قاسم نے بازیاب کروالیا تھا۔خلیفہ المعز نے جب دارالخلافہ قیروان سے مصر منتقل کیا تو دیگر یادگاروں کے ساتھ وہ کتب کا ذخیرہ بھی مصر منتقل ہوگیا۔تاریخ کے مطابق قاہرہ کے عظیم الشان شاہی کتب خانے کی بنیاد یہی کتابیں تھیں۔

ابن الاثیر کے مطابق اس کتب خانے میں بعض کتابوں کے غیر معمولی نسخے تھے۔ چنانچہ شاہی کتب خانے میں کلام مجید کے دو ہزار چار سو (2400) نادر نسخے تھے جنہیں مشہور خطاطوں نے لکھا تھا اور انکی جلدیں بھی نہایت خوشنما اور منقش تھیں۔اس کتب خانہ میں قرات، حدیث، فقہ، نحو، حساب، نجوم، منطق اور فلسفہ وغیرہ یعنی اسوقت جتنے علوم اس زمانے میں رائج تھے، ہر علم وفن پر کتب موجود تھیں ۔ انکی تعداد لاکھوں میں تھی، اکثر کتابوں کے کئی نسخہ جات تھے۔اس کتب خانے میں ہر خلیفہ اور اماموں اور انکے داعاۃ مختلف علوم کے نادر مخطوطات جمع کرتے رہے، یہاں تک کہ اس کو تمام اسلامی کتب خانوں کا سرتاج تسلیم کرلیا گیا۔

مقریزی کا کہنا ہے کہ کتابوں کا ایسا ذخیرہ کسی بادشاہ کے پاس نہیں ہوگا جیسا کہ فاطمیوں کے پاس تھا۔اس کتب خانہ میں قرآن، حدیث، فقہ، نحو، حساب، نجوم، منطق، اور فلسفہ وغیرہ جتنے علوم اس زمانے میں رائج تھے، سب کے متعلق کتابیں موجود تھیں، جن کی تعداد لاکھوں میں تھیں، اکثر کتابوں کے کئی نسخہ جات تھے۔علامہ مقریزی اس کتب خانے میں کتب کی تعداد چھ لاکھ چھ ہزار بتاتے ہیں۔علم حساب اور علم نجوم پر مشتمل کتابوں کی تعداد تقریباً چھ ہزار تھی۔مقریزی کی کتاب الخطط کے مطابق اس کتب خانے میں چالیس وسیع وعریض کمرے تھے۔ ہر کمرے میں تقریباً اٹھارہ ہزار کتابیں رکھی جاتی تھیں۔

فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نے بھی ایک شاہی کتب خانہ تعمیر کیا تھا۔جس کو بعد میں مستنصر باللہ نے مزید ترقی دی۔ یہ شاہی کتب خانہ چھ لاکھ کتابوں پر مشتمل تھا اور اکثر کتابیں نایاب تھیں۔لوگ دور دراز سے اس کتب خانے میں مطالعہ اور تحقیق کے لیے کھنچے چلے آتے تھے۔

ایک وقت خلیفہ العزیز نے کتاب العین کا ذکر کیا تو داروغہ نے کتاب مذکور کے قریب تینتیس نسخے پیش کئے، جن میں ایک خود مصنف خلیل ابن احمد بصری کا تحریر کردہ تھا۔اسی کتب خانے میں 1200 نسخے تاریخ طبری کے تھے اور الجمھرہ لابن درید کے سو نسخے تھے۔

فاطمی وزیر یعقوب بن کلس کا کتب خانہ چالیس جدا جدا کتب خانوں پر مشتمل تھا، جس میں ایک کتب خانہ صرف فلسفہ اور علم قدیم کی کتابوں کے لیے مختص تھا۔اور اس میں صرف فلسفہ کی اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں۔مؤرخین کے مطابق اپنے وقت میں اس کتب خانے کی ضخامت کا کوئی اور کتب خانہ نہیں تھا۔

12.7.1 عوامی کتب خانے

قصر شاہی کے کتب خانوں کے علاوہ فاطمی خلفاء کو عوام کے لیے کتب خانے تعمیر کرنے کا بھی کافی اہتمام رہا۔فاطمی دور کے عوامی کتب خانے بھی انتہائی شاندار تھے اور تمام مملکت میں پھیلے ہوئے تھے۔ان کتب خانوں میں طالب علموں، مطالعہ اور تحقیق کرنے والوں کے لیے ہر قسم کی سہولت میسر تھی۔عوامی کتب خانوں کی عمارتوں کی تعمیر میں کافی اہتمام کیا جاتا۔کمرے اور دالان کافی کشادہ اور ہوادار ہوتے، دروازے اور کھڑکیوں کی وضع اور کاریگری میں کافی عرق ریزی اور اہتمام کیا جاتا۔طالب علموں، مطالعہ کرنے والوں کتابت کرنے والوں اور تحقیق کرنے والوں کے لیے علاحدہ علاحدہ کمرے مختص ہوتے تھے۔اس کے علاوہ بڑے بڑے کتب خانوں میں ادبی اجتماعات اور جشن موسیقی وغیرہ کے لیے بھی علاحدہ ہال اور کمرے ہوتے تھے۔تمام کتب خانوں کے فرش مزین ہوتے اور چٹائیوں اور قالینوں سے ڈھکے ہوتے جہاں مشرقی انداز میں نشستیں ہوتیں اور لوگ

زمین پر بیٹھ کر مطالعہ اور کتابت کرتے تھے۔ کتب خانوں کی کھڑکیوں اور دروازوں پر پردے ڈالنے کا بھی بہت اہتمام ہوتا تھا تاکہ ہوا سے کتابوں کو نقصان نہ پہنچے۔

مصر کے فاطمی کتب خانے کے ہر کمرے کے باہر کی دیوار پر اس کمرے میں موجود کتابوں کی فہرست لٹکی رہتی تھی۔ بعد میں وزیر ابوالقاسم جرجانی نے ۴۳۵ھ میں پورے کتب خانے کی فہرست قلمبند کرنے کا حکم دیا۔ اور اس کام کے لیے قاضی ابوعبداللہ القضاعی اور ابوخلف الوراق کو مقرر کیا۔ اس کے بعد سے کتب خانوں میں کیٹلاگ کا اہتمام ہونے لگا۔

کتب خانے کی نگرانی اور انتظام کے لیے مہتمم اور دیگر ملازمین کا تقرر کیا جاتا تھا۔ مہتمم کتب خانہ، کتب خانے کی تمام انتظام کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ نئی کتابیں فراہم کرنا، فہرستیں تیار کرنا، اور مطالعہ کرنے والوں کو ہر قسم کی سہولت فراہم کرنا اسکی ذمہ داری میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ کتابوں کی جلد بندی اور مرمت کروانا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ قاہرہ کی بڑے کتب خانوں میں مہتمم کی مدد کے کے نائب مہتمم بھی مقرر تھے۔

کتب خانوں کے مہتمم اور دیگر ملازموں کی تنخواہیں مقرر تھیں۔ اس کے علاوہ کتب خانہ کے اخراجات کے لیے ماہانہ یا سالانہ خرچ مقرر ہوتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ الحاکم کے کتب خانے کے خرچ کی تفصیل کے بارے میں آتا ہے کہ وہ تقریبا سو(۱۰۰) دینار تھا، اس میں قلم کاغذ اور سیاہی کے ساتھ ساتھ سردی کے لیے گدے، پردے اور اونی قالینیں، گرمی کے لیے چٹائیاں بھی شامل ہیں۔

مصری کتب خانوں میں یہ رواج بھی تھا کہ اگر ایک کتاب کے کئی طلبگار ہوں تو ایسے شخص کو ترجیح دی جاتی جو غریب ہو، تاکہ وہ محروم نہ ہو اور امیر شخص کے پاس کتاب نہ ملنے کی صورت میں خرید کر مطالعہ کرنا ممکن ہوتا تھا۔

عہد فاطمی میں طرابلس الشام کے شہر میں ایک بڑا کتب خانہ تھا۔ اس میں ترپن لاکھ کتابیں تھیں۔ یہ کتب خانہ دنیا کے عجائب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کتب خانے میں ایک سواسّی ملازم تھے جن میں سے 33 کاتب تھے اور دن رات کتابت میں مصروف رہتے تھے۔ طرابلس الشام اپنے وقت کی دانش گاہ تھا۔ جہاں طالب علموں کا ہجوم رہتا تھا۔

فاطمی دور کے کتب خانے علمی نشستوں کے لیے بھی خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ان علمی و ادبی نشستوں میں مشہور علماء اور محققین نہایت اہم موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ تحقیقی مسائل پر بحث ومباحثہ کی محفلیں بھی قائم کی جاتی تھیں۔ مشہور عالم ابن کلس کی ادبی نشست کے کے لیے منگل کا دن مقرر تھا۔ جس میں فقہاء، متکلمین، اور منطق کے ماہرین جمع ہوتے تھے اور اہل علم کے درمیان بحث و مباحثہ اور تبادلہ خیال ہوتا تھا۔

خلیفہ الحاکم کا عہد علمی مناظروں کے لیے کافی شہرت رکھتا ہے۔ اس قسم کے مناظروں اور محفلوں میں خلیفہ خود بھی شامل ہوتے تھے۔ یہ مباحثے علم الحساب، علم الفلک، فقہ، منطق، طب اور بھی دیگر علمی موضوعات پر ہوتے تھے۔ خلیفہ الحاکم کے دور میں سن ۴۰۵ھ میں ایک ایسی علمی نشست منعقد ہوئی جس میں ہر علم وفن اور ادب کے ماہرین کو دعوت دی گئی اور اس نشست کے بعد خلیفہ نے انہیں خلعت سے نوازا۔

فاطمی خلفاء کے علاوہ، فاطمی وزراء بھی ان ادبی اور علمی مجالس کا اہتمام کرتے تھے۔ فاطمی وزیر ملک صالح کے بارے میں آتا ہے علماء و ادباء ایک دوسرے پر بازی لے جاتے تھے۔ ان مجلسوں میں خود ملک الصالح بھی اپنے اشعار سنایا کرتا تھا۔

جلد سازی

سب سے قدیم اسلامی جلد بندی مصریوں کی شمار ہوتی ہے۔ یہ جلد سازی انتہائی معمولی پیانے پر شروع ہوئی تھی، لیکن فاطمی عہد میں اس جلد بندی نے ایک فن کی صورت اختیار کر لی تھی۔ چمڑے سے نہایت خوش نما اور منقش جلدیں بنائی جاتی تھیں۔عنایت اللہ کا بیان ہے کہ چمڑے کی جلدیں نہایت نفاست سے بنائی جاتی تھیں۔آ گے چل کر اس آٹھویں یا نویں صدی میں جلد سازی کے فن میں اتنی ترقی ہوئی کہ جلد سازی میں سنہرہ اور سادہ ٹھپہ لگانا اور کناروں پر خوبصورت نقش ونگار بنانا اسلامی مملکت میں ایک معمول کا کام بن گیا۔

12.8 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- حکومت فاطمیہ دو ادوار میں منقسم ہے:ا۔ افریقی دور(297ھ 362 -ھ)،مصری دور(362-567ھ)۔افریقی دور میں فاطمی خلفاء کی زیادہ توجہ اپنے آپ کو سیاسی طور پر مستحکم کرنے پر رہی۔اس لیے علمی اداروں اور کارناموں کے نقوش انفرادی سطح پر ملتے ہیں۔
- فاطمی خلفاء کی کتابیں اور کتب خانے اسلامی دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے تھے۔عوام کے لیے کتب خانے بنانے کا آغاز فاطمی دور میں ہوا۔
- صقلیہ کی فتح کے بعد فاطمی امراء کے ذریعے عربی زبان وادب اور سائنسی تحقیقات نے صقلیہ کو علم وادب کا گہوارہ بنا دیا اور آ گے چل کے یوروپ میں علم وادب کے فروغ میں صقلیہ کے دارالعلوم اور یونیورسٹیز نے اہم کردار ادا کیا۔ صقلیہ میں اسلام اور مسلمانوں کا زبان وادب اس طرح سرایت کر گیا کہ علاقائی زبانوں میں عربی کی اصطلاحات اور الفاظ کی آمیزش کافی واضح طور پر آج بھی نظر آتی ہے۔ مسلمانوں سے میل جول معاشی اور معاشرتی اشتراک اور اثر کی بناء پر علاقائی اور عربی زبان کے اشتراک سے ایک نئی زبان وجود میں آئی جونئ اطالوی زبان کی حیثیت سے رائج رہی۔
- فلسفہ نے فاطمی دور میں بہت ترقی کی، کیوں کہ اس سے اسماعیلی عقائد کی تحقیق، تعلیم اور تبلیغ میں مدد ملتی تھی۔
- فاطمی خلفاء کا مصری دور اپنی علمی پذیرائی، اور نایاب کتب خانوں کی تیاری کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔کتب خانے علم وادب کا مرکز ہوتے تھے۔ جہاں علمی محفلیں منعقد کی جاتیں۔مختلف علوم کے ماہرین کو لکچر دینے کے لیے بلایا جاتا۔کتابوں کی نقل اور جلد بندی کے لیے اشیاء مثلاً کاغذ اور دوات مفت فراہم کی جاتی تھیں۔
- خلیفہ الحاکم نے مجالس الحکم کے نام سے ایک ادارہ شروع کیا، جو آگے چل کر دارالحکمت کے نام سے مشہور ہوا۔اس ادارہ میں دینی علوم اور علوم سائنس کی تعلیم دی جاتی تھے۔
- علمی سرپرستی کے اعتبار سے خلیفہ العزیز باللہ اور خلیفہ الحاکم تاریخ میں نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔
- فاطمی دور میں مشہور سائنس دان ابن الہیثم اور علی بن یونس نے علم طبیعیات میں بے مثال کارنامے انجام دیے ہیں،اس کے علاوہ طب کے میدان میں اس دور میں کئی تصنیفات لکھی گئیں، خاص طور پر آنکھوں کے علاج پر اس دور کی تصنیفات اپنے موضوع کی بنیادی کتب شمار ہوتی ہیں۔

- جامع الازہر فاطمی دور کی عظیم علمی یادگار ہے۔اس کی تعمیر فاطمی وزیر جواہر القائد صقلی نے خلیفہ المعز کے حکم سے کی تھی۔ جامع الازہر میں آج بھی تمام دنیا سے طلباء علم کی پیاس بجھانے آتے ہیں۔

12.9 کلیدی الفاظ

موروثی	:	جس کو وراثت ملے۔ ترکہ، حصہ
غلام گردش	:	دیوان خانہ اور زنان خانہ کی درمیانی دیوار اور برآمدہ، خادموں کی بیٹھنے کی جگہ
منقش	:	نقش کیا گیا، بیل بوٹے دار
نفاست	:	صفائی، خوبی

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

12.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ دارالحکمت کا قیام کس خلیفہ کے عہد میں ہوا۔

(a). حاکم بامراللہ (b). عبیداللہ مہدی (c). عاضدلدین اللہ (d). الحافظ لدین اللہ

2۔ جامع ازہر کی تعمیر کس سنہ میں عمل میں آئی۔

(a).969 (b).959 (c).999 (d).869

3۔ دریائے نیل پر بند باندھنے کی تجویز سب سے پہلے سائنس دان نے پیش کی۔

(a). عبیداللہ مہدی (b). ابن الہیثم (c). علی بن یونس (d). ابن خلدون

4۔ فاطمی دور حکومت میں رصدگاہ کس علاقے میں تعمیر کی گئی؟

(a). جبل طارق (b). جبل مقطم (c). جبل رحمت (d). جبل طور

5۔ اسلامی دور کی سب سے قدیم جلد سازی کہاں کی شمار کی جاتی ہے۔

(a). بغداد (b). مدینہ (c). مصر (d). ایران

6۔ کتاب المناظر کس عظیم سائنسداں کی تصنیف ہے۔

(a). ابن الجزار (b). قاضی نعمان (c). ابوالقاسم عمرو بن الموصلی (d). ابن الہیثم

7۔ علی بن عمر الموصلی نے آنکھوں کے علاج پر کون سی کتاب تصنیف کی۔

(a). الحاوی (b). القانون فی الطب (c). المنتخب فی علاج العین (d). الکامل فی التاریخ

8۔ زادالمعاصر وقوت الحاضر کس موضوع پر تصنیف کی گئی ہے۔

(a). طب (b). جغرافیہ (c). تاریخ (d). تفسیر

9۔ کس مورخ کی تصنیف میں پہلی صلیبی جنگ کے تفصیلی احوال درج ہیں۔

(a). ابن الہیثم (b). ابن القلانسی (c). قاضی نعمان (d). علی بن یونس

10۔ زیج الحاکمی کس سائنس داں نے خلیفہ الحاکم کے حکم پر تیار کی۔

(a). یعقوب بن کلس (b). ابوالقاسم عمرو بن الموصلی (c). ابن الہیثم (d). علی بن یونس

12.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ فاطمی عہد کی علمی خدمات کا مختصر جائزہ لیجیے۔

2۔ خلیفہ الحاکم کے علمی کارناموں پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

3۔ ابن یونس کی علمی خدمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

4۔ فاطمی دور میں تصنیف کردہ علم بصریات کی کلیدی کتابوں کا تعرف پیش کیجیے۔

5۔ جامع الازہر کا تعارف پیش کیجیے۔

12.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ فاطمی حکومت کے دور کے کتب خانوں کی خصوصیات پر اپنی معلومات تحریر کیجیے۔

2۔ علم کی ترقی اور وسعت میں دارالحکمت کے رول پر گفتگو کرتے ہوئے مشہور سائنسدان ابن الہیثم اور علی بن یونس کی خدمات قلم بند کیجیے۔

3۔ مصر کو علوم وفنون کا گہوارہ بنانے مین فاطمی دور کا کیا رول رہا۔ دلائل سے وضاحت کیجیے۔

12.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	عیون الانباء فی طبقات الاطباء	:	ابن ابی اصیبعہ
2۔	تاریخ دولت فاطمیہ	:	سید رئیس احمد جعفری ندوی
3۔	تاریخ صقلیہ	:	ریاست علی ندوی
4۔	تاریخ طبری	:	ابوجعفر محمد بن جریر طبری
5۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	:	ثروت صولت
6۔	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام		
7۔	The short History of Fatmid Caliphate	:	DE Lacy OLeary, D.D
8۔	The Islamic Dynasties of Arab East	:	Abdul Ali

-:oOo:-

اکائی 13 : فاطمی دور میں فن تعمیر

اکائی کے اجزا

13.0 تمہید
13.1 مقصد
13.2 فن تعمیر اور معماری
13.2.1 فاطمی فن تعمیر کا افریقی دور
13.2.2 فاطمی فن تعمیر کا مصری دور
13.2.3 فاطمی شہر
13.2.4 مساجد
13.2.5 محلات
13.2.6 مقبرے
13.2.7 دیگر عمارتیں
13.3 اکتسابی نتائج
13.4 کلیدی الفاظ
13.5 نمونہ امتحانی سوالات
13.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
13.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
13.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
13.6 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

13.0 تمہید

فاطمی حکمرانوں نے فن تعمیر پر ابتداء ہی سے توجہ دی اور فن تعمیر فاطمیوں کا خاص میدان عمل رہا ہے۔ فاطمی محلوں کی شان وشوکت تاریخ میں

ضرب المثل ہے۔ نیز فاطمی دور میں مصر میں مصوری میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ فاطمی خلفاء چونکہ عرب تھے اس لیے ابتداء میں انہوں نے اموی اور عربی طرز تعمیر اپنایا، لیکن چونکہ عقیدہ میں شیعہ تھے اس لیے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے وہ ایرانی فنون سے بھی استفادہ کیا۔

اس اکائی میں فاطمی سلطنت کے فن تعمیر کا اجمالی تعارف پیش کیا جائے گا۔ فاطمی دور کے افریقی اور مصری دور کی منتخب عمارتوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔ اس دور کے معماروں اور ان کی تعمیر کردہ عمارتوں کی منفرد فنی خصوصیات پر تبصرہ کیا جائے گا۔

13.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ فن تعمیر کے سلسلہ میں اسلامی دور کی ایک اہم سلطنت 'خلافت فاطمیہ' کی خدمات کے بارے میں واقفیت حاصل کرسکیں گے، اور فاطمی دور کی خوبصورت عمارتوں اور ان کی فنی انفرادیت کو خراج تحسین پیش کرسکیں گے۔

13.2 فن تعمیر اور معماری

فاطمی سلطنت کا قیام شمالی افریقہ کے شہر قیروان میں عمل میں آیا۔ اپنے دور عروج میں فاطمی حکمران نے اپنا دارالسلطنت مصر منتقل کر لیا تھا۔ یہ سلطنت خلافت عباسیہ جو اس وقت کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ حکومت مانی جاتی تھی ان کے مخالفین کے طور پر وجود میں آئی تھی۔ فاطمی سلطنت اپنے قیام کے مختصر عرصہ ہی میں عباسی حکومت کے ہم پلہ ہوگئی تھی، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فنون لطیفہ اور فن تعمیر میں اپنی خصوصیات کی بناء پر ان سے ایک قدم آگے بڑھ گئی تھی۔

فاطمی سلاطین نے فن تعمیر پر ابتداء ہی سے توجہ دی۔ فن تعمیر فاطمیین کا خاص میدان عمل رہا ہے، انھوں نے فن تعمیر کو ایک نئی جہت اور شناخت عطا کی اور اپنی عمارتوں کی کثرت اور منفرد خصوصیات کی بنا پر تاریخ میں کافی شہرت حاصل کی۔ فاطمی فن تعمیر قدیم اور جدید اسلامی فن تعمیر کے درمیان ایک پل تصور کیا جاتا ہے۔ فاطمی عمارتیں اموی، اندلسی اور طولونی طرز تعمیر کی عکاسی کرتی ہیں، ساتھ ہی یہ عمارتیں اپنی جدت طرازی اور مخصوص فاطمی فن کی وجہ سے منفرد نظر آتی ہیں۔

فاطمی دور کے تقریباً ہر بادشاہ نے اپنے نام سے شہر آباد کئے، اور ہر خلیفہ نے اپنے لیے محل تعمیر کروائے، جن کی شان وشوکت تاریخ میں ضرب المثل ہے۔ فاطمی خلفاء کو علم وحکمت سے کافی دلچسپی رہی، اس لیے اس کے فروغ کے لیے مدرسے، کتب خانے اور سائنسی ادارے تعمیر کیے گئے، جن میں بعض تو عجوبہ وقت کے طور پر شہرت رکھتے تھے۔ اسی طرح علم ہیئت اور علم نجوم کی تحقیق کے لیے رصدگاہیں بھی تعمیر کی گئیں۔ رفاہ عام کے لیے سرائے، حمام، کنویں، ہسپتال وغیرہ کثرت سے تعمیر کئے گئے، جن پر بہت فیاضی سے روپیہ خرچ کیا جاتا تھا۔

مصر منتقل ہونے کے بعد فاطمی خلفاء کا اقتدار شمالی افریقہ پر باقی نہیں رہا، صوبوں کے والی خودمختار ہوگئے، اس کے باوجود انہوں نے اپنا ثقافتی تعلق مصر سے باقی رکھا۔ فاطمی خلیفہ العزیز اور ان کی والدہ نے تعمیرات میں خاص دلچسپی لی۔ اسی طرح خلیفہ الحاکم نے اپنے دور میں کئی مساجد تعمیر کروائیں۔ فاطمی خلفاء کے علاوہ فاطمی وزراء میں وزیر جوہر الصقلی، وزیر بدر الجمالی اور صالح طلائی نے فن تعمیر میں کافی اہم یادگاریں چھوڑی ہیں۔ سیاح ناصر خسرو، انگریز مورخ لین پول، فلپ ہتی اور دیگر معروف مورخین نے فاطمی دور کی فن تعمیر اور فنون لطیفہ کا بلند الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

فاطمی دور سے پہلے عمارتوں کی دیواریں کچی اینٹوں سے بنائی جاتی تھیں، کہا جاتا ہے کہ مصر میں سب سے پہلے پتھر کا استعمال قاہرہ کی فصیلوں کے لیے کیا گیا۔ فاطمی دور کی عمارتوں میں آرائش کے لیے سنگ تراشی کے نمونے بکثرت نظر آتے ہیں۔ گچی کاری اور چوبی نمونوں کا استعمال بھی عام ہوگیا تھا۔ آگے چل کر ان کے طرز تعمیر میں جانوروں کی تصویریں بھی بننے لگیں۔ فاطمی چونکہ عقیدہ میں شیعہ تھے اس لیے ہم عقیدہ ہونے کی

وجہ سے وہ ایرانی فنون سے استفادہ کرتے تھے۔

فاطمی دور میں مصر نے چوبی ارائش میں بھی بہت زیادہ ترقی کی۔ چوبی آرائش میں اندلسی کے بجائے طولونی طرز نظر آتا ہے۔ ابتداء میں خوبصورت نقش و نگار اور عربی طرز کے نمونے کافی گہرائی اور دلکشی سے تراش کر چھتوں میں استعمال کیے جاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ یہ چوبی نمونے دروازوں کھڑکیوں اور محرابوں میں زیادہ استعمال ہونے لگیں۔ چوبی محرابیں اور منبر بنانے کا رواج عام ہو گیا تھا فاطمی طرز کے منبر الازہر کی مسجد کے علاوہ مقبرہ سیدہ رقیہ، مقبرہ سیدہ سکینہ اور سیدہ نفیسہ کے روضوں میں لگائے گئے تھے۔ یہ منبر آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔ ان کی یہ نقش نگاری اور فنکاری صرف مصر تک محدود نہیں تھی، پلرمہ (صقلیہ) کے مقبرہ شہداء کے دروازوں اور طاقچوں پر جو کام ہے اس سے پتہ چلاتا ہے کہ انکی یہ فنکاری صقلیہ تک پھیل چکی تھی۔ عمارتوں چوبی آرائش اور گچی کاری کے علاوہ مصوری کا رواج فاطمی دور میں مصر میں عام ہو گیا تھا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ اس زمانے میں مصر میں مصوری میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔

13.2.1 فاطمی فن تعمیر کا افریقی دور

خلافت فاطمیہ کا قیام شمالی افریقہ کے شہر رقادہ میں ہوا۔ ابتداء میں فاطمی خلیفہ المہدی نے رقادہ کو ہی دارالحکومت بنایا۔ لیکن پے در پے اٹھنے والی بغاوتوں کے پیش نظر فاطمی اماموں اور خلفاء نے اپنی حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی حکومت کو استحکام بخشنے کے لیے متفرق علاقوں میں شہر آباد کیے۔ فاطمی خلفاء چونکہ عرب تھے اس لیے ابتداء میں انہوں نے اموی اور عربی طرز تعمیر اپنایا۔ شمالی افریقہ کے فن تعمیر میں اغلبی فن تعمیر اور اموی طرز تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔ مصر کی فتح اور دارالخلافہ کے وہاں منتقل ہونے کے بعد دھیرے دھیرے ان کا تسلط شمالی افریقہ پر ختم ہو گیا اور گورنروں نے متفرق نئی خودمختار حکومتیں قائم کر لیں۔ لیکن ساتھ صقلیہ کی فتح اور قبضہ کے بعد صقلیہ میں عربی طرز کی عمارتیں جو فاطمی دور میں تعمیر کی گئیں، آج بھی انکے آثار فاطمی تعمیر کی خوبصورتی اور انفرادیت کی ترجمان ہیں۔

13.2.1.1 شہروں کی تعمیر

شہر مہدیہ

فاطمیین نے اپنے قدم سیاسی طور پر مضبوط کرنے کے ساتھ ہی فن تعمیر کی طرف اپنی صلاحیتوں کا رخ کیا اور افریقہ کے شمالی ساحل پر بانی دولت فاطمیہ خلیفہ عبیداللہ مہدی نے 'مہدیہ' کے نام سے شہر کی بنیاد ڈالی۔ شہر مہدیہ کے قیام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ خلیفہ مہدی کو کتابوں سے پتہ چل گیا تھا کہ اس کے بیٹے القائم کو اپنے دور میں ابو یزید خارجی کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑیگا، اس لیے اس نے شہر کی بنیاد ڈالی۔ یہ شہر 308ھ میں تیار ہوا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ لوگ اس شہر کی پختگی اور خوبصورتی کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔

شہر مہدیہ فاطمیین کی سب سے ابتدائی تعمیر تھی، اس شہر میں اسلامی مزاج کے اعتبار سے درمیان میں مسجد تعمیر کی گئی۔ اس کے بعد بادشاہ کے لیے محل تعمیر کیا گیا، جو قصر الذھب کے نام سے معروف تھا۔ اس شہر کے گرد فصیل تعمیر کروائی، اور عظیم الشان لوہے کے دروازے نصب کئے گئے۔ فصیل کی چوڑائی تقریباً دس میٹر تھی اس کے اندر ایک سو دس بلند مینارے تھے جو اس شہر کی خوبصورتی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اس شہر کی حفاظت کیلیے بھی کارآمد تھے۔ مشہور افریقی بغاوت بغاوت دجال کے موقعے پر شہر کی فصیلوں نے مضبوط دفاع کا کارنامہ انجام دیا۔ یہ شہر ساحل کی جانب قلعہ بندیوں سے گھرا ہوا تھا۔ خشکی کی طرف اس میں دو مضبوط باب الداخلے تھے، ایک ثقیفہ الکحل اور دوسرا باب الزویلہ۔ باب الداخلہ میں گھوڑے کی شکل کی محراب تھی، اور کانسی کے بنے ہوئے دو شیر کے مجسمے تھے، جو ایک دوسرے کے بالمقابل ایستادہ تھے۔ جس میں 108 فٹ طویل اور 16 میٹر

وسیع گنبددار ڈیوڑھی تھی، جس کے اختتام پر ایک مضبوط آہنی دروازہ تھا، دونوں دروازوں میں سے ثقیفہ الکحل کے کچھ آثار آج بھی باقی ہیں۔

شہر مہدیہ کے اندر وسیع محلات، تالاب، اور زمین دوز مخزن تعمیر کیے گیے۔ پہاڑ کے دامن میں دار الصناعہ تعمیر کیا گیا جس میں نو سو کشتیاں تیار کی گئیں۔ اس شہر کی سب سے اہم عمارت اسلحہ خانہ کی تھی، جو اس وقت کا سب سے جدید ترین اسلحہ کا خزانہ تھا۔

اس شہر کے مشرقی حصہ میں عبید اللہ مہدی نے قصر الذھب کے نام سے خلیفہ کا محل تعمیر کرایا تھا، جس کے دروازے اور کھڑکیوں پر تذہیب کاری یعنی سونے کا کام کیا گیا تھا، درمیان میں ایک گنبد تعمیر تھا، یہ محل بہت وسیع اور پر شکوہ تھا۔ دوسرے خلیفہ امام القائم نے والد کے محل کے بالمقابل اپنے لیے ایک اور محل تعمیر کروایا۔ دونوں محلوں کے درمیان کا صحن مشترک تھا، دونوں محلوں کے درمیان کی جگہ بین القصرین کہلاتی تھی۔ یہ انداز بعد کے فاطمی خلفا نے بھی اپنایا۔ اس کے طلائی جھروکے اور محل اب ناپید ہیں۔

مشہور جغرافیہ داں اور مورخ ابن حوقل نے سن 331/943 میں تونس کی سیاحت کی تھی، اور اس نے فاطمی شہروں کے طلائی جھروکے والے محلوں اور خوبصورت کشادہ مسجدوں کے حالات اپنی کتاب 'صورۃ الارض' میں قلمبند کیے ہیں۔ وہ مہدیہ شہر کے بارے میں لکھتا ہے کہ مہدیہ شہر انتہائی عظیم الشان شہر ہے، جس کی فصیلیں پتھروں سے بنی ہوئی ہیں، اور اس میں دو عظیم الشان دروازے ہیں۔ اور یہ شہر اپنی مضبوطی کے اعتبار سے ناقابل شکست ہے۔ مہدیہ شہر کی کچھ فصیلیں ابھی باقی ہیں لیکن اس کے محلات اور مسجد گردش وقت کی نذر ہو گئیں۔

مہدیہ اگلے دو خلفاء کے عہد تک بارونق شہر اور دار الخلافت کی حیثیت پر باقی رہا۔ ابو یزید خارجی کے حملہ کے بعد اس شہر کی رونق کم ہونے لگی۔ جب تیسرے خلیفہ امام منصور نے شہر منصوریہ تعمیر کیا اور دار الخلافت وہاں منتقل کر دیا تو اس شہر کی رونق بھی منصوریہ شہر منتقل ہو گئی۔

شہر محمدیہ

فاطمی سلطنت کے دوسرے فاطمی خلیفہ القائم نے محمدیہ شہر کی بنیاد ڈالی۔ خوارج کی تسخیر سے واپس آتے وقت خلیفہ القائم نے قبیلہ ہوّارہ کے جائے مقام میلہ کے مقام پر حفاظتی نقطۂ نظر سے شہر محمدیہ کی تعمیر کا ارادہ کیا اور اسکی ذمہ داری علی بن مدون الاندلسی کے سپرد کی، جو سلطنت فاطمیہ کے پروردہ وفادار تھے۔ اس شہر میں بھی زمین دوز مخزن بنا کر اس میں غلہ محفوظ کیا گیا جو بغاوت الحمار کے دوران بہت کام آیا۔ یہ شہر قیروان کے حدود میں شامل تھا۔ اس شہر کے اب کوئی آثار باقی نہیں ہیں۔ یہ شہر بھی سیاسی نقطہ نظر سے تعمیر کیا گیا تھا۔

شہر منصوریہ

ابو یزید خارجی کی بغاوت اور حملہ کے بعد تیسرے فاطمی خلیفہ منصور نے سیاسی نقطہ نظر سے اپنا دار الخلافہ منتقل کرنے کا ارادہ کیا اور رقادہ اور قیروان کے درمیان ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی۔ یہ شہر عباسی دار الخلافہ کی طرز پر دائرہ کی شکل میں آباد کیا گیا تھا، جس کی فصیل 13 فٹ وسیع تھی اور اس میں پانچ مضبوط دروازے تھے۔

مشہور جغرافیہ دان البکری کے مطابق یہ شہر 948ء میں تعمیر کیا گیا۔ خلیفہ منصور نے اس شہر کو تعمیر کرنے کے بعد رقادہ اور قیروان شہروں کے تمام بازار اور کارخانے منصوریہ میں منتقل کروا دیے۔ البکری اپنی کتاب المسالک میں لکھتے ہیں کہ شہر منصوریہ ایک خوبصورت اور بارونق شہر ہے جس کے پانچ دروازے ہیں. باب الزویلہ، باب کتامہ، باب الشرقی، باب الفتوح، اور باب القبلہ۔ باب الزویلہ اور باب کتامہ کے نام شاید اس بناء پر رکھے گئے کہ اس کے اطراف زویلہ اور کتامہ قبیلہ کے لوگ آباد کیے گیے تھے۔ دوسرے دروازوں کی وجہ تسمیہ میں بھی مناسبت پائی جاتی ہے جیسی کہ باب القبلہ مکہ کی طرف کی شاہ راہ پر تعمیر کیا گیا تھا۔

شہر میں 'الازہر' کے نام سے ایک مسجد بھی تعمیر تھی۔ شہر میں تقریباً تین سو حمام تھے۔ جگہ جگہ پانی پہنچانے کے لیے تالاب بنے تھے، اس شہر

میں قصر البحر، قصر الایوان، قصر الکافور، قصر التاج، قصر الآس کے علاوہ بھی کئی محل تھے۔ اس وقت کے مورخین اور مصنفین نے اس شہر کی خوبصورتی اور آسائشوں کے بارے میں حیران کن باتیں کہیں ہیں، موجودہ دور میں ہونے والی کھدائیاں ان کے بیان کردہ تحریروں کی تصدیق کرتی ہیں۔ منصوریہ شہر کا بہت کم حصہ بچا ہے، جس میں شاہی محل کا دربار محفوظ ہے جس کی شان وشوکت نہایت نمایاں ہے۔ منصوریہ اس عہد کا اہم اور نہایت پرشکوہ شہر تھا۔ خلیفہ المعز نے منصوریہ کے شاہی محل کے مقابل اپنے لیے ایک محل تعمیر کیا۔ اس شہر کا طرز تعمیر آگے کے خلفاء نے بھی اپنایا، اور خلیفہ المعز نے قاہرہ کے شہر کی تعمیر کے لیے اپنے سالار جوہر الصقلی کے سامنے اسی شہر کو نمونے کے طور پر پیش کیا تھا۔

شہر العاشر

شمالی افریقہ میں خلیفہ المعز نے مصر منتقلی کے وقت بربری قبیلوں کے سرداروں زردی اور حمادی کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ زردی نے 935ء میں القائم کے زمانے میں ہی العاشر کے نام سے ایک شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔ یہ شہر مستطیل شکل میں آباد کیا گیا تھا۔ اسکی فصیل کان کے پتھر سے تعمیر کی گئی تھی۔ اس شہر میں تعمیر کیا گیا العاشر محل فاطمی دور کی تعمیر کی ایک اہم یادگار ہے۔ جو موجودہ شہر الجیریا میں واقع ہے۔ یہ محل فاطمی گورنر زردی نے 947ء میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ محل مستطیل ہے جس کا رقبہ 72x40 میٹر ہے۔ اس محل میں متفرق مینارے ہیں، اس محل کا باب الداخلہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ اندرونی حصے میں دربار اور حرم کی عمارتیں ہیں دربار میں داخل ہونے کے تین راستے ہیں۔ یہ محل اپنی انفرادیت کے ساتھ ساتھ اپنی سادگی کے لیے مشہور ہے۔ اس محل میں آرائش وزیبائش بہت کم ہے نہ بڑی بڑی محرابیں ہیں نہ ہی بلند وبالا ستون۔ العاشر کا یہ محل فاطمی دور کی ایک اہم یادگار ہے جو شمالی افریقہ میں باقی ہے۔

شہر حمادیہ

حماد ایک فاطمی گورنر تھا جس نے آگے چل کر خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ 11ویں صدی کی ابتدا میں بنو حماد نے بھی ہودان کے سطح مرتفع پر ایک شہر بسایا جس میں رہائشی مکانات اور بازار کے علاوہ کئی محل تھے، اس شہر کی کھدائی کی تاریخ کے مطابق اس کھدائی سے قاہرہ شہر کے آثار کی تباہی کی کچھ تلافی ہو جاتی ہے۔ اس کی جامع مسجد کا ایک بلند مینار آج بھی اپنی عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ اس کا مینار سہ رخی ڈیزائن پر مشتمل ہے۔ درمیانی محراب مینار کی بلندی تک طویل ہے۔ جس میں تین دریچے ہیں۔ مینار صحن میں محراب کے بالمقابل بنایا گیا ہے۔ اس مسجد کے جنوبی حصے میں خوبصورت محرابی طاقچے بنائے گئے ہیں اس مسجد کی آرائش میں بھی مشرقی طرز پایا جاتا ہے۔

اس شہر میں ایک بڑی عمارت تعمیر کی گئی تھی جسکا نام دار البحر تھا، یہاں ایک بڑا تالاب تھا جس کے اطراف سائے دار درخت لگائے تھے۔ اور ایک تخت گاہ اور متعدد کمرے تھے۔ ایک اور قلعہ اس قلعہ سے بھی بلند تھا جس کا نام قلعہ النور تھا۔ اس قلعہ کی بیرونی دیواروں کو عمودی قطاروں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس میں ایک بڑا حجرہ تھا اور اس پر ایک صلیب نما قبہ تھا۔ حجرے میں کئی محرابی طاقچے تھے جن پر مدور محرابی چھت ڈالی گئی تھی۔

صقلیہ کے عرب نارمن قلعے

فاطمی عہد میں صقلیہ میں بھی عمارتیں اور محلات تعمیر کیے گئے جن میں چند عمارتیں ہزار سال گذرنے کے بعد بھی موجود ہیں۔ قصر حنیزہ جو پلرمو (Palermo) کے قریب ہے اور پتھر اور چونے سے تعمیر کیا گیا ہے، اس کی شکل مکعب (Cube) کی طرح ہے اور فاطمی عہد کی فن تعمیر کی ایک اہم یادگار ہے۔ یہاں کے فاطمی محل قلعہ نما تھے جو مدافعت میں مدد دیتے تھے۔ ان محلوں کی آرائش نہایت سادہ لیکن دلکش تھی اور عربوں کے مشہور (Arabesque) نقش ونگار سے معمور تھے۔ ان کی دیواریں دور سے زنجیرہ نما محرابیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان دیواروں میں دوہرے دریچے بنے ہوئے ہیں۔ جن کے دونوں جانب ستون تھے جو آج مفقود ہیں۔ قصر حنیزہ سے کچھ فاصلے پر قصر توبع ہے جن کی محرابیں نوکیلی تعمیر کی گئی تھیں۔ ان

عمارتوں کی مرمت نارمنوں کے عہد میں کی گئی، جن سے ان عمارتوں کے کچھ حصوں میں کافی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔

شہر مازر صقلیہ کا سب سے پہلا اسلامی شہر ہے اور ادریسی کے مطابق یہ شہر اپنے وقت میں صقلیہ کے تمام شہروں پر فائق تھا۔ امراء کے عالی شان محل کے اطراف آبادی خوبصورتی سے بسائی گئی تھی جن میں خوبصورت باغ لگائے گئے تھے۔ سڑکیں صاف اور کشادہ تھیں۔ آبادی میں مہمان سرائے، حمام اور ہوٹل تھے۔ کشتیاں ایک دریا سے گذر کر شہر میں داخل ہوتی تھیں۔

بلرم شہر اپنے زمانے کا ترقی یافتہ شہر تھا۔ یہ شہر اپنی پر رونق بازاروں، تفریح گاہوں، آرام دہ حمام، کشادہ سڑکوں کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ ابن حوقل نے 363ھ میں اس شہر کا دورہ کیا تھا۔ جس طرح شہر قیروان کے قریب منصوریہ تعمیر کیا گیا اور فسطاط کے قریب قاہرہ تعمیر کیا گیا۔ اسی طرح شہر بلرم کے قریب خالصہ شہر تعمیر کیا گیا۔ فاطمی دور کے دوسرے عہد میں خلیل والی صقلیہ نے خالصہ شہر کی بنیاد بلرم کے پہلو میں ڈالی۔ اس کی تعمیر کی اصل غرض حکومتی دفاتر کو یکجا کرنا تھا۔ اس شہر کو جدید دارالحکومت قرار دیا گیا اور تمام دفاتر کے لیے یہاں جداگانہ عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ ابن حوقل لکھتے ہیں:

''خالصہ میں حاکم صقلیہ اور اس کے ماتحت عمال رہتے ہیں۔ اس میں بازار اور ہوٹل جو آبادی کے لوازم ہیں نہیں ہیں، البتہ حمام بنائے گئے ہیں، اس میں ایک جامع مسجد بھی ہے، جو یہیں کے باشندوں کے لیے مخصوص ہے، نیز جہاز رانی کے کارخانے اور دیوان حکومت کے لیے عمارتیں بنی ہوئی ہیں''۔

13.2.2 فاطمی فن تعمیر کا مصری دور

فاطمی خلیفہ المعز نے مصر فتح کیا تو اس کے ساتھ ہی فن تعمیر کا آغاز ہو گیا۔ جیسے ہی فاطمی کمانڈر جوہر نے مصر فتح کیا، ایک نئے شہر کی بنیاد ڈال کر دارالخلافہ مصر منتقل کیا گیا۔ فاطمی فن تعمیر کا اصل رنگ مصر کی عمارتوں میں نظر آتا ہے، ایک طرف تو یہ عمارتیں اپنی جدت اور انفرادیت میں ضرب المثل ہیں تو دوسری طرف ان عمارتوں میں انکے شیعی عقیدہ کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ فاطمی اسماعیلی شیعہ تھے۔ انکے عقیدہ ظاہری اور باطنی کے مطابق حضرت علی ولایت کی شہادت کے طور پر نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی کا نام لکھتے ہیں، اور یہ انداز ان کی عمارتوں، محلوں، مقبروں کی کمانوں، گنبدوں، دروازوں اور دریچوں میں جا بجا لکھا ہوا نظر آتا ہے۔

قاہرہ

قاہرہ کا شہر چوتھے فاطمی خلیفہ المعز کے حکم پر سپہ سالار جوہر الصقلی نے تعمیر کروایا تھا، یہ شہر اپنے فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ قاہرہ شہر کی بنیاد سن 395ھ میں ڈالی گئی۔ اس شہر کو دریائے نیل کے مشرقی ساحل پر آباد کیا گیا تھا، ابتداء میں اسکا رقبہ تقریبا گیارہ سو مربع گز تھا بعد میں اسکی توسیع ہوتی رہی۔ قاہرہ کی بناء اور تاسیس کی تفصیل مقریزی نے اپنی کتاب 'الخطط مقریزیہ' میں بیان کی ہے۔ جوہر نے قاہرہ کی تعمیر کے بعد المعز کو قاہرہ منتقل ہونے کی دعوت دی۔ اور خلیفہ المعز کے مصر منتقل ہونے کے بعد قاہرہ صدیوں تک دارالخلافہ بنا رہا۔ ابتداء میں اس شہر کا نام افریقہ کے شہر منصوریہ کے نام پر رکھا گیا، جس کو بعد میں قاہرہ کے نام سے تبدیل کیا گیا۔ اس کا نام تبدیل کرنے کے پیچھے ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ قاہرہ شہر کا نقشہ خلیفہ المعز کے کہنے پر بنایا گیا تھا، اس کی تعمیر کے لیے مخصوص جگہ کا انتخاب کیا گیا، سنگ بنیاد رکھنے کے لیے مبارک ساعت طے ہوئی تھی، اور ایک گھنٹی لٹکائی گئی تھی تاکہ جیسی ہی وہ ساعت آئے تو وہ گھنٹی بجادی جائے، لیکن ایک پرندہ کی وجہ سے وہ گھنٹی غلط وقت پر بج گئی اور شہر کی سنگ بنیاد رکھ دی گئی۔ نجومیوں کے مطابق یہ ساعت منحوس تھی۔ اسی لیے اس کی نحوست کو بابرکت کرنے کے لیے اس شہر کا نام القاهرة المحصورة (قاہرہ کی پناہ) رکھا گیا۔

قاہرہ شہر کی بنیاد سیاسی مقصد اور حیثیت سے رکھی گئی۔ جیسا کہ قیروان میں 'مہدیہ' اور صقلیہ میں 'خالصہ' کی تھی۔ دولت فاطمیہ کا نیا شہر فسطاط کے شمال کی جانب وادیٔ نیل میں بنایا گیا۔ یہ شہر فوجی اور انتظامی عمارتوں پر مشتمل تھا۔ اس شہر میں صرف فوجی یا پھر انتظامی عہدیدار ہی جا سکتے تھے۔

اسکا رقبہ ابتداء میں سو مربع گز تھا، لیکن اس کے بعد اس کی توسیع ہوتی رہی، پہلی فصیل جو تعمیر کی گئی، وہ کچی اینٹوں کی بنائی گئی تھی۔ دوسری مرتبہ اس فصیل کی توسیع اور تزئین شامی معماروں نے کی۔ اس کے بعد قاہرہ کی فصیل کی توسیع 1093ء میں کی گئی، یہ توسیع اور تعمیر بازنطینی طرز پر قلعہ بندی کر کے کی گئی۔ اس کے بعد اس میں بڑی بڑی ڈیوڑھیاں اور چوگوشہ قبہ بنائے گئے جن میں سے تین اب تک باقی ہیں۔ اس شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل تھی، جس میں منصوریہ کے طرز پر باب الفتوح اور باب الزویلہ دو بلند اور پرشکوہ دروازے تھے، یہ عظیم الشان دروازے 'رہا' کے معماروں نے بازنطینی وضع پر بنائے تھے۔ ابتدا میں اس کے اندر ایک محل ایک مسجد اور ایک قلعہ تھا اور یہ عمارتیں اینٹ سے تعمیر کی گئی تھیں۔ اس میں بادشاہ کی رہائش کے علاوہ سرکاری عمارتیں شامل تھیں۔ جس میں فوج اور مالیات کے شعبہ کے لیے خاص طور پر پرشکوہ عمارتیں تھیں۔

فاطمی خلیفہ مستنصر کے دور میں بدر الجمالی کو وزیر مقرر کیا گیا، اس وقت قاہرہ شہر کی توسیع کی گئی اور فصیل کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔ بدر الجمالی نے قاہرہ کی شہر پناہ از سر نو تعمیر کی اور شہر کی توسیع کی بنا پر جامع الحاکم کو شمالی شہر پناہ کے اندر لے لیا۔ قاہرہ کی شمالی فصیل میں باب النصر اور باب الفتوح کے نام سے 1087ء میں دو پرشکوہ دروازوں کا اضافہ کیا، یہ دو وسیع و عریض دروازے ایک حسین اور پرشکوہ محراب کے نیچے قائم ہیں۔ فصیل کو اینٹ کے بجائے کان کے پتھروں سے تعمیر کیا۔ اس تعمیر میں کچھ پتھر اہرام مصر اور مصر کی تاریخی عمارتوں کے بھی استعمال کیے گے۔ جنوبی فصیل کو بھی نئے سرے سے تعمیر کر کے اس میں باب الزویلہ کے نام سے ایک شاندار دروازے کا اضافہ کیا۔ اس کی تعمیر میں نہایت عمدہ ترشے ہوئے پتھروں میں بنی ہوئی نیم قوسی کمانوں کے ذریعے موکھوں میں فصل دیا گیا ہے، یہ فصیل اور دروازے بحر روم کی تہذیب سے مشابہ ہیں اور اسکی فصیل پر دردندانے دار پتھر سے کنگورے بنائے گئے ہیں، باب النصر کی ایک دلچسپ چیز دیواری روزن ہیں، یہ روزن مدافعتی تدبیر کی اولین مثال ہے۔ فاطمی فن تعمیر میں وزیر بدر الجمالی کی بھی کافی اہم خدمات ہیں۔ ان کی زیادہ تر تعمیرات فوجی نقطہ نظر سے کی گئی ہیں۔ مصر میں کئی عمارتوں کی تعمیر کے علاوہ انہوں نے عمارتوں کی تجدید و تزئین کے سلسلے میں اہم کارنامے انجام دئے ہیں۔

قاہرہ شہر فاطمی دور کا دار الخلافہ تو تھا، لیکن معاشی دار الخلافہ فسطاط ہی تھا کیونکہ قاہرہ میں فوجی چھاؤنیاں اور سرکاری عمارتیں تھیں، اور عام آبادی اس شہر میں نہیں تھی۔ اسی لیے فاطمی دور میں قاہرہ کے ساتھ ساتھ فسطاط کی اہمیت اس کی خلیج، بندرگاہ اور بازاروں کی وجہ سے نہ صرف باقی رہی بلکہ اس شہر کی رونق، آبادی، اور اہمیت میں چار چاند لگ گئے تھے۔ ناصر خسرو نے خاص طور سے اس کی قندیلوں اور چراغوں کے بازار کے بارے میں دلچسپ مشاہدات بیان کیے ہیں۔ انہوں نے فسطاط کے مکانوں کے بارے میں بتایا کہ یہ مکانات پکی اینٹوں سے بنے ہوئے سات سے چودہ منزلہ مکان ہیں، جن میں تقریباً 350 لوگ رہ سکتے ہیں۔ گھر کے اطراف باغات کے علاوہ چھتوں پر بھی باغات لگے ہوئے تھے۔ ناصر خسرو خود بھی اسماعیلی شیعہ تھے۔ قاہرہ اور فسطاط کے بارے میں ان کے یہ مشاہدات کافی دلفریب نقشہ پیش کرتے ہیں۔

13.2.3 فاطمی محلات

فاطمی فن تعمیر کے سلسلہ میں جہاں اس دور کے آباد کیے ہوئے شہر مشہور ہیں، وہیں ان کے بنائے گئے محلات اپنی وسعت اور شاہانہ طرز تعمیر، آرائش و زیبائش کے لیے شہرت رکھتے ہیں۔ فاطمی خلفاء نے اپنے آباد کئے ہوئے ہر شہر میں محل تعمیر کروائے۔ جس کا آغاز شہر مہدیہ کے ساتھ ہوا تھا۔ منصوریہ اور قاہرہ دونوں شہروں میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے دو محل بنائے گئے تھے، ایک بادشاہ کے لیے اور دوسرا اس کے ولی عہد کے لیے۔ اس طرز پر محل بنانا فاطمی دور کی اختراع تھی۔ دونوں محلوں کے درمیان کافی کھلا میدان اور باغات ہوتے تھے، اور وہ جگہ بین القصرین کہلاتی تھی۔ قاہرہ میں بین القصرین ایک پریڈ گراونڈ کے مماثل تھا۔ یہ محل شہر کے درمیان میں تعمیر کیے گئے تھے۔

تاریخ میں فاطمی محلوں کی شان و شوکت کے عجیب و غریب اور دلچسپ تذکرے ملتے ہیں۔ فاطمی محلوں کی آرائش میں گچی کاری، چوبی کاریگری

اور سنگ تراشی کی نادر فنکاری کی مثال ہیں قاہرہ کے عجائب گھر میں ان محلوں کے چوبی تختے اس دور کی کاریگری کی گواہی دیتے ہیں۔ان محلوں میں مصوری کے بھی اعلی نمونے بنائے گئے تھے۔محل کی دیواروں پر گچی کاری کے نقش ونگار تھے،اس میں تصوراتی اورافسانوی شکلیں بنائی گئی تھیں۔

عہد فاطمی کے ان محلوں کے بارے میں مقریزی نے اپنی کتاب الخطط اور ناصر خسرو نے اپنے سفرنامے میں تفصیلات فراہم کی ہیں۔قاہرہ کے فاطمی محلات کے آثاراب مفقود ہیں۔فاطمی محلوں کی شان وشوکت اور معماری اتنی مقبول تھی کہ صقلیہ میں راجر دوم نے بھی اپنے محل کی تعمیراوراسکی آرائش میں فاطمی طرز اختیار کیا۔پلرمواور خالصہ کے شہروں میں فاطمی دور کے محل کے آثار آج بھی باقی ہیں۔

قصر کبیر شرقی

اس محل کی تعمیر سن 973ء میں مکمل ہوئی۔اس محل کو قصر شرقی بھی کہا جاتا ہےاوراسکا رقبہ تقریباً سترہ ایکڑ پر پھیلا ہوا تھا،جواس وقت کے شہر قاہرہ کے رقبہ کا کل پانچواں حصہ تھا۔محل کی فصیل میں نو وسیع باب الداخلہ تھے،جوشہر کی مختلف سمتوں میں کھلتے تھے۔جس میں سےایک دروازہ شمال کی جانب،تین مشرق،تین مغرب اور دو دروازے جنوب کی طرف کھلتے تھے۔اس محل کے وسیع باب الداخلہ کو باب الذہب کہا جاتا تھا۔محل کے صدر دروازے پر ایک گلیارا تھا،جہاں سے خلیفہ خاص موقعوں پر عوام کے سامنے ظاہر ہوتے تھے۔قصر کبیر کا روکار تین سو پینتالیس گز طویل تھا۔محل کے اطراف کے باغات اس کو باقی شہر سے علاحدہ کرتے تھے۔اس محل کی تعمیر خلیفہ المعز کے دور میں شروع ہوئی اور خلیفہ العزیز کے دور میں مکمل ہوئی۔

قصر کبیر کے جنوبی حصے میں قبرستان تھا جسے تربت زعفران کہا جاتا تھا۔جہاں فاطمی خلفاء کو دفن کیا جاتا تھا۔حتی کہ تونس میں وفات پانے والے فاطمی خلفاء کی نعشیں بھی قصر کبیر کے اس حصے میں منتقل کی گئیں تھی۔بعد کے عہد میں خان خلیلی کی گذرگاہ بنانے کے لیےاس قبرستان کو زمین دوز کر دیا گیا۔اسی قبرستان کے ساتھ ایک مشہد تعمیر کیا گیا جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کٹا ہوا سر رکھا گیا تھا،جس کو فاطمی خلفاء نے عسقلان پر صلیبی حملوں کے بعد مصر منتقل کیا تھا۔یہ مشہد آج بھی باقی ہے،اورشیعی زائرین کا مرکز ہے۔البتہ محل بالکل منہدم ہو چکا ہے۔

انگریز مورخ پول لین (Paul Lane) نے فاطمی دور کی فن تعمیر اور فنون لطیفہ کا ذکر کیا ہے،اور خلیفہ المعز کے محل'قصر کبیر' کے بارے میں لکھا ہے کہ:''قصر کبیر میں چار ہزار کمرے اور ایک عالی شان طلا کار ایوان تھا۔جس میں سونے کی جالی کی پشت پر سونے کا تخت بچھا ہوا تھا جہاں بادشاہ جلوس کرتا تھا،جسکی وسعت تمام دیوار کے برابر تھی۔قصر زمردین جس میں سنگ مرمر کے ستون تھے،دیوان خاص کا کام دیتا تھا''۔

قصر زمرد

قصر زمرد قصر کبیر کے جنوب میں ایک اور محل تھا،جس میں تمام ستون سنگ مرمر کے ترشے ہوئے تھے،اور سونے چاندی سے عربی طرز پر دلکش نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔یہ محل خلیفہ کے دیوان خاص کا کام دیتا تھا۔قصر میں کرسیاں اور دیگر آرائشی اشیاء آبنوس،ہاتھی دانت اور صندل کی تھیں،محل میں فولاد کے آئینے تھے،جن کے چوکھٹے سونے اور چاندی کے تھےاور چوکھٹوں کے حاشیوں پر زمرد اور لعل جڑے ہوئے تھے۔

قصر غربی

یہ محل دسویں صدی کے آخر میں مکمل ہوا۔یہ محل خلیفہ العزیز نے قصر شرقی کے روبرو تعمیر کیا تھا،ان دونوں محلوں کے درمیان کی جگہ بین القصرین کہلاتی تھی۔خلیفہ العزیز نے یہ محل اپنی بیٹی ست الملوک کے لیے بنوایا تھا۔اسکا رقبہ تقریباً بارہ ایکڑ تھا۔اس محل کے دو حصے تھے۔قصر شرقی اور قصر غربی میں آمد ورفت کے لیے بہترین روشیں بنائی گئیں تھیں۔اس محل کی ہر دو جانب کی دیواروں سے ایک بڑا صحن گھیرا گیا تھا۔اس میں گچی کاری اور چوبی کتبے اور تختوں سے آرائش کی گئی تھی۔قصر غربی میں بڑے بڑے حاشیوں اور گوٹوں کے چوبی تختے استعمال کئے گئے تھے۔جن میں گویئے سازندے،رقاصائیں،باز اور شکرے،شکار اور شکارگاہ کے مناظر اپنے قدرتی پس منظر اور رنگ میں دکھائے گئے تھے۔

قصر کبیر اور قصر غربی کے اطراف دیگر خلفاء نے بھی محل تعمیر کیے۔ خلیفہ الحاکم نے قصر کبیر کے جنوب میں ایک محل تعمیر کیا جس میں ابتداء میں مجالس الحکم کی نشستیں قائم کی گئیں اور دار العلم کی بنیاد ڈالنے کا باعث بنیں۔ خلیفہ الآمر نے ایک محل قصر النافع تعمیر کروایا۔ اس محل کے ساتھ بدر الجمالی کے بیٹے اور فاطمی وزیر الافضل نے قصر الوزراء کے نام سے ایک محل بنایا تھا۔ فاطمی خلفاء نے قاہرہ سے باہر بھی دریائے نیل کے ساحل پر محل بنوائے۔ قصر لؤلؤ خلیفہ العزیز نے نیل کے ساحل پر بنوایا تھا۔ اسی طرح شہر فسطاط میں العزیز کی والدہ درزن نے بھی قرافہ محل بنوایا تھا۔

13.2.4 مساجد

سلطنت فاطمیہ میں مساجد بکثرت تعمیر کی گئیں۔ جن میں سے اکثر مساجد میں درس و تدریس بھی ہوتی تھی۔ خلیفہ العزیز کو تعمیرات میں کافی دلچسپی تھی۔ العزیز نے اپنے دور میں کئی مسجدوں کی بنیاد ڈالی۔ جن میں اکثر مسجدوں کی تعمیر خلیفہ الحاکم کے دور میں پائے تکمیل کو پہنچی۔ خلیفہ الحاکم اور القائم نے بھی اپنے دور میں کئی مساجد تعمیر کروائیں ان کو مساجد کی تزئین و آرائش سے کافی دلچسپی تھی۔ خلیفہ الحاکم نے اپنے دور میں تین مسجدوں کی بنیاد ڈالی جو مساجد معلقہ کہلاتی تھیں، ان کا اب کوئی نشان باقی نہیں ہے۔ سن 393ء میں الحاکم نے جامع راشدہ کے نام سے مسجد کی بنیاد ڈالی، جہاں حاکم اکثر نماز پڑھنے کے لیے جاتا تھا۔ اس مسجد کی محراب کا رخ مشہور ہیئت داں علی بن یونس نے متعین کیا تھا۔ اس مسجد میں حاکم نے فرش کو قیمتی قالینوں، پردوں اور چراغوں سے آراستہ کیا تھا۔ حاکم نے ایک اور مسجد جامع مقس کے نام سے تعمیر کروائی اور اسکی حفاظت اور مرمت کے لیے املاک وقف کیں۔

مسجدوں کی تعمیر کے علاوہ حاکم نے مصر کی کئی مساجد کی مرمت اور تزئین و آرائش کروائی۔ ان میں کثرت سے کلام اللہ کے نسخے فراہم کیے۔ اکثر مساجد کو چاندی کے چراغوں، ریشمی پردوں، قالینوں اور چٹائیوں سے مزین کیا۔ مشہور مورخ مسبحی کہتے ہیں کہ حاکم نے ان تمام مساجد کی گنتی کا حکم دیا جن کو غلہ یا امداد نہیں ملتا تھا یا غلہ اور امداد نا کافی تھا۔ تو معلوم ہوا کہ ایسی مسجدوں کی تعداد آٹھ سو تیس ہے۔ اور انکو ماہانہ نو ہزار دو سو بیس درہم کی ضرورت ہے، حاکم نے اس رقم کی منظوری دے دی اور اس کے علاوہ ہر مسجد کے لیے بارہ درہم ماہانہ مقرر کیے۔ کچھ عرصے بعد حاکم نے قاریوں، مؤذن، فقیہ اور استاذوں کی تنخواہ، نیز ہسپتالوں کی مرمت، اموات کی تدفین اور پانی کے حوضوں کے لیے املاک وقف کیں۔ خلیفہ حاکم ہی کے زمانے میں خلیج اسکندریہ تعمیر کی گئی۔ اس پر حاکم نے پندرہ ہزار دینار صرف کیے۔

بدر الجمالی کو فاطمی خلیفہ المستنصر کے دور میں وزیر مقرر کیا گیا۔ اس کے دور میں مصر کے اندر پھر سے خوش حالی کا دور دورہ ہوا۔ وزیر بدر الجمالی کو تعمیر سے عشق تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں مصر ایک بار پھر معماروں اور صناعوں کی آماجگاہ بن گیا۔ اس دور کی عمارتیں اور مساجد رقبے کے اعتبار سے فاطمی دور کی ابتدائی تعمیرات کے مقابل کافی چھوٹی تھیں، کیوں کہ اب وہ وسائل اور فراغی نہیں تھی جو فاطمی دور کے عروج میں تھی۔ اس کے باوجود فن تعمیر میں نہایت دلچسپ عمارتیں وجود میں آئیں۔ فاطمی وزیر بدر الجمالی نے بھی مساجد کی تعمیر میں اعلیٰ ذوق کا مظاہرہ کیا۔ جن میں جامع الجیوشی اپنی طرز تعمیر کے لیے کافی شہرت رکھتی ہے، جس کا تفصیلی ذکر آگے آ رہا ہے۔ یہ عمارت فاطمی دور کی شاندار عمارتوں میں سے ایک ہے۔

جامع ازہر

مصر میں فاطمی عہد کی عمارتوں میں سب سے قدیم عمارت جامع ازہر کی ہے۔ یہ مسجد فاطمی وزیر جوہر الصقلی نے تعمیر کروائی۔ جامع ازہر 359ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ اور اسکو مکمل ہونے میں تقریباً اٹھائیس ماہ لگے۔ اس جامع مسجد کا ڈیزائین بہت حد تک قیروان کی جامع مسجد عقبہ بن نافع اور جامع زیتونیہ سے مماثل ہے۔ اس مسجد کا نام دختر رسول ﷺ فاطمہ الزہرہ کے نام پر الازہر تجویز کیا گیا۔

ابتداء میں اس مسجد کو ایک خشتی دیوار کے ذریعے محصور کیا گیا تھا۔ یہ مسجد کوئی دوسوا ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا طول و عرض 250x200 فٹ تھا۔ آگے کے رخ پر فاطمی خلفاء اور اس کے بعد کے حکمراں توسیع کرتے رہے۔ اس عمارت میں بھی بہت کچھ رد و بدل ہو چکا ہے۔

اب اس مسجد کا رقبہ تقریباً گیارہ ہزار پانچ سو مربع میٹر ہے۔ الازہر کا قدیم حصہ آج بھی درمیان میں موجود ہے۔ اس میں ایرانی فن تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔ قیروان کی مسجد کی طرح اس میں بھی محراب تک ایک وسطی دالان بنا ہوا ہے۔ اس عمارت کا باب الداخلہ جامع المہدیہ کی طرح ہی وسیع ہے، عمارت کے درمیان میں صحن ہے جو تینوں طرف سے گنبد دار راہ داریوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس عمارت کے محراب بھی ابتدائی اسلامی فن تعمیر کے طرز پر گول ستونوں پر تعمیر کئے گئے ہیں، جن پر دیدہ زیب نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔ درمیانی ہال حرم کی چھت پر تین گنبد ہیں، دو قبلہ کی دیوار کے ساتھ ہیں اور ایک ہال کے درمیان میں واقع ہے۔ حرم کی چھتیں قدیم ستونوں اور سر ستونوں پر مشتمل ہیں۔ ان پر اسی شکل کی نوکیلی کمانیں اٹھائی گئی ہیں۔ مصر میں اس طرز پر سب سے پہلے کمان اسی عمارت میں بنائی گئی۔ اس مسجد کی ڈیوڑھی میں ہر سمت سے داخل ہو سکتے ہیں۔ باب الداخلہ کے اوپر کی جانب ایک مینار پکی اینٹوں سے بنا ہوا ہے، جس میں مناسب فاصلوں پر دریچے بنائے گئے ہیں، ہال میں محرابوں اور ستونوں کی پانچ قطاریں ہیں۔ مسجد کے چہار جانب ایوان ہیں۔ مغربی دیوار کے ایوان کے ساتھ صدر دروازہ نکالا گیا ہے۔ اس کے آگے پائے نصب کر کے اوٹ بنائی گئی ہے۔ ازہر کی خشتی دیواروں اور کمانوں پر استر کاری کی موٹی تہ چڑھی ہوئی تھی اس میں کتبے اور آرائشی چیزیں کندہ کی گئی تھیں۔ یہ فن تعمیر خشتی فن تعمیر کہلاتا تھا۔ اس عمارت میں آمر باللہ نے تزئین اور آرائش کی اور اس میں اضافہ کیا۔ خلیفہ الحافظ نے اس میں مزید ایک گنبد دار راہ داری کا اضافہ کیا اور جدید طرز کے تراشیدہ محرابوں پر ایک گنبد تعمیر کروایا جس میں خوبصورتی سے نقش ونگار بنائے گئے۔

یہ مسجد ابتداء میں صرف مسجد تھی، لیکن آگے چل کر اس میں درس وتدریس بھی شروع کی گئی، اور اس میں کتب خانہ منسلک کیا گیا۔ طلباء اور اساتذہ کے لیے رہائشی کمرے تعمیر کیے گئے۔ اس میں دور دور سے علماء اور فقہاء کو مدعو کیا گیا۔ یہ عمارت وقت کی تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی باقی ہے۔

جامع الحاکم

جامعہ ازہر کے بعد جو قدیم مسجد قاہرہ میں واقع ہے، وہ جامع الحاکم ہے۔ جامع حاکم طولونی طرز پر بنائی گئی ہے۔ اس میں اور جامع ازہر کے نقشہ میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ اس کو مسجد الجامع الانور کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، یہ فاطمی دور حکومت کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کا آغاز 990 میں فاطمی خلیفہ ابو منصور نزار العزیز باللہ کے دور حکومت میں ہوا، اور ان کے بیٹے خلیفہ الحاکم بامر اللہ کے دور حکومت میں 403ھ/1013ء میں اس کا کام تکمیل کو پہنچا۔ اس مسجد میں ایک گنبد اور دو بلند مینار تھے۔ اس مسجد میں بہت سی چیزیں دلچسپ ہیں، یہ مسجد ابتدائی دور میں شہر پناہ سے باہر تھی۔ بعد میں شہر کے پھیلاؤ نے اسے شہر کے اندر سمو لیا۔ اس کا رقبہ 295x380 فٹ ہے۔

مسجد الحاکم کی بیرونی دیوار پتھر کی ہے جس کے سر درے معمولی سے ہیں۔ محرابی دروازہ ہے، جو بازو کی نکلی ہوئی دیواروں کے درمیان واقع

ہے۔جس میں بہت سے طاقچے بنائے گئے ہیں۔دونوں گوشوں پر دو بڑے برج بنائے گئے ہیں جنکی حالت اب خستہ ہے۔ایک برج اسطوانی مربع کرسی پر قائم کیا گیا ہے، جس کے اندر بھی زینہ ہے، جس میں آرائشی گوٹ اور کھڑکیاں بنا کر اسکو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔مسجد کی سامنے کی دیوار کا بیرونی رخ تر شے ہوئے پتھر کا ہے۔اور کوفی کتبوں سے تزئین کی گئی ہے، دیواروں کے اندرونی رخ پر استر کاری میں بیل بوٹوں اور کوفی کتبوں سے تزئین کی گئی ہے۔مسجد الحاکم اپنے چوگوشہ نقشے کی آخری مسجد تھی۔ یہ مسجد قاہرہ میں آنے والے ایک زلزلے سے شدید متاثر ہوئی تھی اور 1989 میں سیدنا محمد برہان الدین اور ان کے پیروکاروں نے اس کی تعمیر نو کی اور مصر کے اس وقت کے صدر محمد انور السادات نے اس کا افتتاح کیا۔

جامع الاقمر

جامع الاقمر آمر باحکام اللہ کے عہد میں 519ھ/ 1125ء میں تعمیر ہوئی۔ یہ مسجد وزیر یامون البطائحی نے تعمیر کروائی۔ جامع الاقمر فاطمی فن تعمیر کا زندہ شاہکار مانی جاتی ہے۔ یہ عمارت فاطمی دور کی ابتدائی شکلوں سے بالکل جداگانہ طرز پر تعمیر کی گئی۔عمارت کی تعمیر میں اینٹ کے بجائے پتھر استعمال کیا گیا۔ یہ مسجد دو سڑکوں کے گوشوں پر بنائی گئی ہے، اور اس کا رقبہ 60x120 فٹ ہے۔اس کے دائیں اور بائیں کمرے بنے ہوئے ہیں، اور ایک زینہ مینار تک جاتا ہے، یہ مینار بھی جامع الجیوشی کی طرح باب الداخلہ کے اوپر تعمیر کیا گیا ہے۔ڈیوڑھی سے آگے ایک کھلا صحن تین طرف سے ایوانوں سے گھرا ہوا ہے۔حرم کو دو چھتوں کے ذریعے تین بغلی دالانوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ دالان دیوار قبلہ کے متوازی بنائے گئے ہیں۔ ہر چھت پانچ کمانوں پر مشتمل ہے، ہر کمان چار ستونوں پر اٹھائی گئی ہے۔اس کا حرم سادہ ہے۔اس مسجد کا روکار بہت دلچسپ ہے، جس نے قاہرہ کی تاریخ میں ایک دلچسپ کردار ادا کیا ہے۔ یہ روکار طاقچوں پر مشتمل ہے، جو اوپر جا کر آفتابی کرنوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ان کا مرکزی تصور میناروں کی آرائش کا جزو اعظم بن گیا ہے۔

یہ عمارت حال ہی میں داؤدی بوہروں کی ذریعہ دوبارہ تعمیر کی گئی ہے۔ یہ فاطمی عہد کی تعمیرات میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔

جامع صالح طلاء ابن ازرق

یہ فاطمیوں کا آخری تعمیری کارنامہ ہے قاہرہ کے جنوبی دروازے کے باہر یہ مسجد ایک مستطیل قطعہ زمین پر بنائی گئی ہے، اور اسکی مساحت تقریبا 135x85 فٹ ہے، احاطے کی دیوار میں تین باب الداخلے بنائے گے ہیں۔ جامع الجیوشی اور جامع الاقمر کی طرح اس میں بھی درمیانی باب الداخلہ پر مینار بنایا گیا ہے۔دائیں بائیں طلبہ کے لیے کمرے ہیں، درمیانی حرم کا کا چھت تین چھتوں پر اٹھایا گیا ہے۔ جو دیوار قبلہ کے متوازی جاتی ہیں۔کمانیں عام فاطمی طرز کی ہیں، جو پکی اینٹوں اور گچ سے تعمیر کی گئی ہیں۔ بیرونی دیوار پتھر کی ہے۔کوفی کتبے استر کاری میں بنائے گے ہیں، جو حرم کی کمانوں کے گرد چلے گئے ہیں، ایک چوبی مقصورہ صحن سے حرم کو جدا کرتا ہے حرم میں دوہرے دریچے ہیں جیسے کہ قبۃ الصخرۃ میں ہیں۔اندرونی دریچے میں استر کاری کے علاوہ منبت کاری بھی کی گئی ہے۔عمارت کے اندرون کی زیبائش کے لیے رنگین شیشے لگائے گئے ہیں۔

صالح طلائی کی اس مسجد میں گچی کاری سے جو عمدہ فنکاری کی گئی ہے اس اندلسی اور عربی طرز کے امتزاج کا عمدہ نمونہ مانا جاتا ہے، عربی خطاطی کے نادر نمونوں کے پس منظر میں یہ خوش نما گچی کاری کا کام نہایت صفائی سے محرابوں پر بھی کیا گیا ہے۔ پتیوں کی خوشنما بیلوں پر خوش خط قطعات آیات قرطبہ کی یاد دلاتے ہیں۔اسی طرح دیوار محراب پر بہترین نقش ونگار بنا کر آرائش کی گئی ہے اس مسجد میں بعض جگہ محرابی طاقچوں کو نمایاں نہیں کیا گیا بلکہ صرف ستون اور کمان کا خاکہ بنا دیا گیا ہے۔

جامع الجیوشی

مسجد الجیوشی جسکو مشہد البدر الجمالی بھی کہا جاتا ہے اسکا انداز تعمیر کافی منفرد ہے۔ یہ مسجد قاہرہ سے آگے جبل مقدم پر واقع ہے، دروازے پر ایک کتبہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ 1085ء میں تعمیر ہوئی۔ یہ عمارت مستطیل ہے، اس عمارت کے درمیان میں ایک ہال ہے جس کے اوپر محرابوں کے مقابل پندرہ فٹ پر محیط کمان دار طاقوں اور گوشوں پر ایک ہشت پہلو گنبد ہے، جو دیوار محراب اور تین کمانوں پر بنایا گیا ہے۔ یہ کمانیں دیوار میں بنے ہوئے نیم ستونوں اور گچ کے دو پایوں پر اٹھائی گئی ہیں، ان نیم ستونوں کو سہارا دینے کے لیے شمالا اور جنوبا دوسری کمانوں سے سہارا دیا گیا ہے، اس میں آٹھ دریچے بنائے گئے ہیں۔ جامع الجیوشی کا محراب استر کاری کے کام کی عمدہ مثال ہے۔ استر کاری میں قرآنی کتبے نباتی بیل بوٹوں کے نمونے بنا کر اس کی تزئین کی گئی ہے۔ جامع الجیوشی میں نقشے کی تبدیلی، مقبرے کی موجودگی، قلمی شکل کا ظہور یہ تمام چیزیں فاطمی فن تعمیر میں پہلی مرتبہ متعارف ہوئیں۔

13.2.5 مقبرے

مشہد کے نام سے مقبروں کی تعمیر فاطمی خلفاء کا خاص انداز رہا ہے۔ ان میں آل رسول کی نشانیاں محفوظ کی جاتی تھیں۔ اسی طرح فاطمی خلفا کے مقبروں کو بھی مشہد ہی کہا جاتا تھا۔ اکثر مشہد کی عمارتیں مربع شکل کی تعمیر کی جاتیں تھیں۔ درمیان میں گول گنبد ہوتا تھا۔ لیکن کچھ مشاہد میں مختلف اور پیچیدہ طرز تعمیر بھی نظر آتا ہے، جس میں متصل کمرے بھی ہوا کرتے ہیں، خلیفہ الحافظ کے دور میں خاص طور پر شیعی تاریخ کی معروف خواتین کے مقبرے مشہد کے نام سے تعمیر ہوئے۔ حافظ کے دور میں اس کے ساتھ متصل مسجدیں بھی تعمیر کی گئیں۔ اس کے علاوہ فاطمی خلفاء نے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے لیے بھی مقبرے تعمیر کئے ہیں۔

مقبرہ سیدہ رقیہ

مقبرہ سیدہ رقیہ، جس کو مشہد سیدہ رقیہ بھی کہا جاتا ہے، 1123ء میں قاہرہ میں تعمیر کیا گیا۔ یہ ایک گنبد دار عمارت ہے۔ یہ مشہد حضرت علی کی بیٹی سیدہ رقیہ کی یادگار ہے۔ اس کو مقبرہ سیدہ سکینہ بھی کہا جاتا ہے۔ سیدہ رقیہ کا مقبرہ تین کمروں پر مشتمل ہے۔ ایک ڈیوڑھی اور ایک صحن بھی ہے۔ مزار ایک قبہ دار مرکزی حجرے میں ہے۔

اس مشہد کی تعمیر دوسرے مشاہد سے مختلف ہے۔ اس عمارت میں مربع سے مثمن بنانے کے لیے عبور دو درجوں میں بنایا گیا ہے، اوپر کا درجہ ایک کمان دار محراب پر مشتمل ہے۔ محراب کا نقشہ مستطیلی ہے اور یہ مربع گوشوں پر واقع ہے، اس کے علاوہ مربع کی شکل میں تعمیر شدہ عمارت کے اوپر انتہائی شاندار ہشت پہلو گنبد ہے، جس کے اندر رنگوں سے شیشے اور گچ سے انتہائی پر کشش پھول پتیوں کے نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ قبلہ کی مرکزی محراب گچ کاری کے فن کاری کا شاہکار مانی جاتی ہے۔

مقبرہ رقیہ کے محراب اور طاقچے جامع الاقمر کے طرز پر بنائے گئے ہیں۔ درمیان میں دائرہ نما علامتی نشان کندہ ہے۔ جس میں حضرت علی اور رسول ﷺ کا نام پنجتن کے ناموں کے ساتھ خط کوفی میں کندہ ہے۔

مقبرہ سیدہ زینب

سیدہ زینب اور سیدہ نفیسہ (حضرت حسن کی پر پوتی) کا مقبرہ بھی فاطمی دور کی اہم تعمیرات میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت زینب سیدہ رقیہ کی سوتیلی بہن تھیں، شیعی عقیدہ کے مطابق کربلا کے بعد انہیں مصر کی طرف جلاوطن کیا گیا تھا اور انکی وفات مصر میں ہوئی تھی۔ جبکہ تاریخ کے مطابق انکی وفات دمشق میں ہوئی تھی اور وہاں ان کا مقبرہ بھی موجود ہے۔

13.2.6 دیگر عمارتیں

پانچویں فاطمی خلیفہ العزیز باللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے فن تعمیر سے عشق تھا۔ العزیز کے عہد میں تیرہ سے زیادہ عمارتوں کی تعمیر کی گئی۔ جس میں قصر الذھب، قاہرہ کی جامع مسجد، ایک قلعہ، پل، اور حمامات شامل ہیں۔ العزیز کی والدہ بھی فن تعمیر میں کافی دلچسپی رکھتی تھیں قرافہ کے علاقے میں انکے حکم پر بنائی گئی عمارتیں موجود ہیں۔ جس میں مسجد جامع القرافہ جامع الازہر کے طرز پر تعمیر کی گئی تھی، اس مسجد میں چودہ دروازے تھے۔ یہ مسجد آگ لگنے کی وجہ سے ضائع ہوگئی تھی، اس کی صرف ایک ہی محراب باقی رہ گئی۔ قرافہ محل، تالاب حوض، حمامات، شاہی باغ، مسجد ابن طولون میں باؤلی، دریائے نیل کے قریب سیر گاہ منزل العزیز، کے علاوہ اپنے لیے مقبرہ کی تعمیر بھی شامل ہے۔

قاہرہ کے عجائب گھر میں فاطمی عہد کے چند دروازوں کے تختے ہیں۔ ان پر مختلف جانوروں کی تصویریں کندہ ہیں۔ کہیں خرگوشوں کو گدھ پکڑ رہا ہے۔ کہیں ہرنوں پر وحشی جانور حملہ کر رہے ہیں۔ کہیں جانوروں کے جوڑے کھڑے ہیں۔ یہ تصویریں ساسانی نمونوں کی ہیں۔ یہی مشابہت عہد فاطمی کی پیتل اور کانسی کی مصنوعات میں پائی جاتی ہیں۔ ان میں زیادہ تر آئینے، لوٹے، صراحیاں اور خود شامل ہیں۔

فاطمی خلفاء کی یہ تعمیری فن کاریاں صرف مصر میں ہی نہیں بلکہ شام اور دیگر علاقوں میں بھی نظر آتی ہیں۔ مشہور مورخ ناصر خسرو کے حوالہ سے فلپ ہٹی نے شام کی عمارتوں کی خوبصورتی اور فن تعمیر کے بارے میں لکھا ہے کہ جب ناصر خسرو بیروت میں داخل ہوا تو اس نے ایک شاندار محراب دیکھی، جو کہ بانوے فٹ بلند تھی۔ اس کے اطراف کی عمارت میں سفید پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ جن میں سے ہر ایک کا وزن ڈیڑھ ٹن سے کم نہ ہوگا۔ ان پر سنگ مرمر کے ستون تھے، جو چودہ سے پندرہ فٹ اونچے تھے۔ اور اتنے بھاری تھے کہ دو آدمی اگر بالمقابل کھڑے ہو کر بازوؤں سے انہیں گھیر لیتے تو انکے بازو بمشکل مل سکتے۔ انکے اوپر کی محراب کی وسطی اونچائی 75 سے 80 فٹ تھی۔ یہ محراب نہایت خوبصورت منقش پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ جن میں سے ہر ایک کا وزن دس ٹن تھا۔ اردگرد کا میدان بھی ستونوں سے بھرا ہوا تھا۔ جن کے بالائی حصے سنگ مرمر اور سنگ خارا کے تھے۔

اسی طرح ناصر خسرو لکھتے ہیں کہ: صیدا کی مضبوط فصیل میں چار دروازے ہیں، بازار اس شان سے سجے ہوئے ہیں کہ اجنبی اور مسافر کو لگے کہ سلطان وقت کا دورہ ہونے والا ہے۔ باغات اتنے خوبصورت ہیں کہ گویا ان میں سے ہر ایک بادشاہ وقت کے لیے لگایا گیا ہو۔ دولت مند اور بارونق صور کے بازار بھی بہت صاف ہیں۔ یہاں کی سرائیں بھی پانچ پانچ چھ چھ منزلہ اونچی ہیں۔ طرابلس کی طرح اس شہر کی آبادی بھی زیادہ تر شیعوں پر مشتمل ہے۔ پانی کا بڑا اچھا انتظام ہے۔ عکہ کی جامع مسجد بھی شہر کے وسط میں ہے، اور اس کے ستون بھی سنگ مرمر کے ہیں اور یہ شہر کی دیگر عمارتوں سے زیادہ اونچی ہے۔

13.3 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- فنون لطیفہ کے میدان میں فاطمی خلفاء کا نقش بہت گہرا ہے، خاص طور پر فن تعمیر میں انکے انمٹ نقوش ملتے ہیں۔
- فاطمی دور کے تقریبا ہر خلیفہ نے شہر آباد کیے ہیں۔ جن میں شہر مہدیہ، منصوریہ اور قاہرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
- المہدیہ شہر تونس میں آباد کیا گیا تھا اور یہ فاطمی خلافت کا پہلا دار الخلافہ تھا۔
- تیسرے فاطمی خلیفہ المنصور نے بغداد کے طرز پر منصوریہ کے نام سے ایک دائرہ نما شہر آباد کیا۔
- چوتھے فاطمی خلیفہ المعز نے مصر پر قبضہ کرنے کے بعد قاہرہ شہر کی بنیاد ڈالی اور دار الخلافت مصر منتقل کیا۔

- ان شہروں میں عظیم الشان محلات کے علاوہ مساجد، مقبرے، سرکاری عمارتیں فوجی چھاؤنیاں نہایت اہتمام سے بنائے جاتے تھے۔
- جامع الازہر کی تعمیر فاطمی عہد میں ہی ہوئی، اوراس کی بنیاد جوہر الصقلی نے سن 395ھ میں ڈالی تھی۔
- فاطمی وزیر بدر الجمالی نے کئی عمارتیں تعمیر کیں۔ جن میں جامع الجیوشی اپنی تعمیر کے لیے بہت مشہور ہے۔
- فاطمی دور کی یادگاروں میں قاہرہ شہر کی فصیل کے باب النصر اور باب الفتوح بہت اہم ہیں۔

13.4 کلیدی الفاظ

منبت کاری	:	بیل بوٹے کا کام جو لکڑی اور کپڑے وغیرہ پر کیا جاتا ہے۔
ڈیوڑھی	:	صدر دروازے کے سامنے کا کمرہ، دہلیز
مثمن	:	آٹھ پہلو والی شکل
گچ کاری	:	چونے کا کام
مدوّر	:	دائرہ نما، گول
استر کاری	:	چونے کی لپائی، گچ کاری

13.5 نمونہ امتحانی سوالات

13.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ شہر المہدیہ کی بنیاد کس خلیفہ نے ڈالی؟

(a). المعز (b). المنصور (c). عبیداللہ المہدی (d). عاضد

2۔ فاطمی خلیفہ قائم نے کون سا شہر آباد کیا؟

(a). مہدیہ (b). العاشر (c). قاہرہ (d). حمادیہ

3۔ کون سا شہر بغداد کے طرز پر تعمیر کیا گیا؟

(a). المہدیہ (b). المنصوریہ (c). قاہرہ (d). العاشر

4۔ صقلیہ کا کون سا شہر فاطمی دور کی ایک اہم یادگار ہے؟

(a). خالصہ (b). المنصوریہ (c). قاہرہ (d). بغداد

5۔ کون سا شہر مصر میں دار الخلافت کے طور پر تعمیر کیا گیا؟

(a). خالصہ (b). المنصوریہ (c). قاہرہ (d). محمدیہ

6۔ جامع الانوار دوسرے کن ناموں سے معروف ہے؟

(a). الحاکم (b). الاقمر (c). جامع صالح طلاء بن ازرق (d). الازہر

7۔ جامع الجیوشی کی تعمیر کس نے کی؟

(a). جوہر الصقلی (b). بدر الجمالی (c). صالح طلائی (d). عاضد

8۔ کون سے خلیفہ کو مساجد کی تعمیر سے خاص لگاؤ تھا؟

(a). المعز (b). الحاکم (c). المستنصر (d). فائز

9۔ خلیفہ الحاکم نے 404ھ میں کس مسجد کی تعمیر کی جس پر پندرہ ہزار دینار صرف کیے؟

(a). الاقمر (b). الازہر (c). جامع الانور (d). جامع الجیوشی

10۔ کون سی مسجد قاہرہ شہر کے جبل مقطم پر واقع ہے؟

(a). الاقمر (b). الجیوشی (c). جامع صالح طلائی (d). جامع زینب

13.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ فاطمی دور فن تعمیر کے افریقی دور پر مختصر نوٹ لکھیے۔

2۔ شہر صقلیہ میں فاطمی دور کے آثار کا جائزہ لیجیے۔

3۔ قاہرہ شہر کی تعمیری خصوصیات پر ایک نوٹ قلم بند کیجیے۔

4۔ فن تعمیر میں وزیر بدر الجمالی کی خدمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

5۔ فاطمی عہد کی تعمیرات میں کس خلیفہ نے سب سے زیادہ مساجد تعمیر کروائیں؟ مثالوں کے ساتھ تحریر کیجیے۔

13.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ اسلامی فن تعمیر میں فاطمی دور کی خدمات پر تفصیلی نوٹ تحریر کیجیے۔

2۔ مصر میں فاطمی دور کی تعمیرات کا جائزہ لیجیے۔

3۔ فاطمی فن تعمیر کی فنی خصوصیات پر سیر حاصل گفتگو کیجیے۔

13.6 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ تاریخ دولت فاطمیہ : رئیس احمد جعفری

2۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء : ابن ابی اصیبعہ

3۔ المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار (خطط مصر) : تقی الدین مقریزی

4۔ سفر نامہ ناصر خسرو : ناصر خسرو

5۔ اسلامی فن تعمیر : ارنسٹ تاڈہام (ترجمہ: سید مبارز الدین رفعت)

6۔ A Short History of Saracene : Ameer Ali

7۔ The Islamic Dynasties of Arab East : Abdul Ali

-:oOo:-

اکائی 14 : بحری مملوک: قیام وعروج

اکائی کے اجزا

14.0 تمہید

14.1 مقصد

14.2 ممالیک مصر کا عروج وارتقاء

14.3 غلاموں کی تعلیم وتربیت

14.4 عہد ممالیک کا آغاز

14.5 ممالیک بحریہ وبرجیہ کی وجہ تسمیہ

14.6 فرانسیسی حملہ اور مملوکوں کی فتح

14.7 مملوک بمقابلہ منگول

14.8 اسلامی خلافت کا احیاء

14.9 ممالیک تہذیب کا عروج: علمی اور عمرانی تجزیہ

14.9.1 علوم اور تعلیمی ادارے

14.9.1.1 ممالیک سلاطین کی علمی اور تعلیمی خدمات

14.9.1.2 جامع عمرو بن العاص

14.9.1.3 جامع ابن طولون

14.9.1.4 جامع ازہر

14.9.1.5 جامع حاکم

14.9.2 دور ممالیک میں علمی تصانیف

14.9.3 ممالیک سلاطین کے عہد میں فن تعمیر کی ترقی

14.10 بحری مملوک سلاطین مصر وشام

14.11 اکتسابی نتائج

14.12 کلیدی الفاظ

14.13 نمونہ امتحانی سوالات

14.13.1 معروضی جوابات کے حامل

14.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

14.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

14.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

14.0 تمہید

مملوک عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ' ملکیت' یعنی غلام کے ہیں۔مصر اور شام کے غلام بادشاہوں کو مملوک یا ممالیک کہا جاتا ہے۔اسلام کی خاصیت یہ ہے کہ اس نے غلاموں کے ساتھ کبھی بھی وہ سلوک روا نہیں رکھا جو دیگر قوموں بالخصوص رومیوں کے زمانے سے لے کر پچھلی صدی تک مغربی ممالک میں ان کے ساتھ کیا گیا۔اسلامی معاشرے میں غلاموں کو برابری کا درجہ دینے کے نتیجے میں وہ دینی اور دنیاوی سطح پر ترقی کے بلند ترین مقام تک پہنچے۔یہی وجہ ہے کہ مصر کے مملوک سلاطین اور ہندوستان کے خاندان غلامان جو درحقیقت غلام تھے، وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے کرتے سلطان بن گئے اور انھوں نے اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ان سلاطین میں جانشینی کے وقت سخت کشمکش ہوتی اور طاقتور غلام امیر یا سلطان بن جاتا، یعنی ان میں جانشین کے طور پر بیٹا حکومت نہیں حاصل کر پاتا تھا۔

14.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ ممالیک مصر کی خودمختار حکومت کیسے قائم ہوئی؟ تاتاریوں کی یلغار کو روکنے میں وہ کس حد تک کامیاب ہوئی؟ صلیبی جنگوں میں ممالیک سلاطین نے کیا کردار ادا کیا؟ مختلف قسم کی شورشوں اور بغاوتوں پر کیسے قابو پایا گیا؟ معاشی، ثقافتی، تعمیری، علمی اور فنی سرگرمیوں کا کیا حال رہا؟ نیز چند مشہور سلاطین کے حالات اور کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی اس میں یہ بھی بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ ان کے کون کون سے ایسے کارنامے ہیں جن کی وجہ سے تاریخ میں ان کے نام روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

14.2 ممالیک مصر کا عروج وارتقاء

ممالیک سلاطین مصر کا دور اسلامی تاریخ کا ایک اہم دور تصور کیا جاتا ہے، وہ اس وجہ سے کہ یہ ممالیک سلاطین مصر ہی تھے جنھوں نے سقوط بغداد کے بعد ہلاکو خان اور تاتاریوں کے لشکر کو شکست فاش دی اور نہ صرف اسلامی دنیا اور مصر وشام کو ان کی تباہ کاریوں سے بچایا بلکہ یورپ اور پوری دنیا کو ان کی تباہ کن یلغار اور پیش قدمی سے محفوظ رکھا، کیوں کہ اس زمانے میں ان سلاطین مصر کے علاوہ یورپ یا ایشیا کی کوئی سلطنت فوجی حیثیت سے تاتاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، ان سلاطین مصر نے اس زمانے میں مصر میں اسلامی خلافت کا احیاء کیا جب سقوط بغداد کے بعد اسلامی خلافت کا

خاتمہ ہو گیا تھا۔ گو یہ خلافت برائے نام تھی تاہم اس کی بدولت سلطنت مصر کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور اس کی وجہ سے دنیائے اسلام کے مشہور علماء وفضلاء ہجرت کر کے مصر وشام میں پناہ گزیں ہوئے اور انہوں نے اسلامی علوم وفنون کی شمعوں کو دوبارہ روشن کیا۔

سقوط بغداد اور عباسی خلافت کا خاتمہ اسلامی تاریخ کا سب سے المناک واقعہ ہے مگر یہ مسلمانوں کی تباہی کا آخری باب تھا، کیوں کہ اس سے پیشتر چنگیز خان اور اس کی اولاد ایران، خراسان، اور ترکستان کی اسلامی سلطنتوں اور ان کے بارونق شہروں کو فنا کر چکی تھی۔ ان المناک حادثات کی بدولت مسلم قوم نہ صرف مادی اور سیاسی حیثیت سے تباہ ہوئی بلکہ وہ اخلاقی، علمی اور روحانی حیثیت سے بھی مفلوج ہو گئی تھی۔ ان ممالک میں ہر طرف مایوسی اور محرومی کا دور دورہ تھا اور ان میں دشمن کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ باقی نہ رہا تھا۔ ایسے موقع پر ان 'ترک غلام' بادشاہوں اور ان کی فوج نے 'فتنہ تاتار' کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور نہ صرف مصر وشام کو ان کی یلغار اور تباہ کاریوں سے بچایا بلکہ یورپ اور باقی ماندہ دنیا کو ان کے وحشیانہ حملوں سے محفوظ رکھا۔

ترک غلاموں کا دوسرا بڑا کارنامہ شام کے ساحل سے صلیبیوں کا اخراج ہے، اس طرح انہوں نے اس خطے کو کم از کم چھ سات سو سال تک بیرونی سازشوں اور اثرات سے محفوظ کر دیا۔

14.3 غلاموں کی تعلیم وتربیت

ان غلاموں کو شریعت اسلامی کے احکام وقوانین اور ملک وسیاست کے آداب سکھائے جاتے تھے۔ انہیں تیراندازی، شمشیرزنی، نیزہ بازی، شہسواری اور دیگر فنون حرب کی تعلیم دی جاتی تھی، نیز انہیں ہتھیاروں کے استعمال اور سیاسی چالوں سے بھی آگاہ کیا جاتا تھا۔ جب ان کی تعلیم وتربیت مکمل ہو جاتی اور وہ مہذب وشائستہ بن جاتے تھے تو انہیں خواص افراد میں شامل کیا جاتا تھا۔ شاہی دربار میں انہیں مناسب مناصب ومراتب پر سرفراز کیا جاتا تھا، انہیں نہ صرف شاہی تقریبات اور شاہی جلوسوں کے موقع پر اعلیٰ مراتب پر سرفراز کیا جاتا تھا بلکہ اہم حادثات اور بغاوتوں کے موقع پر بھی انہیں ان کے انسداد کے لیے بھیجا جاتا تھا، سابقہ عنایات ونوازش کے ساتھ ساتھ انہیں سرحدوں کی حفاظت کے لیے بھی مقرر کیا جاتا تھا اور جنگ کے موقع پر فوجوں کی قیادت بھی انہیں تفویض کی جاتی تھی۔

اس طرح سے خلفاء ترک غلاموں کے ساتھ اس قسم کی عنایت ونوازش کرتے رہے کیوں کہ ان کا شاہی تخت ان کے ستونوں سے مستحکم ہو رہا تھا اور ان کی خلافت ان کے تعاون سے ہی قائم ہو رہی تھی، لہذا یہ سلطنت وخلافت کا لازمی حصہ بن گئے، پھر جنگوں میں حصہ لینے کی وجہ سے ان کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود مختار ہو کر سلطنت پر چھا گئے تا آں کہ ایک وقت ایسا آیا کہ انہوں نے خلفاء کو ہی سلطنت سے اتار کر خود اس پر قبضہ کر لیا اور ملک کے سیاہ سفید کے مالک بن بیٹھے۔ اب سلطنت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی اس لیے انہوں نے اپنے ناموں کے ساتھ 'سلطان' کے لقب کا اضافہ کر لیا۔

صلیبی 647ھ میں دمیاط کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور ملک صالح ایوبی نے منصورہ میں وفات پائی تو ترک سرداروں نے اس کی موت کی خبر کو پوشیدہ رکھا اور سلطنت کے امور ملک صالح کی بیوی اور خلیل کی والدہ شجرۃ الدر کے سپرد کر دیئے۔ اس عرصہ میں انہوں نے اس کے فرزند معظم توران شاہ کو بھی بلا بھیجا اور اس کا انتظار کرنے لگے، وہیں دوسری طرف شجرۃ الدر کی قیادت میں ان ترک جرنیلوں نے زبردست کارنامے انجام دیئے اور دشمنوں کو شکست دی۔ اس کے بعد توران شاہ کیفا سے وہاں پہنچ گیا، انہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور قیادت اس کے سپرد کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حالات درست ہو گئے اور مسلمانوں نے بحری وبری دونوں راستوں سے حملہ کیا، آخر کار صلیبیوں کو کامل شکست ہوئی اور ان کا بادشاہ فرنسیس گرفتار ہو گیا۔ پھر دو مہینوں کے بعد ہی توران شاہ کو قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ شجرۃ الدر کی حکومت قائم ہو گئی۔ بعد ازاں صلیبیوں کے بادشاہ فرنسیس

نے دمیاط کا علاقہ زرِ فدیہ کے طور پر حوالہ کر کے رہائی حاصل کی اور 648ھ میں مسلمانوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کرلیا جب فرنسیس نے حلف اٹھا کر یہ وعدہ کیا کہ وہ زندگی بھر مسلمانوں کے علاقے پر حملہ نہیں کرے گا تو مسلمانوں نے اسے بحری راستے سے اس کے ملک روانہ کر دیا۔

14.4 عہد مَمالیک کا آغاز

بحری مملوک و برجی مملوک نے مجموعی طور پر 1250ء سے لے کر 1517ء تک مصر اور شام پر حکومت کی، مصر و شام کے سیاہ و سفید کے مالک رہے۔ یہاں تک کہ عثمانیوں کے ذریعے ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ مملوک پہلی بار نویں صدی میں خلافت عباسی میں نمودار ہوئے تھے اور عثمانیوں کے ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد بھی وہ مصری اسلامی معاشرے کا ایک اہم حصہ رہے اور انیسویں صدی تک ایک بااثر گروہ کے طور پر موجود رہے۔ انہوں نے آؤٹیمر کی صلیبی ریاستوں کو ختم کر دیا، نیز شام، مصر اور اسلام کے مقدس مقامات کو منگولوں سے بچایا۔ انہوں نے قرونِ وسطیٰ میں قاہرہ کو عالم اسلام کا ایک بے نظیر و لاجواب شہر بنا دیا۔

مملوکوں نے اپنی صلاحیت و قابلیت سے خود کو دوسروں سے ممتاز کیا اور آہستہ آہستہ کاروبار سلطنت پر حاوی ہوتے چلے گئے، دوسری طرف سلطنت ایوبیہ میں آپسی رنجشیں اور دیگر خامیاں در آئی تھی لہذا اسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مملوک تخت سلطنت پر قابض ہو گئے۔

مملوک مصر کے اصل باشندے نہیں تھے بلکہ غلام فوجی تھے جن کا تعلق خاص طور پر وسطی ایشیاء سے تھا۔ بحری مملوک بنیادی طور پر جنوبی روس کے باشندے تھے اور برجی مملوک کی اکثریت قفقاز سے تعلق رکھنے والے قفچاق ترکوں اور چرکاسیوں پر مشتمل تھی۔

اولین مملوک سپاہیوں نے نویں صدی میں عباسی خلفاء کے لیے خدمات انجام دیں۔ وہ انہیں خصوصاً قفقاز اور بحیرہ اسود کے شمالی علاقوں سے فوج میں بھرتی کرتے تھے۔ چرکاسیوں کے علاوہ اکثر قیدی غیر مسلم نسل سے تعلق رکھتے تھے جو اسلام قبول کرنے کے بعد خلیفہ کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں شہسوار دستوں میں بھی شامل کیا جاتا تھا۔ ان کی تربیت میں شہسوار دستوں کی حکمت عملی کی ترتیب، شہسواری، تیراندازی اور ابتدائی طبی امداد کی تربیت شامل تھی۔ مقامی جنگجو اکثر سلطان یا خلیفہ کے علاوہ مقامی قبائل کے شیوخ، خاندان یا اعلیٰ شخصیات کے فرماں بردار ہوتے تھے۔ اگر کوئی سردار حکمراں کے خلاف بغاوت کرتا تھا تو ان سپاہیوں کی جانب سے بھی بغاوت کا خدشہ رہتا تھا۔

مملوک چھاؤنیوں میں رہتے تھے جہاں وہ تیراندازی اور دیگر صحت مند تفریح کے ذریعے اپنا دل بہلاتے تھے۔ تربیت مکمل کرنے کے بعد وہ غلام نہیں رہتے تھے۔ سلطان مملوک فوج کو براہ راست اپنی کمان میں رکھتا تھا تاکہ وہ مقامی قبائل کی جانب سے بغاوت کی صورت میں اسے استعمال کر سکے۔

مصر میں مملوک سلطنت نے ایوبی سلطنت سے جنم لیا جسے 1172ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے تشکیل دیا تھا۔ 1169ء میں اپنے چچا شیر کوہ کی جانب سے دمشق کے زنگی سلطان نور الدین زنگی کے لیے مصر فتح کرنے اور 1189ء میں بیت المقدس کی فتح کے بعد صلاح الدین ایوبی نے مشرق وسطیٰ میں اپنے خاندان کی گرفت مضبوط کر دی۔ لیکن صلاح الدین کے انتقال کے بعد اس کے بیٹوں کے درمیان سلطنت کی تقسیم کا تنازع کھڑا ہو گیا اور وہ وسیع مملوک فوجوں کے ساتھ آمنے سامنے آ گئے۔

1200ء میں صلاح الدین ایوبی کے بھائی ملک العادل نے اپنے تمام بھائیوں اور بھتیجوں کو شکست دے کر سلطنت حاصل کر لی۔ ہر فتح کے ساتھ ملک العادل شکست خوردہ مملوکوں کو اپنی فوج میں شامل کرتا گیا اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مملوک اتنے طاقتور ہو گئے کہ ایوبی حکومت مملوکوں کی طاقت کے گھیرے میں آ گئی جس نے جلد ہی سلطنت کے سیاسی معاملات میں دخل اندازی شروع کر دی۔

ملک العادل کے بعد اس کا فرزند ملک کامل اور پھر اس کا لڑکا ملک عادل بن کامل، عادل کے بعد ملک صالح ایوبی تخت نشیں ہوا یہ بہت

دبدبہ اور جرأت مند حکمراں گذرا ہے، عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی طرح اس کو بھی ترکی غلاموں کا بہت شوق تھا چنانچہ اس نے اس کی بڑی تعداد جمع کی، ان کی تربیت کی اور پھر انہیں اپنی فوجوں میں شامل کیا، یہی وجہ ہے کہ اس کی فوج کے اکثر افسر ترک تھے، اس کے ذاتی محافظ بھی ترک غلام ہی ہوا کرتے تھے، یہ بحری مملوک کہلاتے تھے، چنانچہ اس کے زمانہ میں بحریہ کا بڑا غلبہ ہو گیا۔

سن 1249ء (647ھ) میں ملک الصالح ایوبی کا انتقال ہو گیا، اس کا بیٹا ملک المعظم توران شاہ اپنے والد کی وفات کے وقت دارالسلطنت سے دور ملک شام کے ایک شہر حصن کیفا میں قیام پذیر تھا، ملک صالح کی وفات کے بعد بدنظمی کا خطرہ تھا۔ توران شاہ کی سوتیلی ماں شجرۃ الدر نہایت زیرک عورت تھی، اس نے کمال عقلمندی سے اپنے شوہر کی وفات کو مخفی رکھا اور امراء سے بڑی ہوشیاری کے ساتھ توران شاہ کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے بعد ملک الصالح کی وفات کا اعلان کیا اور توران شاہ کے مصر پہنچنے تک حکومت کے فرائض خود انجام دیتی رہی۔ یہاں تک کہ توران شاہ مصر پہنچ گیا اور حکومت کی باگ ڈور کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا، اس کے بعد شجرۃ الدر سے باپ کی دولت کا مطالبہ کیا اور اسے دھمکی بھی دی، شجرۃ الدر نے ممالیک بحریہ سے اس کی شکایت کی کہ توران شاہ میری خیر خواہی کا یہ صلہ دے رہا ہے۔ اس سے ممالیک بحریہ میں ناگواری پیدا ہو گئی، توران شاہ نے بحری مملوکوں کی بھی تذلیل کی اور ان امراء کو پیش پیش رکھنے لگا جسے اس نے حصن کیفا سے اپنے ساتھ لایا تھا، جس کی وجہ سے ممالیک بحریہ توران شاہ کی جان کے دشمن ہو گئے اور موقع پا کر 648ھ میں توران شاہ کو قتل کر دیا، اس طرح سے وہ چند مہینے ہی حکومت کر پایا۔

توران شاہ کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لیے مملوکوں نے شجرۃ الدر کو تخت نشین کر دیا اور اپنے ایک سردار معز الدین ایبک کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا، لیکن شام کے ایوبی امراء نے شجرۃ الدر کی حکومت تسلیم نہیں کی اور انہوں نے ایوبی خاندان کے ایک رکن ملک الناصر صلاح الدین یوسف، والی حلب کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور اس نے دمشق پر جو مصری حکومت کا علاقہ تھا، قبضہ کر لیا۔ اس سے مصری فوج تذبذب کا شکار ہو گئی، یہ صورت حال دیکھ کر شجرۃ الدر نے عزالدین ایبک سے شادی کر لی، اور اس کے حق میں حکومت سے دست بردار ہو گئی۔ گویا مصر کا پہلا ترک غلام (مملوک) بادشاہ المعز عزالدین ایبک تھا، وہ ماہ ربیع الاول کے اختتام پر 648ھ میں تخت نشین ہوا اور اس طرح حکومت ایوبیوں سے مملوکوں میں منتقل ہو گئی۔

بحری مملوکوں میں بھی کچھ لوگ عزالدین ایبک کے حریف تھے، ان کو اس کی بادشاہت گوارا نہ ہوئی، چنانچہ انہوں نے یمن کے حاکم ملک الاشرف موسیٰ بن یوسف ایوبی کو تخت نشین کیا اور ایبک کو اس کا وزیر بنایا، لیکن اصلاً تمام اختیارات ایبک کے ہاتھ میں تھے، ملک اشرف صرف نام کا حکمراں تھا، اشرف باختلاف روایت دو یا چار سال تک حکمراں رہا اور 650ھ یا 652ھ میں ایبک نے ملک اشرف موسیٰ کو تختِ سلطنت سے ہٹا کر قید کر دیا پھر اس کو بازنطینی کے علاقوں میں جلاوطن کر دیا اور خود مصر کا مستقل حکمراں بن گیا اور سیف الدین قطز کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اس طرح مصر سے ایوبی حکومت کو خاتمہ ہو گیا، لیکن عزالدین ایبک کو زیادہ دنوں تک حکومت کرنے کا موقع میسر نہ ہو سکا۔ مصر کی فرماں روائی ملنے کے بعد اس نے موصل کے حاکم بدرالدین لؤلؤ کی بیٹی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا، شجرۃ الدر کو اس کی اطلاع ہو گئی لہٰذا اس نے ترکی امراء کو اپنے ساتھ ملا کر 655ھ میں ایبک کو قتل کروا دیا۔

معز الدین ایبک کے قتل کے بعد امراء نے اس کے بیٹے منصور علی نورالدین بن المعز ایبک کو حکومت کی باگ ڈور تھما دی لیکن دو سال کے بعد امرائے مصر کو یہ خیال آیا کہ ان کا بادشاہ منصور علی اس قدر نوعمر ہے کہ وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے، کیوں کہ اس نے جنگوں میں حصہ نہیں لیا تھا اور اسے فوجی قیادت کا کوئی تجربہ نہیں تھا اس لیے انہوں نے اتفاق رائے کے ساتھ سیف الدین قطز کے ہاتھ پر بیعت کر لی کیوں کہ وہ اپنی دلیری اور پیش قدمی کے لیے مشہور تھا۔ لہٰذا انہوں نے اسے مصر کے تخت پر 656ھ پر بٹھایا اور اس کا لقب مظفر رکھا۔ انہوں نے منصور کو معزول کر دیا جس نے صرف دو سال تک حکومت کی، امرائے مصر نے اسے اور اس کے دونوں بھائیوں کو دمیاط کے مقام پر قید کر دیا۔

سلطان سیف الدین قطز 657ھ میں تخت نشین ہوا تھا، اس نے صرف ایک سال تک حکومت کی، تاہم 'عین جالوت' کی فتح عظیم کے واقعہ نے اسے زندۂ جاوید بنا دیا، کیوں کہ اس نے تاتاریوں کی پیش قدمی کو روک کر دنیا کو ان کی تباہ کاریوں سے بچالیا تھا۔

فارس الدین اقطائی جامدار بحریہ جماعت کا امیر تھا جو سلطنت مصر میں معزایبک کا ہم پلہ اور اس کا نائب تھا۔ وہ بحریہ جماعت کے ساتھ بہت لطف وعنایت سے پیش آتا تھا تاکہ وہ اس سے مانوس ہو جائیں، چنانچہ وہ ایبک سے زیادہ اقطائی سے محبت کرتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت مقبول اور طاقتور ہو گیا، اس نے معزایبک سے اسکندریہ کا علاقہ حاصل کر لیا اور اس کے بیت المال میں حسب منشا تصرف کرنے لگا۔ اقطائی نے حاکم حماۃ مظفر کی بیٹی سے نکاح کر لیا اور قلعہ میں اپنے لیے جگہ کا مطالبہ کیا تو ایبک کو اس کی مقبولیت کی وجہ سے بہت خطرہ محسوس ہوا اس نے اقطائی کو ایک دن محل میں مشورہ کے لیے طلب کیا اور جیسے ہی اقطائی محل میں داخل ہوا، ایبک نے اپنے موالی کے ذریعے اس کو قتل کرا دیا۔ یہ 652ھ کا واقعہ ہے۔ ملک الظاہر بیبرس نے اپنی عہد حکومت میں ان دونوں کو قسطنطنیہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ ملک الظاہر بیبرس کے زمانے میں مصر میں ہی عباسی خلافت قائم ہوئی۔

بغداد سے عباسی خلافت ختم ہونے کے بعد مصر میں قائم ہوئی، گو یہ خلافت ڈھائی صدیوں سے اوپر قائم رہی لیکن اس کے خلفاء محض تبرکا تھے، اصل حکومت ممالیک کی تھی اور خلفاء ان کے وظیفہ خور تھے، ان کا کام صرف اس قدر تھا کہ ہر نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کو رسماً اپنی جانب سے امور مملکت کا مختار بنا کر خلعت عطا کرتے تھے، خلفاء عباسیہ کو کچھ بھی اختیارات حاصل نہ تھے، حکومت کے تمام امور کا فیصلہ ممالیک ہی لیا کرتے تھے۔ اور 676ھ میں اس کی وفات کے بعد ملک سعید ناصر الدین تخت نشین ہوا۔ ایک سال کے بعد اس کو بھی معزول کر دیا گیا، اس کے بعد ملک عادل بدرالدین تخت پر بیٹھایا گیا، یہ صرف چار مہینے کے بعد معزول ہوا اور اس طرح 678ھ میں دولت مملوکیہ مصر طبقہ اول کا خاتمہ ہوا، ان لوگوں کی مجموعی سلطنت صرف 26 سال تک رہی۔

ملک عادل بدرالدین کے بعد ابوالمعالی ملک منصور قلاؤون اسی سلسلہ انتخاب کے ذریعے سے مصر کا بادشاہ منتخب ہوا مگر اس کے بعد چونکہ اسی کے خاندان کو عرصہ دراز تک لوگوں نے حکومت مصر کے لیے منتخب کیا، اسی لیے یہ مملوکوں کے طبقہ دوم کا پہلا بادشاہ سمجھا گیا۔ اس نے 678ھ سے 689ھ تک گیارہ سال حکومت کی، اس کے زمانے میں سلطنت مصر کا رقبہ کسی قدر وسیع ہوا۔

اس کے بعد ملک اشرف صلاح الدین خلیل تخت نشین ہوا، اس نے چند روز کے بعد خود سلطنت سے دست کشی اختیار کی، مگر لوگوں نے مجبور کر کے اس کو پھر تخت سلطنت پر بٹھایا اور 44 سال کی حکومت کے بعد 737ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس کے بعد ملک عادل کتبغا منصوری تخت نشین ہوا مگر اس کو ایک مہینہ بھی حکومت کا موقع نہیں ملا۔ اس کے بعد ملک منصور حسام الدین بادشاہت کے منتخب کیا گیا لیکن دو برس کے بعد اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ملک ظفر رکن الدین منتخب ہوا اور ایک سال تک حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، پھر ۷۴۱ھ میں ملک منصور ابوبکر کو بادشاہ بنایا گیا مگر دو مہینے میں ہی اسے جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے بعد ملک اشرف تخت نشیں ہوا مگر آٹھ مہینے کے بعد وہ بھی جلاوطن ہوا۔ پھر ملک ناصر احمد کو 742ھ میں بادشاہ منتخب کیا گیا اس نے تقریباً تین سال تک حکومت کی 745ھ میں اس کو قتل کر دیا گیا، اس کے بعد ابوالفدا اعماد الدین اسماعیل ملک الصالح تخت سلطنت پر متمکن ہوا، اس نے صرف ایک سال تک زمام حکومت سنبھالی، یہ وہی ابوالفداء ہیں جو ایک عظیم مؤرخ بھی ہیں۔ 746ھ میں اس کی وفات کے بعد زین الدین ملک کامل شعبانی سلطان بنایا گیا، یہ بدخلقی اور بدتدبیری میں مشہور تھا اس وجہ سے امراء نے اس کو چند ماہ میں معزول کر دیا، پھر 747ھ میں زین الدین حاجی کے ہاتھ پر بیعت کی اور مظفر لقب رکھا۔ یہ اس سے بھی زیادہ نااہل نکلا اس وجہ سے ایک سال تین ماہ بعد 748ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ملک الناصر حسن ثالث تخت نشیں ہوا لیکن چند سال بعد 752ھ میں تخت سے اتار دیا گیا، اس کے بعد ملک صالح ثانی تخت نشیں ہوا، اس نے تقریباً تین سال حکومت کی، اس کے بعد ملک منصور بن حاجی کو حکومت کی باگ ڈور سونپی گئی۔ دو سال کے بعد وہ بھی معزول

ہوا اور تخت سلطنت ملک اشرف شعبان کے حصے میں آیا، گیارہ سال کے بعد وہ بھی مقتول ہوا اور اس کی جگہ ملک منصور علی 778ھ میں تخت نشیں ہو کر پانچ سال کے بعد فوت ہوا، پھر 783ھ صالح حاجی تخت نشیں ہوا اور آٹھ نو سال کے بعد خود تخت سلطنت سے دست بردار ہو گیا۔

اس طرح بحری مملوکوں کی 132 سال کی مختصر مدت میں چوبیس بادشاہ تخت پر بیٹھے ان میں سے چار بادشاہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے مجموعی طور پر 84 سال حکومت کی اور مصر کو ایک مستحکم حکومت دی۔

مملوکوں کی بعض خصوصیات قابل تذکرہ ہیں۔ اول یہ کہ انہوں نے انتخاب کا طریقہ جاری کیا یعنی کثرت رائے سے اپنا بادشاہ منتخب کرتے تھے، دوسرے یہ کہ ان منگولوں کو جو تمام متمدن دنیا کو تہ و بالا کر چکے تھے، انہوں نے ہمیشہ شکست دے کر بھگایا، اور حدود مصر میں ان کو قدم نہ رکھنے دیا۔ ہاں! منگولوں کے بہت سے آدمیوں کو لڑائی میں گرفتار کر کے لے گئے، اور اپنا غلام بنا کر مصر میں رکھا۔ ان لوگوں کو غلامان ایوبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مملوک سلطان مطلق العنان ہوتے تھے، تاہم ایک مجلس وزراء امور سلطنت میں سلطان کو مدد دیا کرتی تھی، جس میں مملوکوں کے اعلیٰ سپہ سالار سلطان کی دائیں بائیں جانب اپنے اپنے رتبے کے مطابق بیٹھا کرتے تھے، نشستوں یہ حسب مراتب ترتیب مملوک عہد کے آغاز ہی سے قائم تھی۔ نمائندہ سلطان جو سلطان کے عدم موجودگی میں مقرر ہوا کرتا تھا سپہ سالار اعظم یعنی امیر کبیر کہلاتا تھا، جس کا عہدہ بعد میں اتابک کے عہدے کے ساتھ ضم کر دیا گیا، یہ سب کے سب اعلیٰ عہدوں داروں میں شمار ہونے لگے۔

14.5 ممالیک بحریہ و برجیہ کی وجہ تسمیہ

مملوک کے دو خاندانوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ 1250ء سے 1381ء (647ھ سے 784ھ) تک بحری مملوک نے حکومت کے نظام کو سنبھالا جب کہ 1382ء سے لے کر 1517ء (784ھ سے 922ھ) تک برجی مملوک غالب رہے۔

پہلی مملوک سلطنت کو بحری اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان مملوکوں کا تعلق بحری افواج سے تھا جن کا مرکز دریائے نیل کے جزیرۂ روضہ میں تھا۔ جب کہ دوسرے خاندان کو برجی مملوک اس لیے کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ سلطنت ایوبیہ کے آخری سلطان الصالح کے لیے مملوکوں کے ذریعے مہیا کی جانے والی خصوصی دستہ یا سپاہی تھے، جن کی انہوں نے 1250ء میں تختہ الٹنے سے پہلے خدمت کی تھی۔ برجی مملوک قاہرہ میں قلعے کے برجوں پر تعیناتی کے باعث برجی مملوک کہلاتے تھے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ترکی مملوک خلیفہ معتصم باللہ اور اس کے بعد احمد بن طولون کے عہد میں مصر آئے تھے، پھر عہد فاطمی میں ان کی کثرت ہوئی۔ ان مملوکوں کی مصر میں آمد کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ وہ روسی ممالک دشت قپچاق، قزوین اور کوہ قاف کے علاقوں سے تاتاری حملوں سے بچنے کے لیے بھاگ کر اسلامی ملکوں میں آگئے تھے، لوگوں نے مختلف جگہوں سے لے جا کر ان کو مصر میں فروخت کیا۔ ایوبی حکمراں ملک صالح نجم الدین نے خرید کر ان کی جنگی تربیت کے بعد اکثر کو اپنا درباری محافظ بنایا اور ان میں سے ہی امراء منتخب کیے، انہیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا اور جزیرہ روضہ کے قریب رہنے کے لیے ان کو زمینیں عطا کیں جہاں انہوں نے عظیم الشان محلات اور قلعے تعمیر کرائے، چوں کہ اس مقام پر دریائے نیل کی دو شاخیں ملی ہیں جن کی وجہ سے وہ بحر کے نام سے مشہور ہو گیا ہے، اس لیے یہ ممالیک بحری کہلائے۔

14.6 فرانسیسی حملہ اور مملوکوں کی فتح

جون 1249ء میں فرانس کے لوئی نہم (Louis IX) کی زیر قیادت ساتویں صلیبی جنگ میں فرانسیسی لشکر مصر پر حملہ آور ہوا اور اس نے دمیتہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان الصالح ایوب کے انتقال پر سلطنت اس کے بیٹے توران شاہ اور اس بیوی شجرۃ الدر کو ملی جس نے مملوکوں کے تعاون سے

فرانسیسیوں پر جوابی حملہ کیا۔ بحری مملوکوں کے کمانڈر رکن الدین بیبرس نے لوئی کی فوج کو شکست دی۔ مملوکوں نے مارچ 1250ء میں شاہ لوئی کو گرفتار کر کے چار لاکھ لیور کا تاوان حاصل کیا۔

14.7 مملوک بمقابلہ منگول

منگولوں کی فوج نے ہلاکو کی سربراہی میں عالم اسلام کی مشرقی سرحدوں پر دھاوا بولا اور پھر وہ بغداد کو تہس نہس کرنے کے بعد شام کی طرف بڑھے، بغداد کے عباسیوں کی طرح شام کے ناتواں ایوبی بھی منگولوں کے ہاتھوں بری طرح تباہ ہوگئے۔ لیکن جب انہیں منگولوں کا مملوکوں سے مقابلہ ہوا تو مملوکوں نے ان کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ ان کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے منگولوں کو عین جالوت کی فیصلہ کن جنگ میں ذلت آمیز شکست دی، جس کے بعد منگولوں نے پھر کبھی شام کا رخ نہیں کیا۔

ہلاکو خان کی قیادت میں منگولوں نے بغداد کو نیست و نابود کرنے کے بعد جب ۱۲۵۸ء میں دمشق پر قبضہ کیا تو وہاں سے فرار ہونے والے مملوکوں میں جنرل بیبرس بھی شامل تھا۔ وہ قاہرہ پہنچا اور جب ہلاکو خان نے سیف الدین قطز سے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا تو اس نے اس کے سفیروں کو قتل کر کے بیبرس کی مدد سے افواج روانہ کیں۔ مونگی خان کی ہلاکت کے باعث ہلاکو خان فلسطین کی جانب بڑھتی ہوئی منگول افواج کی قیادت اپنے نائب کتبغا کو دے کر وطن روانہ ہو گیا۔ بعدازاں مملوک اور منگول افواج کے درمیان فلسطین میں عین جالوت کے مقابلہ پر تاریخی معرکہ ہوا جس میں مملوکوں نے تاریخ کی فیصلہ کن فتح حاصل کی اور کتبغا کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا۔ اس فتح کی بدولت مصر اور فلسطین منگولوں کے بڑھتے ہوئے طوفان سے بچ گئے۔ جنگ عین جالوت کو تاریخ کی فیصلہ کن ترین جنگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ شاندار کارنامہ انجام دینے کے بعد رکن الدین بیبرس قاہرہ واپس آیا اور قطز کی جگہ 'ملک الظاہر' کے لقب سے مسند اقتدار پر جلوہ افروز ہوا۔

مملوکوں نے 1260ء میں حمص میں دوسری مرتبہ منگولوں کو شکست دی اور مغرب کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدموں کو ہمیشہ کے لیے روک دیا۔ اس دوران مملوکوں نے شام پر اپنی گرفت مضبوط کی اور جنگی قلعے قائم کرنے کے علاوہ ڈاک کا نظام قائم کیا۔ بیبرس کی افواج نے سرزمین فلسطین پر قائم آخری صلیبی ریاست انطاکیہ فتح کر کے فلسطین سے عیسائیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔

مملوک سلطنت 1517ء تک قائم رہی جب سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم اول نے جنگ مرج دابق اور جنگ ردانیہ میں مملوک سلطان قانصوہ غوری کو شکست دے کر ختم کر دیا، تاہم مملوک عثمانی سلطنت کے زیر انتظام بھی کام کرتے رہے لیکن انہیں پہلے جیسے اختیارات حاصل نہیں رہے۔

14.8 اسلامی خلافت کا احیاء

سلطان قطز کے بعد سلطان ظاہر بیبرس بندقداری مصر و شام کا بادشاہ ہوا وہ ممالیک خاندان کا عظیم بادشاہ تھا اور اس نے طویل عرصہ تک حکومت کی۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے بغداد کی عباسی خلافت کو مصر میں منتقل کیا، مصر کی یہ خلافت برائے نام تھی اور اسے مستقل اقتدار حاصل نہ تھا، تاہم اس کے ذریعے مصر کے ممالیک کی سلطنت کو مذہبی اور سیاسی طور پر استحکام حاصل ہوا اور خلیفہ کے وجود سے اس سلطنت کو عالم اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہوئی اور وہ مصیبت زدہ مسلمانوں کی پناہ گاہ بن گئی۔ نیز حجاز کے مقامات مقدسہ کی خدمت اور نگرانی کا کام بھی اسی سلطنت کے ذمے رہا۔ مصر کے ممالیک سلاطین اپنے غیر محدود اختیارات انہی خلفاء کے ذریعے حاصل کرتے تھے، لیکن ترک کے عثمان سلطان سلیم نے مصر پر قبضہ کر کے ان کی متحدہ سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو اسلامی خلافت ترک سلاطین کی طرف منتقل کر دی گئی۔

14.9 مملالیک تہذیب کا عروج: علمی اور عمرانی تجزیہ

14.9.1 علوم اور تعلیمی ادارے

مملالیک کا عہد افسوسناک خانہ جنگیوں، بغاوتوں، جوڑ توڑ اور سیاسی سازشوں کے باوجود مسلمانوں کا شاندار علمی دور ہے کیوں کہ یہی متحدہ سلطنت مصر وشام مسلمان اہل علم وفضل کی پناہ گاہ تھی۔ ایران وخراسان اور ترکستان کے مشرقی ممالک، تاتاری حملوں اور یلغار کی وجہ سے تباہ وبرباد ہوگئے تھے اور وہاں کے علمی مراکز ومدارس، کتب خانے، مساجد وخانقاہیں بھی نیست ونابود ہوگئیں تھیں، نیز بغداد، عراق اور الجزیرہ ودیار بکر کے علاقے بھی تباہ ہوگئے تھے اور اب صرف شام ومصر کے علاقے ہی ایسے تھے جہاں ان مذکورہ ممالک کے علماء کو پناہ ملی اور وہ فراغت کے ساتھ تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوئے۔ اسی وجہ سے یہاں بے شمار تعلیمی مدارس، خانقاہیں اور کتب خانے قائم ہوئے۔

مصر وشام کی اس متحدہ سلطنت نے صلیبیوں کا خاتمہ کر دیا تھا اور تاتاریوں کے حملے کا مقابلہ نہایت جوانمردی، جرأت وہمت کے ساتھ کر رہی تھی، چنانچہ اس سلطنت میں بڑی حد تک امن وامان رہا اور اہل علم وفضل ان سلاطین کی قدر دانی اور سہولتوں کی بدولت تعلیم وتدریس میں مشغول رہے اور اس کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی انہوں نے مختلف علوم وفنون کی معیاری کتب تحریر کیں جو نہ صرف مدارس میں نصابی کتب کا کام دیتی تھیں بلکہ علمی طبقے میں بھی بہت مقبول ہوئیں۔ فتنۂ تاتار کے بعد مسلمانوں کا جو علمی خزانہ باقی رہ گیا تھا انہیں اسی دور کے علماء وفضلاء نے سمیٹا اور مختلف علوم ومعارف پر جامع کتب، موجودہ انسائیکلوپیڈیا قسم کی کتابوں کی طرز پر لکھی گئیں، چنانچہ آج کل جو مشہور ومستند ضخیم عربی کتب نظر آتی ہیں وہ سب اسی دور کی پیداوار ہیں۔

مملوک سلاطین میں کئی حکمراں جیسے ملک الظاہر بیبرس، منصور قلاؤون اور ملک الناصر محمد بن قلاؤون وغیرہ صاحب علم اور شائستہ حکمراں تھے۔ ان کی سرپرستی میں مصر وشام نے ہر اعتبار سے ترقی کی اور خوشحالی کے عروج پر پہنچے، بالخصوص تجارت کو فروغ ہوا اور فن تعمیر نے بہت ترقی کی۔

14.9.1.1 مملالیک سلاطین کی علمی اور تعلیمی خدمات

سقوط بغداد کے بعد اسلامی ممالک میں علوم وفنون کا خاتمہ ہوگیا تھا اور مسلمانوں کی کتابیں اور ان کے کتب خانے ناپید ہوگئے تھے اور اس تباہی کی قربان گاہ پر مسلمانوں کی کتابیں اور ان کے علماء وفضلاء بھینٹ چڑھ گئے تھے، اس لیے نہایت سرگرمی کے ساتھ علمی احیاء کی ضرورت تھی چنانچہ مملالیک نے علمی ترقی کے لیے تمام ضروری اسباب فراہم کئے، انہوں نے ملک میں کتب خانے قائم کیے اور تعلیمی اداروں کی بنیاد ڈالی، جہاں تعلیم وتدریس کی خدمات پر مشہور علماء کرام کو مقرر کیا گیا جو تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ علمی تحقیقات اور تصنیف وتالیف کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ عہد مملالیک میں چار مساجد یعنی جامع عمرو بن العاص، جامع ابن طولون، جامع حاکم اور جامع ازہر ایسی تھیں جو اعلیٰ تعلیمی مراکز کی حیثیت رکھتی تھیں، ان کے علاوہ بھی چند ایسے ادارے تھے جنہیں مملوک حکمرانوں نے قائم کیا تھا اور جہاں اسلامی دنیا کے دور دراز علاقوں سے طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ مثلاً بیبرس نے 'المدرسۃ الظاہریۃ' نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ اسی طرح 'المدرسۃ المنصوریۃ' کو منصور قلاؤون نے قائم کیا تھا، یہاں چاروں فقہی مسلک کی تعلیم دی جاتی تھی نیز طب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ 'القبۃ المنصوریۃ' کو منصور قلاؤون نے قائم کیا تھا اس کے علاوہ 'المدرسۃ الناصریۃ' کی بنیاد العادل کتبغا نے رکھی تھی لیکن اس کی تکمیل محمد بن قلاؤون کے عہد میں 703ھ میں ہوئی۔ یہ مدرسہ سلطان ناصر کے نام سے منسوب ہے۔ 'المدرسۃ الناصریہ قبۃ المنصوریۃ' کے قریب مشرقی سمت میں اس سمت میں واقع تھا جہاں حمام تھا، یہ جامع الناصریہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح شام میں ظاہر بیبرس نے 'المدرسۃ الظاہریۃ' قائم کیا تھا۔

14.9.1.2 جامع عمرو بن العاص

جامع عمرو بن العاص کو عہد فاروقی میں مصر کے شہر فسطاط میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے قائم کیا تھا اور روز اول سے ہی وہاں قرآن، حدیث اور فقہ کا درس ہوا کرتا تھا لیکن مرور زمانہ کے ساتھ اس میں کمی واقع ہوگئی تھی، بالآخر عہد قلاؤون میں اس کی تعمیر و مرمت کا کام ہوا اور پھر باقاعدہ تعلیم و تدریس ہونے لگی۔ اس میں بہت سے زاویے (گوشے) قائم تھے، ان میں سے ایک گوشہ امام شافعیؒ کی طرف منسوب تھا، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں امام شافعی نے اپنے قیام مصر کے زمانے میں درس دیا تھا۔ دوسرا زاویہ 'الزاوية المجدية' کے نام سے مشہور تھا، یہ ملک الاشرف موسیٰ بن عادل کے وزیر مجد الدین کی طرف منسوب ہے۔ تیسرا زاویہ 'الزاوية الصاحبية تھا، جو الصاحب تاج الدین محمد بن فخر الدین کی طرف منسوب ہے۔ اس کے علاوہ مصر کے امراء نے جامع عمرو بن العاص کے مختلف گوشوں سے اپنے مقرر کردہ اوقاف کی مدد سے تعلیم کا انتظام کیا اور ہر گوشہ اس امیر سے منسوب ہوتا تھا جو اس کے تعلیمی اخراجات کے لیے وقف کا انتظام کرتا تھا، یوں یہ جامع مسجد اس زمانے میں ایک یونیورسٹی کی حیثیت حاصل کر چکی تھی۔ واضح رہے کہ جامع عمرو بن العاص مصر کی سب سے قدیم تعلیمی درسگاہ ہے جہاں جامع ازہر سے بہت پہلے تعلیم و تدریس جاری تھی اور ممالیک سلاطین مصر کے دور میں بھی یہاں کے تعلیمی حلقوں میں اضافہ ہوا۔

14.9.1.3 جامع ابن طولون

احمد بن طولون نے اپنے عہد حکومت میں اس کی تعمیر کروائی تھی، اس میں نماز کے علاوہ درس و تدریس بھی ہوا کرتی تھی، مشہور عالم دین ربیع بن سلیمان کی مجلس میں آ کر لوگ مختلف علوم و فنون کے مسائل تحریر کرتے تھے۔

696ھ میں منصور حسام الدین لاچین نے اس جامع مسجد کی از سر نو تعمیر کرائی اور اس کی تمام خرابیوں اور خامیوں کو دور کیا نیز اس کا پختہ فرش تعمیر کرایا اور اس میں سفیدی کرائی۔ اس کے بعد اس نے چاروں مشہور فقہی مذاہب کے مطابق درس فقہ کا انتظام کیا، نیز فقہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تفسیر قرآن کریم، حدیث اور طب کی تعلیم کا انتظام بھی کیا۔

14.9.1.4 جامع ازہر

عہد فاطمی کے سپہ سالار جوہر نے جامع ازہر کی تعمیر 259ھ میں شروع کی اور اس کی تکمیل 321ھ میں ہوئی، یہ ایک مسجد کے ساتھ ساتھ درس گاہ بھی تھی جہاں فقہاء و علماء و فضلاء درس قرآن و حدیث دیا کرتے تھے اور بادشاہوں کی طرف سے اس کے اخراجات کے لیے اوقاف مقرر تھے۔

عہد ایوبی اور ممالیک سلاطین کے عہد میں بھی مسجد کے ساتھ ساتھ درس گاہ کا کام بھی اس سے لیا جاتا رہا۔ 761ھ میں امیر سعید الدین نے جامع ازہر کو از سر نو آباد کیا، یتیموں اور غریبوں کی تعلیم کا نظم کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے کئی اوقاف مخصوص کر رکھے تھے۔

14.9.1.5 جامع حاکم

اسے فاطمی سلطان العزیز باللہ نے قائم کیا تھا جب کہ اس کی تکمیل الحاکم بامر اللہ نے 393ھ میں کرائی۔ اسی وجہ سے اسی کی طرف یہ منسوب ہے۔ 703ھ میں بیبرس نے اس کی اصلاح کی اور چاروں سنی مسلک کی فقہ کی تعلیم کا انتظام کیا۔

14.9.2 دور ممالیک میں علمی تصانیف

ممالیک سلاطین کے عہد میں سقوط بغداد کے علوم و فنون کا احیاء ہوا، تمام اسلامی ممالک کے ماہرین مصر و شام میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور

انہوں نے عربی زبان میں ہر علم وفن پر بہترین کتب تحریر کیں، خود مصر وشام میں اس دور کے بہترین علماء وفضلاء اور محققین پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے علمی شاہکار سے عربی زبان کو مالا مال کیا اور تمام علوم پر نہایت وقیع تصانیف منظر عام پر آئیں۔

علم تفسیر وحدیث میں اس دور کی تصانیف حرف آخر ثابت ہوئیں اور بعد کے ادوار میں علماء اور طالبان علم ان سے مستفید ہوتے رہے، چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی کی شرح بخاری جو 'فتح الباری' کے نام سے موسوم ہے، اسی دور کی ہے۔ نیز اصول حدیث اور اسماء الرجال میں ان کی تصانیف علم حدیث کا بہترین سرمایہ ہیں، جیسے **الدرر الکامنة، الاصابة فی تمییز الصحابة، شرح نخبة الفکر** وغیرہ۔ اسی دور میں علامہ ذہبی نے حدیث وتاریخ اور اسماء الرجال پر اپنی تصانیف تحریر کیں۔ علامہ عینی کی 'شرح بخاری'، نیز علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم کی تصانیف بھی اسی دور میں لکھی گئی، جو اپنے دور کے زبردست فضلاء اور مجددین میں سے تھے۔ اسی دور میں علامہ ابن کثیر نے اپنی مشہور 'تفسیر ابن کثیر' نیز تاریخ کی زبردست تصنیف '**البدایة و النهایة**' تحریر کی۔

اس دور میں بہت سے مشاہیر علم وفضل پیدا ہوئے جنہوں نے تمام مروجہ علوم میں کتب تحریر کی تھیں، تاہم اس دور کے مصر وشام میں خصوصیت کے ساتھ اسلامی علوم کا بہت چرچا رہا۔ اسلامی علوم کے مراکز حجاز وعراق اور ایران وخراسان سے منتقل ہوکر مصر وشام میں آگئے تھے کیوں کہ یہاں علماء کی قدر دانی عوام اور حکومت دونوں کی طرف سے ہوتی تھی اور ان کی حق گوئی اور صداقت ضرب المثل بن گئی تھی۔

نحو وبلاغت میں جمال الدین ابن مالک کتاب الفیہ، جمال الدین ابن ہشام کی مغنی اللبیب، علم وبلاغت میں جرجانی کی اسرار البلاغة اور دلائل الاعجاز اور سکانی کی مفتاح العلوم اسی دور میں لکھی گئیں۔ جلال الدین قزوینی نے تلخیص المفتاح لکھی جو متن کی حیثیت سے مدارس میں بہت مقبول ہوئی چنانچہ وہ اور اس کی شروح مختصر المعانی اور مطول تمام اسلامی ممالک میں داخل نصاب رہیں۔ ابن منظور افریقی کی کتاب لسان العرب نہایت ضخیم اور مستند لغت ہے جو عربی زبان کی بہترین لغت سمجھی جاتی ہے، اس کے مؤلف کی وفات 711ھ میں ہوئی۔

کتب تاریخ میں 'تاریخ ابن خلدون' اسی دور کی پیداوار ہے، دوسرا مشہور مؤرخ ابوالفداء جو حاکم وقت بھی تھا اسی دور میں گذرا اور اس کی کتاب 'تاریخ ابوالفداء' بہت مشہور ہوئی۔ مصر اور شام کے مؤرخین میں ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی کا نام بہت نمایاں ہے جن کی 'تاریخ النجوم الزاہرة فی اخبار ملوک مصر وقاہرہ' بہت مشہور ہوئی، یہ ممالیک مصر کے حالات میں بہت مستند اور مشہور ہے نیز ان کی 'المنہل الصافی' کا شمار اہم اور مستند کتابوں میں ہوتا ہے، جس میں مشاہیر کے حالات رقم ہیں۔ تاریخی تذکروں میں ابن خلکان کی وفیات الاعیان، محمد ابن شاکر الکتبی کی فوات الوفیات، ابوالصنعاء خلیل بن ایبک کی الوافی بالوفیات جو پچاس جلدوں میں ہے، اسی دور میں لکھی گئی۔

اس دور کے مشہور نامور محدثین ومجتہدین میں سے **الدمیاطی، ابن شامه، ابن دقیق، السبکی، ابن حجر عسقلانی، علامه محی الدین نووی، شیخ عز الدین ابن عبد السلام، ابن منیر الاسکندری** وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

14.9.3 ممالیک سلاطین کے عہد میں فن تعمیر کی ترقی

ممالیک مصر سلاطین کا عہد مصر کے فن تعمیر کا سنہرا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس دور میں قاہرہ میں نہایت خوش نما اور عمدہ عمارتیں کثیر تعداد میں تعمیر کی گئیں، ان عمارتوں میں جامع مسجد، مدارس ومکاتب، مقابر، حمام اور اسپتال وغیرہ سبھی قسم کی عمارتیں شامل ہیں۔ اس عہد کی عمارتوں میں سب سے خوبصورت عمارتیں وہ ہیں جن کا تعلق سلطان منصور قلاؤون کے عہد سے ہے، ان میں عجیب وغریب اور قابل دید مقبرۂ منصور قلاؤون کا وہ مثمن برج ہے جو آٹھ مختلف ستونوں پر قائم ہے، اس مقبرہ کی عمارت اور اس کے گنبد پر نہایت ہی خوبصورت کام کیا گیا ہے جو اسلامی فن تعمیر کا شاہکار ہے۔

سلطان حسن کا مقبرہ اور مدرسہ بھی مصر میں اسلامی فن تعمیر کا زبردست شاہکار ہے، جب دنیا کے مشہور ماہر فن تعمیر فرانک لویدرائٹ نے اسے دیکھا تھا تو اس نے کہا تھا:

''یہ مصر میں اسلامی فن تعمیر کی سب سے خوبصورت یادگار ہے''۔

سلطان محمد بن قلاؤون نے 711ھ میں مصر میں نئی جامع مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا اور اس کے لیے نفع بخش اوقاف مقرر کیئے، پھر سلطان موصوف نے 714ھ میں شاہی محل قصر ابلق کی تعمیر کا حکم دیا، جو ایک شاندار محل تھا۔718ھ میں قلعہ کی جامع مسجد کی توسیع کا حکم دیا گیا چنانچہ اس مسجد کے چاروں طرف کے گھروں کو مسمار کر کے اس کی اس قدر توسیع کی گئی کہ وہ ایک عظیم الشان مسجد بن گئی۔723ھ میں سلطان کے حکم پر سریاقوس میں بادشاہ کی رہائش کے لیے محلات تعمیر کرائے گئے ،ان محلات کی تعمیر کے بعد اس کے سامنے ایک بڑی خانقاہ تعمیر کی گئی جو اسی کے نام سے منسوب ہے۔733ھ میں محمد بن قلاؤون نے حکم دیا کہ شاہی قلعہ کے اندر ایک عظیم الشان ہال تعمیر کیا جائے جہاں وہ دربار منعقد کرے اور وہیں اس کا تخت شاہی ہو،اس کا نام دارالعدل رکھا گیا۔خلاصہ یہ کہ ممالیک سلاطین نے ان عمارتوں کے علاوہ بھی بہت ساری شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں جس نے مصر وشام کو دنیا کے نقشے پر ایک نئی پہچان عطا کی۔

اسی عہد میں مصر نے سنگ تراشی اور فن تعمیر میں خوب ترقی کی، وہ شام اور فلسطین کے عیسائی طرز کے فن تعمیر سے بھی واقف ہوئے، نیز وہ سلجوقی فن تعمیر سے بھی روشناس ہوئے جو آرمینیوں اور بازنطینیوں کے سنگ تراشی کے تعمیری فن پر مبنی تھا،لہذا انہوں نے ان تمام تجربات سے فائدہ اٹھایا اور عمدہ عالیشان عمارتوں کی بنیاد رکھی، نیز منگولوں کے حملے سے بچ کر مختلف ممالک سے جو مسلمان کاریگر وصنعت کار بھاگ کر مصر پہنچے انہوں نے یہاں سکونت اختیار کی، جس کی وجہ سے یہاں کے فن تعمیر میں کچھ نئے انداز کی عمارتیں وجود میں آئیں،مثلاً اینٹ کی جگہ پتھر کا استعمال کیا جانے لگا،خوبصورت اور مزین گنبد تعمیر کیے گئے اور خوبصورتی اور سجاوٹ کے لیے مختلف رنگ کے پتھروں کا استعمال کیا گیا۔

14.10 بحری مملوک سلاطین مصر وشام (1250ء تا 1382ء)

1. شجرۃ الدر (1250ء)
2. عزالدین ایبک (1250ء-1257ء)
3. نورالدین علی (1257ء-1259ء)
4. سیف الدین قطز (1259ء-1260ء)
5. رکن الدین ملک الظاہر بیبرس (1260ء-1277ء)
6. ناصرالدین محمد سعید برکہ خان (1277ء-1279ء)
7. بدرالدین سلامش بن بیبرس (1279ء)
8. سیف الدین منصور قلاؤون (1279ء-1290ء)
9. صلاح الدین ملک اشرف خلیل بن قلاؤون (1290ء-1293ء)
10. ملک الظاہر بیدرا (1293ء)
11. ناصرالدین محمد بن قلاؤون (پہلی مرتبہ) (1293ء-1294ء)

.12	ملک العادل زین الدین کتبغا	(1294ء-1296ء)
.13	حسام الدین منصور لاچین	(1296ء-1298ء)
.14	ناصر محمد بن قلاؤون (دوسری مرتبہ)	(1298ء-1308ء)
.15	بیبرس الجاشنکیر	(1308ء-1309ء)
.16	ناصر الدین محمد بن قلاؤون (تیسری مرتبہ)	(1309ء-1341ء)
.17	سیف الدین منصور ابوبکر	(1341ء)
.18	علاالدین کچک	(1341ء-1342ء)
.19	ناصر شہاب الدین احمد	(1342ء)
.20	ملک الصالح عماد الدین اسماعیل	(1342ء-1345ء)
.21	زین الدین حاجی شعبان	(1345ء-1346ء)
.22	مظفر الدین	(1346ء-1347ء)
.23	ناصر حسن بن محمد (پہلی مرتبہ)	(1347ء-1351ء)
.24	صالح صلاح الدین ابن محمد	(1351ء-1354ء)
.25	ناصر حسن بن محمد (دوسری مرتبہ)	(1354ء-1361ء)
.26	منصور محمد	(1361ء-1363ء)
.27	زین الدین اشرف شعبان	(1363ء-1376ء)
.28	منصور علی ابن اشرف شعبان	(1376ء-1381ء)
.29	صالح حاجی بن شعبان	(1381ء-1382ء)

14.11 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- ترک غلاموں کا بڑا کارنامہ شام کے ساحل سے صلیبیوں کا اخراج ہے، اس طرح انہوں نے اس خطے کو کم از کم چھ سات سو سال تک بیرونی سازشوں اور اثرات سے محفوظ کر دیا۔
- سلطان سیف الدین قطز 657ھ میں تخت نشین ہوا تھا، اس نے صرف ایک سال تک حکومت کی، تاہم 'عین جالوت' کی فتح عظیم کے واقعہ نے اسے زندۂ جاوید بنا دیا، کیوں کہ اس نے تاتاریوں کی پیش قدمی کو روک کر دنیا کو ان کی تباہ کاریوں سے بچا لیا تھا۔
- دولت ایوبیہ کے آخری فرماں رواؤں کی حکمت عملی یہ تھی کہ خارجہ اور آرمینیا کے غلاموں کو خرید خرید کر ان غلاموں کی ایک زبردست فوج تیار کی جائے تاکہ کسی سردار کو بغاوت وسرکشی کی جرأت نہ ہو سکے اور ان شاہی غلاموں کی فوج سے ہر سرکش کی سرکوبی کی جا سکے۔ مگر رفتہ رفتہ ان غلاموں نے جن کو مملوک کہا جاتا تھا، اس قدر قوت حاصل کر لی کہ وہی سلطنت مصر کے مالک ہو گئے۔
- جب خاندان ایوبیہ کو زوال آیا اور مملوکوں کے ہاتھوں میں سلطنت کے تمام امور آ گئے تو انہوں نے انتخاب کے ذریعے سے اپنے ہی لوگوں

میں سے ایک شخص معزالدین ایبک کو بادشاہ بنایا، ملک معزالدین نے ملکہ شجرۃ الدر سے جو ملک صالح کی کنیز تھی اور چند مہینے بادشاہت کر چکی تھی، نکاح کر لیا۔ اس کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے بیٹے ملک منصور کو بادشاہت کے لیے منتخب کیا۔

- بحری حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ بغداد کی عباسی حکومت کو مصر منتقل کیا۔
- اس طرح بحری مملوکوں کی 132 سال کی مختصر مدت میں چوبیس بادشاہ تخت پر بیٹھے ان میں سے چار بادشاہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے مجموعی طور پر 84 سال حکومت کی اور مصر کو ایک مستحکم حکومت دی۔

14.12 کلیدی الفاظ

شاہکار : کارنامہ

تصانیف : تصنیف کی جمع کتاب لکھنا، مضمون بنانا

فن تعمیر : تعمیر کا ہنر، عمارت بنانے کا علم

14.13 نمونہ امتحانی سوالات

14.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ مصر کا پہلا مملوک بادشاہ کون تھا؟

(a). سیف الدین قطز (b). عزالدین ایبک (c). منصور قلاؤون (d). ناصرالدین محمد

2۔ بیبرس کا لقب کیا تھا؟

(a). الظاہر (b). ناصرالدین (c). قلاؤون (d). بدرالدین

3۔ سیف الدین قطز کا سب سے بڑا کارنامہ کیا ہے؟

(a). مملوک حکومت کا قیام (b). تعلیمی اداروں کا قیام (c). عین جالوت میں فتح (d). مصر میں تعمیراتی ترقی

4۔ خلافت کا احیاء کس کے زمانے میں ہوا؟

(a). عزالدین ایبک (b). ناصرالدین محمد (c). بدرالدین سلامش (d). بیبرس

5۔ مصر میں نئی جامع مسجد کی تعمیر کس نے کروائی؟

(a). سیف الدین قطز (b). محمد بن قلاؤون (c). صلاح الدین اشرف (d). نورالدین علی

6۔ مملوک کن سلاطین کے سپاہی ہوا کرتے تھے؟

(a). عباسیوں کے (b). امویوں کے (c). ایوبیوں کے (d). سلجوقیوں کے

7۔ بحری مملوکوں نے مجموعی طور پر کتنے سال حکومت کی؟

(a). 101 سال (b). 232 سال (c). 132 سال (d). 123 سال

8۔ شجرۃ الدر نے کتنے دنوں تک حکومت کی؟

(a). 80دن (b). 120دن (c). 10دن (d). 50دن

9۔ مملوکوں میں کون سا ایسا بادشاہ تھا جو ایک عظیم مؤرخ بھی ہوا ہے؟

(a). ملک صالح ابوالفداء اسماعیل (b). ناصر الدین محمد بن قلاؤون (c). صلاح الدین اشرف خلیل (d). الظاہر بیبرس

10۔ مملوکوں کا دارالسلطنت کیا تھا؟

(a). دمشق (b). بغداد (c). قاہرہ (d). فسطاط

14.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ بحری مملوک کے قیام وعروج پر روشنی ڈالیے؟

2۔ ممالیک بحریہ وممالیک برجیہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ بیان کیجیے۔

3۔ غلاموں کی تعلیم وتربیت پر روشنی ڈالیے؟

4۔ مملوک دور میں علمی تصانیف کا جائزہ لیجیے۔

5۔ مملوک سلاطین کے عہد میں فن تعمیر کا مختصر جائزہ پیش کیجیے۔

14.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ عہد ممالیک بحریہ کی مدت کتنی ہے؟ تفصیل سے بحث کیجیے۔

2۔ مملوک دور حکومت میں علوم وفنون اور فن تعمیرات کی ترقی پر روشنی ڈالیے۔

3۔ ممالیک مصر کے دور حکومت میں منگولوں اور صلیبیوں کے ساتھ جنگوں کا حال بیان کیجیے۔

14.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	تاریخ النجوم الزاہرۃ فی اخبار ملوک مصر وقاہرہ	:	ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی
2۔	کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر (تاریخ ابن خلدون)	:	علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون
3۔	اردو دائرۃ المعارف	:	دانشگاہ پنجاب لاہور جلد 21، 1987ء
4۔	تاریخ اسلام	:	جسٹس امیر علی، ترجمہ حسین رضوی
5۔	تاریخ اسلام	:	مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی
6۔	تاریخ اسلام	:	شاہ معین الدین ندوی
7۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ جلد اول	:	ثروت صولت
8۔	تاریخ الامت جلد ششم	:	مولانا محمد اسلم جیراجپوری

-:oOo:-

اکائی 15: بحری مملوک: اہم حکمراں

اکائی کے اجزا

15.0 تمہید

15.1 مقصد

15.2 بحری مملوک سلاطین (1250–1382ء)

15.3 الملک المعزعزالدین ایبک (1250–1257ء)

15.4 ملک المنصور نورالدین علی (1257–1259ء)

15.5 ملک المظفر سیف الدین قطز (1259–1260ء)

15.6 رکن الدین ملک الظاہر بیبرس (1260–1277ء)

15.7 ناصرالدین محمد سعید برکہ خان (1277–1279ء)

15.8 سیف الدین منصور قلاؤون (1279–1290ء)

15.9 صلاح الدین اشرف خلیل بن قلاؤون (1290–1293ء)

15.10 ملک ناصر محمد بن قلاؤون (1293–1341ء)

15.11 اکتسابی نتائج

15.12 کلیدی الفاظ

15.13 نمونہ امتحانی سوالات

15.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

15.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

15.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

15.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

15.0 تمہید

مجموعی اعتبار سے مملوک (ممالیک) بحریہ نے مصروشام پر 132 سالوں تک حکومت کی اوراس دوران مختلف حکمراں تخت پر بٹھائے گئے اور معزول یاقتل کیے گیے۔ان میں سے کئی حکمرانوں نے طویل عرصے تک حکومت کی اور غیر معمولی کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں،خاص طور پر سیف الدین قطز،ظاہر بیبرس،منصور قلاؤون، ناصرالدین محمد بن قلاؤون نے مملوک حکومت کو مستحکم کیا اور مصروشام کے ساتھ ساتھ مقامات مقدسہ(مکہ ومدینہ) تک اپنی حکومت کو وسعت دینے میں کامیاب ہوئے،منگولوں اور صلیبیوں سے کئی جنگیں لڑیں اوران کے مقاصد کوناکام کیااوراس زمانے کے لٹے پٹے مسلمانوں کے مسیحا بن کرابھرے۔

15.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھ کرآپ ممالیک حکمرانوں کے حالات اوران کے کارناموں سے واقف ہوجائیں گے نیز ان کو یہ بھی واقفیت ہوگی کہ ممالیک مصر کا دورحکومت تاریخ کے ایک روشن اورزریں عہد کے طور پر کیوں جانا جاتا ہے؟ نیز آپ کو یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ ممالیک مصر کے احوال، واقعات اور کارنامے کیا کیا ہیں؟ مزید برآں آپ کو مملوک سلاطین کے خاندانی پس منظر سے لے کر تخت شاہی تک پہنچنے کے دلچسپ واقعات کے بارے میں علم ہوسکے گا۔

15.2 بحری مملوک سلاطین (1250-1382ء)

بحری ممالیک نے تقریباً132 سال تک مصروشام پر حکومت کی اوراسلام کے چندنامورغازی پیدا کئے،اس حکومت میں جانشین یاولی عہد کا کوئی تصورنہیں تھابلکہ جومملوک سردار زیادہ طاقتور ہوتاوہی حکومت پر قبضہ کرلیتا تھا،چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بحری ممالیک کی صرف 132 سال کی مختصر مدت میں چوبیس بادشاہ تخت نشیں ہوئے،بعض بادشاہ تو ایسے ہوئے ہیں جو چندمہینوں میں ہی معزول کردیئے گئے یا اسے قتل کردیا گیا،ان میں چار بادشاہ ایسے ہیں جنہوں نے مجموعی طور پر چوراسی سال حکومت کی اور مصرکوایک ترقی یافتہ ملک بنادیا،ان میں سیف الدین قطز،ظاہر بیبرس،منصور قلاؤون،اشرف خلیل اورناصرمحمد بن قلاؤون بہت مشہور ہوئے،لہذاان کامختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

15.3 الملک المعزعزالدین ایبک (1250-1257ء)

سلطان عزالدین ایبک نے 1250ءتا1257ء کے دوران مصر پر حکمرانی کی۔وہ سلطان ملک صالح نجم الدین ایوبی کے غلاموں میں سے تھا،جسے اس کے والد ملک کامل محمد نے خریدا تھا۔عباسی خلیفہ مستعصم باللہ نے شجرۃ الدرکوسلطانہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔شجرۃ الدر صرف تین ماہ حکومت کرپائی تھی کہ امراء نے اتفاق رائے سے مصر کی شہنشاہی عزالدین ایبک کوسونپ دی۔اس نے اپنے وزراء میں خاص طور پر الظاہر بیبرس، فارس الدین اقطائی اور بیلبان الرشیدی کوشامل کیا۔بعد میں شجرۃ الدرنے عزالدین ایبک سے نکاح کرلیا۔

اگر وفاداری کا حلف سلطان کوطاقت دیتا ہے تو یہ اس کو گرانے کا بھی باعث بن سکتا ہے،جیسا کہ شجرۃ الدر کے ساتھ ہوا،جب ملکہ شجرۃ الدر سے وفاداری کے حلف کا پروانہ دمشق پہنچا تو شہر کے مملوکوں کے درمیان تنازع شروع ہوگیا جس میں شجرۃ الدر کا مخالف گروہ فاتح رہا اوران کے حامی بحری مملوکوں کوقید میں ڈال دیا گیا۔فاتح گروہ نے شجرۃ الدر کے مخالف اور حلب کے حکمران الناصر یوسف کواقتدارسنبھالنے کی دعوت دے دی جوایوبی خاندان سے تعلق رکھتا تھااس نے بخوشی قبول کرلی۔حلف وفاداری کے مطالبے کی وجہ سے دمشق ہاتھ سے نکل گیااوراس ناکامی کی وجہ سے شجرۃ الدرکوبعد میں حکمران کے منصب سے دستبردار ہونا پڑا۔

دمشق کا بادشاہ الناصر یوسف ایوبی نے مصر پر قبضہ کرنے اور ایبک کو ختم کرنے کے لیے ایک فوج غزہ (فلسطین کا ایک شہر) کی طرف روانہ کی، سیف الدین اقطائی نے اس کا مقابلہ کیا۔ پھر ملک الناصر دوبارہ ایک بڑی فوج لے کر مصر کی طرف روانہ ہوا اور الصالحیہ کے قریب ہونے والی لڑائی میں ایبک کی فوج پر غالب ہوا، بالآخر ایبک کی فوج نے قاہرہ کی طرف راہ فرار اختیار کی اور الناصر کے لشکر کی ایک بڑی تعداد نے ان کا پیچھا کیا۔ الناصر اور ایبک کی فوج کے مابین لڑائیاں جاری رہیں اور فارس الدین اقطائی کی سربراہی میں بحری مملوکوں نے اس کے ہتھیار اور مال و دولت کو لوٹ لیا اور اس کی فوج کی ایک بڑی تعداد جس میں بعض شہزادے، توران شاہ، اس کے بھائی ناصر الدین محمد اور ملک اشرف بھی شامل تھے، قید کر لیے گیے۔ اس کے فوراً بعد ہی فارس الدین اقطائی نے ساحل پر نابلس اور دریائے اردن تک قبضہ کر لیا۔ اس طرح ایبک نے سلطان بننے کے بعد سب سے پہلے شام کی ایوبی حکومت کو کچل دیا جو خود مصری ایوبیوں کا جائز وارث تصور کرتے تھے۔

1253ء میں وسطی مصر اور بالائی مصر میں ایک خطرناک بغاوت پھوٹ پڑی، مصر میں مقیم عرب قبائل کی سربراہی حصن الدین ثعلب نے کی، جس کا مقابلہ امیر فارس الدین اقطائی نے کیا اور اسے دیروط (مصر کا ایک شہر) کے قریب شکست دی۔ ایبک نے حصن الدین ثعلب کو اسکندریہ میں قید کر دیا۔ فارس الدین اقطائی کے ثعلب کی بغاوت کو کچلنے میں کامیابی اور ناصر یوسف کی فوج کو شکست دینے کی وجہ سے اسے اور اس کی بحری ممالیک کو بڑا مقام اور اثر ورسوخ عطا ہوا، لیکن اس کامیابی کے بعد ایبک خوف زدہ ہو گیا اور اقطائی کو اپنی سلطنت کے لیے خطرہ کا سبب سمجھنے لگا۔

فارس الدین اقطائی الجمدار، جس کے ساتھی رکن الدین بیبرس اور سیف الدین قلاوون تھے، ایبک کے گروہ کو 'المعزی' کہتے تھے۔ ایبک کو شک تھا کہ اقطائی اس سے اقتدار چھیننا چاہتا ہے اور وہ شک یقین میں بدل گیا جب اقطائی نے قاہرہ کے قلعہ میں داخل ہونے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ ایبک نے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور قطز کے ساتھ مل کر اقطائی اور اس کے غلاموں کو ختم کرنے کی سازش کی، لہذا اس نے اقطائی کو محل میں یہ کہہ کر بلایا کہ وہ کسی معاملے میں اس کا مشورہ لینا چاہتا ہے اور محل میں اقطائی کے داخل ہوتے ہی اسے قتل کر دیا گیا۔

اقطائی کے حامی ممالیک نے سوچا کہ ایبک نے ان کے قائد کو قلعے میں قید کر دیا ہے، جب انہوں نے اس کی رہائی کا مطالبہ کیا تو ایبک نے اس کا سر ان پر پھینک دیا، لہذا وہ گھبرا گئے اور انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ ایبک نے ان کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، چنانچہ وہ رات میں مصر سے فرار ہو گئے۔ ایک گروہ نے سلاجقہ روم کی سلطنت کی طرف راہ فرار اختیار کی، دوسرا گروہ کرک جب کہ ایک جماعت شام کی طرف فرار ہوئی۔ آخری گروہ میں بیبرس البندقداری، منصور قلاوون اور سنقر الاشقر شامل تھے۔ ایبک نے فرار ہونے والے بحری مملوکوں کا تعاقب کیا اور ان کے مال ومتاع اور اسلحہ ضبط کر لیے، نیز اس نے اسکندریہ شہر اور ساحل کے ان علاقوں پر اپنا تسلط جمایا جسے بحری مملوکوں نے اقطائی کی قیادت میں 1252ء میں قبضہ کیا تھا۔ جو لوگ راہ فرار نہ اختیار کر سکے وہ یا تو قید و بندش کی نظر ہوئے یا پھر تلوار کی اور مصر میں اس شخص کے لیے خطرہ کی بات قرار دی جس نے کسی بھی بحری مملوک کو چھپایا ہو گا۔ پھر ایبک نے ان خطوں کے حکمرانوں کو پیغام بھیجا کہ ان کے علاقوں میں جو مملوک بھاگ کر گئے ہیں انہیں گرفتار کیا جائے۔

جو بحری مملوک شام کی طرف گئے انہوں نے شام کے دارالحکومت دمشق میں شاہ الناصر یوسف سے اپنی وفاداری کا اعلان کیا، لہذا اس نے انہیں اپنی سلطنت میں داخل ہونے کی اجازت دی، ان سے ملاقات کی، ان کا احترام کیا اور ان کو انعامات سے نوازا۔ فارس الدین اقطائی کے قتل اور بحری ممالیک کے فرار ہونے کی وجہ سے بعض اہم داخلی نتائج برآمد ہوئے، جن میں امیر سیف الدین قطز کا ظہور تھا، جو ایبک کا سب سے قریبی بن گیا تھا۔ اس کے بعد سے ہی مملوکوں کی تقسیم دو گروہوں میں ہو گئی تھی، بحریہ ممالیک اور برجیہ ممالیک۔

1257ء تک ایبک اور اس کی بیوی شجرۃ الدر کے درمیان خراب تعلقات عروج پر پہنچ گئے تھے، ان کے درمیان نااتفاقی بڑھ گئی تھی، کیوں کہ شجرۃ الدر نے اسے اپنی دوسری بیوی (نور الدین علی کی ماں) سے ملنے سے روک دیا تھا اور اس پر زور دیا تھا کہ وہ اس سے طلاق لے۔ ایک

دوسرا سبب یہ ہوا کہ عزالدین ایبک نے موصل کے بادشاہ بدرالدین لولؤ کی بیٹی سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ اس کی مدد سے ایوبیوں اور فرار ہونے والے بحری مملوکوں کا مقابلہ کر کے ان کا خاتمہ کر دے۔ شجرۃ الدر نے اس بات سے ناراض ہو کر کچھ مملوکوں کے ساتھ مل کر اسے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ 10/اپریل 1257ء کو سلطان عزالدین ایبک کو کچھ مملوکوں نے محل کے اندر نہاتے ہوئے قتل کر دیا، سات سال تک مصر پر حکمرانی کرنے کے بعد اس طرح اس کی موت واقع ہوگئی۔ شجرۃ الدر نے اگلی صبح اعلان کیا کہ وہ رات کے وقت اچانک انتقال کر گیا، لیکن سیف الدین قطز اور دوسرے امراء سلطنت نے اس پر یقین نہیں کیا اور بالآخر مملوکوں نے اس سازش کا اعتراف کیا کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ لہذا سیف الدین قطز نے شجرۃ الدر کو حراست میں لے لیا اور صالحی مملوکوں کی پناہ میں اسے ڈال دیا۔

15.4 ملک المنصور نورالدین علی (1257-1259ء)

سیف الدین قطز و دیگر ممالیک امراء نے معزالدین ایبک کے قتل کے بعد اس کے بیٹے نورالدین کو ملک کا حاکم مقرر کیا، وہ اس وقت صرف پندرہ برس کا تھا۔ مملوکوں کا یہ دوسرا بادشاہ تھا جس نے مصر پر حکومت کی۔ نورالدین علی نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے شجرۃ الدر کو بے دردی سے قتل کرا دیا۔ مؤرخ المکین لکھتے ہیں کہ انہیں نئے سلطان نورالدین علی کی والدہ اور ایبک کی سابقہ بیوی کے سامنے پیش کیا گیا جنھوں نے اسے اپنی کنیزوں کے حوالے کر دیا، ان کنیزوں نے اسے مار مار کر ہلاک کر دیا اور اس کی لاش کو قلعے کے دروازے کے سامنے ایک کھائی میں پھینک دیا گیا۔ کچھ دن بعد اس کی لاش کو وہاں سے اٹھا کر ان کے اپنے بنائے ہوئے مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ شجرۃ الدر کی موت کا جشن منانے کے لیے سلطان نورالدین علی کی والدہ نے ایک میٹھا تیار کروایا جسے 'ام علی' کہا جاتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ جدید زمانے میں بھی مصر کے باورچی خانوں میں تیار ہوتا ہے۔ نورالدین علی کے عہد حکومت میں 1257ء تا 1259ء قطز ہی بطور نائب سلطان ملک کی باگ ڈور سنبھالتا رہا۔ اسی دوران قطز الکرک کے المغیث کی بغاوت سے نمٹنے کے لیے روانہ ہوا اور اسے شکست دی۔

15.5 ملک المظفر سیف الدین قطز (1259-1260ء)

سیف الدین قطز مصر و شام کے بحری ممالیک سلطانوں میں تیسرے سلطان بنے جنہوں نے 1259ء سے 1260ء تک حکومت کی۔ ان کی قیادت میں بحری مملوکوں نے جنگ عین جالوت میں منگولوں کو فیصلہ کن شکست دی۔ باوجود اس کے کہ قطز کا دور مختصر تھا، لیکن وہ اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ مقبول مملوک سلطانوں میں سے ایک ہیں۔ اسی لیے انہیں 'سلطان المظفر' کے لقب سے نوازا گیا۔

1258ء میں منگول فوج نے ہلاکو خان کے زیر سایہ بغداد کا محاصرہ کیا، وہاں کے باشندوں کا قتل عام کیا اور عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو مار ڈالا۔ اس کے بعد ہلاکو خان نے شام کے ایوبی بادشاہ الناصر صلاح الدین یوسف کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ الناصر یوسف نے خلاف توقع اپنے پرانے دشمنوں، یعنی مملوکوں سے مدد طلب کی۔ نائب سلطان قطز اور مصری امراء اس بات سے حیران و پریشان تھے۔ وہ منگولوں کی بڑھتی طاقت سے واقف بھی تھے اور ان کے ظلم و بربریت سے بھی آشنا ہو چکے تھے۔ نائب سلطان قطز نے تمام امراء کو بلا کر فیصلہ کیا کہ اس نازک وقت میں یکجہتی اور مضبوطی کا مظاہرہ کیا جائے اور صورت حال کی سنگینی کے پیش نظر نورالدین علی کو برطرف کر کے وہ خود نومبر 1259ء میں سلطان بن گئے۔

قطز چونکہ الناصر یوسف کے پیغام سے فکر مند تھے اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کی طرف سے پیش قدمی میں کوئی کمی واقع نہ ہو اور مصر سے شام کی جانب فوری طور پر مدد کے لیے جنگی تیاریاں شروع کر دیں، لیکن اس دوران ہلاکو خان شام کے شہر حلب کے نزدیک پہنچ گیا۔ الناصر یوسف کے ساتھ ساتھ کئی امراء بھی گھبرا گئے اور وہ منگولوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کا سوچنے لگے۔ مگر وہاں کے پناہ گزین مملوکوں کے سردار رکن الدین بیبرس اس فیصلے کے سخت خلاف تھا اور وہاں سے وہ واپس مصر کی طرف روانہ ہوا جہاں اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ ان حالات میں شام اور کمزور ہو گیا اور

اب لڑنے کے قابل نہ رہا جس کی وجہ سے حلب اور دمشق دونوں پر ہلاکو خان نے قبضہ کرلیا اور وہاں کے شہریوں پر انگنت ظلم ڈھائے۔الناصر یوسف بے شرمی سے مصر کی طرف بھاگا مگر اسے قطز نے اندر نہ آنے دیا اور سرحد تک اسے روکے رکھا۔اس کے امراء اسے ایک کے بعد ایک چھوڑنے لگے اور آخر کار سلطان قطز نے الناصر یوسف کے زیورات اور رقم، جو اس نے اپنی بیوی اور نوکروں کے ساتھ مصر بھیجا تھا، پر قبضے کا حکم دیا اور الناصر یوسف کو گرفتار کر کے ہلاکو خان کے پاس بھیج دیا تا کہ وہ اس بات کو ذہن میں رکھے کہ مملوکوں نے اس کے دشمن کو پناہ نہیں دی اور اسے منگولوں کے حوالے بھی کر دیا۔اس طرح شاید وہ مصر پر حملہ آور نہ ہو۔

بد قسمتی سے ہلاکو خان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ اس نے اسلامی تاریخ کا سب سے زیادہ دھمکی بھرا خط قطز کے نام بھیجا۔شام اور بغداد میں اسلامی اقتدار کے مراکز کی فتح کے بعد، اسلامی سلطنت کا مرکز مصر منتقل ہوا اور ہلاکو خان کا اگلا ہدف بن گیا۔قطز پریشان ضرور ہوا لیکن وہ بزدل نہ تھا۔اس نے صبر و سنجیدگی سے اپنے امراء سے مشورے کے بعد منگول ایلچیوں کا سر قلم کر کے اعلان جنگ کیا اور باب زویلہ پر ان کے سر لٹکا دیے۔منگولوں کے حملہ کرنے کے انتظار کی بجائے قطز نے فوج کو مصر سے دور برسر پیکار رکھنے کا فیصلہ کیا۔مصر کے دیگر علاقے سے لوگ فرار ہو گئے، بعض مراکشی مغرب کی جانب گئے اور کئی لوگ یمن اور حجاز کی طرف ہجرت کر گئے۔

قطز خود الصالحیہ کی طرف روانہ ہوا اور رکن الدین بیبرس کو غزہ بھیجا تا کہ منگول ہراول دستہ جو وہاں موجود تھا، کو شکست دے کر راستہ صاف کیا جائے۔غزہ میں ایک دن گزارنے کے بعد ساحل کے ساتھ ساتھ، قطز نے عکہ تک فوج کی قیادت کی، جو کسی زمانے کے یروشلم صلیبی ریاست کا حصہ تھا مگر اب صرف یہ شہر ہی باقی تھا۔صلیبی ریاستیں مملوکوں کی روایتی دشمن تھیں۔انہیں منگولوں کی طرف سے صلیبی منگول اتحاد کے قیام کے بارے میں رابطہ بھی کیا گیا۔صلیبی ریاستوں کو منگولوں سے زیادہ خطرہ محسوس ہوا۔قطز نے صلیبی ریاستوں کو منگولوں کے خلاف عارضی طور پر فوجی اتحاد کا مشورہ دیا، لیکن عکہ کے صلیبی دونوں فرقوں کے درمیان نہیں آنا چاہتے تھے اور انہوں نے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا۔تاہم وہ قطز اور اس کی فوج کو صلیبی علاقے کے ذریعے سفر اور عکہ کی صلیبی گڑھ کے قریب ڈیرہ ڈالنے کی اجازت دینے کو تیار ہو گئے۔قطز اور اس کی فوج نے تین دن کے لیے وہاں قیام کیا اور جب اسے منگولوں کے دریائے اردن کو تجاوز کرنے کی خبر ملی، تو وہ اور بیبرس عین جالوت کے مقام پر پہنچ گئے۔

ہلاکو خان تین لاکھ کے ٹڈی دل لشکر کے ہمراہ عراق، شام، فلسطین کے شہروں کو فتح کر کے مصر پر حملہ آور ہو گیا۔مصر کے بعد اب براہ راست منگول خطرہ حجاز کی مقدس سرزمین کے سامنے آ گیا تھا جس میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے شہر آباد تھے۔یعنی اگر ہلاکو خان مصر کو بھی فتح کر لیتا تو اس کے بعد حجاز کے مقدس مقامات تک اس کی راہ میں کوئی قابل ذکر حکومت نہیں تھی۔1260ء میں مصر اور شام کے سرحدی علاقے ''عین جالوت'' کے مقام کو ہلاکو خان کی تین لاکھ فوج مصر کے مملوک سلطان کے بیس ہزار کے مختصر سے دستے کے سامنے کھڑی تھی۔

عین جالوت کے معنیٰ 'جالوت کا چشمہ' کے ہیں اور اس علاقے میں 658ھ میں ہلاکو خان تین لاکھ کے لشکر کے ساتھ مصر پر حملہ آور تھا۔اس وقت مصر کا حاکم مملوک سلطان سیف الدین قطز تھا اور رکن الدین بیبرس اس کا سپہ سالار تھا۔سلطان قطز کی فوج کسی بھی طرح تین لاکھ کے لشکر جرار کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھی اور اب مصر کی شکست کا مطلب تھا کہ ہلاکو خان کی رسائی حجاز مقدس کے شہروں اور حرمین شریفین تک ہو جاتی پھر مراکش، شمالی افریقہ کے مسلم علاقے اور پھر اندلس۔مگر اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو بچا لیا۔ایک معجزہ رونما ہوا اور ہلاکو خان کو اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ لے کر قراقرم واپس جانا پڑا۔قراقرم کے چوتھے خاقان اعظم منگو خان کا انتقال ہو گیا اور دنیا بھر سے تاتاری شہزادے قراقرم کے مرکزی جرگے جسے قرولتائی کہا جاتا تھا اس میں شرکت کرنے کیلیے قراقرم روانہ ہو گئے۔ہلاکو خان نے اپنے نائب کتبغا خان کو بیس ہزار کا لشکر سونپ کر واپس قراقرم کی راہ اختیار کی۔یہاں اس دھمکی آمیز خط کا ذکر ضروری ہے جو تاتاریوں کی طرف سے قطز کو لکھا گیا تھا، یہ خط ہلاکو خان کی طرف سے لکھا گیا

تھا یا کتبغا خان کی طرف سے اس بارے میں تاریخ میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ بہرحال تا تاری سفیر نے یہ خط سلطان قطز کو پیش کیا:

''یہ اس کا فرمان ہے جو ساری دنیا کا آقا ہے کہ اپنی پناہ گاہیں منہدم کر دو، اطاعت قبول کر لو، اگر تم نے یہ بات نہ مانی تو پھر تم کو جو کچھ پیش آئے گا وہ بلند و بالا اور جاودانی آسمان کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔''

غالب امکان ہے کہ خط ہلاکو خان نے قراقرم روانگی سے قبل بھیجا تھا جس میں صاف انداز میں اعلان جنگ کیا گیا تھا۔ بہرحال تا تاری سفیر نے رعونت آمیز انداز میں یہ خط سلطان مصر کے سامنے پھینک دیا۔ یہ انداز دیکھ کر سلطان مصر اور رکن الدین بیبرس کو نہایت غصہ آیا۔ سلطان کو خط کے مندرجات پڑھ کر سنائے گئے تو سلطان نے سفیر سے کہا کہ ہمارا ہلاکو خان سے کوئی جھگڑا نہیں لہٰذا اسے چاہیے کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ کر واپس چلا جائے، اس پر سفیر نے جواب دیا:

''تو گویا چاہتے ہو کہ تمہارا بھی وہی حشر کیا جائے جو ہم تمہارے خلیفہ کا کر کے آئے ہیں۔ جان لو کہ ہمارے آقا کی قوت لامحدود ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔''

تا تاری سفیر کا یہ انداز دیکھ کر سلطان مصر آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے کہا:

''ان تا تاریوں کی زبانیں گدی سے کھینچ کر انہیں قتل کر دیا جائے۔ ہمارے طرف سے خط کا جواب یہی ہے۔''

1260ء میں عین جالوت کے میدان میں منگول سالار کتبغا خان اپنے لشکر کے ساتھ مقیم تھا کہ سلطان قطز اور امیر رکن الدین بیبرس افواج مصر کے ساتھ آ موجود ہوئے۔ ہلاکو خان کی روانگی کے بعد دونوں لشکروں میں عددی توازن تقریباً برابر ہو گیا تھا کیونکہ تا تاری لشکر کا بڑا حصہ ہلاکو خان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ عملی طور پر افواج کی کمان رکن الدین بیبرس کے پاس تھی۔ بیبرس تا تاریوں کے قصے سن کر کہا کرتا تھا کہ ''وقت آنے دو ہم ان وحشیوں کو بتا دیں گے کہ صرف وہ ہی لڑنا نہیں جانتے بلکہ دنیا میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اِن کی گردنیں دبوچ سکتے ہیں۔'' کتبغا خان کو ہلاکو خان کی طرف سے واضح ہدایات تھیں کہ اس کی واپسی تک اسی جگہ قیام کرے اور مصر پر ہرگز حملہ آور نہ ہو۔ امیر رکن الدین بیبرس کو جب ہلاکو خان کی واپسی کی اطلاع ملی تو اس نے سلطان قطز کو فوراً منگولوں پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح باقاعدہ طور پر آگے بڑھ کر رکن الدین بیبرس نے منگول لشکر پر حملہ کر دیا۔ عین جالوت کی اس تاریخ ساز جنگ میں رکن الدین بیبرس نے تا تاریوں پر ان کا اپنا طریقۂ حرب استعمال کیا۔ اس نے اپنے چند دستے ایک گھاٹی میں گھات لگا کر بٹھا دیے۔ بیبرس نے ابتدائی طور پر پسپائی کا انداز اختیار کیا اور منگول اس کی چال میں آ کر گھاٹی میں پھنس گئے۔ گھات لگا کر دشمن کو تنگ جگہ لا کر پھنسانا تا تاریوں کا اپنا انداز جنگ تھا جو رکن الدین بیبرس نے خود ان پر استعمال کیا اور ماضی کی فتوحات کے نشے میں سرشار کتبغا خان بیبرس کی چال میں آ گیا۔ گھاٹی میں گھات لگائے محفوظ مصری دستے نے منگولوں کو تہس نہس کر دیا۔ منگول لشکر میں ابتری پھیل گئی اور وہ دو اطراف سے مسلمانوں میں گھر گئے۔ بیبرس نے منگول فوج کا قتل عام کیا اور انہیں اس بری طرح سے مارا کہ تاریخ میں اس سے پہلے تا تاریوں کے ساتھ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ کتبغا خان بیبرس کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور بیبرس نے اسے قتل کر دیا۔ منگول لشکر مکمل طور پر قتل یا گرفتار ہو گیا تھا۔ مقتول سالار کتبغا خان کی لاش کی نمائش قاہرہ کی گلیوں میں تا تاری قیدیوں کے ساتھ کی گئی اور بعد ازاں ان قیدیوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔

عین جالوت کے میدان میں تا تاریوں کی شکست کی خبریں شام اور فلسطین کی منگول مقبوضات میں آگ کی طرح پھیل گئیں۔ مسلمانوں نے منگول حاکموں کے خلاف بغاوت کر دی اور جگہ جگہ سے خبریں آنے لگیں کہ مسلمانوں نے تا تاریوں سے شہر واپس لینے شروع کر دیے ہیں۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے شام اور فلسطین کی اکثر مقبوضات منگول تسلط سے آزاد ہو گئیں۔ اس طرح منگولیا سے اٹھنے والی کالی آندھی چالیس سال تک مظلوم مسلمانوں کا خون پی کر 1260ء میں عین جالوت کے میدان میں رکن الدین بیبرس کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اگرچہ اس کے بعد بھی

تا تاریوں نے مسلمانوں کے علاقوں پر کئی حملہ کیے مگر ان کے نا قابل شکست رہنے کا تاثر ختم ہو گیا تھا اور اب مسلمان ہر جگہ ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرتے تھے۔ ہندوستان پر مسلسل تا تاری حملے اور خلجیوں کا کامیاب دفاع اس کی ایک روشن مثال ہے۔

جنگ عین جالوت ایک ایسی جنگ ہے جو 25/رمضان المبارک 658ھ یعنی 3/ستمبر 1260ء کو مصر اور شام کے درمیان واقع عین جالوت کے مقام پر منگول اور مسلمانوں کے درمیان واقع ہوئی اور جس کے نتیجے میں عالم اسلام جو بظاہر تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا تھا وہ مکمل بربادی سے بچ گیا۔ اس جنگ کے ہیرو اور سپہ سالار 'رکن الدین بیبرس' ہیں۔ یہ شاندار کارنامہ انجام دینے کے بعد رکن الدین بیبرس قاہرہ واپس آیا اور قطز کی جگہ 'ملک الظاہر' کے لقب سے مسند اقتدار پر جلوہ افروز ہوا۔ اس معرکہ آرائی کے نتیجے میں نہ صرف عالم اسلام کو سیاسی طور پر نئی زندگی ملی بلکہ حرمین شریفین کی حرمت کو لاحق شدید ترین خطرہ بھی ٹل گیا۔ یہ نہ صرف اسلامی تاریخ کی سب سے اہم ترین لڑائیوں میں سے ایک ثابت ہوئی بلکہ دنیا کی تاریخ میں ایک اہم موڑ پر یہ جنگ لڑی گئی تھی، جب منگول کی بڑھتی فتوحات کو نہ چین، نہ وسط ایشیا، نہ روس، مشرقی یورپ بلکہ خوارزم، عباسی خلافت اور ایوبی شام بھی نہ روک سکے تھے۔

جنگ عین جالوت کے بعد مملوک بادشاہ سیف الدین قطز کو بیبرس نے 24/اکتوبر 1260ء میں قتل کرا کے خود حکومت پر قابض ہوا۔ قتل کرنے والوں کے نام تقی الدین احمد المقریزی نے جو بیان کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

بدر الدین بکتوت الجوکندار المعزی، امیر اُنص سلاحدار الأصبہانی، امیر بہادر المعزی، امیر بلبان الہارونی، امیر بلبان الرشیدی، امیر بندوغز الترکی اور امیر بیدغان الرکنی۔ بعض مغربی مؤرخین رکن الدین بیبرس کا نام بھی شامل کرتے ہیں۔ یہ سچ ضرور ہے کہ قتل کی سازش بیبرس کی تھی، مگر کیا بیبرس نے خود اپنے ہاتھوں سے قطز کا قتل کیا یا نہیں؟ اس بات کا کوئی حتمی ثبوت یا سراغ تاریخ نے ہم تک نہیں پہنچایا۔ مملوک مؤرخین اس قتل کی سازش کی دو اہم وجوہات بیان کرتے ہیں:

رکن الدین بیبرس اپنے دوست فارس الدین اقطائی الجمدار کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جنگ عین جالوت کے بعد قطز نے رکن الدین بیبرس کو حلب دینے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ اس نے امیر موصل الملک السعید علاء الدین کو دے دیا۔

سلطان المظفر سیف الدین قطز کو شام کے قصبے القصیر میں پہلے دفن کیا گیا اور بعد میں قاہرہ میں نعش کو لے جا کر دفن کیا گیا۔ جنگ عین جالوت سے فتح یاب ہو کر رکن الدین بیبرس مصر لوٹ آیا اور قاہرہ میں دھوم دھام سے جشن منایا گیا۔ ساتھ ہی اس نے نیا سلطان ہونے کا اعلان کیا اور جنگی ٹیکس ختم کر دیا جو قطز نے نافذ کیا تھا اور اس طرح لوگوں کے دل جیت لیے۔ قطز نے تقریباً ایک سال کے لیے مصر پر حکومت کی۔ انہیں ایک نیک اور ایک انتہائی بہادر سلطان کے طور پر مسلمانوں کے تاریخ دانوں کی طرف سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ ایک مسجد قطز کے نام سے قاہرہ میں موجود ہے۔

ممالیک بحریہ میں دو سلاطین بہت مشہور ہوئے ہیں ملک الظاہر بیبرس اور ملک ناصر محمد بن قلاؤون۔ ان دونوں سلاطین کا دور حکومت نسبتاً طویل رہا اور یہ دونوں سلاطین عوام پسند تھے اور وہ رائے عامہ کے مطابق حکومت کرتے تھے اس لیے انہوں نے رفاہ عام کے لیے بے شمار کام انجام دیئے اور ان کے دور میں تعلیمی اداروں میں بھی اضافہ ہوا اور فن تعمیر نے بھی ترقی کی۔

15.6 رکن الدین ملک الظاہر بیبرس (1260-1277ء)

1223ء میں خوارزم شاہ کے ایک درباری کے گھر بیٹا پیدا ہوا اور اس کا نام محمود رکھا گیا۔ خوارزم شاہ کسی بات پر اس درباری سے خفا ہو گیا اور اسے قید کر لیا گیا۔ اس طرح یہ اعلیٰ خاندان گردش میں آ گیا۔ اسی دوران خوارزم کی سلطنت چنگیزی حملوں کی زد میں آ کر تباہ ہو گئی۔ تا تاریوں نے علاقۂ قفچاق پر حملہ کیا اور اس کا صفایا کر دیا۔ بہت سے افراد مارے گئے اور ایک بہت بڑی تعداد جنگی قیدی بنا لی گئی، جو مختلف ممالک میں فروخت

ہونے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ تاتاریوں نے بچوں اور جوانوں کو قید کر کے غلام بنا کر فروخت کرنا شروع کر دیا۔ محمود بھی انہی بچوں کی طرح غلام بن کر مختلف ہاتھوں فروخت ہوتا رہا اور آخر میں مصر کے بازار میں فروخت کے لیے لایا گیا۔ مصر میں مختلف ہاتھوں سے ہوتے ہوئے محمود فاطمہ نامی ایک نیک خصلت خاتون کی تحویل میں آ گیا۔ فاطمہ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا تھا جس کا نام بیبرس تھا۔ محمود کی شکل اس لڑکے بیبرس سے ملتی تھی چنانچہ فاطمہ نے محمود کا نام بدل کر بیبرس رکھ دیا اور اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ فاطمہ کا ایک بھائی مصر کے سلطان الملک صالح نجم الدین کے دربار سے منسلک تھا۔ اس کی ملاقات جب بیبرس سے ہوئی تو وہ اسے قاہرہ سلطان کے دربار میں لے گیا۔ سلطان الملک صالح نے کئی لاوارث لڑکے اپنی کفالت میں لیے ہوئے تھے۔ ان لڑکوں کی اچھی تعلیم و تربیت کی جاتی، خوراک کا خیال رکھا جاتا اور سخت جنگی تربیت کے مراحل سے گزارا جاتا۔ اس طرح یہ لڑکے سلطان کے وفادار بن جاتے اور سلطان کے ذاتی فوج میں شامل کر لیے جاتے۔

سلطان ظاہر بیبرس کی ترقی کا آغاز اس طرح ہوا کہ وہ ملک صالح کے مولیٰ علاء الدین ایدکن کا مولیٰ (غلام) تھا، جب ملک صالح اپنے مولیٰ علاء الدین پر ناراض ہوا تو اس نے اسے قید کر دیا تھا اور اس نے اس کی تمام مال و دولت اور موالی و غلام سب چھین لیے تھے، انہی میں بیبرس بھی تھا، اس نے اسے جامدار یہ میں مقرر کر دیا جہاں اس کا مرتبہ بڑھتا گیا یہاں تک اسے جنگی محکمہ میں مقرر کیا گیا اور سواروں کا افسر بنا دیا گیا۔ بہر حال محمود براہ راست سلطان مصر کے زیر نگرانی تربیت پا کر رکن الدین بیبرس کے نام سے مصر کی فوج میں شامل ہو گیا اور اپنی لیاقت اور مہارت کے سبب مصری فوج کا سپہ سالار شمار ہونے لگا۔ معرکہ عین جالوت سے قبل سلطان مصر سیف الدین قطز اور رکن الدین بیبرس کے درمیان معاہدہ طے پایا تھا کہ فتح کے بعد شام میں حلب اور اس کے اطراف کے علاقے بیبرس کے تصرف میں دے دیے جائیں گے، مگر بعد میں سیف الدین قطز مکر گیا۔ اس طرح قطز اور بیبرس کے درمیان رنجش پیدا ہو گئی اور معرکہ عین جالوت کے چند دنوں بعد ہی پراسرار طور پر سلطان قطز قتل کر دیا گیا اور رکن الدین بیبرس سلطان مصر بن گیا۔ تاریخ میں سلطان قطز کے پراسرار قتل میں سلطان بیبرس کا نام مشکوک انداز میں لیا جاتا ہے۔

بیبرس 1260ء میں قاہرہ پہنچا اور تخت نشین ہوا۔ اس نے مختلف طبقات کے لحاظ سے ان پر نائب مقرر کئے اور تمام مملکت میں اس قسم کی ہدایات لکھ بھیجیں کہ اس نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کی ہیں اور حکام کا تقرر کیا ہے۔ سلطان تاج الدین عبدالوہاب ابن بنت الاعز کو قاضی کے عہدہ کے ساتھ ساتھ وزیر بھی مقرر کیا اور اپنے استاد صالح نجم الدین کی ہدایت پر عمل کیا۔

ساتویں صلیبی جنگ 1267ء سے 1271ء تک جاری رہی، اس وقت مصر و شام کے تخت پر مملوک سردار بیبرس متمکن تھا، یہ وہی بیبرس ہے جس نے منگولوں کو شکست کا مزہ چکھایا تھا۔ اس بادشاہ نے اپنے سیاسی تدبر اور عسکری مہارت کی بدولت اپنی حکمرانی کے آغاز سے ہی فلسطین میں واقع صلیبی قلعوں کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ اس سے متاثر ہو کر سینٹ لوئس نے ایک اور صلیبی جنگ کی منصوبہ بندی کی۔ جب سلطان بیبرس کو ان تیاریوں کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی موت کی جھوٹی افواہ اڑا دی اور تیونس کے حکمراں کے ذریعے مصر پر حملے کی تجویز دی، جس میں تیونس کے ساحل کی پیش کش بھی شامل تھی۔ مصر پر حملے کے لیے سینٹ لوئس کا یہ لشکر تیونس کے ساحل پر اترا مگر اس ساحل کے انتہائی خراب موسم، ناقابل برداشت دھوپ، متعفن اور شورزدہ زمین، نیز طاعون کے سبب سینٹ لوئس اور ولی عہد (فرانس) سمیت بہت سے صلیبی سردار اور فوجی ہلاک ہو گئے۔ اس لیے اس لشکر کو پسپا ہونا پڑا، سلطان بیبرس نے اپنے تدبر سے بغیر کسی لڑائی کے یہ جنگ جیت لی، بعد ازاں سلطان بیبرس نے فلسطین اور شام میں واقع عیسائی ریاست کو بہت ہی محدود کر دیا تھا۔

سلطان رکن الدین بیبرس کو نویں اور آخری صلیبی جنگ کا ہیرو بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ منگولوں سے فارغ ہو کر اس نے شام، فلسطین اور مصر کی عیسائی مقبوضات کی طرف توجہ دی اور ایک کے بعد ایک عیسائی علاقوں کو فتح کرنا شروع کیا۔ 1270ء میں فرانس کا شہنشاہ لوئی نہم یروشلم ہمارا ہے

کا نعرہ لگاتے ہوئے یورپ کی صلیبی افواج نائٹس اور ٹیمپلرس کو ساتھ لیے مصر پر حملہ آور ہو گیا۔ سلطان رکن الدین بیبرس نے یہاں بھی شہنشاہ لوئی نہم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور صلیبیوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ فرانس کا شہنشاہ لوئی نہم بیبرس کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور بعد میں اسے کثیر رقم کے عوض رہا کیا گیا۔ اس صلیبی جنگ کے بعد دوبارہ یورپی افواج صلیبی جنگ کے نام پر عالم اسلام پر حملہ آور نہیں ہوئیں۔ اس لیے اسے آخری صلیبی جنگ کہا جاتا ہے۔ یعنی منگول یلغار اور صلیبی جنگیں دونوں کا خاتمہ سلطان رکن الدین بیبرس کے ہاتھوں سے ہوا اور افسوس کی بات ہے کہ یہ کردار ہماری تاریخ میں اب وقت کی گرد تلے دب کر گمنام ہو چکا ہے۔

بیبرس بہت بہادر، فیاض اور عوام دوست بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی بہادری، شجاعت اور فیاضی کی بدولت تخت شاہی حاصل کیا، بادشاہ بننے کے بعد بھی وہ بنفس نفیس تاتاریوں کے خلاف جنگوں میں شریک ہوتا تھا۔ اس نے صلیبیوں کے مقابلے میں قیساریہ کے مقام پر فیصلہ کن فتح حاصل کی، نیز اس نے صلیبیوں کے مستحکم مرکز انطاکیہ پر بھی حملہ کیا جو تباہ و برباد ہو گیا۔ اس کے علاوہ سوڈان کے عیسائی بادشاہ ڈیوڈ کو بھی سلطان بیبرس نے شکست سے دوچار کیا اور قلعہ الموت کے باطنی حشیشین فدائیوں کے خلاف بھی اس نے حملے کیے۔ سلطان کی فوجوں نے البیرہ، شوبک، الکرک، قیساریہ و حیفا اور سوف وغیرہ کو فتح کر لیا۔ اس نے ان جنگوں میں جو دیہات، جاگیریں اور اراضی حاصل کی تھیں وہ سب اپنے ان امراء میں تقسیم کر دیں جو اس کے ساتھ تھے۔ ایسے امراء کی تعداد باون تھی اس کے بعد وہ مصر لوٹ گیا۔ اسی سال بیبرس کو یہ خبر ملی کہ تاتاری بادشاہ ہلاکو کی موت واقع ہو گئی ہے، اس کی جگہ اس کا فرزند ابغا بادشاہ بن گیا ہے اور اس کے شمالی علاقہ کے حاکم سلطان برکہ کے درمیان خانہ جنگی ہو رہی ہے۔

ملک شام کا علاقہ طرابلس صلیبیوں کے قبضے میں تھا، وہاں کا حاکم سمند بن البرنس اشتر تھا، انطاکیہ پر بھی اس کی حکومت تھی، بیبرس کو خبر ملی کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کر رہا ہے چنانچہ بیبرس کے نائب علم الدین سنجر کی قیادت میں جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ پھر سلطان بیبرس خود جنگ کی تیاری میں مصر سے 664ھ (1266ء) میں نکلا، جب سلطان غزہ پہنچا تو سیف الدین قلاؤون کی قیادت میں فوجیں بھیجیں، اس نے طرابلس کے قلعوں اور قلعۂ حلب و عراق پر حملہ کیا آخر کار وہاں کے لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے بعد بیبرس نے صغد کی طرف فوج کشی کی اور اس کا دس دن تک محاصرہ کیا، صلیبیوں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کیا اور صغد پر قبضہ کر لیا اور وہاں محافظ فوجیں مقرر کیں۔ ان کے لیے سرکاری رجسٹر میں باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں پھر وہ دمشق لوٹ آیا۔

طرابلس کی فتح کے بعد ظاہر بیبرس نے سیس اور ارمن شہروں پر حملہ کرنے کے لیے فوجیں بھیجیں، اس کے سپہ سالار سیف الدین قلاؤون اور حاکم حماۃ منصور تھے۔ مسلمانوں نے ان پر سخت حملہ کیا اور صلیبیوں کے بہت سے افراد قتل کر دیئے گئے اور باقی لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ بہت سے مال غنیمت اور جنگی قیدی حاصل کئے پھر جب وہ لوٹ کر آئے تو سلطان ظاہر بیبرس نے قارا کے مقام پر ان کا استقبال کیا اور ان کے پاس بے شمار مال غنیمت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

جب بیبرس طرابلس کی جنگ سے فارغ ہو کر مصر لوٹا تو اس نے جامع ازہر کی از سر نو تعمیر کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ وہاں خطبۂ جمعہ پڑھا جائے۔ اسی دوران بیبرس کو خبر ملی کہ تاتاری حملے کرنے کی تیاری میں ہیں چنانچہ بیبرس دمشق کے لیے روانہ ہوا مگر یہ خبر صحیح نہیں نکلی اس لیے وہ وہاں سے صغد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی زمانے میں اسے یہ اطلاع ملی کہ اہل شقیف نے سرحدوں پر یلغار کر دی ہے اس لیے وہ وہاں پہنچا اور عکا پر حملہ کیا۔ اس کے بعد بیبرس انطاکیہ پر حملے کرنے کے لیے حمص اور حماۃ آیا اور اس نے سیف الدین قلاؤون کو فوجیں دے کر روانہ کیا چنانچہ اس نے انطاکیہ پر حملہ کیا۔ حماۃ کا حاکم منصور اور بحریہ کی وہ جماعت بھی اس حملہ میں شریک ہوئی جو جنگل بیابانوں میں عرب قبائل کے ساتھ رہتی تھی۔ بیبرس کی فوجوں نے انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا چند دنوں کے محاصرہ کے بعد اہل شہر تنگ آ گئے۔ سلطان کی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں، قلعہ پر قبضہ کر لیا مال

غنیمت اکٹھا کر کے اسے تقسیم کر دیا۔

675ھ میں بادشاہ کو یہ خبر ملی کہ تاتاری فوجیں شام کی سرحد تک پہنچ چکی ہیں چنانچہ اس نے براہ راست بلاد روم کا قصد کیا اور دریائے ارزق تک پہنچ گیا وہاں سے اس نے شمس الدین سنقر کو فوج دے کر بھیجا اس کا مقابلہ تاتاریوں کی فوج سے ہوا اور اس نے انہیں شکست دی اور وہ سلطان کے پاس لوٹ آیا۔ پھر سلطان قیساریہ کی طرف کوچ کیا اور اسے فتح کر لیا۔

سلطان رکن الدین بیبرس کا ایک اور انمول کارنامہ جو اکثر لوگوں کے علم میں نہیں ہے وہ خلافت عباسیہ کا احیاء ہے۔ سقوط بغداد کے بعد جب عباسی خلیفہ عبداللہ مستعصم کو قتل کر دیا گیا تو تمام اسلامی ممالک میں خلافت کا عہدہ خالی رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک کام کے لیے بھی سلطان رکن الدین بیبرس کا انتخاب کیا، بیبرس اسلامی خلافت کو بحال کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ 1262ء میں اتفاق سے خلیفہ مستعصم کا چچا اور خلیفہ ظاہر کا بیٹا ابو العباس احمد بن ظاہر منگول قید سے رہا ہو کر مصر پہنچا، وہ بغداد سے بھاگ کر مختلف قبائل میں قیام کرتا ہوا مصر پہنچا تھا۔ بیبرس اس کی آمد سے بہت خوش ہوا، خود شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کیا، اسے قاہرہ لے کر آیا اور اس وقت کے مشہور عالم دین عزیز الدین عبدالسلام کے سامنے ابوالعباس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرتے ہوئے خلافت عباسیہ کا احیاء کیا۔ اس کے بعد عام مسلمانوں نے حسب مراتب اس کے ہاتھ پر بیعت خلافت کی، پھر سلطان نے سلطنت کے مختلف حصوں میں لوگوں کو لکھا کہ نئے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور مساجد کی منبروں پر ان کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور سکوں پر بھی ان کا نام نقش کیا جائے، ان کا لقب مستنصر رکھا گیا، خلیفہ نے مجمع عام میں حکومت کا انتظام ظاہر بیبرس کو سپرد کر دینے کا اعلان کیا اور اس مقصد کے لیے ایک تحریری فرمان بھی تحریر کیا گیا جسے فخر الدین بن لقمان نے تحریر کیا جو خط و کتابت کے میر منشی تھے۔ اس طرح عالم اسلام کو خلافت عباسیہ مصر کے روپ میں مرکزیت حاصل ہوگئی۔ اگر چہ یہ خلافت برائے نام ہوتی تھی اور اقتدار مملوک سلطان کے پاس ہی ہوتا تھا مگر پھر بھی خلیفہ کو عالم اسلام میں ایک احترام حاصل تھا۔ یہ خلافت عثمانی ترکوں کے ہاتھوں مصر کی فتح تک قائم رہی اور پھر بعد میں خلافت کا ادارہ عثمانی ترکوں کو منتقل ہو گیا۔

بیبرس عوامی مفادات کا بہت خیال رکھتا تھا اور غریب عوام پر بے حد بخشش اور سخاوت کرتا تھا، اس سلسلے میں تاریخ ابن خلدون میں مشہور مؤرخ ابوالمحاسن ابن تغری بردی کی کتاب 'النجوم الزاہرہ' کے حوالے سے لکھا ہے:

''وہ ہر سال دس ہزار من گیہوں غریبوں، مسکینوں اور خانقاہ نشینوں پر صرف کرتا تھا (جنگوں میں شہید ہونے کی وجہ سے) فوجیوں کے یتیم بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تھی تاہم سلطان بیبرس نے معقول گذارہ کے لیے ان کے وظائف مقرر کر رکھے تھے، اس کے علاوہ اس نے ایک مخصوص وقف اس کام کے لیے مقرر کیا تھا کہ اس کے ذریعے ان مسافروں کی تجہیز و تکفین کی جائے جو قاہرہ اور مصر کے دیگر حصوں میں (لاوارث ہو کر) فوت ہو جاتے ہیں۔ بیبرس نے ایک دوسرا وقف اس کام کے لیے مخصوص کر دیا تھا کہ اس کی آمدنی سے روٹیاں خرید کر فاقہ کش غریب مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے۔''

سلطان بیبرس مذہبی علماء کا جو رائے عامہ کے ترجمان ہوتے تھے بہت احترام کرتا تھا اور ان کے فتووں کے بغیر کوئی اہم کام انجام نہیں دیتا تھا، اس زمانے کے علماء بھی بلاخوف و خطر فتویٰ دیتے تھے اور شرعی معاملات کو حق و صداقت کے ساتھ بیان کرنے میں حکومت سے نہیں ڈرتے تھے، اس عہد کے مشہور علماء میں سے امام نووی، شیخ عزالدین بن عبدالسلام وغیرہ ہیں۔ جب بیبرس بلستین اور قیساریہ میں تاتاریوں سے جنگ کر کے واپس آ رہا تھا تو محرم الحرام 676ھ (1277ء) میں عالم اسلام کا یہ عظیم سپہ سالار بیمار ہو گیا اور اسی مہینے کے آخر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ منگول سیلاب سے حرمین شریفین کی حفاظت، فرانس کے شہنشاہ سے بیت المقدس کا دفاع اور بغداد کی تباہی کے بعد خلافت اسلامیہ کا دوبارہ احیاء سلطان رکن الدین بیبرس کے وہ سنہرے کارنامے ہیں، جو اسے ہمیشہ تاریخ اسلام میں زندہ جاوداں رکھیں گے۔

15.7 ناصرالدین محمد سعید برکہ خان (1279-1277ء)

ظاہر بیبرس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے محمد سعید برکہ کو بادشاہ مقرر کیا گیا کیوں کہ جب سلطان ظاہر بیبرس شام میں تھا تو وہ مصر کا نائب رہ چکا تھا۔ جب سلطان سعید کی سلطنت مصر میں قائم ہوگئی تو اس نے شام جانے کا ارادہ کیا تا کہ وہاں کے نظم ونسق کی دیکھ بھال کر سکے چنانچہ اس مقصد کے لیے وہ 677ھ میں دمشق روانہ ہوا اور مختلف سمتوں میں اپنی فوجیں بھیجیں، لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد امراء نے سعید کو برطرف کردیا اور امیر منصور قلاؤون کو بادشاہت پیش کی لیکن قلاؤون نے اسے قبول نہیں کیا اور مشورہ دیا کہ سلطان ظاہر کے دوسرے فرزند ملک العادل شلامش کو جو آٹھ سال کا بچہ تھا بادشاہ بنا دیا جائے چنانچہ 678ھ میں اسے بادشاہ بنا دیا گیا اور اس کا لقب بدرالدین رکھا گیا۔ قلاؤون سپہ سالار مقرر ہوا، اس کی حکومت چند ماہ ہی قائم رہ سکی کیوں کہ امراء قلاؤون کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے، چنانچہ امراءِ سلطنت کے اصرار پر قلاؤون نے ان کا مطالبہ تسلیم کرلیا اور پھر جمادی الاولیٰ 678ھ میں منصور قلاؤون کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کرلی۔

15.8 سیف الدین منصور قلاؤون (1290-1279ء)

منصور قلاؤون قفچاق کے ایک قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا جو 'برج اعلیٰ' کے نام سے منسوب تھا۔ وہ علاء الدین اقسنقر کا مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھا جو خود ملک صالح نجم الدین ایوب کا مولیٰ تھا۔ جب علاء الدین کا انتقال ہوگیا تو قلاؤون براہ راست ملک صالح کے موالی میں شامل ہوگیا جن کی بہادری اور وفاداری مشہور تھی۔ قلاؤون سلطان مظفر قطز کے عہد حکومت میں ظاہر بیبرس کے ساتھ مصر آیا۔ جب ظاہر بیبرس بادشاہ بن گیا تو اس نے اسے مقرب بارگاہ بنایا پھر بیبرس کی وفات کے بعد قلاؤون نے اس کے فرزند سعید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سعید کی برطرفی کے بعد اس کا بھائی شلامش تخت نشین ہوا لیکن چند مہینوں میں ہی اسے بھی معزول کر کے امراء سلطنت نے جمادی الاول 678ھ (1279ء) میں منصور قلاؤون کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی عوام کی شکایتوں کا ازالہ کیا اور کئی قسم کے محصول اور ٹیکس کو منسوخ کیا۔ اس نے امراء مصر میں عہدوں کو مناسب طور پر تقسیم کیا، اپنے غلاموں کی ایک جماعت کو ہزاری منصب پر مقرر کیا اور ان کی جاگیروں میں اضافہ کیا۔

680ھ میں تاتاریوں نے شام پر فوج کشی کی چنانچہ تاتاریوں کا بادشاہ ابغا خود تاتاریوں کی فوجوں کو لے کر روانہ ہوا اور رحبہ کے مقام پر پہنچ کر محاصرہ کرلیا۔ دوسری طرف سلطان مصر دمشق سے مسلمانوں کی فوج کو لے کر تاتاریوں سے پہلے حمص پہنچ گیا۔ تاتاریوں کے زبردست لشکر میں روم، فرنگی، ارمن اور کرج اقوام سمیت اسّی ہزار سے زائد سپاہی تھے۔ فریقین کا حمص کے مقام پر مقابلہ ہوا، قلاؤون نے اس جنگ میں تاتاریوں کو شکست فاش دی اور تاتاری فوج نے راہ فرار اختیار کی، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان قلعوں کا قصد کیا جو دریائے فرات کے اطراف میں تھے تا کہ دشمن کی فوجوں کو روکا جائے لہذا انہوں نے راستہ تبدیل کرلیا اور وہ دریائے فرات کے نامعلوم مقامات میں داخل ہوگئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دریا میں ڈوب گئے ان میں سے کچھ فوج بیابانوں میں سے گذری اور کچھ ان میں بھٹک کر تباہ و برباد ہوگئی۔

681ھ میں قلاؤون بلاد الروم میں آرمینیا کے علاقے پر فوج کشی کی اور ان علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ آٹھویں صلیبی جنگ 1270ء اور 1291ء کے دوران لڑی گئی۔ شاہ انگلستان کی زیر قیادت اس جنگ میں منگولوں کے اسی ہزار کے قریب ایک بڑے لشکر نے بھی حصہ لیا تھا، جنہیں بیبرس کی وفات (1288ء) کے بعد اس کے جانشین اور سابقہ غلام قلاؤون نے فلسطین کے شہر حمص کے قریب حماۃ کی وادی میں شکست فاش دی۔ بعد ازاں سلطان قلاؤون کی وصیت کے مطابق سلطان قلاؤون کے جانشین بیٹے ملک خلیل نے عکہ کی آخری صلیبی قلعہ بند ریاست کو انتہائی سخت معرکے کے بعد 1292ء میں فتح کرلیا، 688ھ میں قلاؤون نے طرابلس کو فتح کیا۔ اس طرح صلیبی جنگوں کا بظاہر اختتام ہوا۔

ان تمام کامیابیوں میں ایک بڑی کامیابی یہ ملی کہ تاتاریوں کے کئی بادشاہوں نے 681ھ میں اسلام قبول کرلیا، سب سے پہلے نکودار بن ہلاکو نے اسلام قبول کیا اور اس نے اپنا نام احمد رکھا، پھر قودان بن طقان نے اسلام قبول کیا اور خاص بات یہ ہے کہ صرف ان بادشاہوں نے ہی اسلام قبول نہیں کیا بلکہ ان کی اکثر فوجوں اور ان کے علاقوں کے اکثر باشندوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

قلاوون نے ارادہ کیا کہ عوام الناس کے لیے ایک عمدہ اسپتال قائم کیا جائے تاکہ بہتر طریقے سے لوگوں کا علاج ہو سکے چنانچہ اس نے اس مقصد کے لیے بہت ساری جگہوں کا معائنہ کیا بالآخر اسے فاطمی خلفاء کے محلوں میں سے دو محلوں کے قریب الدار القطبیہ کا مقام پسند آیا، اس نے وہاں اسپتال قائم کرنے کا فیصلہ کیا، اس نے اصل حویلی کو اسپتال کے لیے مقرر کیا اور اس کے سامنے اس نے علوم وفنون کی تعلیم کے لیے اعلیٰ درسگاہ اور اپنے لیے ایک مقبرہ کی تعمیر تجویز کی ان سب کی تعمیر وتکمیل کے لیے اس نے علم الدین شجاعی کو مقرر کیا، چنانچہ اس نے بہت جلد یہ تمام عمارتیں تعمیر کرادیں اور یہ 682ھ میں مکمل ہوگئیں۔ سلطان مصر نے ان کے اخراجات کے لیے مصر وشام کی بہت سے جائدادیں اور اراضی وقف کیں۔ جب اسپتال کی تعمیر کا کام مکمل ہوگیا تو ایک مقررہ دن کے موقع پر وہ اسپتال پہنچا اور ایک طبی شربت کا پیالہ پی کر کہا میں نے یہ اسپتال اپنے لیے اور ہر خاص وعام کے لیے وقف کردیا ہے۔ چنانچہ یہ اسپتال اس کی نہایت عمدہ یادگار رہے۔ 689ھ 1290ء میں اس نیک نام بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔

15.9 صلاح الدین اشرف خلیل بن قلاوون (1290-1293ء)

صلاح الدین ملک اشرف خلیل بن قلاوون اپنے والد کے بعد تخت نشین ہوا، اس کے زمانے میں صلیبیوں کی حکومت صرف عکا میں باقی رہ گئی تھی۔ 690ھ میں اس نے اس پر بھی قبضہ کرلیا اور صلیبیوں سے اس شہر کو خالی کردیا، اس طرح یہ پورا علاقہ اسلامی قبضہ میں آگیا۔ 691ھ میں آرمینیا کی طرف پیش قدمی کی اور ارض روم کو بھی فتح کرلیا، وہاں سے واپسی پر 693ھ (1293ء) میں غلاموں نے اسے قتل کردیا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ملک اشرف اور اس کا باپ چرکسی غلاموں کے بہت قدرداں تھے وہی ان کے معتمد علیہ تھے، ممالیک سابقہ کو رشک پیدا ہوا چنانچہ انہوں نے سازش کرکے اسے قتل کرڈالا، اس سازش میں رئیس الممالیک بیدرا، نائب شام لاچین، والی حلب قرانسقر وغیرہ شامل تھے۔ اشرف کے قتل کے بعد بیدرا کو تخت پر بٹھایا گیا لیکن چرکسی غلاموں نے اسی روز اس کو بھی قتل کرڈالا اور ملک اشرف کے دوسرے بھائی ناصر محمد بن قلاوون کو تخت پر بٹھا دیا۔

15.10 ملک ناصر محمد بن قلاوون (1293-1341ء)

ممالیک بحریہ کے اہم سلاطین میں سے جنہوں نے طویل عرصہ تک حکومت کی، ان میں سلطان ناصر محمد بن قلاوون کا نام نمایاں ہے۔ وہ بھی عوام پسند بادشاہ تھا، اس کا دور ہنگامہ خیز تھا، وہ دو مرتبہ معزول ہوا اور تین مرتبہ بادشاہ بنا، تاہم اس نے رفاہ عام کے ایسے کام انجام دیے کہ وہ عوام میں مقبول ہوگیا تھا، اسی لیے مصری عوام نے اسے دوبارہ تخت سلطنت پر بٹھایا اور جب وہ دوبارہ بادشاہ بن کر 698ھ میں مصر آیا تو وہاں کے باشندوں نے نعرۂ تکبیر کے ساتھ اس کا زبردست استقبال کیا۔ سلطان ناصر نے بھی رفاہ عام کے بے شمار کام انجام دیے اور مساجد و مدارس، خانقاہوں اور مقابر کی تعمیر کراکے فن تعمیر کے نادر نمونے پیش کیے جو اس کی زندۂ جاوید یادگاریں ہیں۔ اس کے عہد میں سیاسی کشمکش، جوڑ توڑ اور سیاسی سازشوں اور رقابتوں کے باوجود علوم وفنون کی بہت ترقی ہوئی اور مشہور علماء وفضلاء کا چشمہ فیض تعلیمی درسگاہوں کی صورت میں مصر وشام میں جاری رہا۔

ناصر کی حکومت کے اتار چڑھاؤ کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں کہ قلاوون کی وفات کے بعد اس کے فرزند خلیل کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی اور اس کا لقب اشرف رکھا گیا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد اپنے سلف کی طرح فرنگیوں کو سبق سکھانے کا ارادہ کیا اور عکا کے مشہور شہر پر حملہ کرکے ان سے چھین لیا اس کے بعد صور، صیدا، صقلیہ حیفا اور بیروت پر بھی قبضہ کرلیا۔ 693ھ میں اشرف خلیل کا قتل کردیا گیا۔ اس

کے بعد سلطان اشرف کے بھائی محمد بن قلاؤون کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کر لی لیکن چند ہی مہینے کے بعد کتبغا عادل نے امراء کے ساتھ مل کر بغاوت کر دی اور امراء مصر کو اکٹھا کر کے اپنی بادشاہت کے لیے بیعت کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ناصر کو بادشاہت سے معزول کر دیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد اس سے بھی لوگ بدظن ہو گئے اور اس کی جگہ لاچین کو تخت نشیں کیا گیا، لاچین نے اپنا لقب منصور رکھا۔ 696ھ میں لاچین نے سیف الدین منصوری کو نائب السلطنت مقرر کیا۔

لاچین نے ابن طولون کی جامع مسجد کی از سرنو تعمیر کا حکم دیا اور اس کام کے لیے علم الدین سنجر کو مقرر کیا۔ اس نے اس کی تعمیری اخراجات کے لیے اپنے ذاتی مال سے ایک لاکھ بیس ہزار دینار عطیہ دیا اور اس کے لیے جائیدادیں اور اراضی وقف کیں۔ 698ھ میں لاچین کا بھی قتل ہو گیا، اس کی وفات کے بعد امراء مصر نے ناصر محمد بن قلاؤون کو دوبارہ مصر آ کر تخت نشینی کی دعوت دی چنانچہ جمادی الاول 698ھ (1299ء) میں ناصر مصر پہنچ گیا اور اہل مصر نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ 707ھ تک مسلسل حکومت کرنے کے بعد وہ حکومت سے دست بردار ہو گیا اور اس نے اہل مصر کو اجازت دی کہ جسے حکومت کے لائق سمجھیں اسے اپنا بادشاہ مقرر کر لیں، چنانچہ حکام مصر نے اتفاق رائے سے بیبرس ثانی کو اپنا بادشاہ مقرر کر لیا اور شوال 708ھ میں انہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کا لقب مظفر رکھا۔ لیکن پھر حالات کچھ اس طرح کے ہوئے کہ ملک الناصر تیسری بار تخت نشین ہوا۔ اس طرح اس کی مدت حکومت تقریباً اڑتالیس سال ہوتی ہے۔ وہ ذی الحجہ 741ھ (1341ء) کے آخر میں طبعی موت فوت ہوا۔ وہ مصر کا سب سے زیادہ خود مختار اور بہترین بادشاہ تھا۔ اس کی حکومت کا اس وقت سے شمار کیا جائے جب وہ طنبغا کی زیر نگرانی بادشاہ بنا تھا تو اس کی مدت حکومت اڑتالیس سال ہوتی ہے اور اگر بیبرس کے بعد اس وقت سے اس کا شمار کیا جائے جب کہ وہ خود مختار بادشاہ ہو گیا تھا اور اس کا حریف نہ رہا تھا تو اس کی مدت حکومت بتیس سال ہے۔

15.11 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- ممالیک بحریہ نے مصر اور شام پر 132 سالوں تک حکومت کی اور ان میں کل چوبیس حکمراں تخت نشین ہوئے۔
- بحری مملوک میں بالخصوص سیف الدین قطز، ظاہر بیبرس، منصور قلاؤون، ناصر الدین محمد بن قلاؤون نے مملوک حکومت کو غیر معمولی استحکام عطا کیا اور وہ مصر و شام کے ساتھ ساتھ مقامات مقدسہ (مکہ و مدینہ) تک اپنی حکومت کو وسعت دینے میں کامیاب ہوئے۔
- بحری مملوک نے منگولوں اور صلیبیوں سے کئی جنگیں لڑیں، ان کے مقاصد کو ناکام کیا اور تقریباً چھ سو سال تک عالم اسلام کی حتی المقدور حفاظت کی۔
- بحری مملوک نے اسلامی خلافت کا احیاء کیا، اگرچہ وہ برائے نام ہی رہی۔ 1262ء میں خلافت کو بغداد سے قاہرہ منتقل کر دیا گیا اور وہی مرکز قرار پایا۔
- بحری مملوک نے اپنے عہد میں مصر اور شام کو غیر معمولی خوشحالی عطا کی۔ تجارت اور فن تعمیر کو کثرت سے فروغ دیا جس کی وجہ سے ہر طرف مال و دولت کی فراوانی ہوئی اور بلند و بالا عالیشان محلات، باغات، مقبرے، مساجد، مدارس اور شفاخانے وغیرہ نظر آنے لگے۔

15.12 کلیدی الفاظ

بحری ممالیک (مملوک): ان کا تعلق بحری افواج سے تھا جو دریائے نیل کے کنارے آباد تھے۔ 'بحر' سے مراد 'دریائے نیل' ہے۔

صلیبی جنگیں : وہ مذہبی جنگ جو یورپ کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف یوروشلم (Jerusalem) کو حاصل کرنے کے لیے لڑیں۔

اسلامی خلافت کا احیاء : اسلامی خلافت کے دوبارہ بحالی کے لیے کوشش کرنا۔

15.13 نمونہ امتحانی سوالات

15.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ بحری ممالیک نے کب سے کب تک حکومت کی؟

(a). 1250ء تا 1382ء (b). 1212ء تا 1382ء (c). 1326ء تا 1428ء (d). 1362ء تا 1430ء

2۔ عزالدین ایبک کا لقب کیا تھا؟

(a). نورالدین (b). صلاح الدین (c). المعز (d). الظاہر

3۔ بحری ممالیک میں سب سے زیادہ کس نے حکومت کی؟

(a). سیف الدین قطز (b). منصور قلاؤون (c). ناصر محمد بن قلاؤون (d). ظاہر بیبرس

4۔ بیبرس کہاں کا رہنے والا تھا؟

(a). مصر (b). شام (c). علاقۂ قفچاق (d). منگولیا

5۔ ایبک کے حامیوں کو کیا کہا جاتا تھا؟

(a). المعزی (b). صالحی (c). الظاہری (d). بندقداری

6۔ مصر کا مشہور زمانہ اسپتال کس نے قائم کیا تھا؟

(a). بیبرس (b). قلاؤون (c). صلاح الدین (d). اشرف خلیل

7۔ جنگ عین جالوت کس کے خلاف لڑی گئی تھی؟

(a). منگول (b). صلیبی (c). عرب (d). ایوبی

8۔ مملوکوں کا تیسرا بادشاہ کون تھا؟

(a). منصور قلاؤون (b). بدرالدین سلامش (c). ناصرالدین محم (d). سیف الدین قطز

9۔ جنگ عین جالوت میں منگول سپہ سالار کون تھا؟

(a). ہلاکو خان (b). کتبغا خان (c). منگو خان (d). چنگیز خان

10۔ ابن طولون کی جامع مسجد کی تعمیر نو کس نے کروائی؟

(a). بیبرس (b). لاچین (c). منصور قلاؤون (d). برکہ خان

15.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ بحری ممالیک سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ مختصراً بیان کیجیے۔

2۔ بحری ممالیک کی بحیثیت مجموعی حکومت کتنے سال رہی اور اہم حکمران کون کون سے ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

3۔ سیف الدین منصور قلاؤں کے دور حکومت پر مختصراً نوٹ لکھیے۔

4۔ جنگ عین جالوت کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیے۔

5۔ رکن الدین ملک الظاہر بیبرس کے اہم کارناموں کا مختصراً ذکر کیجیے۔

15.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ حکومت ممالیک مصر کے قیام پر المعزعزالدین ایبک کے کردار کا جائزہ لیجیے۔

2۔ جنگ عین جالوت کے واقعہ کو بیان کیجیے۔

3۔ رکن الدین ملک الظاہر بیبرس کے دور حکومت اور اس کے کارناموں کو بیان کیجیے۔

15.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	تاریخ النجوم الزاہرۃ فی اخبار ملوک مصر و قاہرہ	:	ابوالمحاسن یوسف بن تغری بردی
2۔	کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر (تاریخ ابن خلدون)	:	علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون
3۔	اردو دائرہ معارف	:	دانشگاہ پنجاب لاہور جلد 21، 1987ء
4۔	تاریخ اسلام	:	جسٹس امیر علی، ترجمہ حسین رضوی
5۔	تاریخ اسلام	:	اکبر شاہ نجیب آبادی
6۔	تاریخ اسلام	:	شاہ معین الدین ندوی
7۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد اول)	:	ثروت صولت
8۔	تاریخ الامت (جلد ششم)	:	مولانا محمد اسلم جیراجپوری
9۔	کروسیڈ اور جہاد	:	محمد اکبر خان
10۔	صلیبی جنگ	:	سید صباح الدین عبدالرحمٰن

-:oOo:-

اکائی 16 : برجی مملوک: قیام واستحکام

اکائی کے اجزا

16.0 تمہید
16.1 مقصد
16.2 پس منظر
16.3 برجی ممالیک کا آغاز
16.4 قیام حکومت
16.5 اہم حکمراں: ملک ظاہر برقوق
16.6 ناصرالدین فرج
16.7 المویدشیخ
16.8 الملک الاشرف سیف الدین برس بے
16.9 الظاہر سیف الدین جقمق
16.10 سیف الدین انال
16.11 سیف الدین قیت بائے
16.12 اشرف قانصوہ غوری
16.13 برجی حکومت کا زوال
16.14 طومان بے اور مملوکوں کی آخری جنگ
16.15 اکتسابی نتائج
16.16 نمونہ امتحانی سوالات
16.16.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

16.16.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

16.16.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

16.17 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

16.0 تمہید

مصر کی غلام حکومت کو ہم مملوک یا ممالیک مصر کے نام سے جانتے ہیں جسے تاریخ میں دو خاندانوں میں منقسم کیا گیا ہے، بحری اور برجی۔ اس سے پہلے کی یونٹ میں آپ نے بحری مملوک حکومت کے قیام و عروج کا مطالعہ کیا۔ اس اکائی میں ہم برجی مملوک حکومت کے قیام و عروج اور اس دور کے حکمرانوں کی خدمات کا جائزہ لیں گے جن میں برقوق، جقمق، اشرف قانصوی وغیرہ کے عہد کا تذکرہ شامل ہے۔ نیز ان کے دور حکومت کے اہم واقعات سے آگاہی حاصل کریں گے۔

16.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ اس بات سے واقف ہو جائیں گے کہ وہ کون سے اسباب و عوامل تھے جن کے ذریعے برجی مملوک کی حکومت کی بنیاد پڑی اور وہ یہ بھی جانیں گے کہ اس حکومت کے اہم حکمرانوں نے اپنے دور حکومت میں کیا خدمات انجام دیں۔ نیز ان کے احوال زندگی پر بھی روشنی ڈالی جائے گی، تا کہ آپ اس اکائی کو پڑھ کر یہ جان لیں کہ برجی سلاطین کو مصر میں کیوں اہمیت حاصل ہے اور انہوں نے اپنی ضرب المثل شخصیت سے عوام کو کیا فائدہ پہنچایا ہے۔ ساتھ ہی ہمیں اس اکائی کو پڑھنے سے برجیوں کی حکومتی پالیسیوں اور ان کے نفاذ میں پیش آنے والے مشکلات سے بھی آگاہی ہوگی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح ایک نوخیز حکومت ایک طاقتور اور مستحکم سلطنت میں تبدیل ہوگئی۔ بعد ازاں اس اکائی میں برجی مملوک حکومت کے اسباب زوال سے بھی واقف کرایا جائے گا۔

16.2 پس منظر

مملوک حکومت کے دوسرے دور (1382 تا 1517) کے سلطانوں کا اصل مولد و مرکز سرکس یا چرکس یا کرغز کا علاقہ تھا۔ یہ علاقہ نواحی سائبیریا اور بحر الکاہل کی طرف واقع ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں ان کے آبا و اجداد بالائی ایشیا کی طرف آئے اور بحر قزوین کے سواحل پر سکونت پذیر ہوئے۔ انہیں کی اولاد کو بحری مملوک سلاطین ظاہر بیبرس، منصور قلاؤون اور اشرف خلیل نے کثرت سے خرید کر اپنی فوج میں شامل کر لیا تھا۔ چونکہ چرکسی مملوک دماغی اور جسمانی دونوں لحاظ سے بحری مملوکوں سے کہیں بہتر تھے اس لیے قلعوں کی حفاظت اور فوج کے سربراہی کے لیے انہیں ہی منتخب کیا گیا، نیز محل و سلطنت کے امور بھی انہیں چرکسی مملوکوں کی سرپرستی میں آگئے تھے۔ بتدریج ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور دھیرے دھیرے حکومتی امور میں ان کا اثر و رسوخ اس قدر بڑھ گیا کہ ملک کی سیاسی معاملات اور فیصلوں پر چھا گئے۔ پھر ان کا عمل دخل اس قدر بڑھا کہ ان کے دلوں میں اپنی حکومت و اقتدار قائم کی خواہشیں انگڑائیاں لینے لگیں۔ چنانچہ سلطان المنصور علی کے دور میں امیر العساکر و افسر فوج کی سربراہی کرنے والے چرکسی النسل مملوک برقوق نے ملک صالح کو تخت سے ہٹا کر خود تخت پر قبضہ کر لیا۔

16.3 برجی ممالیک کا آغاز

برجی مملوک کی خلافت اور اس کے قیام میں بحری مملوک کے آخری نصف پچاس سال نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ اس دوران ایسے

حالات پیدا ہوئے جنہوں نے بحری حکومت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ایک نئی حکومت کے لیے راستے ہموار کر دیئے۔ ان حالات کا آغاز 1341 میں سلطان ناصر محمد کے انتقال کے بعد ہوا۔ ناصر کی وفات کے بعد اس کی متعدد اولاد تخت نشین ہوئی جن کے زمانہ حکومت میں سیاسی عدم استحکام پیدا ہوا۔ اس کے اکثر جانشین صرف نام کے سلطان تھے، سوائے ناصر حسن 1347 تا 1351، 1354 تا 1361 اور اشرف شعبان 1363 تا 1367 کے علاوہ تمام سلطانوں کے حکومتی انتظامات مملوک وزراء کے ہاتھوں میں تھے۔ ناصر محمد کے بیٹوں میں سب سے پہلے ابوبکر پھر ناصر محمد کے نوزائیدہ بیٹے اشرف علاء الدین کجک کا نام آتا ہے، اس کے بعد اشرف کجک کے سوتیلے بھائی ناصر احمد، بعدازاں اس کے سوتیلے بھائی سلیمان اسماعیل، پھر اس کے بھائی الکامل شعبان جس کے بعد اس کا بھائی المظفر حاجی تخت نشین ہوا، جو سن 1347 کے آخر میں انتقال کر گیا۔

حاجی کی موت کے بعد ناصر محمد کے ممتاز امیروں نے اس کے 12 ر سالہ بیٹے ناصر حسن کو سلطان مقرر کر دیا۔ ناصر حسن کے زمانہ خلافت کے پہلے دور 1347-1351 میں بوبونک نامی طاعون نے مصر کو کافی نقصان پہنچایا، اس کے باعث ملک میں بڑے پیمانے پر اموات ہوئیں، تقریباً 2 ر لاکھ لوگ اس وباء میں جاں بحق ہو گئے جو اس وقت قاہرہ کی آبادی کا ایک تہائی حصہ تھا، جس کے نتیجے میں اس خطے میں بڑی معاشرتی اور معاشی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ 1351 میں ناصر حسن نے خود کو بالغ سمجھ کر انتظامی اختیارات و امور کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں امیر تاز کی سربراہی میں سلطنت کے معزز امیروں نے حسن کو اقتدار سے ہٹا دیا اور اس کی جگہ اس کے بھائی صالح کو تخت نشین کر دیا۔ 1354 میں مملوکوں کی صالح کے خلاف بغاوت کے بعد امیر شیخو اور سیف الدین سرگیتمش نے صالح کو معزول کر کے ناصر حسن کو دوبارہ تخت نشین کیا۔ ناصر حسن کا دوسرا دور زیادہ تابناک ہے اس نے اپنے معمر امیروں کو اپنی انتظامیہ سے بے دخل کر دیا، جن میں امیر تاز، امیر شیخو العمری الناصری اور سیف الدین سرگیتمش اور ان کے مملوک سربراہان شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ناصر حسن نے فوج اور حکومتی انتظامیہ میں غلام مملوکوں کی اولاد کو اپنی انتظامیہ میں شامل کرنا اور ان کی تشہیر کرنا شروع کر دیا اس کا یہ عمل مملوک بحری دور کے اختتام تک جاری رہا۔ حسن کے اس رویہ سے اس کے ہم نوا مملوکوں میں ناراضگی پیدا ہوئی جس نے آگے چل کر بغاوت کی شکل اختیار کر لی، جس کی قیادت امیر یلبغا العمری کر رہا تھا، جس نے بالآخر 1361 میں حسن کو قتل کروا دیا۔ یلبغا ناصر حسن کے جانشین اور مرحوم سلطان حاجی کے چھوٹے بیٹے المنصور محمد کا عہدے دار بن گیا۔ منصور کے اس دور میں بحری مملوکوں کو بیک وقت بین الاقوامی تجارت میں اپنی زبوں حالی کا سامنا کرنا پڑا جس سے حکومت کے آمدنی کے ذرائع میں کمی واقع ہوئی جس نے بحری حکومت کو مزید کمزور کر دیا۔ یلبغا کو بعد میں 1366 میں ایک بغاوت میں اس کے اپنے ہم نوا مملوکوں نے قتل کر دیا جس کی سرپرستی سلطان اشرف شعبان نے کی جسے یلبغا نے 1363 میں قید کر دیا تھا یلبغا نے قتل کے بعد اشرف شعبان 1377 تک بنا کسی مخالفت کے حکمرانی کرنے میں کامیاب رہا لیکن عمر نے زیادہ دنوں تک وفا نہیں کی اور اسے حج ادا کرنے کے لیے مکہ جاتے ہوئے راستہ میں مملوک مخالفین نے قتل کر دیا۔

تاریخ میں یہ بات بہت وثوق کے ساتھ نہیں ملتی کی اس قتل کا ذمہ دار کس شخص کو کہا جائے لیکن مختلف کتابوں میں اس امر کا ذمہ دار برقوق کو قرار دیا گیا ہے، لیکن جب یلبغا مخالف جماعت کے ہاتھوں مارا گیا تو اس وقت برقوق اور امیر برکہ دونوں کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا تھا۔ وہ دونوں وہاں سے رہائی حاصل کر کے کسی طرح امیر منجک والی دمشق کے پاس پہنچ گئے اور اس کے فوج میں شامل ہو گئے۔ ان دنوں مصر پر بحری سلطان ملک اشرف حکومت کر رہا تھا جس نے برقوق کو 1377 میں مصر بلا کر ایک ہزار سپاہیوں کا امیر مقرر کر دیا، جس نے برقوق کے دل میں سلطنت کی خواہش میں مزید اضافہ کر دیا، برقوق نے اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور وہ اپنی محنت اور خداداد صلاحیت کی بنا پر ملک منصور کے عہد 1378 میں ترقی کرتا ہوا اتابک العساکر کے عہدے پر فائز ہو گیا اور آخر میں بحری سلطان ملک صالح 1382 کے دور میں اپنی جماعت کی وساطت

سے تخت پر متمکن ہو گیا، اس طرح سے بحری مملوک خاندان کے اختتام کے بعد برجی مملوک خاندان کی حکومت قائم ہوئی جس نے مصر وشام کے ساتھ ساتھ اردن و فلسطین کی سرزمین پر اپنا اقتدار قائم کیا جو ایک سو بتیس سال (1382 تا 1517) تک قائم رہ کر 1517 میں عثمانیوں کے ہاتھوں اختتام کو پہنچ گئی۔

16.4 قیام حکومت

چونکہ برجی مملوکوں کی حکومت کوئی علاحدہ حکومت کے طور پر وجود میں نہیں آئی تھی بلکہ وہ بحری مملوک حکومت کا اٹوٹ حصہ تھی اور دوسرے خاندان سے متعلق ہونے کی وجہ سے اسے ان کے خاندانی نام پر سرکسی اور بحریوں کے دور میں برجوں میں انکی خدمات کی وجہ سے برجی مملوک کہا جاتا ہے۔اس دور کے حکومتی استحکام کو برجی حکومت کے اہم حکمرانوں کے ضمن میں ہی دیکھا جا سکتا ہے، برجی مملوک سلاطین کی کل تعداد 23 تھی جنہوں نے ایک سو بتیس سالوں تک حکومت کی جن میں سے صرف 9 قابل ذکر حکمراں گزرے باقیوں کا دور کم اہمیت کا حامل ہے، اس حکومت کی بنیاد ملک الظاہر برقوق نے رکھی اور بحریوں کی ڈوبتی ہوئی سلطنت کو پائیدار بنایا اگر چہ یہ حکومت بحری سلاطین کے مقابلہ میں کم مشہور، کم پائیدار، کمیاب تھی لیکن مصر وشام اور حجاز میں مسلمانوں کی تاریخ اور ان کی شناخت کو برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے، جس کی سب سے پہلی کڑی برقوق کی تخت نشینی اور اس کا دور ہے۔

16.5 اہم حکمراں: ملک ظاہر برقوق

برقوق ایک سرکسی النسل غلام تھا اور وہ اپنے والد انس کے ساتھ تقریباً 64-1363 میں یلبغا العمری کے ہاتھوں خریدا گیا تھا۔یلبغا نے انس کو اپنے مقرب غلاموں میں شامل کر لیا تھا جس کے ساتھ اس کا بیٹا برقوق بھی تھا، برقوق نہایت ذہین وفطین شخصیت کا مالک تھا، عقل وفہم کے ساتھ ساتھ رعب وہیبت کے اثرات اس کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود تھے یہی وہ وجوہات تھے جس نے برقوق کو امیر یلبغا کے مصاحبوں میں شامل کرا دیا۔ برقوق علم وادب اور علوم اسلامیہ میں اچھا درک رکھتا تھا جس کے سبب مصاحبوں میں اس کا وقار اور بھی زیادہ بڑھ گیا تھا، سلطان المنصور علی کے دور میں جب برقوق نے مملوک ریاست میں کافی اثر ورسوخ حاصل کر لیا تو اس نے اپنے والد انس کو مارچ 1381 میں مصر بلا لیا جہاں اس نے اسلام قبول کر چرکسی النسل مملوکوں کے پہلے مسلم والد قرار پائے جن کا ذکر مملوک کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے کیونکہ ان سے پہلے مملوک نسل کے والدین عام طور پر غیر مسلم ہوا کرتے تھے، برقوق نے اپنے والد انس کو سو فوجیوں کا امیر منتخب کر دیا انس اپنے تقوے، حلم، رحم اور فلاحی کاموں کے لیے مشہور تھے، اس منصب کو انہوں نے پورے عزم واستقلال کے ساتھ نبھایا، لیکن عمر نے وفا نہ کی اور دس ماہ بعد ہی داعی اجل سے جا ملے۔

1341 کے بعد سے بحری مملوک سلطنت پر الناصر محمد کی اولاد کا قبضہ رہا لیکن ان میں سے کسی میں بھی وہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ سلطنت کی ذمہ داری کو بخوبی انجام دے سکے۔ان کی تاج پوشی کے وقت اکثر حکمراں کم عمر تھے، لہٰذا مملوک سلطنت کے امیروں نے انہیں کٹھ پتلی کی طرح استعمال کیا۔ برقوق تخت سلطان کے پیچھے کھڑے ہو کر یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا اس دوران وہ ان سلطانوں کے دربار میں مختلف اعلیٰ عہدوں پر خدمات انجام دیتا رہا، اس نے نومبر 1382 میں اپنی پوری قوت کو منظم ومستحکم کر لیا، یہاں تک کہ وہ سلطان الصالح حاجی کو معزول کر کے سلطنت کا دعویٰ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

پہلا دور: برقوق نے تخت پر قبضہ کرتے ہی عباسی خلیفہ وقت متوکل سے اپنی امارت کا فرمان لکھوایا قاضی، علماء اور امرائے سلطنت سے اپنی خلافت کی

بیعت لی اور بحری سلطان رکن الدین بیبرس کا لقب الملک الظاہر اختیار کیا، برقوق کے عہد کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: پہلا دور 1382 سے 1389 تک اور دوسرا 1390 سے 1399 پر محیط ہے۔ سلطان برقوق نے امارت کا عہدہ سنبھالتے ہی ملک کی انتظامی حالت کی طرف توجہ کی۔ بحری مملوکوں کے دور میں جو ناجائز محاصل ورسوم ورواج کارفرما تھے اسے ختم کیا نیز عوام کی اقتصادی واخلاقی اصلاح کی طرف خاطر خواہ توجہ دی، جبکہ اپنے دوسرے دور میں اس نے بہت سے فلاحی وملکی انتظامی کاموں کو انجام دینے میں مکمل ہوا۔

برقوق کو تخت نشینی کے بعد جلد ہی مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس کی ابتدا ظاہری بغاوت سے ہوئی، جس کے نتیجہ میں اس کا اقتدار ہاتھ سے جاتا رہا، اس بغاوت کا آغاز صوبہ حلب کے والی یلبغا الناصری کی بغاوت سے ہوا جس کو ایک معزول مملوک امیر منطاش کا ساتھ مل گیا نیز ملک شام کے باقی والی بھی بغاوت میں شامل ہو گئے تھے جن میں سب سے دور دراز مقام سیس کا والی بھی شامل تھا، جب تک برقوق باغیوں کے خلاف کاروائی کرنے کے لیے اپنے درباریوں سے دوبارہ حلف وفاداری لیتا اس وقت تک یلبغا الناصری شام کے اکثر علاقوں پر قابض ہو گیا تھا اور آگے بڑھ کر اس نے دمشق میں شاہی فوج کو بھی شکست دے دی تھی جو اس کے خلاف بھیجی گئی تھی۔

سلطان برقوق نے فوراً دوسری فوج ترتیب دی کیونکہ یلبغا اپنے فوجی دستوں کے ساتھ قاہرہ کی طرف بڑھ رہا تھا، برقوق کے ساتھیوں نے یہ اندازہ کر کے کہ فریق میں سے فتح دوسرے فریق کو ملے گی برقوق کا ساتھ چھوڑ کر یلبغا سے جا ملے مجبوراً برقوق کو میدان جنگ چھوڑ کر قاہرہ واپس آنا پڑا، برقوق کو جب یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کے ساتھیوں کی وفاداری دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے تو وہ بھیس بدل کر قلعہ سے باہر نکل گیا، لیکن لوگوں نے اسے پہچان کر پکڑ لیا اور قلعہ کرک میں قید کر صالح حاجی کو دوبارہ تخت پر بیٹھایا لیکن مملوکوں کی لالچ اور آپسی لڑائیاں رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برقوق قید سے رہائی حاصل کرنے میں کامیاب رہا، نیز اس نے بدوی عربوں پر مشتمل ایک فوج مرتب کر قاہرہ کی باغی جماعت سے مختلف اوقات میں لڑائی کرتا ہوا بالآخر باغیوں کی جماعت پر قابو پا لیا اور فروری میں دوبارہ قاہرہ میں فاتحانہ داخل ہوا اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

حکومت کا دوسرا دور

برقوق نے اپنے دوسرے دور حکومت جو 1390 سے 1399 میں پچھلے حالات سے سبق لیتے ہوئے اپنے مشیروں اور درباری امرا کے عہدوں پر اپنے خاندان کے لوگوں کا تقرر کیا تاکہ بغاوت کی روش کو روکا جا سکے، برقوق نے ریاست کی فلاح و بہبود کے لیے شام کی انتظامی تقسیم کی طرح ہی مصری نظام میں جدت پیدا کرتے ہوئے اسے تین صوبوں میں تقسیم کر دیا، مصر کے نئے صوبے اسکندریہ، دمنہور اور اسیوط تھے، برقوق کی یہ تقسیم مصر میں عرب قبائل کی بڑھتی ہوئی طاقت سے مصر کے دیہی علاقوں کو بہتر طور پر قابو کرنے کے لیے کی تھی، تاکہ عرب قبائلی آبادی کو محفوظ رکھا جائے جس کے لیے اس نے دریائے نیل کے بربر ہوارہ قبیلہ کو مصر کے بالائی حصہ میں بسنے کا حکم دیا۔

برقوق کا زمانہ حکومت کئی وجوہات سے نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ وہ دور ہے جس میں اسلامی دنیا تیموریوں کے حملوں سے پریشان تھیں خاص کر مشرقی ایشیائی ممالک میں ایک ہیجان کی سی کیفیت تھی۔ اسی اثنا امیر تیمور نے 787 ہجری میں ملک شام کی طرف کوچ کیا جس کی وجہ سے مصر وشام میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی، 1394 میں برقوق نے تیموری فوج سے جنگ کرنے اور مصر کے طرف بڑھتے ہوئے ان کے قدم کو روکنے کے لیے دریائے فرات کے کنارے اپنی فوج جمع کی لیکن تھوڑی بہت جھڑپ کے بعد میدان خالی ہو گیا اور تیمور نے اس جنگ میں زیادہ دلچسپی

نہیں لی اور وہ دوسری طرف نکل گیا، برقوق نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شام کی سرحدی علاقوں میں نئے سالار متعین کئے نیز سرحد کو مضبوط بنانے پر بھی زور دیا اور اپنی سرحد کو تیموری حملوں سے محفوظ کرتا ہوا قاہرہ واپس لوٹ آیا۔ برقوقی حکومت کے یہ دور انتشار اور بے راہ روی کے شکار تھے لیکن اس کے باوجود مصر کی عظمت پر کوئی کھروچ نہیں آئی، برقوق کے عہد کا آخری زمانہ تاریخی اعتبار سے غیر اہم ہے لیکن اس نے تعمیرات اور فنون لطیفہ میں غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔

16.6 ناصرالدین فرج

1399 میں سیف الدین برقوق کا اچانک انتقال ہو جانے کے بعد ناصرالدین فرج بن برقوق اپنے والد سیف الدین برقوق کے بعد جولائی 1399 میں مصر میں مملوک سلطنت کے برجی خاندان کے دوسرے سلطان کی حیثیت سے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور الناصر کا لقب اختیار کیا، اسکا دور انارکی، ہنگامہ آرائی اور افراتفری کا دور مانا جاتا ہے کیونکہ اس کے دور میں تیمور لنگ نے ملک شام اور اس کے اطراف کے مختلف مقامات پر قبضہ کر لیا تھا جس میں دمشق جیسا اہم شہر بھی شامل تھا، اس کے علاوہ امرائے شام کے ساتھ لا متناہی تنازعات کے ساتھ میں طاعون اور قحط سے زبوں حالی پھر مسلسل بغاوتوں کا سلسلہ جو 1401 سے 1413 تک مسلسل چلتی رہیں اس نے مصر پر مملوکوں کی پکڑ کو عملی طور پر کمزور کر دیا تھا جبکہ دارالحکومت قاہرہ کو معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑا تھا، ستمبر 1405 میں ناصرالدین فرج اپنے اردگرد کی سازشوں سے خوفزدہ ہو کر سلطنت کی باگ ڈور اپنے بھائی عزالدین عبدالعزیز کے سپرد کر دی لیکن امرائے سلطنت کے کہنے پر پھر اسی سال نومبر 1405 میں اس نے اپنا عہدہ دوبارہ حاصل کر لیا ،ناصرالدین فرج نے اس کے بعد تقریباً سات سال حکومت کی۔ 1412 میں شام میں مقیم مملوک امراء تنم، جاکام، نوروز اور المؤید شیخ نے ناصرالدین فرج کی حکومت کو ختم کر کے اپنی اتحادی حکومت قائم کرنے پر اتفاق کر لیا تھا جن کے خلاف فرج نے اپنے دور حکومت میں مجموعی طور پر سات فوجی مہم بھیجی تھی، بالآخر شام کے امیروں کے ساتھ بال بیک میں اس نے ساتویں اور آخری جنگ کی دوران جنگ ناصرالدین کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر دمشق کے قلعہ میں پناہ گزین ہوا لیکن جلد ہی قید کر لیا گیا اور 23 مئی 1412 کو اسے قید خانے میں ہی قتل کر دیا گیا، جس کے بعد مملوک امرا نے عارضی اقدام کرتے ہوئے خلیفہ المستعین باللہ کو تخت نشیں کیا کیونکہ خلیفہ کو مقامی لوگوں میں مذہبی رہنما کی حیثیت حاصل تھی نیز غیر سرکسی مملوکوں کی حمایت بھی حاصل تھی، لیکن چھ ماہ کی مدت کے بعد المؤید شیخ نے اپنے سب سے اہم حریف نوروز کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد المستعین باللہ کو اقتدار سے دستبردار کر دیا اور خود تخت سلطنت پر متمکن ہو گیا۔

16.7 المؤید شیخ

ناصرالدین فرج کے انتقال کے بعد المؤید شیخ تخت پر متمکن ہوا اس کا سب سے بڑا ہدف سلطنت میں اقتدار کی بحالی تھا، کیونکہ اس کے عہد نے 1415، 1417 اور 1420 میں طاعون و ناگہانی آفات کا زمانہ دیکھا تھا۔ اپنے دور حکومت میں شیخ نے شاہی خزانے کو بھرنے کے لیے ریاست کی مالی انتظامیہ کی دوبارہ تنظیم کی اس مقصد کے حصول کے لیے اس کے مالیاتی منتظم نے ٹیکسز وصول کرنے کی تحریک چلائی جس سے ملک بھر میں لوٹ مار کی حالت پیدا ہو گئی تاکہ ناصرالدین فرج کے دور حکومت میں جو ٹیکسز جمع نہ ہو سکے تھے ان کی تلافی ہو سکے اس کے علاوہ المؤید شیخ نے اناطولیہ میں مملوکوں کی انتظامی برتری برقرار رکھنے کے لیے متعدد دشمنوں کے خلاف فوجی مہم بھی چلائی اور اس خطہ میں ریاست کے اثر و رسوخ کو بڑھانے کے لیے جد جہد کی۔

16.8 الملک الاشرف سیف الدین برس بائے

برس بائے کا پورا نام الملک الاشرف ابونصر سیف الدین برس بائے ہے، اس کے ابتدائی حالات پردہ خفا میں ہیں اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ برقوق کے زمانہ میں اراکین سلطنت کے زمرے میں داخل ہوا اور المؤید شیخ کی حکومت میں طرابلس کے صوبے کا والی بنایا گیا، المؤید شیخ اور امرا سلطنت کے مابین انتشار کے زمانہ میں وہ بھی دیگر امرا کے ساتھ قید و بند سے دوچار ہوا لیکن سلطان ططر کی حکومت میں برس بائے کو عروج حاصل ہوا اور وہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔

1421 میں المؤید شیخ نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بڑے بیٹے احمد کے لیے ایک استاذ کی حیثیت سے 1420 میں ایک ترکی النسل مملوک کو اس کا اتابک العساکر بنا کر سرکسی مملوکوں کی طاقت کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ان کی وفات کے بعد ایک سرکسی امیر ططر نے شیخ کی بیوہ سے شادی کر لی اور اتابک العساکر کو بے دخل کر کے خود ہی اقتدار سنبھال لیا، ططر کا دور اقتدار صرف تین مہینے کا رہا اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ برقوق کے ایک سرکسی امیر برس بائے نے 1442 میں سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ برس بائے کا سولہ سالہ دور دیگر مملوک حکمرانوں کے مقابلہ میں زیادہ طویل ہے، اس کے دور حکومت میں زیادہ تر امن و امان قائم رہا۔ برس بائے کا عہد مملوک ریاست میں متعدد انتظامی اصلاحات کا عہد تھا اس بنا پر اس کے عہد کو برجی مملوک حکومت کے استحکام و عروج کا دور کہا جا سکتا ہے، جس میں سلطنت کی حفاظت کے لیے افواج کی تقرری ہو یا یمن اور یورپ کے درمیان بحر احمر کی تجارتی بندرگاہ پر مصر کے خصوصی حقوق حاصل کرنا ہو، برس بائے خاص طور پر مصالحوں کے حوالے سے مقامی تاجروں کی سہولیت کے لیے یورپ کے ساتھ تجارت کرنے اور معاشی پالیسی کو بہتر بنانے عمل پیرا تھا۔

برس بائے نے ہندوستانی تاجروں کو مجبور کیا کہ وہ اپنا سامان یمن کی بندرگاہ عدن کے بجائے مملوک کے زیر انتظام جدہ کی حجازی بندرگاہ پر اتاریں تاکہ بحر احمر کے راستے یورپ جانے والے بحری راستوں سے زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ اس نے حجاز جانے والے قافلوں کے راستوں کو بدو چھاپوں اور مصری بحر روم کے ساحل کو کاتالونیہ اور جینیسی بحری قزاقوں سے محفوظ کرنے کی کوششیں بھی کیں۔ یوروپی بحری قزاقوں سے حفاظت کے سلسلے میں اس نے 1426-1425 میں قبرص کے خلاف لشکر کشی کی تیاریاں شروع کی اور متعدد چھوٹے حملے بھی ہوئے، لیکن 1426 میں برس بائے نے قبرص پر حملہ کیا اور اسے دوبارہ فتح کیا۔ اس نے قبرص کے بادشاہ جانوس کو قید کر لیا اور اسے خراج پیش کرنے پر مجبور کیا بادشاہ قبرص نے اپنی آزادی کے لیے برس بائے کو خراج دینا تسلیم کیا۔ جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت کا ایک حصہ مکہ معظّمہ بھیج دیا گیا، تاکہ وہاں تعمیراتی کاموں میں سرف کیا جا سکے۔ برس بائے کی تجارتی تحفظ کی کوششوں کا مقصد سلطنت کے زرعی شعبے کو شدید مالی نقصانات سے دوچار ہونے سے بچانا تھا جو بار بار آنے والی طاعونی وبا سے کاشتکاری کو بھاری نقصان پہنچتا تھا۔

برس بائے کے دور میں فوجی فتوحات سے حاصل ہونے والی آمدنی اور ان تجارتی پالیسیوں نے اسے اپنے تعمیراتی منصوبوں کے لیے مالی مدد دی، اور اس نے اپنے زمانہ میں تین قابل ذکر یادگاریں چھوڑیں، جن میں 1424 میں قاہرہ کے قلب میں واقع المعظ کے علاقہ میں ایک مدرسہ مسجد اور کمپلیکس کی تعمیر اس کے علاوہ ایک خانقاہ جس میں ایک مدرسہ اور میوزیم بھی شامل تھا جو 1432 میں قاہرہ کے شمالی قبرستان میں تعمیر کیا گیا تھا شامل ہے اس کے بعد برس بائے نے 1437 میں قاہرہ کے شمال میں الخانکہ قصبے میں ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ برس بائے 1438 میں طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر جام شہادت حاصل کی۔

16.9 الظاہر سیف الدین جقمق

سیف الدین جقمق ایک سرکسی نسل مملوک تھا وہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ مصر آیا تھا جہاں اس کے بھائی نے پیسہ کی لالچ میں سلطان برقوق کے دور میں اتابک انال یوسفی کے ہاتھوں بیچ دیا جہاں سے سیف الدین جقمق کی زندگی ہی بدل گئی وہ اپنی صلاحیت اور انال یوسفی کی اعانت سے قاہرہ کے قلع میں سلطان کے محافظ دستہ (خاصکی) میں شامل ہوگیا، اس کے بعد اس نے سلطان الناصر فرج کے لیے کام کیا یہاں تک کہ ملک میں انتشار کے زمانہ میں اپنے بھائی کے ساتھ قید و بند کی زندگی گزاری بعد میں ابن طغری بردی کے دادا امیر طغری بردی نے اسے رہا کر دیا۔ پھر اس نے 1418 سے 1420 تک المویدشیخ کے دور میں دمشق میں سلطان کے نائب کی حیثیت سے خدمت انجام دیں اسی زمانہ میں اس نے خان جقمق تعمیر کرایا پھر اسے سلطان سیف الدین ططر کے زمانہ میں قاہرہ قلعہ کا نائب بنایا گیا اس کے بعد وہ سلطان برس بائے کے دور میں ترقی کی منازل طے کرتا ہوا اتابک العساکر بن گیا اور اناطولیہ کے گورنر کی بغاوت کو دبانے کے لیے ایک فوجی مہم کی قیادت کی، اس نے اپنی بے مثال شخصیت کے ذریعے العزیز جمال الدین یوسف کے سرپرست بننے کے لیے برسبای کا اعتماد حاصل کر لیا اور جب 1438 میں سلطان برسبای انتقال کر گیا اور تخت اپنے بیٹے یوسف کے پاس چھوڑ دیا جو صرف پندرہ سال کا تھا تو جقمق نے بڑی دانائی و عقلمندی سے یوسف کو معزول کر کے خود پینسٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوگیا۔

جقمق کے سلطان بننے کے بعد امیر کورکماز الشعبانی نے اپنی قیادت میں سلطان کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا جقمق نے اس بغاوت کو ختم کرنے کے لیے کورکماز کے ساتھیوں کے ساتھ اپنے حامیوں کے درمیان سونا تقسیم کروایا جس کے نتیجہ میں کورکماز کو اس کے ساتھیوں نے چھوڑ دیا، جقمق نے اس بات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اسکندریہ میں گرفتار کرا کر پھانسی دیدی۔ اس واقعہ کے بعد ملک شام کے امیروں میں بغاوت پھیلی دمشق کے گورنر انال الجکمی اور حلب کے گورنر طغری برماش نے یوسف بن برس بائے کا ساتھ دینے یا اس کی حمایت کرنے کا عہد لے لیا جو قاہرہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن یوسف کو دوبارہ پکڑ لیا گیا اور جقمق نے اسے اسکندریہ کے علاقہ میں جلاوطن کر دیا۔ جقمق نے عقابغہ التمرازی کی قیادت میں باغی امیروں کی سرکوبی کے لیے ایک فوجی دستہ بھیجا جس نے دمشق اور حلب کے امرا کو شکست دیکر ان مقامات پر قبضہ کر لیا اور بغاوت کا استیصال کر امن وامان قائم کیا۔

جقمق کے زمانہ میں شاہ رخ مرزا کے بیٹے اور تیمور لنگ کے جانشین نے قاہرہ میں اپنی سفارت بھیجی جس کا مقصد جقمق سے کعبہ کے لیے کسواہ فراہم کرنے کی اجازت مانگنا تھا۔ ابتدا جقمق نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا لیکن پھر عوامی مخالفت کے باوجود اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ جب شاہ رخ مرزا کا سفیر کسوا کے ساتھ قاہرہ پہنچا تو عوام نے پتھر پھینک کر اس کی مخالفت کی لیکن سلطان جقمق نے اس مخالفت کو دبا دیا اور سفیر کو مکہ جانے کی اجازت دے دی۔ 1453 میں جقمق نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے فخر الدین عثمان کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔

16.10 سیف الدین انال

سیف الدین انال 1381 میں قاہرہ میں ایک سرکسی تاجر کے گھر پیدا ہوا اسے 18 سال کی عمر میں 1397 میں برجی خاندان کے بانی سلطان الظاہر برقوق کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا انال نے برقوق کی ماتحتی میں فوجی تربیت حاصل کی، برقوق کی موت کے بعد سلطان الناصر فرج نے انال کو آزاد کر کے اسے اپنے محافظ دستے خاصکی میں شامل کر لیا۔ آگے چل کر فرج نے اسے 1421 میں جمعدار کا درجہ دیا نیز 1421 ہی میں احمد ابن شیخ نے اپنے دور حکومت میں انال کو دس فوجیوں کا امیر بنایا دیا، انال کو 1422 میں سلطان برس بائے نے ڈھول کے امیر کے عہدے پر ترقی دی۔ انال نے فوجی

تعداد میں اضافہ کرتے ہوئے خود کو کمانڈر کے طور پر متعارف کرایا۔ 1427 میں برس بائے نے انال کو چالیس فوجیوں کا امیر منتخب کیا اور 1428 میں اسے غزہ کا نائب گورنر یا وائسرائے مقرر کیا گیا جہاں انال نے 30 جولائی 1432 کو جامع الولایات مسجد کے مینار کی مرمت کرائی اور 1432 میں اس نے سلطان برسبای کے ساتھ امیڈ (دیار باکر) کے آق قویونلو کنفیڈریشن کے خلاف مملوک لشکر کشی میں حصہ لیا۔ امیڈ کی فوجی مہم میں انال کی کوششوں کے صلہ میں برس بائے نے 1433 میں انال کو قاہرہ میں ایک سو سپاہیوں کا امیر اور ایک ہزار سپاہیوں کا سپہ سالار بنا دیا۔ انال کو اس کی صلاحیتوں کی بنا پر دوبارہ روحا کے علاقہ (ایڈیسا) کا نائب مقرر کیا گیا تھا، جسے انہوں نے ہچکچاتے ہوئے قبول کیا اور پھر دن کے اختتام سے پہلے ہی چھوڑ دیا۔ برس بائے کی حکمرانی کے آخری دنوں میں 1437 میں انال کو شہر صفد کا نائب مقرر کیا گیا۔ 1442 میں جقمق کی حکومت کے دوران انال کو دوادار کبیر کے اعلی عہدے پر تعینات کیا گیا اور وہ حکمران کونسل کا رکن بن گیا۔ 1445 میں سلطان جقمق نے اسے اتا بک العسا کر کے عہدے پر فائز کر دیا۔

جقمق نے 1453 میں اپنے 18 سالہ بیٹے المنصور عثمان کو اپنا جانشین منتخب کیا اور اسی سال اس کا انتقال ہو گیا۔ چرکسی النسل مملوکوں نے انال کو عثمان کے خلاف باغیوں کی سربراہی کرنے پر راضی کر لیا، چنانچہ 12 مارچ 1454 میں اس کے باغی امیروں نے قاہرہ کے قلع کا محاصرہ کر کے تمام درباری امیروں کو گرفتار کر لیا اور عثمان کی جگہ انال کو سلطان بنانے کا مطالبہ کیا۔ 15 ویں صدی عیسوی کے مشہور مصری مورخ ابن طغری بردی نے لکھا ہے کہ ملک میں اثر ورسوخ رکھنے کے باوجود بھی عثمان کے زیادہ تر ظاہری مملوکوں نے 16 مارچ تک اس کے لیے اپنی حمایت چھوڑ دی تھی جب تک خلیفہ القائم بامر اللہ اور اعلی قاضیوں نے عثمان کو ان کے تخت سلطنت سے ہٹانے کی قرارداد منظور نہیں کر لی۔ اس طرح 73 سال کی عمر میں 19 پریل کو عثمان کو اسکندریہ میں قید کروا کر انال بای نے برجی مملوک سلطان کی حیثیت سے اپنی حکومت کا آغاز کیا۔

مورخین نے انال کے دور میں ایک ہزار خاصکیوں کی امور سلطنت میں بے جا مداخلت نیز حکومتی انتظامات میں عدم تحمل اور بے عنوانیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جنہیں جلبان یا اجلب کہا جاتا تھا۔ جلبان پورے سلطنت میں بڑے پیمانے پر رخنہ اندازی وانتشار کے ذمہ دار تھے، جبکہ انال اوران کے قریبی امرا اور اراکین مجلس اپنے پیشروں کے مقابلے میں کم ظالم اور سفاک تھے، جلبان کی خلاف ورزیوں نے خوف اور عدم تحفظ کا ماحول پیدا کیا۔ یورپین مورخ سر ولیم میور کے مطابق پہلی بار امیر اور غریب دونوں کو خندق اور دیوار میں اپنی جائیدادوں کو چھپا کر حفاظت کرنی پڑی، بازاروں اور دکانوں پر بار بار چھاپوں کی وجہ سے بہت سے دکانداروں نے مملوکوں کے خلاف کارروائی کرنے اور اپنی جان ومال کی حفاظت کے لیے جگہ جگہ احتجاج کئے اور اپنے کاروبار کو بند کر دیا ،ان حالات سے نپٹنے کے لیے اور مملوکوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے انال نے مختلف فوجی افسران مقرر کئے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، تو انال نے مملوکوں سے مذاکرات کے لیے چار امیروں کو روانہ کیا لیکن مملوکوں نے ان کے مطالبات پورے ہو جانے تک انہیں یرغمال بنا لیا۔ باغیوں نے خلیفہ القائم کو انال کی حمایت ترک کر کے بغاوت میں شامل کرنے کی پوری کوشش کی، خلیفہ نے مملوکوں کو علامتی جواز فراہم کر دیا جس کے نتیجہ میں باغیوں نے اسلحہ اٹھایا اور قلعے پر حملہ آور ہوئے نیز انال نے بغاوت کرنے والوں کے خلاف کارروائی شروع کی اور مملوک فوج نے آخر کار ظاہریوں کو منتشر کر دیا، انال نے خلیفہ القائم کو گرفتار کر کے اسکندریہ میں قید کر دیا، ان کی جگہ المستنجد باللہ نے لی۔ انال نے محافظ دستہ کے علاوہ تمام اراکین مجلس کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا اور بغاوت کرنے والوں کو یا تو قید یا جلاوطن کر دیا گیا۔ بغاوت کے خاتمہ کے بعد جب حالات بہتر ہوئے تو انال نے باغی مملوکوں کے مطالبات کو پورا کیا اور پھر از سر نو البحیرہ پر لشکر کشی کی تیاری کی اور اسے روانہ کیا۔

برجی مملوک اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان دوستانہ تعلقات کو انال کے دور میں مزید فروغ ملا قسطنطنیہ پر عثمانیوں کا قبضہ اس کے بعد سربیا کی فتح کو قاہرہ میں پذیرائی ملی جس میں بازنطینی دارالحکومت کے زوال کے موقع پر مملوکوں نے کئی تہواروں کی میزبانی کی نیز سلطان کو تحفہ لے جانے

والے دوسفیروں کے علاوہ انال نے ایک نظم اور قدیم روایتی انداز میں محمد دوم کو اپنی ذاتی مبارکباد بھیجی۔ جون 1457 میں انال نے وسطی اناطولیہ میں کرمانیہ سے طرسوس اور اڈانا کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ایک تجربہ کار فوج بھیجی جس نے قیصریہ اور کونیہ کے شہر کرمانیہ کے گورنروں کو صلح کرنے پر مجبور کر دیا، انہوں نے اپریل 1458 میں سلطان انال بائے کے ساتھ امن معاہدے پر دستخط کیے جس سے مصر اور ایشیا مائنر کی مختلف ریاستوں اور آرمینیا کے سرحدی علاقوں کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔

انال نے اپنی بیماری اور زندگی سے بیزار ہو کر 3 فروری 1461 کو خلیفہ المستنجد اور درباری علما کو بلا کر اپنے بیٹے احمد کی جانشینی کا اعلان کر کے امور سلطنت سے دستبردار ہو گیا، انال کے فیصلہ کے مطابق 25 فروری 1461 میں احمد کو قاہرہ کے شاہی دربار میں تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی اور 26 فروری کو انال کا سات سال اور گیارہ مہینے کی حکومت کے بعد 80 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا اس کے بعد احمد نے چار ماہ تک پرامن طریقہ سے حکومت کی لیکن مملوک امرا جن میں خاص کر ظاہری، اشرفی، ناصری، اور نہ جانے کتنے موقع پرست شامل تھے کے دباؤ میں آ کر 8 جون کو امور سلطنت سے دست برداری اختیار کی، امرا سلطنت نے اس کے بعد سلطان خوش قدم کو اسکا جانشین منتخب کیا لیکن وہ بھی جلد ہی اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

16.11 سیف الدین قیت بائے

قیت بائے 1416 یا 18 کے درمیان قفقاز کے سرکسی خاندان میں پیدا ہوا، 20 سال کی عمر میں قاہرہ میں غلاموں کی منڈی میں لایا گیا جہاں اسے سلطان برس بائے نے خرید کر اپنے محل کے محافظ دستہ کا رکن بنا دیا لیکن قیت بائے کی تقدیر میں کچھ اور لکھا تھا اس لیے جب سلطان جقمق تخت نشین ہوا تو اس نے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ قیت بائے الاشرف موسی ابوالفتح مظفر الدین کی اولاد ہے اسے کاتب رسد مقرر کیا گیا۔ قیت بائے رفتہ رفتہ ترقی کی منازل طے کرتا ہوا سیف الدین انال کے دور میں امیر سلطان اور خوش قدم کے دور میں امیر طبل خانہ اور کچھ ہی عرصہ بعد مقدم الف ایک ہزاری افسر مقرر کر دیا اور جب سلطان تیمور بوغہ تخت نشین ہوا تو اس نے قیت بائے کو اتابک العسا کر منتخب کر دیا۔

30/جنوری 1468 میں تیمور بوغا کے خلاف بغاوت شروع ہوئی جس کے نتیجہ میں اس کو عنان حکومت سے ہاتھ دھونا پڑا اس نے دو ماہ سے بھی کم عرصہ تک حکومت کی۔ تیمور بوغا کی برخاستگی کے بعد تمام اراکین مجلس نے قیت بائے کو متفقہ طور پر سلطان بنانے کی پیشکش کی جسے قیت بائے نے قبول کر لیا اور اس طرح 31/جنوری 1468 میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ قیت بائے نے تیمور بوغا کو جلاوطن کرنے اور قید میں ڈالنے کے بجائے اس بات پر زور دیا کہ انہیں باعزت تمام ذمہ داریوں سے بری کر دیا جائے اور انہیں آزادانہ طور پر جہاں جانا چاہیں بھیج دیا جائے۔ قیت بائے نے اپنے حامیوں اور تجربہ کار درباریوں پر مشتمل ایک نئی کونسل تشکیل دی اور ازبک کو اتابک اور یشبخ کو دوادار مقرر کیا گیا دونوں اپنی زندگی کے اختتام تک قیت بائے کے قریبی مشیر بنے رہے۔

قیت بائے کے سامنے امور سلطنت کو صحیح انداز میں چلانے کے لیے پہلا بڑا چیلنج مشرقی اناطولیہ میں ترکی خاندان ذوالقدرش کے رہنما شاہ سوار کی بغاوت تھی جسے آل عثمان کی اعانت حاصل تھی۔ قیت بائے نے شاہ سوار کے خلاف یکے بعد دیگرے دو لشکر بھیجے لیکن مصری سپہ سالاروں کی لاپروائی و آپسی رقابت کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی۔ قیت بائے نے شاہ سوار کو عثمانیوں کی مدد سے محروم کرنے کے لیے ایک تجویز پیش کی کہ وہ کرمان کے سطان احمد کی مدد کرنے سے اپنا ہاتھ روک لے گا، اس طرح جب شاہ سوار عثمانیوں کی مدد نہ ملنے سے کمزور پڑ گیا تو 1471 میں قیت بائے نے اتابک ازبک کی قیادت میں ایک زبردست فوج روانہ کی جس نے شاہ سوار کو شکست دی شاہ سوار کو قید کر لیا گیا اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔

سوار کی شکست کے بعد قیت بائے نے باغی گروہوں سے اپنے دربار کو پاک کرنے اور اقتدار کے تمام عہدوں پر اپنے خریدے ہوئے

مملوکوں کا تقرر کیا۔ قیت بائے قدیم روایت کے برخلاف نہ صرف بلا ناغہ گھڑسواری اور سیر وتفریح کے لیے قلع سے نکلتا بلکہ وہ اپنے محافظوں اور عوام پر اپنا اعتماد ظاہر کرنے کے لیے محدود محافظوں کے ساتھ قلعہ سے باہر جاتا، اس نے اپنے پورے دور حکومت میں دورہ کر کے حلب و دریائے فرات اور ڈلٹہ کے علاقہ میں ہر وقت علم بغاوت بلند رکھنے والے بدویوں نیز نابلس اور حما کے عربوں کو اپنے قابو میں رکھا۔ دوسرے شہروں کے علاوہ اسکندریہ اور دمشق کا دورہ کیا وہ ذاتی طور پر اپنے بہت سے تعمیراتی کاموں کا معائنہ کرتا جب اس نے 1472 میں حج کیا تو وہ مدینہ کے شہریوں کی غربت سے متاثر ہوکر اپنی نجی آمدنی کا کافی حصہ ان کی حالت زار کے خاتمے کے لیے وقف کر دیا، جس کی بابت مورخین نے اس کے دور کو دوسرے برجی سلطانوں کے دور کے مقابلہ میں مثالی دور قرار دیا ہے۔

1492 میں طاعون نے قاہرہ کو اپنے آغوش میں لے لیا جس سے تقریبا دو لاکھ جانوں کا نقصان ہوا، جو عدالتی کارروائیوں کا فقدان، آپسی لڑائی جھگڑے، گروہ بندی اور تصادم کی وجہ بنا انہیں حالات سے متاثر ہوکر قیت بائے 1492 میں سخت بیمار پڑا اور اسی بیماری میں 8 اگست 1496 کو قیت بائے کا انتقال ہوگیا اور انہیں قاہرہ کے شمالی قبرستان میں ان کی مسجد سے منسلک مزار میں دفن کر دیا گیا۔

قیت بائے کا دور حکومت برجی خاندان کے دوسرے فرمارواں کے مقابلہ میں زیادہ خوش گوار اور طویل مدتی رہا اس نے مملوک عوام کے دلوں میں دوبارہ مملوک سلطنت کا وقار بلند کر دیا، چنانچہ اپنی انہیں کارناموں کی وجہ سے وہ خود برجی حکومت کا پہلا اسلامی بادشاہ سمجھنے میں حق بجانب ہے، اس کا دور بے مثال سیاسی استحکام، فوجی کامیابی اور خوشحالی کا دور تھا اسی لیے اس کے ہم عصروں نے اسے مملوک سلطنت کے محافظ و علم بردار کی حیثیت سے سراہا ہے۔ قایت بائے کے انتقال کے بعد مملوکوں کو ایک طویل عرصہ تک جانشینی کے بحران سے گزرنا پڑا جب تک کہ اشرف قانصوہ غوری نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں نہ لے لی۔

16.12 اشرف قانصوہ غوری

قیت بائے کے انتقال کے بعد تخت نشینی کو لیکر مملوک سلاطین کے درمیان انتشار کی کیفیت پیدا ہوئی، یکے بعد دیگرے چار سالوں میں وقفہ وقفہ سے چار حکمرانوں نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی جن میں سب سے پہلے قیت بائے کے بیٹے ناصر محمد کا نام آتا ہے جسے نااہلی کی وجہ سے 1498 میں مملوک امرا نے معزول کر دیا اور اس کی جگہ ابو سعد الظاہر قانصوہ کو تخت نشین کیا گیا۔ ابو سعد الظاہر قانصوہ کو 1500ء میں الاشرف ابو نصر جانبلاط نے معزول کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی، لیکن وہ ایک سال سے زیادہ عرصے تک اقتدار پر قابض نہ رہ سکا اور 1501ء میں ایک دوسرے مملوک امیر عادل ابو النصر طومان بے کے ذریعے معزول کر دیا گیا اسی طرح الملک العادل طومان بے کا دور حکومت بھی چند مہینوں سے زیادہ عرصے تک نہ چل سکا اور ان کو مملوک امیر الاشرف قانصوہ غوری نے معزول کر کے اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔

الاشرف قانصوہ غوری کی پیدائش 42-1441 کے درمیان ہوئی اور قیت بائے کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔ قیت بائے نے اسے قاہرہ کے الغوری فوجی اسکول میں تعلیم دلائی جس کی نسبت سے اس نے اپنا لقب الغوری رکھا۔ قانصوہ غوری ایک طویل مدت تک خاصکی (سلطان کا محافظ دستہ) اور جمعدار کے عہدے پر خدمت انجام دیتا رہا اور چالیس سال کی عمر میں عالقہ بحریہ کا والی بنایا گیا، پھر 1488 میں اسے حلب کا حاجب مقرر کر دیا گیا جہاں اس نے متعدد بغاوت کو فروغ کرنے میں اپنی صلاحیت کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجہ میں اسے مقدم الالوف اور دو سال بعد سلطان جنبلاط کے عہد میں مملوک سرداروں کا افسر اعلی مقرر کر دیا گیا، نیز 1500 میں طومان بے اول نے اپنے مختصر سے دور حکومت میں قانصوہ غوری کو دوادار اعلی کا منصب عطا کیا۔ اس کے علاوہ قانصوہ غوری حاجب اعلی، وزیر اور کاشف الکشاف (ناظر اعلی) کے عہدوں پر فائز رہا۔ چنانچہ طومان بے کے آخری

زمانہ مملوک امرانے طومان بے کومعزول کر کے قانصوہ غوری کو تخت نشین کر دیا۔قانصوہ نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے حامیوں کے ساتھ ساتھ حریفوں کوخوش کرنے کے لیے نئے وظیفے مقرر کئے،اورانہیں مزید انعام واکرام سے نوازا۔

مال و دولت کی حصولیابی کے لیے قانصوہ غوری نے لگان ومحصول میں مزید اضافہ کر دیا، نیز اس وقت کی رائج کرنسی کی قیمت کو بھی گھٹا دیا جس سے عوام میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ساتھ ہی اس نے سوداگروں،عورتوں،خواجہ سراں اور اپنے درباری اہل کاروں یہاں تک کہ دربانوں سے بھی اس نے جبراً پیسہ وصول کیے۔اس زمانہ میں حکومت کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ بندرگاہیں اور محصول تھے جو ہندوستانی کارواں اور مملوکوں کے مقبوض علاقوں کی بندرگاہوں میں آنے جانے والے جہازوں سے لیے جاتے تھے۔اس زمانہ میں یہ کارواں اکثر مصر کے بحری راستوں سے ہوتے ہوئے عدن، جدہ،سویس، اسکندریہ اور شام کے راستہ سے ہوتے ہوئے ہرمز، بصرہ، حلب، ہوتے ہوئے یورپ تک اپنا سامان پہنچاتے تھے۔مملوکوں کے ذریعے لگائے گئے محاصل سے بچنے کے لیے پرتگالیوں نے نئے بحری راستہ کی تلاش شروع کی اور واسکوڈ گامہ نے 1498 میں کیپ ورڈ، راس امید (کیپورڈ) کا بحری راستہ دریافت کرلیا جس کے ذریعے باآسانی بڑے سے بڑے جہاز کو ہندوستان کے ساحل تک پہنچایا جاسکتا تھا۔ اس طرح پرتگیز نے مصری بندرگاہوں کے بھاری محصول سے نجات حاصل کرلی جس سے مصر کی معیشت پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔

قانصوہ غوری کے آخری زمانہ میں مملوک افواج میں نظم وضبط کا فقدان دکھائی دیتا ہے مملوکوں کی فوجی کامیابی اپنے گھڑسواروں کی مقروض تھیں، جوتلوار وکمان اور نیزوں کے استعمال میں بے مثال تھے۔پندرہویں صدی عیسوی کے اختتام تک نئے جنگی اسلحوں نے میدان جنگ کی حیثیت کو بدل کررکھ دیا تھا جن میں سرفہرست توپ خانہ اور منجنیق کا استعمال شامل ہے۔یہ توپ خانہ دنیا میں جنگ جیتنے کا سب سے بڑا ہتھیار تھا،لیکن مملوکوں نے آتشی اسلحے کے استعمال کو اپنی توہین و بے عزتی سمجھی جس کے نتیجے میں انہوں نے جنگ کے میدان میں اپنی طاقتور جنگی شناخت کھودی۔ وہیں دوسری طرف عثمانی ترک ایک نئی طاقت بن کر ابھرے۔انہوں نے مملوکوں کے مقابلہ میں جدید آتشی ہتھیاروں اور جدید ترین اسلحوں سے لیس اپنی منظّم فوج ترتیب دی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عثمانی ترکوں نے ان جدید اسلحوں کے ذریعے یورپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور اپنی سرحدوں کو کونیہ سے ولاچیہ کے دور دراز علاقہ تک پہنچا دیا تھا۔

16.13 برجی حکومت کا زوال

برجی حکومت کے زوال کو سمجھنے کے لیے ہمیں پہلے اس کے پس منظر کو جاننا ہوگا۔سولہویں صدی عیسوی کا ابتدائی دور 1512 میں عثمانی سلطنت کے تخت پر سلیم اول کی تخت نشینی کے بعد چیزوں نے مختلف موڑ لے لیا تھا۔نہ صرف شاہ اسماعیل صفوی کا رویہ شام ومصر کے لیے خطرہ تھا بلکہ سلطان سلیم اول جو جنگی معاملات میں اپنے والد سے زیادہ جنگجو تھا وہ بھی مصر کے لیے ایک بڑا خطرہ تھا۔ادھر سلیم اول نے شاہ اسماعیل کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تھا کیونکہ شاہ اسماعیل نے ایک باغی عثمانی شہزادہ کو اپنے ملک میں پناہ دے دی تھی۔ چنانچہ 23 اگست 1514 کو تبریز کے قریب وادی چالدران میں عثمانیوں اور صفویوں کر درمیان جنگ لڑی گئی،شاہ اسماعیل کو اس جنگ میں شکست فاش ہوئی اور وہ بمشکل اپنی جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوسکا۔اس جنگ میں سلیم اول اور شاہ اسماعیل کے درمیان کسی طرح کی کوئی مصالحت نہیں ہوئی، بلکہ سلیم اول نے ایرانیوں کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرلیا اور چند دنوں کے بعد واپس قسطنطنیہ آ گیا۔

ایران کے بعد سلیم اول شام ومصر کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ مما لک 250 سالوں سے مملوک سلاطین کے زیر تسلط تھے اور سلاطین مصر کو حجاز کی فرمارروائی بھی حاصل تھی۔دولت عثمانیہ اور سلطنت مصر کے تعلقات تو بایزید ثانی کے دور ہی سے خراب تھے۔ان کے درمیان جولڑائیاں ہوئی تھیں ان

میں عثمانیوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی تھی، لیکن سلیم کی تخت نشینی کے بعد قانصوہ غوری کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اب عثمانی سلطنت کی باگ ڈور ایک ایسے فرماں روا کے ہاتھوں میں ہے جو بایزید سے بہت مختلف ہے اور نسبتاً زیادہ جنگجو ہے۔ اسی وجہ سے قانصوہ غوری نے شاہ اسماعیل کی دعوت پر دولت عثمانیہ کے خلاف ایران سے اتحاد کر لیا تھا۔ چالدران کی فتح کے بعد کردستان و دیار بکر کی فتوحات نے عثمانی و شامی علاقوں کی سرحدوں کو ایک دوسرے سے بہت قریب کر دیا تھا۔ قانصوہ غوری نے احتیاط کے پیش نظر 1516 میں ایک مسلح فوج شام کے علاقہ میں متعین کر دی تھی تاکہ عثمانیوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھی جا سکے۔ لیکن یہ خبر عثمانی سلطنت کے سپہ سالار سنان پاشا تک جلد ہی پہنچ گئی اس نے اس امر کی اطلاع سلیم اول کو دی جس کے بعد سلیم نے قسطنطنیہ میں دیوان منعقد کر کے اس مسئلہ کا حل نکالنے کا حکم دیا۔

مرج دابق کی جنگ:

سلیم کے ایلچی قانصوہ غوری کے پاس جب پیغام اطاعت لے کر پہنچے تو وہ اس وقت حلب میں مقیم تھا اس نے فوراً ایلچیوں کو گرفتار کر کے قید میں ڈالوا دیا۔ وہیں دوسری طرف سلیم ایلچیوں کو بھیجنے کے بعد جنگ کی غرض سے قسطنطنیہ سے شام کی طرف کوچ کر چکا تھا، چنانچہ جب عثمانی لشکر شام کی سرحد میں داخل ہوا تو قانصوہ غوری کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے ایلچیوں کو رہا کر دیا، لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی صلح کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔ لہٰذا 24/اگست 1516 کے دن حلب سے قریب مرج دابق کے میدان میں عثمانیوں اور مملوکوں کے درمیان زبردست معرکہ پیش آیا جس نے شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ لڑائی سے عین پہلے دو مملوک فوجی سرداروں خیر بے اور غزالی نے دغابازی کی اور سلیم سے جا ملے۔ نتیجتاً میدان عثمانیوں کے ہاتھ آیا لیکن مملوکوں نے جانبازی سے جنگ کی اور قانصوہ غوری میدان میں کام آیا۔

16.14 طومان بے اور مملوکوں کی آخری جنگ

دابق کی شکست کے بعد مملوک امرا نے قاہرہ میں طومان بے کو شجاعت، فوجی قابلیت اور شریفانہ خصائل کی وجہ سے اپنا حکمراں منتخب کیا۔ طومان بے کے ہاتھ میں مصر کی عنان حکومت آتے ہی لوگوں میں ایک نئی اور تازہ روح پیدا ہو گئی۔ طومان بے نے عثمانی فوج کو روکنے کے لیے مختلف افواج کو غزہ کے نواحی علاقوں میں بھیجا، لیکن عثمانیوں کی توپوں کے سامنے مملوک فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ دوسری طرف سلیم نے قاہرہ پر قبضہ کرنے لیے اپنی پوری صلاحیت صرف کر دی۔ اس نے شام سے مصر تک ریگستان کو عبور کرنے کے لیے کئی ہزار اونٹ خرید لیے تھے، اور وہ دس دنوں کی قلیل مدت میں قاہرہ کے قریب روانیہ میں خیمہ زن ہو چکا تھا۔ پھر اسی مقام پر 22/جنوری 1517ء (29/ذوالحجہ 922ھ) میں دونوں فوجوں کے درمیان آخری گھمسان کی جنگ ہوئی۔ توپ و گولہ باری کی وجہ سے میدان عثمانیوں کے ہاتھ رہا مگر مملوکوں نے جس جانبازی کا مظاہرہ کیا، تاریخ میں اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ پچیس ہزار ممالیک تحفظ وطن کی خاطر قربان ہو گئے اور طومان بے کو بالآخر میدان چھوڑنا پڑا۔ روانیہ کی فتح کے بعد عثمانیوں کا مصر پر قبضہ آسان ہو گیا۔ لیکن طومان بے نے ابھی ہار نہیں مانی تھی، وہ مصر کے نواحی علاقوں میں مملوکوں اور عربوں کی متحدہ فوج کو منظم کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس دوران سلیم نے قاہرہ میں قتل عام کروایا اور لاتعداد مملوک سرداروں کو اعانت دینے کے بہانے بلا کر قتل کروا دیا۔ سلیم نے آخر میں طومان بے کے پاس بھی وہی پیغام بھیجا کہ اگر تم دولت عثمانیہ کی سیادت قبول کر لو تو مصر کا تخت تمہارے حوالے کر دیا جائیگا، لیکن سلیم کے غدارانہ قتل عام نے اس کے وعدوں سے اعتبار اٹھا دیا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے ایک فوجی کاروائی کے دوران طومان بے کو اس کے ساتھیوں نے دھوکے سے قید کروا دیا۔ سلیم کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو اس نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ اب مصر ہمارے قبضہ میں آ گیا۔ سلیم نے طومان بے کے ساتھ اکرام کا سلوک کیا لیکن پھر غزالی اور خیر بای کے اکسانے پر اس نے طومان بے کو قتل کرا دیا۔ سلاطین مصر کے مملوک سلسلہ کی یہ آخری کڑی 17/اپریل 1517ء کو ٹوٹ گئی۔

16.15 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- برجی حکومت کی بنیاد میں بحری سلاطین کی فوجی پالیسی اوران کی حکومت کے آخری پچاس سالوں میں انتشار اور نااہل حکمرانوں کی تاج پوشی نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔
- برجی مملوک حکومت کے اہم حکمراں سیف الدین برقوق، ناصرالدین فرج، انال بائے، برس بائے، قیت بائے، قانصوہ غوری وغیرہ کے ذاتی احوال وان کے دورحکومت کے سیاسی، معاشی، اصلاحی، سماجی اور مذہبی حالات کا پتہ چلتا ہے۔
- برجی مملوکوں کا زمانہ انتشار وافراتفری کا زمانہ کہا جاتا ہے کیونکہ 132 سالہ دور میں کل 23 حکمرانوں میں سے صرف 8 یا 9 حکمرانوں نے کل 109 سالوں تک حکومت کی۔
- برجی حکمرانوں نے ایشیا مائنر، عراق اور افریقہ میں تاتاریوں کے اٹھتے ہوئے طوفان سے دنیائے اسلام کی حفاظت کی۔
- برجی دور میں ہمیں غیرملکی تعلقات میں بہتری اور تجارت میں انکی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔
- اسلامی دنیا میں عثمانیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے بادشاہت وخلافت کو ایک ہی شخص میں ضم کر دینے کا فیصلہ مملوک حکومت کے زوال کا سبب بنا۔

16.16 نمونہ امتحانی سوالات

16.16.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ برجی مملوک کا دورحکومت کب سے کب تک ہے؟

(a).1250-1382ء (b). 1382-1517ء (c).1250-1517ء (d).1501-1736ء

2۔ کس برجی سلطان نے اپنے لیے ''الظاہر'' کا لقب اختیار کیا؟

(a). رکن الدین بیبرس (b). منصور قلاوون (c). برقوق (d). ناصر

3۔ سیف الدین برقوق کا انتقال کب ہوا؟

(a).1399ء (b).1285ء (c).1517ء (d).1350ء

4۔ برجی ممالیک کے سلاطین کی تعداد کتنی ہے؟

(a).37 (b).33 (c). 23 (d).11

5۔ برجی مملوک کا پہلے حکمراں کا نام بتائیں۔

(a). ملک قانصوہ غوری (b). منصور قلاؤن (c). ملک الظاہر برقوق (d). ملک الظاہر بیبرس

6۔ الظاہر سیف الدین جقمق کی وفات کب ہوئی؟

(a). 1435ء (b). 1453ء (c).1517ء (d).1630ء

7۔ واسکوڈ گامہ نے میں راس امید(کیپورڈ) کا بحری راستہ کب ڈھونڈا تھا؟

(a). 1435ء (b). 1453ء (c).1498ء (d).1525ء

8۔ سیف الدین انال کہاں پیدا ہوئے؟

(a).ایران (b). قاہرہ (c). شام (d).مدینہ

9۔ مرج دابق کی جنگ کن کے درمیان ہوئی تھی؟

(a). مملوک اور فاطمی (b). عثمانی اور صفوی (c). مملوک اور عثمانی (d). مملوک اور عباسی

10۔ مرج دابق کی جنگ کب ہوئی تھی؟

(a).1514ء (b).1516ء (c). 1415ء (d). 1322ء

16.16.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ سلطان برقوق کے پہلے دور حکومت پر روشنی ڈالیے۔

2۔ ناصر الدین فرج کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

3۔ سیف الدین قیت بائے پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

4۔ سیف الدین جقمق کے دور حکومت بیان کیجیے۔

5۔ ملک الاشرف سیف الدین برس بائی پر مختصر مضمون لکھیے۔

16.16.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ برقوق پر ایک تفصیلی تحریر قلم بند کیجیے۔

2۔ برجی ممالیک کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالیے۔

3۔ سیف الدین انال پر ایک تفصیلی نوٹ تحریر کیجیے۔

16.17 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (جلد دوم) : ثروت صولت

2۔ تاریخ الامت (حصہ ششم) : مولانا اسلم جیراجپوری

3۔ History of Islam (Vol. II) : Prof. Masudul Hasan

4۔ Cairo : André Raymond (Transl. by Willard Wood)

5۔ Islamic History and Civilization (Vol. 161) : Hans Hinrich Biesterfeldt

-:oOo:-

اکائی 17 : مملوک دور میں فتوحات

اکائی کے اجزا

17.0 تمہید
17.1 مقصد
17.2 فتوحات کا اجمالی خاکہ
17.3 ساتویں صلیبی جنگ
17.4 فتح منصورہ
17.5 عین جالوت کی فتح
17.6 تاتاری سفارت مصر میں
17.6.1 جنگ اور فتح
17.7 مملکت کی توسیع
17.7.1 فتح الکرک
17.7.2 فتح قیساریہ
17.7.3 فتح ارسوف
17.7.4 فتح صفد
17.7.5 یافہ پر قبضہ
17.7.6 قلعہ الثقیف کی تسخیر
17.7.7 فتح انطاکیہ
17.7.8 حصن الاکراد کی فتح
17.7.9 القرین کی فتح

17.8 ارض مقدس سے صلیبیوں کا خروج
17.9 اکتسابی نتائج
17.10 نمونہ امتحانی سوالات
17.10.1 معروضی جوابات کے حامل سواالات
17.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
17.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
17.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

17.0 تمہید

تیرہویں صدی ہجری میں جب عباسی خلافت کا زوال انتہا کو پہنچ چکا تھا اور فاطمی خلافت قاہرہ میں دم توڑ رہی تھی ، سلجوقی ، زنگی اور ایوبی حکومت باہم چپقلشوں میں اپنی طاقت کو نست و نابود کر چکے تھے تو سرزمین مصر نے ایک عجیب وغریب نظارہ دیکھا دشت قپچاق ،قزوین اور کوہ قاف کے سیاہ فام مقیم جو چنگیز خان کے زمانے میں غلام بنا کر مصر میں فروخت کیے گئے تھے کیسے مصر کے تاج وتخت کے مالک بن گئے اور پونے تین سو سال تک اس شان سے حکمرانی کی ممالیک مصر کا دور تاریخ اسلام کا ایک شاندار عہد کہلایا۔اس اکائی میں ہم لوگ پڑھیں گے کہ ممالیک مصر نے کیسے فتوحات حاصل کی اور کس طرح مصر کو ایک طاقتور حکومت میں تبدیل کردیا۔

17.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد ممالیک دور میں فتوحات پر روشنی ڈالنا ہے۔اس کے ضمن میں آپ کے سامنے ان فتوحات میں جو اتار چڑھاؤ کا سامنا کرنا پڑا اس کے متعلق معلومات فراہم کرنا ہے۔اس کے علاوہ آپ کے مطالعہ میں یہ بات بھی ضمنی طور پر لانا مقصود ہے کہ ان ادوار میں کن لوگوں سے مملوکوں کو سامنا کرنا پڑا اور مملوکوں نے کیا رویہ اپنایا۔

17.2 فتوحات کا اجمالی خاکہ

اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ رہی ہے کہ اسلام نے خاندانی، نسبی ، علاقائی آزاد و غلام میں کوئی فرق روا نہیں رکھا اور کسی عصبیت کو جگہ نہیں دی ، حالانکہ رومیوں اور عبرانیوں میں غلام و آزاد کے درمیان انسانیت سوز سلوک روا رکھا تھا۔اسلامی معاشرہ میں غلام و آزاد سب کو برابر درجہ حاصل تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ غلاموں کی زندگی میں اور ان کے ارتقاء کے راستہ میں اسلام یا مسلمان کبھی رکاوٹ نہیں بنے اور وہ دینی ودنیوی ترقی کے بلند ترین درجہ پر فائز ہوئے۔اس دنیاوی ترقی کو حاصل کرنے والے غلام نسل و بادشاہوں کے سلسلہ میں سے ایک ''مملوک'' حکومت کا قیام اور ان کے دور پر سیر حاصل تبصرہ اوپر کی یونٹ میں آپ نے پڑھا ہوگا ، یہاں ان کے دور کی فتوحات اور توسیع مملکت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

مملوک دور کی فتوحات اور توسیع مملکت کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ایوبیوں کے دور کے آخری سالوں پر نظر ڈالیں۔صلاح الدین

ایوبی کی وفات کے بعد مصر انتشار وافراتفری کی آماج گاہ بن گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین نے اپنی زندگی میں ہی اس خیال سے حکومت کو اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کردیا تھا کہ آگے چل کر ان کے درمیان کسی قسم کی لڑائی یا جنگ نہ ہو لیکن باپ کے انتقال کے بعد ہی بیٹوں میں جنگ چھڑ گئی جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یورپ کے عیسائیوں نے فلسطین و ملک شام کی طرف پیش قدمی کی۔ لیکن صلاح الدین ایوبی کے بھائی الملک العادل نجم الدین ایوب نے صلیبیوں کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کو نہ صرف روکا بلکہ انہیں مسلمانوں سے صلح کرنے پر مجبور کردیا۔

سن 637ھ میں الملک الصالح نجم الدین ایوب مسند خلافت پر متمکن ہوا وہ ایک بیدار مغز حکمراں تھا۔ اس نے ایوبی سلطنت کی بقاء کے لیے اپنی زندگی وقف کردی اور اس میں کامیابی بھی ملی لیکن اسلامی مملکت میں تاتاریوں کے ہولناک حملوں اور فتنوں کو آغاز ہوگیا تھا۔ مشرقی ایشیاء، ایران، عراق میں تاتاریوں نے قتل وغارت گری کا بازار گرم کررکھا تھا۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگ اپنی جان بچا کر اسلامی ریاست مصر میں آگئے تھے انہیں میں قزوین وکوہ قاف اور سرکیشا کے علاقوں سے بھی بہت سے لوگ آئے جنہیں مصر کے بازار میں بیچ دیا گیا۔ یہ لوگ مملوک کہلاتے تھے لیکن انہیں ایوبی حکمرانوں نے خرید کر اپنی حکومت میں بڑے بڑے عہدوں پر ان کی صلاحیتوں کی وجہ سے فائز کردیا تھا جنھوں نے آگے چل کر صلیبی جنگوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا کر عوام وخواص کے منظور نظر قرار پائے اور ملک الصالح کے دور میں عمائد سلطنت میں ان کا بھی شمار ہوا۔

ملک صالح نے ان مملوکوں کو کثرت سے خرید کر اپنی فوج میں شامل کرلیا جن کی تعداد تقریبا 12 ہزار سے متجاوز ہوگئی تھی۔ ساتھ ہی ان مملوک کی تعلیم وتربیت پر بھی خاص توجہ دی گئی جس کا یہ اثر ہوا کہ نہ صرف فنون جنگ میں درک رکھتے تھے بلکہ علوم اسلامیہ میں بھی درجہ کمال حاصل کیا۔ لہٰذا سلطان نے ان ممالیک کی باقاعدہ ایک منظّم علاحدہ فوج بنائی جن میں سے بادشاہ کے ذاتی محافظ دستہ کے لیے افراد کو منتخب کیا جاتا تھا۔ نیز انہیں امور سلطنت میں بھی بڑے عہدے حاصل تھے جس کے نتیجہ میں مملوک سلطنت ایوبیہ میں ایک منظّم، مؤثر قوت بن گئے تھے۔

17.3 ساتویں صلیبی جنگ

سن 1249ء میں یورپ کے صلیبیوں نے ایک بار پھر مذہبی جذبہ سے لیس ہوکر مشرقی دنیا خاص کر مصر پر حملہ کا قصد کیا جس کی قیادت فرانس کا بادشاہ لوئی نہم کررہا تھا۔ مستشرقین نے لکھا ہے کہ صرف اپنی صلیبی جنگوں میں ہی جنگ حقیقی معنوں میں مقدس صلیبی جنگ کہلائے جانے کی مستحق تھی۔ کیونکہ لوئی نہم نے اس دفعہ صرف دینی جذبہ اور مذہبی جوش کی وجہ سے مصر پر حملہ کیا تھا۔ جس کا مقصد ارضی مقدس کے علاقوں کو مسلمانوں کے قبضہ کے آزاد کراکر مسیحیت کو بلند کرنا تھا۔ فلسطین وشام پر حملہ آور ہونے کے بجائے لوئی مصر پر اس لیے حملہ آور ہوا کہ اس ملک پر قبضہ کرنے کے بعد فلسطین وشام پر دوسرے مقدس مقامات پر قبضہ کرنے میں کوئی طاقت اس کی مزاحمت نہیں کرے گی کیونکہ اس وقت مصر ہی اسلامی اقتدار کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

17.4 فتح منصورہ

صلیبیوں نے لشکر جرار کے ساتھ مصر کا رخ کیا اور شہر دمیاط کا محاصرہ کرا سے عبور کرلیا ملک صالح سخت بیماری کی وجہ سے ان کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا لیکن عیسائیوں سے فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتا تھا اس مقصد کے لیے وہ اپنی فوج لے کر منصورہ کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ علالت کے باوجود اس کے حوصلہ میں کسی طرح کی کوئی لچک نہ تھی لیکن عین لڑائی سے پہلے ملک صالح کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیوی شجرۃ الدر نے عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی موت کو چھپائے رکھا کیوں کہ صلیبی مدمقابل موجود تھے اور مملوکوں نے شجرۃ الدر کی قیادت میں صلیبیوں پر ٹوٹ پڑے اور اس زور کا حملہ کیا کہ

صلیبی تاب نہ لا سکے اور پسپا ہوئے۔ اس جنگ میں ملک صالح کے ایک غلام بیبرس نے اپنی سرعت، شجاعت، بہادری کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا کہ سارے مسلمانوں کی نگاہوں کا مرکز بن گیا۔

صلیبیوں کے لیے مسلمانوں کو پسپا کرنا بہت مشکل تھا۔ جب لوئی (Louis IX) نے دکھا کر مسلمان قابو میں نہیں آرہے ہیں تو اس نے اپنی فوج کو دمیاط کی طرف پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ لیکن مملوک ان پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے انہوں نے یہ تہیہ کرلیا تھا کہ یہاں سے صلیبیوں کو بچ کر نہ جانے دیں گے چنانچہ صلیبیوں کے جیسے ہی اپنے قدم پیچھے کیے مسلمانوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ صلیبیوں کے پاس بھاگنے کا کوئی موقع نہ تھا لہٰذا انھوں نے جان توڑ کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ان کی تمام کوشش بیکار کردیں۔ بیبرس کی قیادت میں مملوکوں کے ایک دستہ نے صلیبی لشکر کا قلب توڑ دیا اور شاہ لوئی کو اس کے سرداروں کے ساتھ گرفتار کرلیا اسی طرح ساتویں صلیبی جنگ 15/اپریل 1250ء میں عیسائیوں کی شکست پر ختم ہوئی اور اس کا ہیرو بیبرس رہا۔

17.5 عین جالوت کی جنگ

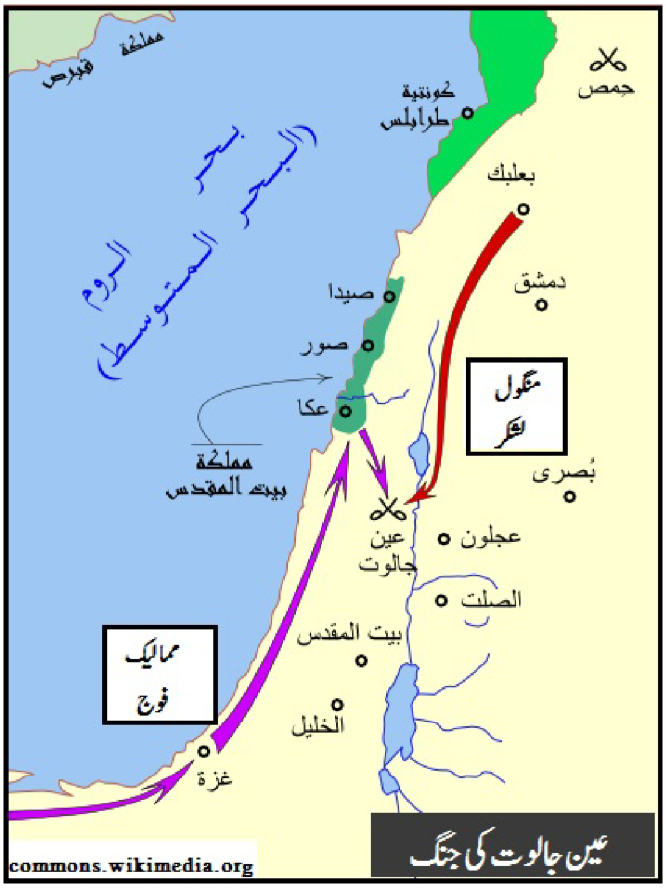

عین جالوت کی جنگ

ایک طرف مصر کے مملوکوں کو صلیبیوں سے برسرِ پیکار تھے تو دوسری طرف منگولوں نے اسلامی دنیا کی سربراہی کرنے والی عباسی حکومت کو ختم کرڈالا سقوط بغداد اور اس کے بعد 1260ء میں ہلاکو خاں کی فوجیں عراق کے دوسرے شہروں میں بھی وہی بربریت، تباہی خونریزی جاری رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے عدیسہ، نصیبین اور حران جیسے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور عوام کو نہایت بیدردی سے قتل کردیا۔ اس پرآشوب دور اور منگولوں کی سفاکی کو مشہور مورخ علامہ ابن اثیر نے اسلامی تاریخ ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ قرار دیا ہے۔ وہی دوسری طرف مستشرق تھامس آرنلڈ کا بیان ہے کہ: ''اسلامی تاریخ میں کوئی واقعہ ایسی صفائی اور غارت گری کا نہیں ہے جس کا مقابلہ تاتاری یورش سے کیا جائے۔'' اسلامی دنیا پر منگولوں کے ان حملوں نے پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

اس سے قبل بھی عراق اور شام میں مسلمانوں کی قتل وغارت گری کے واقعات رونما ہوئے لیکن اہل مصر پر اس کے اثرات مرتب نہ ہوئے لیکن سقوط بغداد اور شام کے دیگر علاقوں اور مصر کی سرحد پر تاتاریوں کی یورش نے اہل مصر کو بیدار کردیا۔ یہ وہ دور تھا جب مصر میں مملوک حکومت کا آفتاب طلوع ہورہا تھا۔ وہ ایک زمانہ سے تاتاریوں کی غارت گری کی خبریں سن رہے تھے لیکن وہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کی

مدد نہ کر سکتے تھے لیکن بغداد کی تباہی اور خلیفہ کے قتل کی خبر ان پر بجلی بن کر گری اور تاتاریوں کے مفتوحہ علاقوں سے مسلمانوں کے بے یارو مددگار قافلہ پناہ لینے کے لیے مصر میں داخل ہونے شروع ہوئے اہل مصر میں سخت ہیجان برپا ہو گیا اب انہیں شدت سے یہ محسوس ہونے لگا تھا تو خطرہ ان کے قریب آ پہنچا ہے اور وقت رہتے انہوں نے تیاری نہیں کی تو ان کا بھی وہی حشر ہو گا جو اہل بغداد و شام کا ہو چکا ہے۔

چنانچہ ہیجان اور سراسیمگی کے اس ماحول میں سیف الدین قطز نے علماء وصلحاء اور عمائد سلطنت کو جمع کیا اور آنے والے خطرہ سے سب کو آگاہ کیا، اس نے اس نازک وقت میں مصر کے مسلمانوں کی حفاظت اور حکومت کو بچانے کے لیے ملک منصور کی جگہ کسی مدبر اور صاحب سیف حکمراں کی ضرورت پر روشنی ڈالی عمائد سلطنت نے اس کو اپنا لیڈر منتخب کر لیا اور ملک منصور کو معزول کر دیا گیا۔ اس طرح سیف الدین قطز 1254 میں مصر کا حکمراں بن گیا۔ اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنی آمدنی واخراجات کو درست کیا ملک کی سرحدوں کو مضبوط بنانے اور تاتاری حملوں سے بچنے کے لیے مختلف سرحدوں پر از سر نو ان کی تعمیر کرائی، دوسری طرف تاتاری شام کو پامال کرتے ہوئے فلسطین کی سرحدوں میں داخل ہو گئے تھے اور وہاں ان کا مقصود مصر کو حاصل کرنا تھا۔ تاتاریوں کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ فلسطین اور مصر کے درمیان ریگستان کے چھوٹے سے حصہ کو پار کرتے ہی فرغانہ کی سرزمین ان کے قدموں میں ہو گی۔

17.6 تاتاری سفارت مصر میں

آخر وہ گھڑی بھی آ گئی جس کا ڈر سیف الدین قطز کے ساتھ ساتھ مصر کی عوام کو بھی تھا۔ 1260ء کے ابتدائی مہینوں میں بھی کوہ قاف کے خط کے ساتھ چند سفیروں نے مصر میں اپنا قدم رکھا۔ خط کے الفاظ یہ تھے ''یہ اس کا فرمان ہے جو ساری دنیا کا آقا ہے اپنی شہر پناہیں منہدم کر و اور اطاعت قبول کر لو، اگر ایسا کرو گے تو تمہیں امن وچین سے زندہ رہنے دیا جائے گا اور اگر تم نے یہ بات نہ مانی تو پھر تم کو جو کچھ پیش آئے گا وہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' ہلاکو خان کے اس خط اور تاتاری سفیروں کے درشت لب ولہجہ نیز آداب سفارت کے منافی رویہ نے ملک مظفر سیف الدین قطز کو برملا کر دیا۔ درباری عمائدین کی رائے کے بعد ان سفراء کو قتل کر دیا گیا جو ہلاکو خان کے لیے ایک جواب تھا اور جہاد کی تیاری کا اعلان کر دیا گیا۔

ملک مظفر نے اس جہاد کی کمان فتح منصورہ کے ہیرو بیبرس بندقداری کے سپرد کی بیبرس نے جہاد کی تیاری میں دن ورات ایک کر دیے۔ اس نے قاہرہ کے ہر تندرست اور بالغ مرد کے لیے فوجی خدمت لازمی قرار دی اور حکم دیا کہ کوئی شخص کسی معقول عذر کے بغیر فوج میں شامل ہونے سے اجتناب کرے تو اسے کوڑے لگائے جائیں۔ بیبرس نے اپنی فوج میں اہل قاہرہ کے علاوہ پناہ گزیں ترکمانوں، عرب بدوؤں اور بالائی مصر میں حورہ قبیلہ کی ایک بڑی تعداد کو شامل کر لیا تھا۔ یہ قبائل نہایت اعلیٰ درجہ کے جنگجو تھے اور ان کی شجاعت وبہادری مصر میں مشہور تھی۔ چند ہی دنوں کی مشقت کے بعد بیبرس کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار تیار ہو گیا تھا۔ اس دستہ کا سب سے اہم عنصر قپچاق کے رہنے والے مملوک تھے، وہ لوگ فن حرب میں ضرب المثل تھے قپچاقی نسبت کی وجہ سے تاتاری ان کے لیے اجنبی نہیں تھے بلکہ تاتاریوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کے ہم دوش کھڑے ہو سکتے تھے۔

یلغار کی تیاریوں کے درمیان یہ اطلاع ملی کہ منگولوں کا خان اعظم منگو خان جو ہلاکو کا بھائی تھا مر گیا ہے جس کی وجہ سے ہلاکو خان کو نئے سردار کے انتخاب میں شریک ہونے کے لیے وطن واپس جانا پڑ رہا ہے۔ وطن جانے سے پہلے ہلاکو خان نے اپنا جانشین کتبغا کو مقرر کیا جس نے شام وعراق کی تباہی میں اپنی گراں قدر خدمات انجام دی تھیں وہ ہلاکو کا قابل اعتماد جنرل تھا۔ ہلاکو کے جانے کے بعد اس نے فلسطین میں عین جالوت کے مقام پر اپنی چھاونی ڈالی یہ علاقہ شام وعراق پر نظر رکھنے اور مصر کی طرف پیش قدمی کرنے کے لحاظ سے نہایت موزوں تھا۔ دوسری طرف جب اہل مصر

کو یہ خبر ہوئی کہ ہلاکو خان وطن جا رہا ہے اور اس نے کتبغا کو اپنا نائب مقرر کیا ہے تو بیبرس نے اپنی دفاعی جنگی تیاریوں کو بدل کر کتبغا کے لشکر پر چڑھائی کرنے کا حکم جاری کیا۔ رمضان کے مہینے کی ابتدائی تاریخ تھی اور اسی نسبت سے اس کی فوج نے جہاد کی سعادت کو اس بابرکت مہینے میں اپنے لیے فخر جانا اور بخوشی بیبرس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ بیبرس اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے فلسطین میں داخل ہوا اور صلیبیوں کے قلعوں کے چاروں طرف اپنے باشعور دستہ پھیلا دیے تاکہ وہ کتبغا کی کوئی مدد نہ کر سکیں۔ چنانچہ مملوک بنا کسی مزاحمت کے عین جالوت کے میدان تک پہنچ گئے۔ مملوکوں کی آمد غیر متوقعہ تھی اور اس ی وجہ سے تاتاریوں میں حیرت و تذبذب کا ملا جلا اثر دکھائی پڑتا تھا۔

17.6.1 جنگ اور فتح

بروز جمعہ 15 رمضان 658ھ، بمطابق 25 اگست 1260ء کے دن دونوں لشکر عین جالوت کے مقام پر ایک دوسرے سے متصادم ہوئے اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ ارض و سماء نے شاذ و نادر ہی ایسے منظر دیکھے ہوں۔ بیبرس اور اس کی فوج نے اس جنگ میں حیرت انگیز عسکری صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنے مملوک جنگجوؤں پر مشتمل ایک دستہ کو اپنے پشت اور فوج کے پہلوؤں پر گھات لگا کر متعدد مقامات پر متعین کر دیا تھا تاکہ تاتاری حملوں کے وقت ان کا صحیح استعمال کیا جا سکے۔ ابتدائی جنگ میں تاتاریوں نے پوری قوت سے مملوکوں پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے ڈھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے گئے اور یہی مملوک سواروں کی چال کی تھی، جیسے ہی تاتاری فوج مملوکوں کی گھات لگائے بیٹھی ہوئے دستہ کی چپیٹ میں آئے انہوں نے نعرے تکبیر بلند کرتے ہوئے تاتاریوں پر حملہ آور ہوئے اور آنا فانا ہزاروں کی تعداد میں تاتاریوں کی لاشیں میدان میں گری پڑیں تھیں، تاتار سپہ سالار کتبغا نے بہت کوشش کی کہ اپنی صفوں کو دوبارہ مرتب کرے لیکن اس کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں اور مسلمانوں کے تیز و تند حملوں نے تاتاریوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور چند گھنٹوں کے اندر ہی اندر تاتاریوں کو ایسی شکست ملی کہ پچھلے چالیس پچاس سالوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ کتبغا اور اس کے اہم سردار میدان جنگ میں گرفتار ہو کر بیبرس کے سامنے پیش ہوئے تو بیبرس نے انہیں فوراً قتل کرنے کا حکم دے دیا اور راس کے سر کو قلم کر کے قاہرہ روانہ کر دیا تاکہ اہل قاہرہ اپنی آنکھوں سے اس قوم کا انجام دیکھ لیں جن کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ ان کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ معرکہ عین جالوت تاریخ کی فیصلہ کن لڑائیوں میں سے ایک ہے اور مملوکوں کی اس فتح پر عالم اسلامی میں بے پناہ مسرت کا اظہار کیا گیا اور لوگوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

عین جالوت میں تاتاریوں کی شکست کے بعد بھی بیبرس حلب، حماۃ، دمشق اور شام کے مختلف شہروں سے تاتاریوں کو بے دخل کرنے میں کوشاں تھا، اس نے سرعت کے ساتھ حملہ کرتے ہوئے ان تاتاریوں کو جا لیا اور شکست پر شکست دیتے ہوئے ان کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس مہم میں بیبرس نے ان تمام غداروں کو بھی ختم کر دیا جنہوں نے عین جالوت یا دیگر جنگوں میں تاتاریوں کا ساتھ دیا تھا یا تعاون کیا تھا اس طرح چند دن کے اندر ہی سرزمین شام تاتاری غارت گروں اور ان کی حمایت کا دم بھرنے والوں سے پاک وصاف ہوگئی۔ بیبرس نے فوج کے متعدد دستوں کو شام کے مناسب مقامات پر تعینات کر دیا اور باقی فوج کے ساتھ فتح کا پرچم لہراتا ہوا واپس قاہرہ لوٹ گیا۔

17.7 مملکت کی توسیع

عین جالوت کی فتح کے بعد بیبرس مصر کی عوام کا ہر دلعزیز ہیرو بن گیا تھا اور ملک مظفر کے قتل کے بعد عمائد سلطنت اور عوام نے بخوشی بیبرس کو اپنا سلطان تسلیم کر لیا۔ بیبرس برسر اقتدار آتے ہی ملک شام کو مصر کے ساتھ ملحق کرنا چاہتا تھا کیوں کی اس کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں منگول عین جالوت کی

شکست کا بدلہ لینے کے لیے کسی بھی وقت شام پر حملہ آور ہو سکتے ہیں، جس سے بچنے کے لیے وہ یہ چاہتا تھا کہ شام کا مصر سے مکمل الحاق کر دیا جائے، اس کے سامنے ایک بات یہ بھی تھی کہ جب تک تمام حکمراں اور روساء جو شام میں متعدد چھوٹی چھوٹی املاک اور ریاستوں کے مالک ہیں مصر کی بالا دستی تسلیم نہیں کر لیتے شام ہمیشہ تاتاریوں اور صلیبیوں کے زد میں رہے گا۔ چنانچہ بیبرس ان تمام مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک لشکر کے ساتھ ملک شام میں داخل ہوا اور دمشق میں اپنا دربار لگایا، جس میں تمام امراو عمائدین شہر کو شامل ہونے کی دعوت دی نیز ان سے اپنی بیعت لی۔ شام کے لوگوں نے بلا تکلف اس کی اطاعت قبول کر لی اور شام پر قاہرہ کی مملوک حکومت کی سیادت تسلیم کر لی گئی۔ اس موقعہ پر بیبرس نے اعلان کرادیا کہ شام سلطنت اسلامیہ مصر کا دوسرا بازو ہے اور دمشق اس متحدہ سلطنت کا دوسرا مرکز حکومت، اس طرح شام بھی مملوک حکومت کا باقاعدہ حصہ بن گیا۔ اس وقت شام میں اردن، لبنان، فلسطین سارے علاقہ شامل تھے۔ بیبرس نے شام میں نظام حکومت قائم کرنے کے بعد ملک کی سرحدوں کے موثر دفاع کے لیے نہایت اہم اقدامات کیے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے حلب سے حدود عراق تک تمام جنگلوں میں اور گھاس کے کھیتوں میں آگ لگوادی تا کہ حملہ آور لشکر آسانی سے پیش قدمی نہ کر سکے۔

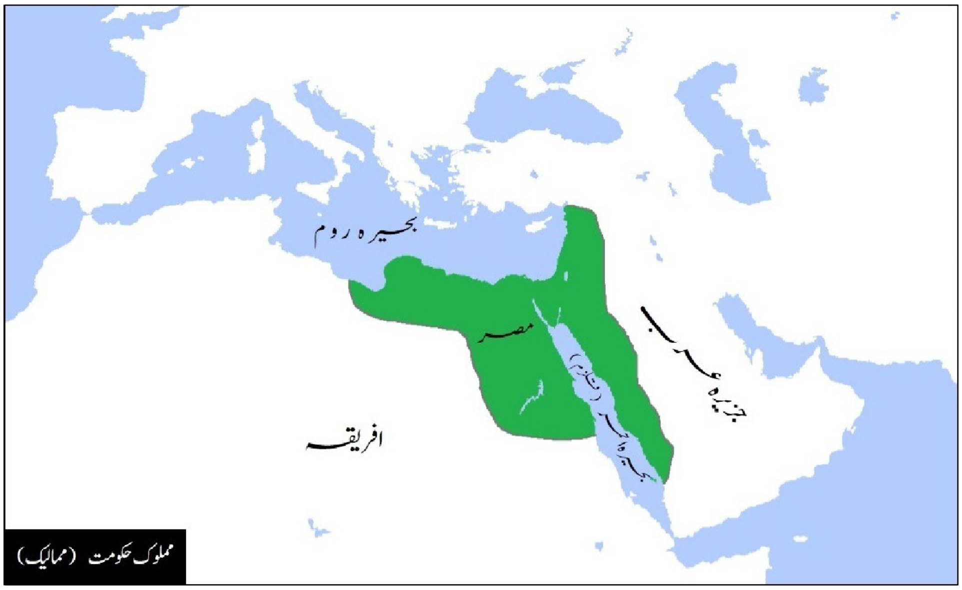

ملک الظاہر بیبرس نے اپنی حکومت کے پہلے پانچ سالوں میں تاتاریوں کو شام سے نکال کر ان کے خلاف ایک زبردست عسکری اور سیاسی محاذ قائم کیا نیز مصر و شام کو متحد کیا خلافت عباسیہ کا احیاء اور دانشمندانہ خارجی حکمت عملی اختیار کی اور ساتھ ہی ملک میں اندرونی نظم و نسق درست کیا اس کے بعد بیبرس لبنان، شام اور فلسطین کے صلیبیوں کے طرف متوجہ ہوا جو مصر کے سرحدی ساحل پر ایک آہنی جنگی قلعہ بند دیوار بنائے ہوئے جمع تھے جن میں الکرک، قیساریہ، ارسوف، یاقا، ثقیف، بالفورٹ، القرین، انطاکیہ، حصن الاکراد، انطرطوس، المرکب، صور، بیروت، طرابلس، عکہ، اور صیدا کے علاقہ شامل ہیں۔

17.7.1 فتح الکرک

سن 1263ء میں بیبرس نے صلیبیوں کے خلاف اپنے جارحانہ لشکر کشی کا آغاز کیا وہ ایک لشکر جرار لے کر قاہرہ سے نکلا اور ارض فلسطین میں داخل ہوا اس کی پیش قدمی سے یہ اندازہ لگتا تھا کہ وہ شمال کے علاقوں پر دھاوا بولنے والا ہے اس لیے صلیبیوں نے جنہیں اس کی نقل و حرکت کا علم

تھا وہ اپنے قلعہ میں زور وشور سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔لیکن بیبرس نے اچانک اپنی پیش قدمی شمال کی جانب سے موخر کر جنوب مشرق کی سمت کردی اور برق رفتاری سے پیش قدمی کرتا ہواالکرک قلعہ جا پہنچا۔ یہ ایک قدیم اور مستحکم قلعہ تھا اور یہ صلیبیوں کے قبضہ میں تھا،ان لوگوں نے مسلم آبادی اوران کی غارت گری کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔خاص کر مصر سے حجاز جانے والے مسلم قافلہ ان کی خون آشام تلواروں کا خاص ہدف تھے۔ اس لیے بیبرس نے ان کوسب سے پہلے اپنا نشانہ بنایا اور اچانک حملہ کر کے صلیبیوں کے حواس باختہ کر دیے اور چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد مسلمانوں نے قلعہ الکرک خالی کرالیا۔سلطان نے الکرک کے تاریخی گرجہ گھر ناصرہ کو جو صلیبیوں کی جنگی سرگرمیوں کا مرکز تھا زمین دوز کرادیا۔اس حملہ کے بعد یہ علاقہ مسلمان قافلوں،حاجیوں کے لیے پرسکون ہوگیا۔الکرک کی فتح کے بعد بیبرس مصر واپس آ گیا لیکن اس کے ذہن میں صلیبیوں کے بیخ کنی کی پلاننگ چل رہی تھی جو آگے چل کر دیگر فتوحات کی شکل میں نمودار ہوئیں۔

17.7.2 فتح قیساریہ

سلطان ملک الظاہر بیبرس نے 1265ء میں بحیرہ روم کے صلیبیوں کو سبق سکھانے کے لیے ایک لشکر جرار جمع کیا اور سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے اس سے قبل کہ بحیرہ روم کے صلیبیوں کو اس کے آنے کا علم ہو اس نے پہلے ہی قیساریہ کے قلع کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ سلطان بیبرس کے اچانک حملہ کے باوجود صلیبیوں میں جوش کی کوئی کمی نہ تھی انہوں نے سات دن تک مسلسل جنگ کی لیکن مسلمانوں کے سامنے ان کی طاقت زیادہ دیر پا نہ رہ سکی اور بالآخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔قیساریہ کی فتح نے اس آہنی جنگی دیوار میں شگاف ڈال دیا جو صلیبیوں نے ساحلی علاقوں کے ساتھ بے شمار جنگی قلعوں کی صورت میں تعمیر کر رکھی تھی۔ یہ قلعہ تمام بندرگاہوں میں خشکی کی جانب بنائے گئے تھے تاکہ جنگ کہ صورت میں سمندری راستوں کے ذریعے کمک پہنچائی جائے اور یورپ سے تعلقات قائم رہیں۔قیساریہ صلیبیوں کے جنگی زنجیرے کی سب سے پہلی کڑی تھی جس کو بیبرس نے ایک ہی وار میں توڑ ڈالا تھا۔

17.7.3 فتح ارسوف

قیساریہ کو روندنے کے بعد بیبرس نے جنوب کا رخ کیا اور آناً فاناً میں قلعہ ارسوف کا محاصرہ کرلیا یہ قلعہ ہاسپٹلر صلیبیوں کا مضبوط مرکز تھا، قیساریہ کا انجام دیکھ کر ان صلیبیوں نے پوری دفاعی تیاریاں کر رکھی تھیں لہٰذا چالیس دن تک محاصرین کا نہایت پامردی سے مقابلہ کرتے رہے لیکن ان کی ہمت اب ان کا ساتھ چھوڑ رہی تھی اور آخر میں بیبرس کی فوج ان کے دفاعی نظام کو توڑتے ہوئے قلعہ میں داخل ہوگئی۔اس طرح یہ قلعہ بھی مملوکوں کے ہاتھوں زمین دوز ہوگیا اور اس کی مضبوط فصیلیں اور بلند و بالا برج خواب وخیال بن کر رہ گئے۔

17.7.4 فتح صفد

ارسوف کی فتح کے بعد 1266ء میں سلطان بیبرس نے ایک بار پھر صلیبیوں پر یلغار کرتے ہوئے صفد کے قلعہ پر چڑھائی کردی یہ قلعہ نہایت بلند اور مضبوط اور عمیق خندقوں سے گھرا ہوا تھا جس میں ہیکلی جنگجوؤں کی ایک کثیر تعداد بھی موجود تھی جنہوں نے متحدہ طور پر کئی بار مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شمولیت کی تھی۔لیکن اس بار معاملات دیگر تھے، پھر بھی انہوں نے سلطان بیبرس کی فوج کا کئی دنوں تک مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ بیبرس نے ہیکلی جنگجو کو قتل کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔ کیونکہ یہ گروپ صفد کے بے گناہ مسلمانوں کو سخت اذیتیں پہنچاتے رہتے تھے ان کا یہ جرم معافی کے قابل نہیں تھا۔

17.7.5 یافہ پر قبضہ

صفد کی فتح اور قبضہ کے بعد 1268ء میں بیبرس نے ایک بار پھر صلیبیوں کے نئے قلعہ یافہ پر چڑھائی کردی اور بارہ گھنٹہ کی شدید جنگ کے بعد مسلمانوں نے یافہ پر اپنا پرچم لہرا دیا اور یہ قلعہ بھی مصر کی مملوک حکومت کے ماتحت آ گیا جو کبھی صلیبیوں کی جنگی نقل وحرکت کا اہم مرکز ہوا کرتا تھا۔

17.7.6 قلعہ الثقیف کی تسخیر

یافہ کی فتح کے بعد بیبرس ثقیف ارنوں کے پہاڑی قلعہ کی طرف متوجہ ہوا جو صور وصیدا کے ساحلی علاقے کو البقاع اور دمشق سے ملانے والے جنوبی درے تک جانے کا راستہ تھا۔ یہ قلعہ ٹمپلرز کا ہیڈ کوارٹر تھا اور اپنے دفاعی استحکامات کی بنا پر بالکل ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ اس قلعہ کی بلندی دریائے لیطائی سے ڈیڑھ ہزار فٹ اور سطح سے 1299 فٹ تھی اس قلعہ کا ایک حصہ پتھروں کی چنائی سے اور دوسرا حصہ پہاڑ کی چٹانیں تراش کر بنایا گیا تھا جس کا مجموعی رقبہ 4290 مربع گز تھا۔ یہ قلعہ اس قدر بلندی پر بنا ہوا تھا کہ اس کی تسخیر تو بہت دور کی بات تھی اس پر حملہ کا تصور کرنا بھی عقل ودانش میں نہیں آ سکتا تھا۔ لیکن اپریل 1268ء میں بیبرس تمام دشوار گزار پہاڑی راستوں، خندقوں، ٹیلوں کو عبور کرتا ہوا جب اچانک قلعۃ الشقیف کے سامنے نمودار ہوا تو صلیبی سکتے میں آ گئے لیکن قلعہ کے زبردست استحکامات نے ان کی ہمت بڑھائے رکھی اور مسلمانوں کی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، بیبرس کو بھی اس قلعہ کے استحکام کا بخوبی علم تھا چنانچہ وہ اپنے ساتھ بہت سی منجنیق لے کر آیا تھا۔ اس کے حکم سے قلعہ کے سامنے منجنیقیں نصب کر دی گئیں اور اس کے ذریعے قلعہ پر بھاری پتھر پھینکے جانے لگے جس نے صلیبیوں کی قوت مدافعت کو کمزور کر دیا اور پانچ ہفتوں کے اندر اندر تمام صلیبی یا تو مارے گئے یا خفیہ راستوں کے ذریعے خشکی کی طرف بھاگ گئے۔ راستہ صاف دیکھ کر بیبرس حمد وثنا کے ساتھ قلعہ میں داخل ہو گیا اور اس کے سب سے بلند ترین برج پر اپنا علم نصب کر دیا۔ قلعۃ الشقیف کی فتح سے صلیبیوں پر کاری ضرب لگی اور ان میں خوف وہراس کی لہر دوڑ گئی۔

17.7.7 فتح انطاکیہ

قلعۃ الشقیف کی فتح کے بعد بیبرس نے مناسب سمجھا کہ طرابلس اور انطاکیہ کو بھی صلیبیوں کے وجود سے آزادی دلا دے اس لیے اس نے اپنے لشکر کو جذبہ جہاد سے معمور کر کے طرابلس کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ وہی دوسری طرف ساحلی بندرگاہوں کے صلیبیوں میں ہنگامہ آرائی تھی کہ نہ جانے کب اور کدھر سے مسلمانوں کی فوج ان پر ٹوٹ پڑے اس لیے انہوں نے بھی یہ بہتر جانا کہ وقت رہتے دفاعی انتظامات پورے کر لیے جائیں۔ قبل اس کے کہ وہ دفاعی انتظام سے فارغ ہوتے اسی اثنا اہل طرابلس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی فوج قلعہ کے سامنے حد نظر تک پھیلی ہوئی تھی۔ طرابلس صلیبیوں کا نہایت مضبوط قلعہ تھا اور انہوں نے یہاں بے پناہ جنگی قوت جمع کر رکھی تھی، نیز انہوں نے قلعہ بند ہو کر مسلمانوں سے ایک طویل جنگ کی تیاری کر لی تھی لیکن اگلے ہی دن جب وہ صبح اٹھے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ طرابلس کے اردگرد دور دور تک مسلمانوں کا کہیں نام ونشان تک باقی نہ تھا۔ مسلمان فوج راتوں رات طرابلس سے شمال میں انطاکیہ کی طرف روانہ ہو گئی تھی ان کا ہدف انطاکیہ کے شریر النفس اور زہر آلود خصلت سے مزین لاطینی ریاست تھی جو پچھلے 170 سالوں سے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی رہی تھی۔

انطاکیہ کی ریاست ہزار مربع میل پر محیط تھی اور خود انطاکیہ کا شہر نہایت مستحکم تھا جو شہر کی دوسری فصیل کے اندر دریائے المقلوب کے کنارے صدیوں سے سر ابھارے کھڑا تھا اس میں عیسائیوں کے کئی مقدس مقامات تھے۔ اس قلعہ کی حفاظت پر دو لاکھ صلیبی جنگجو معمور تھے نیز فوجی

ترتیب حاصل شدہ عوام کی ایک بڑی تعداد بھی ان کے زیر اثر تھی۔ اہل انطاکیہ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ سلطان بیبرس طرابلس سے ان کی طرف پیش قدمی کرے گا کیونکہ وہ تو وہاں محاصرہ جمائے بیٹھا تھا۔ نیز انہیں اپنی قوت مدافعت اور کثرت تعداد پر بھی بڑا ناز تھا لیکن اچانک ایک دن اہل انطاکیہ نے دیکھا کہ قلعہ کے چاروں طرف انسانی جھنڈوں کا سمندر لہریں مار رہا ہے تو حیرت وخوف کے ملے جلے جذبات نے انہیں مغلوب کردیا۔ قبل اس کے کہ صلیبی اپنی قوت جمع کرتے مسلمانوں نے انطاکیہ میں داخل ہوتے ہی نہایت دلیری کے ساتھ حملہ کردیا اور اپنے پہلے ہی حملہ میں انطاکیہ کی ناقابل تسخیر فصیل کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا۔ صلیبیوں نے خود کو بہت جلد منظّم کیا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند کھڑے ہوگئے لیکن مسلمانوں کی شمشیر اور حوصلہ کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور دیکھتے ہی دیکھتے انطاکیہ شہر کی گلیاں خون آشام ہوگئیں۔ نعشوں کے انبار لگ گئے۔ سلطان بیبرس بھی اپنی فوج کے پہلو بہ پہلو اپنے جوہر دکھا رہا تھا جس سے اس کی فوج کی ہمت دوچند ہوجاتی تھیں چنانچہ چھ روز کی جنگ کے بعد صلیبی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے اس طرح ارض مشرق میں دوسری قدیم ترین لاطینی ریاست ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ سلطان بیبرس نے اب تک جو فتوحات حاصل کی تھیں ان میں یہ فتح سب سے بڑی تھی اور حقیقی معنوں میں فتح الفتوح کی حیثیت رکھتی تھی۔

17.7.8 حصن الاکراد کی فتح

سن 1268ء تا 1277ء کے زمانہ میں مصر، شام اور فلسطین کے راستہ کی بڑی صلیبی جنگ کے خطرہ کے دور ہوتے ہی بیبرس نے 1271ء میں صلیبیوں کے خلاف اپنی مہم دوبارہ شروع کی۔ وہ قاہرہ سے ایک لشکر جرار لے کر اس سرعت وتیز رفتاری سے آگے بڑھا کہ صلیبیوں کے لیے اس کے منزل مقصود کو جاننا سخت مشکل تھا اور وہ ابھی قیاس ہی لگا رہے تھے کہ 24/ مارچ 1271ء کو بیبرس حصن الاکراد کے قلعہ کے سامنے نمودار ہوا اور اس کا محاصرہ کرلیا حصن الاکراد ایک بلند پہاڑوں کی چوٹی پر بنا ہوا زبردست اور مستحکم قلعہ قرون وسطی کے قلعوں میں سب سے محفوظ ترین تھا۔ یہ قلعہ طرابلس، طرطوس اور حمص وحماۃ کے میدانوں کے درمیان واقع شمالی درے کا پاسبان تھا۔ یہ قلعہ شام کے کاؤنٹ کی ملکیت میں تھا اور اس وقت اس میں دو ہزار ٹمپلرز مامور تھے۔ انہوں نے پندرہ روز تک مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا اور پھر ہتھیار ڈال دیے۔ بیبرس نے قبضہ کے بعد اس قلعہ کی مرمت کرائی اور اس کی فصیل پر اپنے نام کا کتبہ نصب کرایا۔

17.7.9 القرین کی فتح

حصن الاکراد کی فتح اور نظم ونسق قائم کرنے کے بعد بیبرس طرابلس الشام کے طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ چند دنوں کے بعد بیبرس نے اپنا محاصرہ اٹھالیا اور پیش قدمی کرتا ہوا القرین بالفورٹ پر حملہ کردیا۔ قلعہ میں مقیم صلیبیوں کے لیے یہ حملہ بالکل خلاف توقع تھا مگر پھر بھی انہوں نے مزاحمت کی اور اپنی مدد کے لیے عکّہ کے صلیبیوں کو بلایا لیکن جب تک ان کو عکہ سے مدد ملتی سلطان بیبرس قلعہ کے بیرونی استحکامات کو پامال کرتا ہوا قلعہ کے اندر داخل ہوچکا تھا۔ بیبرس نے قلعہ کو منہدم کرنے کا حکم دیا اور اس کی بنیادیں تک کھدوادیں۔ 1277ء میں سلطان بیبرس کی وفات کے بعد صلیبیوں اور ایل خانی مغلوں نے اطمینان کی سانس لی ان کا خیال تھا کہ بیبرس کے بعد ان کی فتوحات میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکے گا اور اب وہ دوبارہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرلیں گے۔ لیکن ان کی یہ خوش فہمی عارضی ثابت ہوئی اور بیبرس کے بعد اس کے دو قابل جانشین منصور قلاوؤں اور الملک الاشرف خلیل نے اپنے پیشرو کے نامکمل کام کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا اور چند سالوں میں ایل خانیوں کے ناپاک ارادے کو خاک میں ملادیا اور دوسری طرف مشرق میں صلیبیوں پر ضرب کاری لگا کر اسے ہمیشہ کے لیے ختم کردیا۔

مملوک دور کی فتوحات میں سلطان منصور قلاوؤں کا دور بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے بیبرس کے دور میں قلاوون نے مملوک فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں اور ملک کی توسیع میں گراں قدر رول نبھایا۔ بیبرس کے بعد یکے بعد دیگر اس کے دونوں بیٹوں کی معزولی کے بعد عمائدین سلطنت نے منصور قلاوؤں کو ہی اپنا سلطان منتخب کیا اور 1279ء میں الملک المنصور کے لقب کے ساتھ مصروشام کا فرمان روا بن گیا۔

ممالیک گھڑ سوار

قلاوؤں کی تخت نشینی کے بعد ہی ایل خانی مغل جو مصروشام پر ایک عرصہ سے نظریں رکھے ہوتے تھے مسلمانوں کی حالت سے فائدہ اٹھا کر 1281ء میں ایک بڑے لشکر جرار کے ساتھ شام پر چڑھائی کردی جس کی قیادت ہلاکو خان کا لڑکا اباقاخان کررہا تھا۔ ادھر منصور قلاوؤں بھی اپنی فوج کے ہمراہ جنگ کے لیے نکلا اور 1281ء رجب کے مہینے میں حمص کے نواحی علاقہ میں ان دونوں لشکروں میں جنگ چھڑگئی اور ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ تاریخ میں اس کی کم ہی نظیر ملتی ہے۔ مسلمان یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اس جنگ میں انہیں ناکامی ملی تو مصروشام کے مسلمانوں کا حشر بغداد کے مسلمانوں سے مختلف نہ ہوگا۔ اس لیے وہ سر پر کفن باندھ کر لڑ رہے تھے کچھ گھنٹوں کے بعد مغلوں میں ہزیمت کے آثار نمایاں ہونے لگے مسلمانوں نے ان کی اس کمی کو بھانپ لیا اور اس روز کا حملہ کیا کہ تاتاریوں کو راہ فرار اختیار کرنے کے بجائے کوئی راستہ نہ دکھا۔ مسلمانوں کی اس فتح نے قلاوؤں کو وہ مقام دلا دیا جو عین جالوت میں بیبرس کو عطا ہوا تھا۔

اس جنگ میں اباقاخان زخمی ہوکر بھاگ گیا تھا اور چند مہینوں بعد فوت ہوگیا۔ اس کی جگہ اس کا بھائی جو مسلمان ہو چکا تھا مسند نشیں ہوا جس کا نام کودرا اوغلو تھا طالب ہاشمی نے اپنی کتاب الملک الظاہر بیبرس بندقداری میں سرتھامس آرنلڈ کی کتاب اشاعت اسلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> ''اوغلو کی تعلیم وتربیت عیسوی مذہب پر ہوئی تھی۔ بچپن میں اس کو اصطباغ ملا تھا اور اس کا نام نکولس رکھا گیا تھا۔ لیکن اوغلو جب بڑا ہوا تو اس نے مسلمانوں کے اوپر صحبت سے جن کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا اسلام قبول کیا اور سلطان محمد یا احمد ابن قام منتخب کیا اور جس قدر ہوسکا تاتاریوں میں اشاعت اسلام کی کوشش کی۔ اس کے لیے انعام واکرام، اختیارات، عزت، بخشش اور وہ سب کچھ کیا جس سے

تاتاری اسلام میں داخل ہوجائیں۔اس کی اشاعت سے متاثر ہوکر بہت سے تاتاریوں نے اسلام قبول کیا۔‘‘

ممالیک دور میں نیزہ بازی

الملک منصور قلاوؤں کی وفات کے بعداس کا بیٹا صلاح الدین خلیل تخت نشین ہوا اور صلیبیوں کے خلاف جہاد کی تیاری شروع کردی۔ قلاوؤں نے اپنے دور میں صلیبیوں کو متعدد مقامات پر شکست دے کران کے دست وبازو کمزور کردیے تھے لیکن کچھ مقامات ایسے باقی تھے جہاں ان شاطر صفت قوم کی حرکتیں جاری وساری تھیں اسی میں ایک شہر عکّہ بھی تھا۔ یہ شہر جنگی اعتبار سے نہایت محفوظ اور مستحکم تھا اور دوسرے صلیبی مقامات کی بقاء کا انحصار اس پر تھا۔لہٰذا الملک الاشرف نے سب سے پہلے اس پر ضرب کاری لگانے کا فیصلہ کیا اور 1291ء میں لشکر جرار کے ساتھ عکّہ کا محاصرہ کرلیا اور 92 منجنیقیں دن ورات قلعہ پر پتھر برسانے کے لیے نصب کردیں قلعہ میں موجود ٹمپلرز نے زبردست مزاحمت کی لیکن سلطانی فوج نے ان کی ایک نہ چلنے دی اور ایک مہینہ کے محاصرے کے بعد وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔سلطان نے فتح کے بعدان ہیکلی جنگجوؤں کو قتل کرادیا اور شہر کو مسمار کرکے زمین دوز کردیا گیا۔

17.8 ارض مقدس سے صلیبیوں کا خروج

عکّہ پر مسلمانوں کا قبضہ دوسرے صلیبی قلعوں کی تسخیر کا پیش رفت ثابت ہوا کیونکہ عکہ کی فتح کے بعد صلیبیوں نے خوفزدہ ہوکر صور کا قلعہ خالی کردیا اور چند دنوں بعد ہی مسلمانوں نے صیدا پر قبضہ کرلیا۔ پھر بیروت، انطرطوس اور عتلیت کے محافظوں نے ہتھیار ڈال دیے اس طرح اگست ۱۲۹۱ تک سلطان بیبرس کے نامکمل کاموں کی تکمیل عمل میں آتی رہے۔اس طرح مصر کی اساس مملوک حکومت کی سرحدیں سوڈان سے لے کر شام وبحرالکاہل سے لےکر بحرعرب پر محیط تھی۔

مملوک دور کی فتوحات میں ملک الناصر محمد کا زمانہ بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے، ملک الناصر نے 1298ء تا 1341ء تک پورے 42 سال مسلسل حکومت کی ہے جو مملوک حکمرانوں میں سب سے طویل دور ہے۔ ملک الناصر محمد کے دور میں ایل خانی منگولوں نے ملک شام پر دودفعہ حملہ کیا

یہ دونوں حملے غازان خان نے کئے لیکن ۱۳۰۳ء میں مملوک سلطان ناصر محمد اور ایل خانی منگولوں کے درمیان ایک خوں ریز جنگ لڑی گئی یہ وہی جنگ ہے جس میں امام ابن تیمیہ نے ان تاتاری مسلمانوں سے جنگ کرنے کو جہاد قرار دیا تھا اور ان کے ظلم وجور سے مسلمانوں کو نجات دلانے کے لیے مملوک سلطان کو جنگ کے لیے آمادہ کیا تھا۔ سلطان ملک الناصر محمد نے اپنی پوری فوجی قوت اس جنگ کے لیے صرف کر دی اور نتیجتاً اسے فتح وکامیابی حاصل ہوئی۔ ملک ناصر محمد کے دور میں ملک کو جو ترقی ووسعت ملی اس میں بیرونی ملکوں سے تعلقات اور خارجہ پالیسی کا اہم رول ہے۔

مملوک حکومت کی توسیع میں برجی خاندان کا بھی اہم حصہ رہا ہے، چہ جائے کہ ان کے دور حکومت میں توسیع مملکت پر زیادہ زور صرف نہیں کیا گیا لیکن چند فوجی پیش رفت اور عیسائیوں سے مختلف علاقہ واپس لیے گئے ان میں سلطان برس بائے کے ذریعے 1426ء میں قبرص کی فتح شامل ہے۔

17.9 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- مملوک حکومت کا قیام ایوبی حکومت کے بعد عمل میں آیا تھا لیکن ان کی سرگرمیاں ایوبیوں کے دور میں ہی جاری وساری تھیں اور انہوں نے اسی دور میں اپنی جنگی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا تھا جس کی ایک جھلک جنگ منصورہ میں بیبرس کی قیادت اور اس جنگ میں ملی فتح نے دیکھی جا سکتی ہے۔
- مملوک دور میں توسیع مملکت اور فتوحات کا ایک بڑا حصہ بحری مملوک دور کا ہے جس میں خاص طور سے بیبرس، قلاوون اور اشرف خلیل کا زمانہ قابل ذکر ہے۔
- مملوک دور کو مستحکم کرنے میں سلطان سیف الدین برقوق کا بھی اہم رول ہے اس نے زوال پذیر مملوک حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور اسے ترقی دیتا ہوا پہلی روش پر لے آیا جو کہ کسی بھی حکومت کے فرمانرواں کے لیے نہایت قابل فخر بات ہے۔
- تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی میں اسلامی ممالک خاص کر مصر وشام یوروپین اور تاتاریوں کی جنگی کاروائیوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے ایسے حالات میں سلاطین مملوک نے نہ صرف یہ کہ اپنے مملکت وسرحدوں کی حفاظت کی بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی زندگیوں کو بھی غارت گری سے محفوظ رکھا اور ان صلیبی طاقتوں اور تاتاری حملوں کا مونہ توڑ جواب دیا۔
- مملوک سلاطین نے پہلے نئے جنگی اسلحوں وتوپخانوں کو اپنی فوج میں شامل نہیں کیا تھا اور انکی نظر میں یہ اسلحہ ایک مرد کی شان کے خلاف تھا کہ وہ زمینی لڑائی کے بجائے آگ کے گولوں سے دشمن پر حملہ کرے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے بھی اس طرف توجہ دی اور مختلف لڑائیوں میں جو صلیبیوں کے ساتھ لڑی گئی اس میں ان منجنیقوں کا استعمال بھی کیا۔
- سلطان بیبرس کے زمانہ میں جو فتوحات ہوئیں ہیں ان میں عین جالوت، فتح الکرک، فتح قیساریہ، فتح ارسوف، فتح صفد، فتح قلعہ الثقیف، فتح انطاکیہ، فتح حصن الاکراد، فتح القرین وغیرہ شامل ہیں۔

17.10 نمونہ امتحانی سوالات

17.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ عین جالوط کی جنگ کس سن عیسوی میں لڑی گئی تھی؟

(a).1250ء (b).1517ء (c).1260 ء (d).1360

2۔ ساتویں صلیبی جنگ کس عیسائی بادشاہ کی سپہ سالاری میں لڑی گئی تھی؟

(a). رکن الدین بیبرس (b). لوئی نہم (c). ریڈرک (d). جیراڈ آف کریمونہ

3۔ جنگ منصورہ کا مرد میدان کسے کہا جاتا ہے؟

(a). ظاہر بیبرس (b). منصور قلاؤون (c). اشرف خلیل (d). طومان بے

4۔ مملوک حکومت میں سب سے لمبے عرصے تک کس نے حکومت کی؟

(a). ملک الناصر محمد (b). قانصوہ غوری (c). طومان بے (d). شجرۃ الدر

5۔ ملک منصور قلاؤون کا ولی عہد صلاح الدین کا کیا رشتہ تھا؟

(a). بیٹا (b). بھائی (c). بھتیجا (d). چچا

6۔ حصن الاکراد قلعہ کی فتح کس کے زمانے میں ہوئی؟

(a). ملک الظاہر بیبرس (b). منصور قلاووں (c). برقوق (d). قانصوہ غوری

7۔ فتح صفد کب ہوئی؟

(a).1266 (b).1335 (c).1498 (d).1525

8۔ قلعہ یافہ پر مملوک نے کس سن میں اپنا پرچم لہرایا؟

(a).1258 (b).1268 (c).1299 (d).1277

9۔ فتح الکرک کب ہوئی؟

(a).1263 (b).1363 (c).1285 (d).1240

10۔ فتح قیساریہ کن کے درمیان ہوئی؟

(a). مملوک اور صلیبی (b). عثمانی اور مملوک (c). عباسی اور مملوک (d). اموی اور مملوک

17.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ فتح منصورہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

2۔ ارض مقدس سے صلیبیوں کے خروج پر مضمون لکھیے۔

3۔ مملوک سلاطین اور تاتاریوں کے درمیان ہوئی جنگوں پر تبصرہ کیجیے۔

4۔ بحری دور میں مملوک حکومت کی توسیع کا اجمالی خاکہ پیش کیجیے۔

5۔ مملوک دور کی فتوحات میں منصور قلاؤون اور ملک اشرف کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

17.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ عین جالوط کی فتح پر ایک نوٹ لکھیے۔

2۔ مملوک حکومت کی توسیع میں فتح القرین کی اہمیت کو واضح کیجیے۔

3۔ توسیع مملکت میں ملک ظاہر بیبرس کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

17.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ الملک ظاہر بیبرس بندقداری	:	طالب ہاشمی
2۔ تاریخ دعوت وعزیمت (جلد دوم)	:	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
3۔ Mameluke or Slave Dynasty of Egypt	:	Wlliam Muir
4۔ The Crusades: The War for the Holy Land	:	Thomas Asbridge
5۔ Cairo	:	Andre Raymond
6۔ Islamic History and Civilization (Vol. 161)	:	Hans Hinrich Biesterfeldt

-:oOo:-

اکائی 18 : مملوک دور کے سماجی، معاشی اور مذہبی حالات

اکائی کے اجزا

18.0 تمہید
18.1 مقصد
18.2 مملوک دور کے سماجی، معاشی و مذہبی حالات پر ایک نظر
18.2.1 سماجی طبقات
18.2.2 رسم ورواج
18.2.3 لباس، غذا اور خوراک
18.2.4 موسیقی وتصویر سازی
18.2.5 رفاہ عام
18.3 مملوک دور کی معاشی صورت حال
18.3.1 صنعت وحرفت
18.4 مملوک دور کی مذہبی صورت حال
18.4.1 امام نووی
18.4.2 ابن تیمیہ
18.4.3 ابن خلدون
18.5 اکتسابی نتائج
18.6 کلیدی الفاظ
18.7 نمونہ امتحانی سوالات
18.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
18.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

18.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
18.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

18.0 تمہید

اس اکائی میں مملوک دور کے سماجی، معاشی و مذہبی حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد ہم یہ جان سکیں گے کہ مملوک دور کے سماجی، معاشی و مذہبی حالات کیا اہمیت رکھتے ہیں، کیسے ان لوگوں نے سلطنت کے ساتھ سماجی، معاشی و مذہبی حالات پر توجہ دی اور کیا کیا کارنامے انجام دیے۔

18.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ یہ جان سکیں گے کہ مملوک دور کی سماجی معاشی و مذہبی حالات کی کیا خصوصیات ہیں؟ اور وہ کیا بنیادی چیزیں ہیں جو اس کو دوسرے سماجوں سے ممتاز کرتی ہیں اور مملوک سماج کی تعمیر و تشکیل میں کن عوامل و محرکات نے اہم و بنیادی کردار ادا کیا۔ اسی طرح اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ واقف ہوسکیں گے کہ مملوک عہد کی سماجی معاشی و مذہبی صورتِ حال کیا تھی؟ نیز مذہبی صورتِ حال میں کیا کیا تبدیلی واقع ہوئی اور سماج پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟

18.2 مملوک دور میں سماجی، معاشی و مذہبی حالات پر ایک نظر

مملوک سلاطین کے دورِ حکومت میں سماجی معاشی اور مذہبی حالات ترقی پذیر تھے، تقریباً پونے تین صدی کے دورِ حکومت میں کوئی بھی ایسا فن نہ تھا جس کو مملوک سلاطین نے ترقی نہ دی ہو اور مصر کے لوگ اس میں مہارت نہ رکھتے ہوں۔

اگر ہم سیاسی حالات کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف سماجی حالات پر نظر ڈالیں تو ہمیں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ انتہائی مہذب معاشرے کا وجود تھا، باہمی بکثرت پائی جاتی تھی، ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی اور تعاون کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جس کی واضح مثال یہ ہے کہ کل تک جو غلام تھے وہ ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے سپہ سالار بنے، پھر حکمران اور سلاطین بننا بھی ان کو نصیب ہوا۔ مصر کے سماجی حالات کافی بہتر تھے۔ ایک دوسرے کا عزت واحترام، شرم و حیا ان کے کردار کا حصہ تھا۔ جب کہ لباس میں ستر پوشی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور سر ڈھکا ہونا خاندانی شرافت کا حصہ سمجھا جاتا تھا، مرد و زن کے اختلاط سے حتی الامکان احتراز کیا جاتا تھا۔

خدمت خلق اور رفاہِ عام کا سلسلہ جو عباسی خلفاء کے زمانے سے چلا آرہا تھا وقت اور حالات کے پیش نظر اس کو بہتر کرنے میں ہمیشہ فعال رہتے تھے۔ علم و ادب کو فروغ دینے اور اصلاح و تربیت میں خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ معاشی اعتبار سے پورا ملک خوشحال رہتا تھا، زراعت و کاشت کاری بنیادی ذریعہ معاش تھا جس کی وجہ سے دریائے نیل کو خاص اہتمام سے اس کی سیرابی کا جال پورے ملک میں بچھایا گیا تاکہ کاشت کاری کے نظام کو بڑھاوا ملے اور عوام کو زراعت میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مصر کے معاشی حالات میں صنعت و حرفت، تجارت قابل ذکر ہیں۔ درآمد برآمد (امپورٹ، ایکسپورٹ) دونوں ہی اس دور میں بڑے پیمانے پر کیے جاتے تھے۔

فوج کی اونچی جگہوں پر صرف غلام ہی منتخب کیے جاتے تھے اس کے علاوہ عام آدمی یا کسانوں سے منسلک لوگوں کو فوج کے نچلے حصے پر ہی منتخب کیا جاتا تھا۔ مملوک سرداروں کے بیٹے زیادہ تر انتظامی ذمہ داریاں سنبھالتے تھے اس کے برعکس تعلیم، قاضی، کلرک کے پوسٹ میں وہ عام لوگوں میں سے انتخاب کرتے تھے۔ کاریگر اور تجار زیادہ تر شہروں میں سکونت اختیار کرتے تھے، ان کے حالات بہت زیادہ بہتر نہیں تھے لیکن کسانوں کے

حالات سے بہت حد تک بہتر تھے، منگول جو کہ مصر میں آ کر مقیم ہو گئے تھے اسلام لانے کے بعد مملوک حکومت نے ان کا استقبال کیا کیونکہ منگول اپنی شجاعت و بہادری کے لیے جانے جاتے تھے، مملوک بادشاہوں نے اس امید سے کہ منگول طاقت کا اپنے اندرونی و بیرونی دشمنوں سے نپٹنے میں آسانی رہے گی، الحسینیہ نامی جگہ پر یہ لوگ رہتے تھے اور مملوکوں کی خاص توجہ ان پر رہتی تھی۔

یہ قابل اہم بات ہے کہ مملوکوں نے ڈاک کے نظام کو بہت زیادہ فروغ دیا، ہر چوکی پر ایک تازہ دم گھوڑا تیار رہتا تھا جو ان خطوط کو آگے چوکی تک لے جاتا تھا، ہوائی ڈاک کو منظم طریقے سے سلطان ملک الظاہر بیبرس نے شروع کیا، قلعہ جبل جہاں بری ڈاک کا مرکز تھا وہیں پر ہوائی کا بھی نظم و نسق کیا گیا، ہوائی ڈاک کی خدمت اس وقت کبوتروں سے لی جاتی تھی جس کے لیے الگ سے برج بنوائے گئے، رہنے اور کھانے پینے کا معقول انتظام کیا، نگرانی کے لیے آدمی مقرر کیے گئے، ہر چوکی پر برج بنائے گئے ایک چوکی سے دوسری چوکی کے لیے کبوتروں کو تبدیل کر دیا جاتا، عام طور پر خط کو کبوتر کے پروں میں باندھ دیا جاتا تاکہ بارش یا پانی سے محفوظ رہیں۔ عام طور پر ایک خط کو دو کبوتر کے ذریعے بھجوایا جاتا اور احتیاطی تدابیر کے طور پر دونوں کبوتروں کی اڑان کے درمیان فاصلہ رکھا جاتا، ان کی اڑان بھروانے سے پہلے موسم کا خاص خیال رکھا جاتا، سلطان کے نام جو خط ہوتا اس کبوتر کی چونچ پر کسی رنگ سے نشان لگا دیا جاتا تاکہ واضح ہو سکے یہ خط سلطان کے نام ہے جس کو کھولنے کی اجازت سوائے سلطان کے اور کسی کو نہیں ہوتی تھی۔

مذہبی حالات کا تفصیلی تذکرہ تو آگے آئے گا البتہ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ دینی تعلیم پورے عروج پر تھی، بڑے بڑے مدارس و مساجد تعمیر کی گئیں، باطل عقائد و نظریات کی زبردست تردید کی جاتی تھی، امام ابن تیمیہ اس دور کی مشہور شخصیت شمار کی جاتی ہیں جنہوں نے اہل سنت والجماعت کے عقائد کے دفاع میں منہاج السنہ تحریر کیا جو عوام وخواص میں کافی مقبول ہوئی۔ ابن تیمیہ کے بعد ان کے شاگردوں نے اس تحریک کو آگے بڑھایا اور تصوف کے باطل نظریات کا منھ توڑ جواب دیا۔

مدارس کی تعلیم صرف مذہبی تعلیم تک محدود نہ تھی اور نہ ہی مذہبی علماء کی حالت روایتی تھی بلکہ اس دور کے علماء اصلاحی و تبلیغی مشن میں سرگرم رہنے کے ساتھ ساتھ ملک کے نظام کی بہتری کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے، دشمنان اسلام اور شر و فساد برپا کرنے والوں پر خصوصی نظر رکھتے تھے۔ ملک کے لیے خطرناک عناصر سے مقابلہ کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ ملک کے لیے دفاعی نظام کو مضبوط بنانے اور فکر رکھنے کی طرف عوام وخواص کو ہمیشہ متنبہ کرتے رہتے۔ چنانچہ جب منگول نے تباہی مچائی اور شام و مصر کا رخ کیا تو ابن تیمیہؒ نے پہلے سے ہی جنگ کا اعلان کر دیا جس کے نتیجے میں لوگوں کے دلوں میں ایک جذبہ اور ولولہ پیدا ہو گیا جس سے حکومت کو کافی تقویت ملی۔ اس کا بہتر نتیجہ یہ سامنے آیا کہ منگول جیسے طاقت ور حملہ آوروں کو شکست کھانی پڑی اور شام و مصر اس کے ظلم و ستم اور جبر و سرکشی سے محفوظ رہا۔

مملوک سلاطین کے دور میں مذہبی حالات اور دینی تعلیم کے بہتر ہونے کی وجہ لوگوں کے آپسی معاملات و تعلقات بڑے اچھے انداز سے طے پاتے تھے معاشرے کو بہتر بنانے میں علماء و مصلحین کے ساتھ ساتھ سلاطین وقت بھی چونکہ متحرک رہتے تھے اس لیے یہ داخلی نظام بہت ہی پر امن طریقے سے چلتا رہا البتہ جب کسی سلطان کا انتقال اور نئے سلطان کے تخت نشین ہونے کا وقت ہوتا تو اس وقت طاقت ور امیدوار سلطان اپنی بیعت کے لیے جائز و ناجائز دونوں طرح سے اپنی طاقت کا استعمال کرتا تھا جس کے زیادہ تر برے اثرات سیاست میں متحرک اور حکومت سے متعلق لوگوں کو پہنچتے تھے اور پھر حکمران کے عادل یا غیر عادل ہونے کی بنا پر حالات بہتری یا بدتری کی طرف ہو جاتے۔

18.2.1 سماجی طبقات

عربوں کی حکومت خواہ اموی ہو یا عباسی جب ہم ان کے سماجی طبقات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں دو طبقات بہر صورت نظر آتے ہیں۔ ایک مذہبی دوسرا نسلی۔ مذہبی طبقہ دو حصوں میں منقسم تھا۔ (۱) اسلامی (۲) غیر اسلامی

مذہبی طبقہ میں اسلامی طبقہ ہر طرح سے فروغ پا تا رہا، چونکہ سلاطین عام طور پر علماء و مصلحین اور دعاۃ و مبلغین سے کافی حد تک جڑے رہے اور بہت سے معاملات خطباتِ جمعہ اور دروس کے ذریعے حل ہو جاتے تھے اس لیے مذہبی طبقہ کو بادشاہ وقت کی کافی تائید حاصل تھی۔

مدارس و مساجد کی عالیشان تعمیرات کی طرف غیر معمولی توجہ تھی، مدرسہ الناصر یہ مملوک سلطان ملک الناصر نے ایک کثیر رقم سے بنوایا تھا جو ان کی خاص توجہ کی ایک واضح مثال ہے۔

ہر شہر میں قاضی مقرر ہوتے تھے جو لوگوں کے معاملات کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرتے تھے جب کہ بعض پیچیدہ مسائل حاکم وقت کے دربار میں علماء اور مفکرین کی موجودگی میں حل کیے جاتے تھے۔ مذہبی طبقہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علماء کی شان میں غلو کے نتیجے میں تصوف کو بھی کافی فروغ ملا لیکن صحیح العقیدہ علماء ہمیشہ باطل نظریات کو قلع قمع کرنے اور منطق و فلسفہ کے لادینی اصول و مبادی کی بیخ کنی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

غیر اسلامی جس میں یہود، نصاریٰ اور دیگر ذمی لوگ شامل ہیں۔ غیر اسلامی طبقے کے لوگوں کے مذہبی معاملات سے کوئی چھیڑ خانی نہ کی جاتی تھی۔ ان کے مذہبی رہنماؤں کے ذریعے مذہبی معاملات انجام دیے جاتے تھے، بحیثیت ذمی ہونے کے ان کو جزیہ اور ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا تھا جو قابل برداشت ہوتا اور وہ اسے با آسانی ادا کرتے تھے۔ غیر اسلامی طبقہ کے لیے ملک کا شہری ہونے کے ناطے تمام تر اختیارات عدل و انصاف کے ساتھ حاصل تھے، مذہب کی بنیاد پر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کے ساتھ کبھی چھیڑ خانی نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی مملوک تاریخ میں وہ کبھی ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ ملک کی معیشت و تجارت کے ذرائع و اسباب اختیار کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بنتی تھی بلکہ وہ اپنے پر امن اور خوشحال زندگی گزارنے میں ہر طرح سے مطمئن تھے جیسا کہ بعض غیر مسلم مصنفین نے اس بات کو اپنی کتابوں میں سراہا ہے۔

غیر اسلامی مذہبی طبقہ اگر چہ عام لوگوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرتے تھے لیکن اپنی مذہبی کتابوں کی نشر و اشاعت اور مختلف زبانوں میں ترجمہ وغیرہ کے کاموں میں مصروف رہے، یہود و نصاریٰ دیگر مذہبی رہنماؤں کے مقابل زیادہ بہتر اور منظم انداز سے اپنے کام انجام دیتے تھے جب کہ اسلامی مذہبی طبقہ کے رہنماؤں کے یہاں تصنیف و تالیف پر خصوصی توجہ تھی، کتاب و سنت کی گہرائی رکھنے والے اگر چہ اقلیت میں تھے لیکن غیر معمولی اثرات رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض مواقع حاکم وقت کے غیر مناسب فیصلوں پر بھی روک لگانے کی کوشش کرتے تھے۔ امرا اور وزراء کی بہتر تربیت کرنے اور حکومتی نظم کے لیے صحیح فکر دینے کی کوشش ان کی اصلاحی و تبلیغی مشن کا جزء لاینفک ہوا کرتا تھا۔

نسل اور تعصب

مملوک سلاطین کے دور میں نسلی تعصّبات کافی حد تک رہا۔ چونکہ ان کو غلام کی حیثیت سے جانا جاتا تھا اس لیے عربی و عجمی کا تعصب زیادہ شدت نہ اختیار کر کے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ ہم ترکی النسل ہیں اور ترکی النسل ہونے کی بنا پر ہمیں عام لوگوں پر برتری حاصل ہے۔ چنانچہ حکمراں طبقے نے مختلف عہدوں پر ممتاز رہنے کی کوشش کی۔ جس کے نتیجے میں اپنا لباس، مجلس اور اپنا رہن سہن عام شہریوں سے جداگانہ رکھا۔ یہاں تک کہ اپنی زبان ترکی رکھنے کی کوشش کی، صرف عبادات کے مواقع پر علماء کرام، دانشوران اور صلحاء سے خطاب و گفتگو کے موقع پر عربی زبان کا استعمال کرتے تھے، عہدہ مناصب کی تقسیم میں نسلی تعصب زیادہ غالب نہ تھا البتہ فوج میں اپنے افراد کی شمولیت کو ترجیح دیتے تھے تا کہ اطمینان و اعتبار کا سلسلہ منقطع نہ ہو اور خیر خواہی و مخلصانہ رویہ مزید پروان چڑھے۔

18.2.2 رسم و رواج

مملوک دور حکومت میں رسم و رواج پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ دور کے بالمقابل ان کے زمانے میں رسم و رواج کی

کثرت ہو چکی تھی ۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مصر میں مختلف ادیان و مذاہب کے لوگ مختلف علاقوں کی تہذیب وثقافت کے عادی تھے ۔مملوک دور میں مصر میں غلاموں کی مختلف قسمیں تھیں مثلاً ترکی ،شرکسی ،منگول ،تاتاری اور یونانی وغیرہ ۔ جب کہ عرب علاقوں میں شام ،مصر اور عراق بھی ایک دوسرے کے ساتھ گہرے رابطے میں رہتے تھے ۔الغرض یہ کہ مختلف علاقوں کی مختلف قومیں ایک جگہ جمع ہوئیں تو لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ رسم و رواج خوب کثرت سے پائے گئے ۔امرا و سلاطین اپنے ماتحت لوگوں کو عام طور پر فوج میں شامل کرنے کی غرض سے کھانے پینے پر خصوصی توجہ دیتے تھے ،جسمانی صحت وتندرستی کی خاطر ورزش پر توجہ دیتے تھے ،انواع و اقسام کے پھل میوہ جات اور مشروبات کا استعمال بکثرت کرتے تھے ،عمدہ کپڑے اور فخریہ لباس زیب تن کرتے جس کے ذریعے مجلسوں میں نمایاں اور ممتاز نظر آتے تھے ۔امرا و سلاطین کے بچے دینی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے ،علماء کرام کے پاس جا کر قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دین کی بنیادی چیزیں ازبر کرتے تھے ۔

مملوک سلطنت کے دور میں بہت سے مواقع پر اجتماعی خوشیاں منانا اور میلے قائم کرنا بہت زیادہ ہو گیا تھا ،خوشیوں کے مواقع اور میلوں کے الگ الگ نام بھی تھے ۔ذیل میں کچھ نام درج ذیل ہیں ۔

(۱) عید السنۃ الھجریۃ: ہجری سن کے اعتبار سے نئے سال کے موقع پر امراء ،وزراء اور قاضی حضرات سلطان وقت کے قلعہ پر پہونچ کر نئے سال کی مبارکبادی پیش کرتے اور پھر سلطان کی طرف سے مختلف قسم کے ہدیے اور تحفے تقسیم کیے جاتے تھے ۔بعد میں یہ سلسلہ عوام میں بھی رائج ہو گیا ۔

(۲) عید عاشوراء: عاشوراء کے دن اور مہینے میں اصحاب ثروت وصولت اور تجار حضرات غرباء ،فقراء ومساکین کو صدقات وعطیات سے نوازتے تھے ، دیگیں تیار کرائی جاتی تھیں ،قبروں کی زیارت کرتے تھے ،خواتین عاشوراء کے روز جامع عتیق مسجد میں زوال تک دعا وعبادت میں مصروف رہتی تھیں اور مسجد میں بیٹھنے کو بہت ہی بابرکت سمجھتے تھے ۔

(۳) عید میلاد: ربیع الاول کے مہینہ میں سلطان وقت کے قلعہ کے وسیع وعریض میدان میں بڑا اسٹیج لگایا جاتا تھا ،خوشیاں منانے کی ساری چیزیں مہیا کی جاتی تھی کھانے پینے کا عمومی انتظام ہوتا تھا ،سلطان وقت اسٹیج پر ہوتے اور کچھ فاصلے پر کبار علماء ،قراء ،واعظین اور باا ثر شخصیات بھی اسٹیج پر جلوہ افروز ہوتے ۔مختلف قراء الگ الگ انداز سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے ، پھر سلطان انہیں بڑی بڑی رقمیں ہدیے کے طور پر نوازتے تھے ۔بعض واعظین نصیحت کرتے اور سیرت نبوی پر شعلہ بیانی کے ساتھ تقریر کرتے اور اخیر میں نعت خوانی کرتے تھے یہ سلسلہ رات بھر چلتا رہتا بالآخر صبح کے وقت سلطان وقت کی طرف سے کثرت سے ہدایا تحائف اور درہم ودنانیر تقسیم کیے جاتے تھے ۔

(۴) محمل: یہ ایک بڑی مجلس ہوتی تھی ۔محمل شریف کو خانہ کعبہ کے لیے بھیجا جاتا اور اس رسم کو بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا ۔ جو رجب اور شوال میں منعقد کی جاتی تھی ،اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کو حج بیت اللہ پر ابھاریں اور راستہ کے پرامن ہونے پر لوگوں کو اطمینان دلائیں ۔اس موقع پر محلات اور گھروں کو خوب سجایا جاتا تھا اور عمدہ لباس پہننے کا اہتمام کیا جاتا تھا ۔

(۵) عید الفطر اور عید الاضحیٰ: عید الفطر کی خوشیاں بڑے ہی زور وشور سے منائی جاتی تھی جب کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر بڑی تعداد میں جانور ذبح کیے جاتے تھے اور لوگوں کو درہم ودینار کے ساتھ گوشت تقسیم کیے جاتے تھے ۔جب کوئی نیا سلطان بنتا تو اس کے لیے ایک بڑی مجلس کا انعقاد کیا جاتا جس میں سلطان کو مخصوص لباس پہنائے جاتے اور حکومت کرنے کے اصول ومبادی بتائے جاتے ۔گویا اس دور میں بھی تاجپوشی کی رسم کو بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا تھا ۔سلطان جب ملک سے باہر گئے ہوتے تو اس کی واپسی پر استقبالیہ کی ایک بڑی محفل ہوتی رقص وسرود کا ماحول ہوتا تھا ، گانے بجانے والی خواتین جمع کی جاتی ،عام طور پر شربت پلانے کا نظم کیا جاتا تھا ،لہو ولعب کا ماحول بنایا جاتا ،سلطان اپنے مقرب لوگوں کو عمدہ کپڑے

اور ہدیہ دیتا تھا۔

(۵) عید وفاء النیل: دریائے نیل کے لیے سال میں ایک بڑا میلہ لگتا تھا اس کی بہتری اور ترقی کے لیے بکثرت دعائیں ہوتیں، تلاوت قرآن پاک کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا اور تین دن کے روزے رکھے جاتے تھے، مصر کا بچہ بچہ، مرد و خواتین اور غریب تمام لوگ اکٹھا ہوتے تھے۔ بازار، مدارس، مراکز اور ادارے سب بند ہوتے تھے ہر گھر سے کچھ نہ کچھ صدقہ نکالا جاتا تھا۔

(۶) عید الفیروز: دراصل یہ قبطی قوم کی عید تھی لیکن ملکی اتحاد کی بنا پر اس میں تمام اقوام و مذاہب کے لوگ اس میں شرکت کرتے تھے اور یہ ان کے باہمی اتحاد و اتفاق کی ایک مثال ہوا کرتی تھی، فیروز کی رات مختلف انواع و اقسام کے حلوے اور مٹھائیاں بناتے تھے اور پھر اگلے روز اعزہ و اقارب میں تقسیم کرتے تھے۔ عام طور پر بازار بند ہوتا تھا سڑکیں کشادہ ہوتی تھیں تو شاہ راہوں پر پانی اور مختلف چیزوں سے کھیلا کرتے تھے، کھانے پینے کی دعوتیں ہوتی تھیں، عید فیروز کا ایک امیر ہوتا تھا جو سواری پر سوار ہو کر تمام گھروں سے صدقات جمع کرتا تھا۔

قبطیوں کی ایک دوسری عید ''عید الشھداء'' کے نام سے موسوم ہے۔ جس میں مصر کے گوشے گوشے سے قبطی اکٹھا ہو کر دریائے نیل کے ساحل پر جمع ہو کر کھانے پینے اور کھیل کود میں مصروف رہتے۔ آخر میں دریائے نیل کے پانی میں اضافے کے لیے کچھ نذرانے پیش کر کے واپس چلے جاتے تھے۔

18.2.3 لباس اور غذا خوراک

مملوک سلاطین کے دور میں مختلف تہذیب و تمدن کے لوگ مختلف علاقوں کے باشندے تھے جو مصر میں زندگی گزار رہے تھے۔ عرب، ترک، ایرانی اور تاتاری اپنی تہذیب و ثقافت کے ساتھ زندگی گذارتے تھے۔ جس کے نتیجے میں ایک دوسرے کی تہذیب مل جل کر معجون مرکب بن گئی لیکن یہ ضرور ہے کہ امراء و سلاطین اپنے لیے فخریہ اور عمدہ لباس ہی منتخب کرتے تھے۔ لباس انتہائی قیمتی اور منقش ہوا کرتا تھا۔ بسا اوقات امراء و سلاطین کے لباس دوسرے ممالک سے آرڈر پر منگوائے جاتے تھے، مخصوص مجلسوں کے لیے امراء و سلاطین کے لباس کشادہ اور لمبے ہوتے تھے۔ کندھوں پر خاص قسم کی منقش چادریں بھی ہوتی تھیں، بعض لوگ اپنے سروں پر لمبی ٹوپیاں پہنتے تھے، علماء طبقہ عمامہ کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ خواتین کے لباس بھی عام طور پر لمبے چوڑے ہوتے تھے جس سے جسم کی ستر پوشی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، خواتین باہر نکلنے پر نقاب پوش بھی کرتی تھیں۔

مختلف تہذیب و ثقافت کے باہم میل ہونے کی وجہ سے لباس یا کھانے پینے اور رسم و رواج میں وحدت بہت ہی کم پائی جاتی تھی۔ البتہ لوگ عمدہ غذاؤں کا استعمال کرتے تھے چونکہ گیہوں کی پیداوار بکثرت تھی اس لیے مختلف قسم کی روٹیاں بنائی جاتی تھیں۔ مصر میں کھیتی کو بہت زیادہ فروغ دیا گیا جس کی وجہ سے وہاں کے لوگ سبزیوں کو اگاتے اور غذاوں میں استعمال کرتے۔ عمدہ غذاؤں میں گوشت کی انواع و اقسام بکثرت ہوتی تھیں، میٹھے کا عام رواج تھا اس کی وجہ مصر میں مختلف عیدیں اور خوشیوں کے مواقع پر میٹھا کثرت سے بنایا جاتا تھا۔

امراء و سلاطین کے گھرانے کے لوگ چونکہ زیادہ تر عسکری ہوا کرتے تھے اس لیے وہ لوگ مقوی غذاؤں، نفیس کھانوں پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔

18.2.4 موسیقی اور تصویر سازی

امراء و سلاطین کے یہاں عام طور پر موسیقی، رقص و سرود، گانے بجانے، تصویر سازی اور عالیشان فلک بوس عمارتوں کا ذوق و شوق بکثرت پایا جاتا تھا۔ غیر اسلامی امور مثلاً موسیقی، مغنیات اور تصویر سازی معاشرے میں عروج پا رہی تھیں کیونکہ معاشرے میں مختلف طبقات کے لوگ رہتے تھے جس میں اسلام اور دیگر مذاہب کے ماننے والے بھی شامل ہیں۔ اسی طرح ان غیر شرعی چیزوں کا رواج اس لیے بھی ہوا کہ بادشاہ و امراء اپنی

مجلسوں کو پر رونق بنانے اور ہر ایک کے دل کی تسکین کے لیے کوشش کرتے تھے چنانچہ ہم نے پیچھے یہ بھی پڑھا ہے کہ عید میلاد کے موقع پر قرات، وعظ اور نعت خوانی کے علاوہ رقص وسرود کو بھی موقع دیا جاتا، اسی طرح سلاطین جب دیگر ممالک کے سفر سے واپس ہوتے تو استقبالیہ مجلس میں مغنیہ خواتین کی ایک بڑی تعداد ہوتی تھی، خوشیوں کے موقع پر شراب وکباب کی محفلوں کا اہتمام کیا جاتا اور گانے بجانے والیوں کو بطور خاص مدعو کیا جاتا تھا۔ تصویر سازی عام طور پر لوگوں کی مہارت اور صلاحیتوں کے اظہار کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا اس لیے بھی لوگ اس کی طرف خاص توجہ دیتے تھے۔

18.2.5 رفاہ عام

مصر میں لوگ زراعت وکاشت کاری کو ذریعہ معاش اپنائے ہوئے تھے تو اس لیے امراء وسلاطین نے رفاہ عام کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مختلف علاقوں کے لیے نہریں کھدوائیں، ملک الناصر نے ایک نہر کھدوائی، جس کی وجہ سے اسکندریہ اور دریائے نیل کا ملاپ ہوا۔ ملک الناصر نے دریائے نیل سے قاہرہ کے قلعہ تک نالی تعمیر کروائی جس سے ہر عام وخواص فائدہ اٹھاتے۔

بیبرس نے رفاہ عام کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اپنے دور حکومت میں بیبرس نے نہریں اور جا بجا پل بنوائے، مدرسے تعمیر کروائے، سڑکوں کا جال پورے شہر میں بچھایا نئی سڑکیں بنوائیں، پرانی سڑکوں کی مرمت کی۔ بیبرس کے عہد میں مصر وشام کے مراکز ایک عمدہ شاہراہ کے ذریعے ملا دیے گیے۔ عرب مورخین کا بیان ہے کہ مصر اور شام کے درمیان آمد ورفت کا اتنا عمدہ انتظام تھا کہ سلطان ہفتے کے شروع میں دمشق میں چوگان کھیلنے کے بعد روانہ ہو جاتا اور ہفتے کے آخر میں قاہرہ پہنچ کر چوگان کھیلتا۔

مملوک سلطنت میں حمام بکثرت بنوائے گیے جو ان کی ثقافت کی دل چسپی کا پتہ دیتے ہیں۔ لوگوں میں تعلیم کو فروغ دینے کے لیے مدارس ودرسگاہوں کی تعمیر کروائیں جس میں حکومت کی طرف سے غریب طلباء کے لیے تعلیم کا انتظام کیا جاتا تھا۔ سلاطین مملوک کا رجحان عوامی خدمات کی طرف بکثرت تھا۔ اوقاف کا باقاعدہ منظّم ادارہ قائم کیا گیا۔ مطب اور شفاخانے تعمیر کرائے گئے جس سے عوام الناس بھر پور فائدہ اٹھاتی تھی، فلپ کے حتی نے اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ سلطان قلاؤن نے ''المارستان منصوری'' کے نام سے ایک اسپتال بنوایا تھا۔ سلطان کو اسپتال بنوانے کا خیال اس وقت آیا جب وہ درد قولنج کی وجہ سے دمشق کے نوری اسپتال میں داخل ہوا تو اس نے بیڈ پر لیٹے لیٹے یہ عہد کیا کہ صحت یاب ہو جانے پر قاہرہ میں ایک بڑا اسپتال بنوائے گا۔ 1284ء میں یہ اسپتال مکمل ہوا جس میں مختلف بیماریوں کے الگ الگ شعبے قائم کیے گئے۔ لیبارٹری یا رڈ سپنسری، حمام، باورچی خانے اور میڈیکل سے متعلق لکچرس روم بنائے گئے اور خواص وعام کے استفادے کے لیے اسے کھول دیا گیا۔

قحط اور طاعون کے ایام

مملوک سلطنت میں قحط اور طاعون کی وبا پھیلی جس کی وجہ سے پوری کی پوری بستی تباہ وبرباد ہوگئی۔ جس کو بادشاہ وقت نے عوام کی گناہوں کا نتیجہ بتایا اور عورتوں پر گھروں سے نکلنے پر پابندی لگادی۔ 1348ء میں جب یورپ ممالک میں طاعون کی بیماری آئی تو مصر میں تقریباً سات سال تک رہی، تاریخی حوالوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصر کی صرف ایک تہائی تعداد باقی رہ گئی تھی باقی دو تہائی افراد وفات پا گئے تھے۔ ایسے پرفتن دور میں امراء وسلاطین نے عوام کو سہولت پہنچانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

18.3 معاشی صورت حال

مصر میں دریائے نیل کے وجود نے فطری طور پر وہاں کے باشندوں کو زراعت وکاشت کاری سے جوڑ رکھا تھا، اکثر دیہی علاقوں میں مصری باشندے زراعت کو ہی اپنا ذریعہ معاش سمجھتے تھے، حکومت کی طرف سے انہیں مراعات بھی حاصل ہوتی تھیں۔ مثلاً کھیتی کے علاقوں تک پانی کی نہریں

جاری کی جاتی تھی اور نشیب وفراز علاقوں کو کاشت کاری کے قابل بنانے کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی ۔معاشی حالات میں مصر کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ مصر کی بندرگاہ تھی جو تجارت کا سمندری راستہ تھا مشرق اور مغرب کے سامان کی منتقلی اسی راستے سے ہوتی تھی، سلاطین مصر نے اس سے بڑے فائدے حاصل کیے۔

اہل مصر گیہوں کی اتنے بڑے پیمانے پر کھیتی کرتے تھے کہ تمام اہل مصر کی ضروریات پوری ہوجاتی تھی اور شام وحجاز میں برآمد (اکسپورٹ) کرتے تھے۔ گیہوں کے علاوہ گنے کی کھیتی ہوتی تھی جس سے شکر تیار کی جاتی تھی، اسی وجہ سے مصر میں عام طور پر میٹھا بنانے اور مختلف مواقع پر اسے تقسیم کرنے کا رواج تھا۔حسب ضرورت مختلف قسم کے میوہ جات اور سبزیوں کی بھی پیداوار ہوتی تھی جو الگ الگ موسم میں بازاروں میں روزانہ پہونچائی جاتی تھی ۔اہل مصر پھول، پھلواری اور باغیچوں کے بھی بہت شوقین تھے جس سے ان کے علاقے ہرے بھرے نظر آتے تھے اور سیر وتفریح کرنے والوں کے لیے خوبصورت منظر بھی ہوا کرتے تھے۔

زراعت پیشہ لوگوں کی معاشی حالت بہت اچھی نہیں ہوتی تھی بلکہ اس کا بڑا فائدہ بازاروں کے بڑے تاجر جو برآمد کرتے تھے ان کو پہنچتا تھا اور زراعت پیشہ طبقہ محض اپنے اہل وعیال کے ضروری اخراجات تک محدود رہتے ہوئے اپنی زندگی گزار دیتے تھے۔

18.3.1 صنعت وحرفت

مملوک سلطنت میں مال ودولت کی فراوانی تھی، بڑے پیمانے پر درآمد اور برآمد کا سلسلہ قائم تھا، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ عہد مملوکی میں خارجی تعلقات بڑھتے جا رہے تھے، کبھی تاتاری، کبھی منگول وغیرہ کے حملے نے بھی انہیں اسلحہ بنانے کی طہارت اور اس کی خرید وفروخت پر ابھار رکھا تھا۔ چنانچہ حکومت فوجی اور جنگی ضروریات کے لیے تیر وکمان، تلوار اور دیگر جنگی آلات بنانے کے لیے فیکٹریاں قائم کیں، بڑے بڑے تاجروں نے بھی حکومت سے اجازت ملنے پر اسلحے بنانے شروع کیے۔ جس کی خرید وفروخت کے لیے مخصوص بازار ہوتے تھے۔

مصر کی صنعت میں قابل ذکر چیز یہ ہے کہ جنگی بحری جہاز بڑے بڑے بنائے جاتے تھے جس کی لکڑیاں شام، ایشیا اور مغربی یورپ سے درآمد کی جاتی تھیں، ان کشتیوں کی مختلف قسمیں ہوتی تھیں اور ان کی الگ الگ خصوصیات کی بنیاد پر ان کے نام رکھے جاتے تھے، مشہور کشتیوں کے نام شوانی، حراریق اور طرائد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اہل مصر مختلف قسم کے کپڑے تیار کرنے میں بھی کافی شہرت حاصل کر چکے تھے اہل مصر کے کپڑوں کی خوبیاں اور اچھی صفات یوں مشہور تھی کہ ان کے رنگ ہلکے نہیں پڑتے، کپڑوں کی بنائی بڑی باریک بینی سے کی جاتی تھی۔ کسی بھی کپڑے کے متعدد رنگ آسانی سے دستیاب تھے۔ مصر کے چند مشہور کپڑے جن کو کافی شہرت حاصل ہوئی وہ یہ ہیں: قماش الفستیان، القماش الدیبقی، القصب ۔آخرالذکر کپڑا انتہائی ملائم اور خالص سوتی ہوتے تھے جس میں بسا اوقات ہلکے نقش ونگار یا باڈر پر دھاریاں ہوتی تھیں عام طور پر اسی کپڑے کا عمامہ بنایا جاتا تھا اور خواتین کے ملبوسات بھی عمدہ قسم کے تیار کیے جاتے تھے۔

مختلف قسم کی قالین، دریاں، پردے، موٹی چادریں اور رسیاں اہل مصر بڑے اہتمام سے تیار کرتے تھے جس کو ملک کے چھوٹے بڑے بازاروں میں فروخت کیا جاتا تھا۔

مصر کی صنعت میں قابل ذکر بات معدنیات کی بنی ہوئی چیزیں ہیں مثلاً گھروں اور شادیوں میں استعمال ہونے والے چھوٹے بڑے برتن، خواتین کے سونے چاندی کے زیورات، معدنیات میں پیتل اور تانبے کے ذریعے دروازوں کا بیرونی حصہ بھی تیار کرایا جاتا تھا۔ جو خوبصورتی، مضبوطی، پردہ اور فخر یہ چیزوں کا مجموعہ ہوتا تھا۔ اس طرح کے دروازوں کا استعمال عام طور پر قلعوں، امراء وسلاطین کے محلات اور مساجد میں ہوا کرتا تھا۔

کانچ اور شیشہ کی بھی مختلف چیزیں بنتی تھی جو لوگوں کے لیے گھروں میں برتن کے طور پر سجانے کے کام آتی تھی، کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی تھی جس پر مختلف رنگ کے نقش ونگار بنے ہوتے تھے اور وہ اتنے جاذب نظر آتے تھے کہ نگاہیں ٹکی کی ٹکی رہ جاتی تھیں۔ دیکھنے والا دوبارہ اس کو دیکھنے کی خواہش رکھتا اس قدر پرکشش ہوا کرتی تھیں۔ الغرض کہ مصر کی صنعت صرف انسانی ضروریات تک محدود نہ رہ گئی تھیں بلکہ تمدن وثقافت میں بھی مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔

صنعت وحرفت میں یہ ملک چونکہ کافی ترقی پر تھا، مختلف قسم کے سامان بطور خاص زندگی کی ضروریات سے جڑی ہوئی چیزیں بنائی اور تیار کی جاتی تھیں اور بعض ایسا نایاب چیزیں بھی تھیں کہ اہل یورپ واٹلی ابھی اس تک پہونچنے سے قاصر تھے لہٰذا مصر کے بازار اور تجارت ایک عالمی تجارت کی حیثیت رکھتے تھے۔

18.4 مملوک دور کے مذہبی حالات

عہد مملوکی میں مذہبی حالات بہت بہتر تھے اس طور پر کہ قاہرہ اور مصر کے دیگر شہروں میں مدارس ومساجد کی کثرت تھی، تعلیم اس قدر معیاری تھی کہ مصر و بیرون مصر کے ہزاروں طلبہ دینی مدارس سے فیض یاب ہوتے تھے، بڑے بڑے مشائخ اور علماء کے الگ الگ حلقۂ درس لگتے تھے۔ فقہ واصول فقہ اور ادب کو کافی فروغ ملا، تعلیم کے لیے مدارس کے علاوہ مساجد کا بھی استعمال ہوتا تھا۔ اسلامی تعلیم کے فروغ ملنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہاں کا سرکاری مذہب اسلام تھا گرچہ ذمیوں کا مذہبی معاملہ ان کے مذہبی رہنما دیکھتے تھے لیکن مجموعی طور پر ملک کے تمام معاملات کتاب وسنت کی روشنی میں انجام پاتے تھے۔ سلطان ملک الظاہر بیبرس نے خلافت کا احیاء کیا لیکن ملک کے انتظام وانصرام میں خلیفہ کا کوئی عمل دخل نہ ہوتا تھا۔

عہد مملوکی میں تیرہویں صدی عیسوی میں مغربی ممالک، اندلس ودیگر ممالک سے صوفیا حضرات کا ایک وفد مصر پہونچا جس میں ابوالحسن شاذلی، ابوالعباس المرسی، ابوالقاسم القباری اور سید احمد بدوی وغیرہم قابل ذکر صوفیا کو اپنے افکار ونظریات کی ترویج کے لیے مناسب اور مہذب جگہ لگی۔ انہوں نے اپنی کوششوں کو جلد ہی ثمرآور دیکھ کر مستقل مسکن بنالیا۔ اب ان کے مستقل قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ کثرت سے ان کی مجلسوں میں شرکت کرنے لگے اور ان سے مضبوط رشتہ قائم کرلیا، صوفیا حضرات سے اعتقاد کا عالم یہ تھا کہ لوگ ان سے قریب ہوکر دنیاوی فتنہ وفساد سے حفاظت اور آخرت کی نجات کا ذریعہ سمجھنے لگے چنانچہ مصر میں جب فتنہ وفساد عام ہوئے، قحط اور بیماریوں کے ایام ہوتے یا لوگوں کے بزنس تجارت یا دیگر معاملات میں مشکلات لاحق ہوتیں تو لوگ بطور خاص صوفیا کی خدمات میں پہونچتے اور ان سے دعاؤں کی درخواست کرتے۔ بقدر استطاعت صدقات وعطیات پیش کرتے اور آہستہ آہستہ یہ ماحول ہوگیا کہ بڑی سے بڑی جائدادیں وقف کرنے لگے۔

صوفیا کرام کی دنیا سے بے رغبتی اور کثرت عبادت وتلاوت اور دعا واذکار نے لوگوں کے دلوں میں بڑی گہری محبت وعقیدت پیدا کردی تھی، لوگوں نے اپنے تمام تر معاملات میں ان سے مشورہ لینا شروع کردیا تھا یہاں تک کہ لوگ اپنے مال واولاد کے معاملات میں جو تصرف کا حق تھا ان میں صوفیا کو بھی شریک کرلیا تھا۔

صوفیا حضرات کے مختلف فرقے بھی تھے جن کے الگ الگ شعار تھے مثال کے طور پر فرقہ ''احمدیہ'' جو شیخ احمد بلاوی کی طرف منسوب تھا، اس کا شعار سرخ رنگ تھا۔ فرقہ ''رفاعیہ'' شیخ ابن الدفاعی کی طرف منسوب تھا ان کا شعار کالے رنگ کا عمامہ تھا۔ صوفیا حضرات کی ذاتی زندگی انتہائی سادگی کے ساتھ تھی مثلاً مختصر اور سادہ کھانا کھانا، لباس میں نقش نہ ہونا، بہت مختصر نیند لینا، لوگوں سے گفتگو بھی کم کرنا، زیادہ سے زیادہ عبادات میں ذکر واذکار، تلاوت اور دعاء وتسبیح میں مشغول رہنا جس کی وجہ سے انھوں نے اپنے لیے فقراء اور درویش جیسے اصلاحی الفاظ متعین کرلیے تھے۔

عہد مملوکی میں جب تصوف کے افکار ونظریات پھیلتے گیے تو لوگ مدارس کی جگہ خانقاہیں، رباط اور زاویہ بنانے میں دلچسپی لینے لگے۔ ان

عمارتوں میں قیام وطعام کا معقول انتظام ہوتا تھا، دراصل صوفیاؤں نے دیکھا کہ لوگوں کی زندگی کا اکثر حصہ دو چیزوں سے جڑا ہوا ہے، لوگ عبادات میں حصہ لیتے ہیں یا پھر جہاد کرتے ہیں۔ لہذا خانقاہ کے ساتھ ساتھ رباط میں بھی حصہ لیا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رباط بھی خانقاہ کا بدیل بن گیا۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ زاویہ بھی خانقاہ کا حصہ بن گیا۔

مصر تہذیب وتمدن میں چونکہ ہمیشہ آگے آگے رہا ہے لہذا خانقاہوں میں بھی کافی تبدیلی آئی، خانقاہ صرف غرباء ومساکین کے لیے مسکن اور تعلیم گاہ نہیں رہ گئے بلکہ بے شمار رفاہ عام کے کام اور عوامی خدمات کو بھی انجام دیا جانے لگا، حماموں کی کثرت ہوگئی، مطب اور دواخانے بھی قائم کیے گئے۔ مسافر خانے اور سرائے کی عمارتیں قائم کی گئیں، قضاۃ کے دفاتر بھی حسب ضرورت عارضی طور پر کھولے گئے۔ الغرض عامۃ الناس سے متعلق مختلف مسائل کا حل خانقاہوں سے جوڑنے کی پوری کوشش کی گئی اس لیے لوگ خانقاہوں سے دلی لگاؤ رکھتے تھے۔

مملوکی عہد میں تصوف اور خانقاہیت کی ابتدا ہوئی اور جلد ہی عروج پر پہونچ گئی لیکن اسی عہد کے زوال کے ساتھ ساتھ جعلی صوفیوں کا انتشار اور ان میں ایک قسم کی فکری انارکی عام معاشرے کا حصہ بن چکی تھی۔ جن جگہوں پر سکوت، ورد کو دنیا سے بے تعلق سمجھا جاتا تھا انہی جگہوں پر گانے بجانے اور سرود کا شور غوغا ہونے لگا۔ ایک نئی اور مخصوص حرکت کے عادی ہونے لگے جس میں وہ اپنے ہاتھوں اور چہروں کو آسمان کی طرف کرتے، رونے کی آواز اور چیخ وپکار کے ساتھ ''المدد'' کے لفظ کا بار بار ورد کرتے۔ اس کے علاوہ بہت سی تبدیلیاں آئیں مثلاً تعلیم سے بے رخی، مادیت پسندی اور عدم سادگی سے جڑ گئے یہاں تک کہ صوفی بننا ایک پیشہ ہو گیا جس میں اوقاف کی جائداد واموال پر عارضی قبضہ کے ذریعے وقتی خوشیوں کے مزے لینے لگے اور عبادت وریاضت سے ذکر الٰہی، تسبیح وتحمید اور دعاؤں میں اخلاص برائے نام باقی رہ گیا، اس دور کے مشہور مورخ مقریزی ان (جعلی صوفی) کا وصف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

لاینسبون اِلی علم ولا دیانة واِلی اللّٰہ المُشتکیٰ (تعلیم وتعلم اور دین ومذہب کی طرف ان کی نسبت بھی باقی نہیں رہ گئی تھی اور بہر حال اب مدد تو صرف اللہ سے ہی مانگی جاسکتی ہے)

مملوک سلطنت میں مسلمانوں کے علاوہ یہود ونصاریٰ اور آتش پرست بھی تھے، آخر الذکر کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں نہ کے برابر ملتا ہے البتہ یہود ونصاری کی ایک بڑی تعداد تھی جو اپنے مذہب پر قائم تھی جو بحیثیت ذمی اسلامی مملکت میں جزیہ دے کر رہتے تھے۔ ان کے مذہبی امور میں کسی قسم کی چھیڑ خانی نہ کی جاتی تھی ان کے مذہبی معاملات اپنے مذہبی رہنماؤں کی قیادت میں انجام پاتے تھے۔ البتہ بعض معاملات جس میں بڑا اختلاف ہوتا تو اس کو سلطان کے دربار میں بیٹھ کر حل کیا جاتا تھا۔

سلطان ملک الظاہر بیبرس (1260-1277ء) کا دور حکومت ایک ہر لحاظ سے قابل تعریف دور تھا اس کی ایک مثال:

> سلطان ملک الظاہر بیبرس دینداری میں بے حد انہماک تھا، وہ بڑا پرجوش مسلمان تھا۔ جہاد کا عاشق اور شرع کا پابند۔ نہ صرف خود صوم وصلوۃ کی پابندی کرتا بلکہ تھا بلکہ عامۃ الناس کو بھی نہایت سختی سے احکام شریعت پر عمل کرنے اور شعائر دینی کا احترام کرنے کی تاکید کرتا تھا۔ اس نے اپنی مملکت میں تمام ناجائز محاصل یکسر موقوف کر دیے تھے مسکرات کا یک قلم خاتمہ کر دیا تھا اور فواحش کا نہایت سختی سے انسداد کیا تھا اس کی پوری مملکت میں کوئی شراب خانہ، جوئے خانہ اور قحبہ خانہ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا تھا۔ (ملک الظاہر بیبرس، ص:187)

دیگر مذاہب کے لوگ اپنے مذہب کی دعوت وتبلیغ برسر عام نہ کرتے تھے البتہ اپنے مذہب کے لوگوں سے جڑ کر مذہبی تعلیم دیتے اور آسمانی کتابوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ عیسائیوں کے بالمقابل یہود اپنے مذہب میں زیادہ متحرک رہتے تھے۔ بعد کے ادوار میں عیسائیوں نے بھی اپنے

مذہب میں پختگی اختیار کی اور وقت کے مشہور علماء سے مناظرے بھی کرتے تھے۔ مملوک دور میں چند اہم علمی اور مذہبی شخصیات کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ دور کس قدر علوم وفنون کا دور تھا اور علماء کے اندر کتاب وسنت کی گہرائی انتہا درجہ کو پہونچی ہوئی تھی جب کہ یہی علماء فتنوں کے دور میں سیاسی بصیرت کا ایسا مظاہرہ کرتے تھے کہ خود اپنی مثال آپ ہوتے تھے۔

18.4.1 امام نووی 1277-1233

ملک الظاہر بیبرس کے عہد کے بڑے ہی معروف ومشہور جلیل القدر عالم اور محدث عصر گذرے ہیں، مذہبی علوم وفنون میں خاصی مہارت تھی، حق گوئی اور بے باکی میں مشہور زمانہ تھے، بہت سی تصنیفات اور مؤلفات آپ کے علم مقام ومرتبہ کا غماز ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں مسلم کی شرح، ریاض الصالحین، آداب المفتی والمستفتی اور اربعین للنووی وغیرہ۔ ہر خاص وعام میں معروف ومشہور ہیں۔ اہل علم طبقہ اور منتہی طلبہ اس علمی استفادہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

18.4.2 ابن تیمیہ 1328-1263

امام ابن تیمیہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے ملک الظاہر بیبرس کے دور سلطنت میں پیدا ہوئے اور نوجوانی کے ایام میں ملک الناصر (1309ء-1341ء، اس سے پہلے دو بار سلطان بن چکے تھے) کے معاصر رہے۔ انھوں نے جب آنکھ کھولی تو دیکھا کہ بعض اسلامی مملکتوں کی وحدت تاتاریوں کے حملے سے ڈرھ پارہ ہوگئی ہے، لوگ ظلم وستم کی چکی میں پیسے جا رہے ہیں اور تاتاری فوج کی دہشت وخوف کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہیں۔

دوسری طرف علم کی نشر واشاعت عروج پر تھی، مملوک سلاطین کے قائم کردہ بڑے بڑے مدارس وجامعات میں پورے عالم سے طلبہ وشائقین علم حاصل کرنے کے لیے رخت سفر باندھتے تھے تمام اسلامی فنون، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ وادب دیگر مروجہ فنون کے متبحر اور جید علماء کی جماعت مصر ودمشق اور شام وعراق میں جمع تھی، اس لیے بھی لوگ شام ومصر کے لیے دور دراز سے سفر کرتے تھے۔ بڑے سے بڑے کتب خانے تھے جس میں تمام علوم وفنون کے مراجع ومصادر اور مخطوطات موجود تھے جو لوگوں کی پیاس بجھاتے تھے۔

علماء کرام تصنیف وتالیف میں ہمہ تن مشغول ومصروف رہتے تھے، اس علمی ماحول نے ابن تیمیہ کو بھی علوم وفنون کی مہارت حاصل کرنے پر ابھارا چنانچہ ابھی وہ علم حاصل ہی کر رہے تھے کہ ان کے والد جلیل القدر عالم شہاب الدین عبدالحلیم ابن تیمیہ کا انتقال ہوا جو کہ دار الحدیث السکر یہ میں درس دیا کرتے تھے۔ جب ان کا مسند درس خالی ہوگیا تو ابن تیمیہ صرف 22 سال کی عمر میں والد صاحب کی مسندِ درس سنبھال لیے، 2 محرم 683ھ کو پہلا درس دیا جس میں طالبان علوم نبوت کے علاوہ بڑے بڑے علما وفضلا بھی شریک تھے، درس کے بعد تمام حاضرین متبحر علماء دین اور عمائدین ان کے تبحر علمی اور فصاحت وبلاغت کے معترف ہوئے۔

درس وتدریس کے ایام ابھی شروع ہوئے تھے کہ تاتاریوں کے ظلم وستم سے مسلمان پریشان ہوگئے چنانچہ ایک وفد تیار کر کے امام ابن تیمیہ نے قازان سے ملاقات کی اور اس کو عدل وانصاف پر ابھارا۔ بڑی جرأت مندی کے ساتھ اس سے گفتگو کی اور لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ قازان کے دل میں ابن تیمیہ کا رعب ودبدبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ آخر میں اس نے امام کے جرأت مندانہ جذبات کے ساتھ وعظ ونصیحت کے متعلق اپنے تاثر پیش کیا اور دعا کی درخواست کی۔

ابن تیمیہ نے اپنی پوری زندگی امت کی اصلاح کے لیے وقف کر دی تھی چنانچہ جب انھوں نے شرکیہ اعمال وبدعات کے خلاف تحریک شروع کی تو مختلف قسم کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑا مگر اصلاح کی جو تحریک قائم کر چکے تھے اس سے پیچھے نہ ہٹے۔ ملک کی فلاح وبہبود

اورلوگوں کے اخلاق واعمال کی اصلاح میں جو کچھ انہوں نے کوششیں کی ہیں ذیل میں اختصار کے ساتھ درج ہیں۔

تاتاریوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ

تاتاریوں کا ظلم وتشدد جب بڑھتا گیا اور عہد ومعاہدہ وباہمی گفتگو سے مسئلہ کا حل نہ ہوا اور تاتاری دوبارہ حملہ آور ہونے کی تیاری کرنے لگے تو امام ابن تیمیہ نے جہاد کا فتویٰ دیا اور اپنی انتھک محنت وکوشش اس کام میں لگادی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ جنگ کے لیے پرعزم ہوجائیں اور ظلم وستم کو مٹانے اور ملک کے دفاع میں اپنے آپ کو لگادیں، سلطان وقت اپنے تمام امور میں امام ابن تیمیہ سے مشورہ لیتے تھے، مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور بے شمار تاتاری قتل ہوئے، قید کیے گیے اور بعض جو پرخطر وادیوں سے راہ فرار اختیار کیے تو وہ بھی منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے۔ ۴ر رمضان ۲ ۷ ھ کو جب ابن تیمیہؒ دمشق میں داخل ہوئے تو اہل دمشق نے ان کے بڑا والہانہ استقبال کیا اور خوب دعائیں دیں۔

اصلاحی تحریک

بہت سے دنیادار حکام وسلاطین اور امرا کی دین سے بے توجہی اور عوام الناس کی شراب وکباب سے دلچسپی کی بنا پر بہت سے مے خانے وجود میں آچکے تھے، بڑے پیمانے پر اس کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔ لوگوں کے اوپر جب مختلف قسم کی مصیبت آن پڑیں اور عرصہ حیات تنگ نظر آنے لگی تو رجوع الی اللہ کا جذبہ بیدار ہوا اور لوگ علماء وصلحاء کی مجلسیں اختیار کرنے لگے، ایسے حالات میں ابن تیمیہ نے علی الاعلان شراب کی حرمت اور قباحت پر وعظ ونصیحت کیں۔ پھر اپنے شاگردوں اور ہمنواؤں کو ساتھ لے کر ہر چھوٹے بڑے میکدے کا رخ کیا۔ شراب کے مٹکے توڑ دیے اور اس کام میں ملوث افراد کے لیے تعزیر کا حکم جاری کیا، امن پسند اور دین دار لوگ اس تحریک سے بہت خوش ہوئے، امام ابن تیمیہ کا رعب لوگوں کے دلوں میں اس قدر بیٹھا تھا لوگ ان کی تحریک کے خلاف ایک آواز نہ نکال سکے۔

بعض دفعہ ایسے بھی حالات آئے کہ عقیدہ توحید کی صدا بلند کرنے اور مشرکانہ عقائد وباطل رسومات کی تردید میں اسیری کے ایام بھی گذارے لیکن اپنے پختہ عزم ''احیاء کتاب وسنت'' اور اصلاحی کاموں میں ذرا بھی کمزور نہ پڑے۔ اللہ کی ذات وصفات کے متعلق متکلمین اور اہل فلسفہ کی طرف سے جس قدر باطل نظریات آتے ہر ایک کا مسکت جواب دیتے بالآخر لوگوں کے سامنے صحیح عقیدہ ومنہج واضح ہوجاتا۔

عالم اسلام میں عیسائیت کی نئی تحریک پیدا ہورہی تھی ہر ایک عیسائی پادری کا چیلنج قبول کرتے اور ان کی تقریروں، تصانیف اور لٹریچر کا دندان شکن جواب دیتے تھے۔ بعض اہل تشیع حضرات نے صحابہ کرام کی عدالت کو مشکوک ٹھہرایا اور رسالت محمدی پر الزام لگانا شروع کیا یہاں تک کہ صحابہ کرام کی عظمت وتقدس کو پامال کرتے ہوئے ناگفتہ بہ جملے کہے اور نازیبا حرکات سے اس کا اظہار کیا تو ایسے موقع پر بھی امام ابن تیمیہ خاموش نہ رہے بلکہ دفاع حق میں زبان وبیان کے ساتھ ساتھ اپنی قلم کو بھی جنبش دی اور ''منہاج السنہ'' جیسی عظیم کتاب تصنیف کی جس میں ان حضرات کے باطل نظریات کا رد پیش کیا ہے جو آج تک مرجع ومصدر کی حیثیت شمار کی جاتی ہے۔

امام ابن تیمیہ کی علمی، دعوتی، دینی اور اصلاحی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن ندوی تاریخ دعوت وعزیمت میں رقم طراز ہیں:

> اس عظیم علمی کارنامہ کے ساتھ جس میں وسعت بھی تھی، اور عمق بھی تھا، اور جس میں نقل وعقل دوش بدوش ہیں، انھوں نے علوم شریعت کی تجدید کی خدمت انجام دی اور فکر اسلامی پر جو جمود واضمحلال طاری ہونے لگا تھا، اس کو دور کیا نئی علمی راہیں، اور نئے فکری دروازے کھولے، اور تصنیفات ومباحث کا ایسا علمی ذخیرہ چھوڑا جس کے مطالعہ سے ذہن میں وسعت، طبیعت میں جولانی اور فکر میں تحریک ونشاط پیدا ہوتا ہے۔ اور جس کے اثر یک

بڑا ماخذ اور محرک امام ابن تیمیہ کی تصنیفات ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کے علمی اثرات میں ان کے شاگردان کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں سے بعض نے اپنے استاذ امام کے نہج پر بڑے بڑے کارنامے انجام دیے، سرفہرست امام ابن قیم، ابن کثیر اور ابن عبدالہادی وغیرہ۔

18.4.3 ابن خلدون 1332-1406

عالم اسلام کے مشہور مورخ، فلسفی اور ماہر سیاست داں شمار کیے جاتے ہیں۔ علم تاریخ کے بابائے آدم تصور کیے جاتے ہیں۔ جب کہ فقہ کتاب وسنت کی ایسی بصیرت تھی کہ جامع از ہر مصر میں بحیثیت مدرس تقرری ہوئی اور مدرسہ قمحیہ جو کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے قائم کیا تھا سلطان مصر نے اس میں بھی درس دینے کی ذمہ داری سونپی۔ مصر میں فقہ مالکی کے منصب قضا پر فائز ہوئے، دوران قضا آپ نے قاضیوں کے درمیان جو خرابی پیدا ہوگئی تھی اس کو ختم کرنے کی کوشش کی، اسی لیے کئی بار آپ کو قاضی کے منصب سے ہٹایا گیا۔ مقدمہ ابن خلدون ان کی مشہور کتاب ہے جو تاریخ سیاست، عمرانیات، اقتصادیات اور ادبیات سے متعلق گراں قدر معلومات کا خزانہ ہے۔

ابن خلدون ملک کے دفاع میں بھی کافی سرگرم رہتے تھے، امرا اور وزراء ان سے مشورہ لیتے تھے، ماہر سیاست داں ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر معیش داں بھی تھے۔ 1401ء میں دمشق میں امیر تیموری کے حملے سے بچانے کی غرض سے دمشق میں مقیم رہے اور امیر تیمور سے متعدد ملاقات کر کے اپنی شخصیت اور ذہانت وفطانت سے مسلسل متاثر کرتے رہے۔ 1406ء میں قاہرہ میں ان کا انتقال ہوا۔ صوفیاء کے قبرستان میں مدفون ہیں لیکن آج تک ان کی قبر کا علم نہیں ہوسکا۔

الغرض کہ مملوک سلاطین کا دور عالم اسلام کے لیے مختلف اعتبار سے شاندار دور رہا ہے جس میں تہذیب وثقافت، سیاست ومعیشت کی مہارت وترقی کے ساتھ ساتھ دین اسلام کے علمی اور اصلاحی بڑے کارنامے وجود میں آئے۔

18.5 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- مصر کے معاشی حالات میں صنعت وحرفت، تجارت قابل ذکر ہیں درآمد اور برآمد دونوں اس دور میں بڑے پیمانے پر کیے جاتے تھے۔
- امام ابن تیمیہ اس دور کی مشہور شخصیت ہیں جنھوں نے بے شمار کتابیں تحریر کیں اور اہل سنت والجماعت کے عقائد کا دفاع کیا۔
- قاضی کا ہر شہر میں تقرر ہوتا تھا جو معاملات کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرتے تھے۔
- ظاہر بیبرس نے رفاہ عام کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، نہریں، پل، مدرسے اور سڑکوں کا جال پورے ملک میں جال بچھایا گیا۔
- سلطان قلاؤن نے المارستان منصوری کے نام سے ایک اسپتال بنوایا۔
- مقدمہ ابن خلدون ان کی مشہور کتاب ہے جو تاریخ سیاست، عمرانیات، اقتصادیات اور ادبیات سے متعلق گراں قدر معلومات کا خزانہ ہے۔
- ابن خلدون 1401ء میں دمشق میں امیر تیموری کے حملے سے بچانے کی غرض سے دمشق میں مقیم رہے اور امیر تیمور سے متعدد ملاقات کر کے اپنی شخصیت اور ذہانت وفطانت سے متاثر کیا۔

18.6 کلیدی الفاظ

خانقاہ : فارسی لفظ ہے جس کے معنی صوفیا کے ٹھہرنے کی جگہ

رباط : ایسی محفوظ عمارت جس میں مجاہدین کے قیام وطعام کا معقول انتظام ہوتا تھا

زاویہ : اس سے مراد چھوٹی مسجد یا ایک چھوٹی عمارت ہوتی تھی جس میں صوفیا اوران کے معتقدین عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

18.7 نمونہ امتحانی سوالات

18.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ مصر میں ملکی اتحاد کی بنیاد پر کون سی عید منائی جاتی تھی؟

(a). عید میلاد (b). عید وفاء النیل (c). عید الفیروز (d). تمام غلط

2۔ قماش الفستیان کس لیے مشہور ہے؟

(a). کپڑا (b). صابن (c). تیل (d). تمام غلط

3۔ بدوی فرقہ کے بانی کون ہیں؟

(a). شیخ احمد بلاوی (b). ابوالحسن شاذلی (c). ابن تیمیہ (d). ابن خلدون

4۔ فرقہ رفاعیہ بنیاد کس نے رکھی؟

(a). ابوالحسن شاذلی (b). شیخ ابن الدین دفاعی (c). شیخ احمد بلاوی (d). ابن تیمیہ

5۔ ریاض الصالحین کے مصنف کا نام بتائیں؟

(a). امام نووی (b). امام بخاری (c). امام احمد (d). امام مالک

6۔ ابن خلدون کی وفات کب ہوئی؟

(a).1401 (b).1506 (c).1406 (d).1404

7۔ مشہور کتاب ''مقدمہ'' کس کی تصنیف ہے؟

(a). ابن تیمیہ (b). ابن قیم (c). شیخ احمد بلاوی (d). ابن خلدون

8۔ مدرسہ قمحیہ کو کس سلطان نے قائم کیا تھا؟

(a). سلطان برقوق (b). صلاح الدین ایوبی (c). ظاہر بیبرس (d). سلطان ناصر

9۔ ابن تیمیہ کی ولادت کب ہوئی؟

(a).1283 (b).1263 (c).1333 (d).1328

10۔ امام ابن قیم کے استاذ کا نام کیا ہے؟

(a). ابن تیمیہ (b). امام احمد بن حنبل (c). جریر طبری (d). رازی

18.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ مملوک دور میں سماجی معاشی و مذہبی حالات پر بحث کیجیے۔

2۔ مملوک دور کے سماجی طبقات پر مختصر نوٹ لکھیے ۔

3۔ رفاہ عام پر روشنی ڈالیے۔

4۔ صنعت وحرفت سے کیا سمجھتے ہیں؟ تحریر کیجیے۔

5۔ اصلاحی تحریک پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

18.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ مملوک دور کے رسم ورواج کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

2۔ ابن تیمیہ کے حیات وکارنامے پر مفصل بحث کیجیے۔

3۔ مملوک دور کے مذہبی حالات پر جامع نوٹ لکھیے ۔

18.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	History of the Arabs	:	فلپ کے۔ حتی (مترجم: یاسر جواد)
2۔	تاریخ ابن خلدون	:	ابن خلدون (مترجم: سید رشید احمد)
3۔	العصر المما لیکی فی مصر وشام	:	ڈاکٹر سعید عبد الفتاح عاشور
4۔	العصر المملو کی	:	ڈاکٹر مفید الزیدی
5۔	تاریخ دعوت وعزیمت	:	مولانا ابوالحسن علی ندوی
6۔	Islamic Dynasties of The Arab East	:	Abdul Ali

-:oOo:-

اکائی 19 : مملوک دور میں علوم کی ترقی

اکائی کے اجزا

19.0 تمہید
19.1 مقصد
19.2 مصر میں خلافت عباسیہ کا قیام
19.3 مملوک دور میں علمی سرگرمی
19.3.1 مملوک دور میں علمی سرگرمیوں کے اسباب وعوامل
19.4 مملوک دور کی اہم علمی خدمات
19.4.1 عربی زبان وادب
19.4.2 علم تاریخ
19.4.3 علم جغرافیہ اور علم سیاست وحکومت
19.4.4 علم حدیث
19.4.5 علم تفسیر
19.4.6 علم فقہ
19.4.7 علم تصوف
19.5 مملوک دور کے مدارس ومکاتب
19.6 مملوک دور کی ممتاز شخصیات اور ان کی اہم تصانیف
19.7 اکتسابی نتائج
19.8 نمونہ امتحانی سوالات
19.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

19.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

19.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

19.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

19.0 تمہید

اس اکائی میں مملوک دور میں علوم کی ترقی کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا، اور یہ دکھایا جائے گا کہ مصر میں خلافت عباسیہ کے قیام کے بعد کس طرح قاہرہ بغداد کی جگہ لے لیتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر علم وفن کا مرکز بن جاتا ہے۔ مشرق ومغرب کے دور دراز علاقوں سے علماء، فضلاء اور طلبہ قاہرہ کی طرف کشاں کشاں چلے آتے ہیں، اور مصر وشام کے پرسکون ماحول میں اپنی علمی سرگرمی کو جاری رکھتے ہیں۔ نیز اس دور کے نامور علماء، ان کی خدمات اور مدارس کا جائزہ لیا جائے گا۔ ساتھ ہی ادب، تاریخ، تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم پر اس دور میں لکھی جانے والی عظیم الشان کتابوں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

19.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ مملوک دور کی علمی سرگرمی، اس دور کے علماء کی علمی خدمات، ہر علم وفن پر لکھی جانے والی اس وقت کی عظیم الشان تصانیف اور اس دور کے مدارس اور علمی اداروں سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔

19.2 مصر میں خلافت عباسیہ کا قیام

1258ء میں منگولوں کے ہاتھوں دار الخلافہ بغداد کی تباہی اور عباسی خلیفہ کے قتل کے بعد آس پاس کی اسلامی سلطنت کے حکمرانوں نے کسی دوسری جگہ خلافت کے از سر نو قیام کے تعلق سے سوچنا شروع کر دیا تھا، کیوں کہ مسلمان اس خلاء کو محسوس کر رہے تھے جو خلیفہ کے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا، اس وقت کے مسلم حکمرانوں میں سے ہر حاکم یہ چاہتا تھا کہ خلافت کا قیام اس کے شہر میں ہو، تاکہ خلافت کے پس پشت وہ دوسرے مقاصد اور بلند رتبے حاصل کر سکے، لیکن خلافت کے قیام کا یہ شرف مملوک سلطان ملک الظاہر بیبرس کی قسمت میں تھا، چنانچہ اس نے 1262ء میں نئے سرے سے مصر میں عباسی خلافت قائم کیا۔

19.3 مملوک دور میں علمی سرگرمی

مصر میں اسلامی خلافت قائم ہونے کی وجہ سے دوسرے اسلامی شہروں سے بڑے بڑے علماء، صلحاء اور طلبہ مصر کی طرف آنے لگے اور مصر میں علمی سرگرمیاں بڑھنے لگیں، مختلف علوم وفنون پر بڑی بڑی کتابیں لکھی جانے لگیں، جس کی وجہ سے مصر اس دور میں تمام علوم وفنون کا مرکز سمجھا جانے لگا، علماء، معلمین اور طلبہ خلافت عباسیہ کے دار الحکومت بغداد سے اور اسپین میں اسلامی خلافت کے مرکز غرناطہ سے، اس کے علاوہ مشرق ومغرب کے دوسرے شہروں سے قاہرہ کی طرف کھنچے چلے آنے لگے۔ خلافت عباسیہ کے احیاء کی وجہ سے مصر خلافت اسلامیہ کا مرکز اور پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کی نظروں کا محور بن گیا، خلافت کی بحالی اور اس کی بقاء وحفاظت کی وجہ سے عالم اسلام میں مملوک سلاطین کا مقام بہت بلند ہو گیا، عالم اسلام کے چپہ چپہ سے حکام وسلاطین کے قاصدوں اور وفود کی مصر کی طرف آمد کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جو عباسی خلیفہ کے لیے کثرت سے

اموال اور تحائف اپنے ساتھ لاتے تھے،ان سب کی وجہ سے مصر کی علمی اور دینی زندگی میں ایک بڑی سرگرمی پیدا ہوگئی۔امام سیوطی اس سرگرمی کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''جب سے مصر اسلام کا دارالخلافہ بنا اس کی شان میں چار چاند لگ گئے،اس میں اسلامی شعائر کی کثرت ہوگئی،سنت کو غلبہ حاصل ہوا،بدعات کا خاتمہ ہوا اور مصر علمائے اسلام کا مسکن اور فضلاء کا مرکز ومحور بن گیا۔''

مملوک حکمرانوں نے مصر میں کثرت سے مساجد وجوامع تعمیر کیے، یہاں تک کہ یورپ کے جو لوگ سیر وسیاحت کے لیے مصر آتے تھے وہ مسجد کی کثرت کو دیکھ حیرت زدہ ہو جاتے تھے،صرف ان مسجدوں کی تعداد جو الناصر محمد اور اس کے امراء نے تعمیر کرائی تھی 28 تھی۔اس زمانے میں مسجدوں کا استعمال صرف عبادت کے لیے نہیں ہوتا تھا بلکہ دین ومذہب سے متعلق دوسرے بہت سے اغراض کے لیے بھی ان کا استعمال ہوتا تھا جیسے درس وتدریس اور لوگوں کے درمیان معاملات کے فیصلے وغیرہ۔اس کے علاوہ بسا اوقات طلبہ مسجد کے کسی گوشے میں بیٹھ جاتے اور کسی بڑے فقیہ یا کسی مشہور محدث یا کسی معروف نحوی کا درس سننے لگتے تھے۔

جامع ازہر کا مقام ومرتبہ مملوک دور میں بہت بلند تھا، یہاں علم حاصل کرنے والے طلبہ نہ صرف مصر کے باشندے ہوتے تھے بلکہ مشرق اور مغرب کے دور دراز ملکوں سے سفر کر کے علم کے طلب گار یہاں پہنچتے تھے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔اہل دولت وثروت میں سے جو لوگ جامع ازہر کی زیارت کے لیے آتے تھے وہ جامع ازہر کی امداد واعانت کے لیے مال ودولت،غذائی سامان اور مٹھائیاں اپنے ساتھ لاتے تھے۔

مملوک دور میں علمی سرگرمی اور اس کی ترقی کا اندازہ ان عظیم اور ضخیم کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے جو اس دور کے علماء نے مختلف علوم وفنون کے میدان میں بطور یادگار چھوڑی ہیں۔

19.3.1 مملوک دور میں علمی سرگرمیوں کے اسباب وعوامل:

مملوک دور میں علمی اور دینی سرگرمی کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

پورا عالم اسلام منگولوں اور صلیبیوں کے خطرات میں گھرا ہوا تھا، خاص کر اسپین میں صلیبیوں نے اور عراق وشام میں منگولوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا جس کی وجہ سے ان علاقوں کے علماء وطلبہ مصر کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، جہاں انہیں اپنی علمی سرگرمی کو باقی رکھنے کے لیے انتشار وہنگامہ آرائی سے پاک ایک پرسکون ماحول ملا۔

ایک زمانے میں بغداد دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت شہر تھا ساتھ ہی علم کا سب سے بڑا مرکز تھا لیکن بغداد کی تباہی اور خلافت کی بغداد سے قاہرہ منتقلی کے بعد قاہرہ دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت شہر بن گیا تھا جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ علم کا بھی سب سے بڑا مرکز بھی بنے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب ہیں جن کی وجہ سے مملوک دور میں قاہرہ میں علمی سرگرمی اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی مثلاً مملوک سلاطین کی علم کی دوستی،علماء نوازی اور مدارس ومکاتب کے قیام میں حد درجہ رغبت ودلچسپی وغیرہ۔

مملوک دور میں علمی ترقی وسرگرمی کا سب سے بڑا ثبوت ان مدارس کی کثرت ہے جو مملوک سلاطین نے قائم کیے، یہاں تک کہ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی میں مصر کے مدارس کی اس کثرت کو دیکھ کر یہ لکھنا پڑا کہ ''یہاں مدارس اس کثرت سے ہیں کہ کوئی شخص ان کو شمار نہیں کر سکتا''۔

19.4 مملوک دور کی اہم علمی خدمات

حقیقت یہ ہے ان مدارس اور مساجد کی تعمیر کی اصل غرض اور بنیادی مقصد ان مملوک سلاطین کے پیش نظر ایک طرف تو تقوی اور پرہیز گاری کے اظہار میں دلچسپی اور رغبت ہے تو دوسری طرف سنی مذہب کی اشاعت اور مصر سے شیعیت کا خاتمہ تھا۔لیکن اس سب کے علاوہ ان مدارس اور جوامع نے مصر میں ایک عظیم علمی تحریک اور سرگرمی پیدا کر دیا۔جس کے نتیجہ میں بڑی بڑی علمی خدمات انجام دئے جانے اور ہر علم وفن پر عظیم الشان کتابوں کے منظر عام پر آنے کے راستے ہموار ہوئے۔

مملوک سلاطین کے اندر علم کی سرپرستی کا جذبہ اور علماء کی بڑی عزت تھی خاص طور پر سلطان ناصر اور سلطان محمد بن قلاوون نے علم وادب کی ترویج واشاعت میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔مملوک دور میں علم کی ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس زمانے میں بڑے بڑے کتب خانے اور تعلیمی ادارے قائم کئے گئے۔ ہر فن میں بڑی اہم کتابیں لکھی گئیں جیسے ادب،تاریخ،فقہ،حدیث،تفسیر،جغرافیہ،طب وغیرہ۔

19.4.1 عربی زبان وادب:

مملوک سلاطین اگر چہ نسلاً عرب نہیں تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے عربی زبان وادب کی سرپرستی میں بڑا نمایاں حصہ لیا،اس زمانے میں بڑے بڑے شعراء اور لغویین پیدا ہوئے۔ان میں چند نام مندرجہ ذیل ہیں:

مملوک دور کے مشہور شعراء میں بوصیری (695ھ/1269ء) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے،جن کی بردہ شریف عوام وخواص میں بہت مشہور ہے، بردہ شریف 62اشعار پر مشتمل ہے،اس کا اصل نام''الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ'' ہے۔

اسی دور کے ایک شاعر سراج الدین وراق ہیں جو شاعری کے ساتھ ساتھ علم البدیع والمعانی کے بھی ماہر تھے۔

شہاب الدین عزازی(710ھ/1310ء) انہوں نے بڑے اچھے اچھے اشعار اور قصیدے لکھے ہیں۔

ابن ابی حجلہ(776ھ/1374ء): یہ بھی اس دور کے معروف شعراء میں ہیں۔

مملوک دور میں شعروشاعری کے میدان میں بڑے بڑے شعراء پیدا ہوئے اسی طرح نثری ادب کے میدان میں بھی بڑے بڑے مصنفین پیدا ہوئے اور بڑی اہم کتابیں تصنیف کیں۔اس دور کے نثری ادب کے مصنفوں میں چند نام یہ ہیں:

القلقشندی(821ھ/1418ء): انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں''الاعشاء فی صناعۃ الانشاء'' بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

شمس الدین النواجی (859ھ/1455ء) : نظم اور نثر دونوں میں انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کی مشہور کتاب''حلبۃ الکمیت'' ہے۔جس میں انہوں نے شراب،شراب کی مجلس اور اس کے آداب کو بیان کیا ہے۔

لغت اور علوم اللغۃ کے میدان میں بھی بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے جن میں سرفہرست مشہور ماہر لغت ابن منظور(711ھ/1311ء) ہیں جن کی کتاب''لسان العرب'' عربی زبان کی بہت ہی عظیم اور مشہور ڈکشنری ہے۔ یہ عظیم الشان ڈکشنری اسی مملوک دور کی علمی یادگار ہے۔اسی طرح ایک اور مشہور ماہر لغت ابن ہشام مصری(761ھ/1360ء) کا تعلق بھی مملوک دور سے ہے۔

19.4.2 علم تاریخ:

مملوک سلاطین کے دور میں علم تاریخ کو بہت ترقی اور شہرت حاصل ہوئی، کیوں کہ اس دور میں ایسے مؤرخین پیدا ہوئے جنہوں نے تاریخ

پر گراں قدر کتابیں تصنیف کیں جن میں ایوبی، مملوک اور عثمانی دور کے واقعات واخبار منقول ہیں اور تاریخ سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے عظیم سرمایہ اور بنیادی مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔اس دور کے مشہور مؤرخوں میں ابن عبد الظاہر (692ھ/ 1293ء)، ابن سید الناس (734ھ/ 1334ء) اور قسطلانی (923ھ/ 1151ء) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس وقت کے مؤرخوں میں طبقات لکھنے کا رجحان عام تھا چنانچہ بڑے بڑے مؤرخوں نے طبقات لکھی جن میں چند مشہور نام یہ ہیں:

ابن خلکان (681ھ/ 1282ء) : ان کی مشہور کتاب ''وفیات الاعیان فی انباء ابناء الزمان'' ہے۔

الادفوی (748ھ/ 1347ء) : ان کی کتاب ''الطالع السعید الجامع لاسماء نجباء الصعید'' ہے۔

ابن حجر عسقلانی (852ھ/ 1448ء) : ان کی مشہور کتاب ''الدرر الکامنۃ فی اعیان المأۃ الثامنۃ'' ہے۔

شمس الدین السخاوی (902ھ/ 1497ء) : ان کی کتاب کا نام ''الضوع الامع فی اعیان القرن التاسع'' ہے۔السبکی ان کی کتاب کا نام ''طبقات الشافعیۃ'' ہے۔

کچھ ایسے بھی مؤرخین ہیں جن کی بحث وتحقیق کا میدان مخصوص علاقہ اور مخصوص شہر ہے۔ان میں مشہور نام یہ ہیں:

جمال الدین ابن واصل (697ھ/ 1298ء) : ان کی کتاب کا نام '' مفرج الکروب فی اخبار بنی ایوب'' ہے۔ ابن دقماق المصری (809ھ/ 1406ء) : ان کی کتاب ''نزھۃ الانام'' ہے، ان کی دوسری کتاب ''الانتصار بواسطۃ عقد الامصار'' ہے۔

تقی الدین المقریزی (845ھ/ 1441) : ان کی کتاب ''المواعظ والاعتبار'' ہے۔ان کی دوسری کتاب ''السلوک فی معرفۃ دول الملوک'' ہے۔ان کی تیسری مشہور کتاب ''الخطط'' ہے جو مصر سے متعلق معلومات کا بیش قیمت خزانہ ہے۔

ابو المحاسن یوسف بن تغری بردی (874ھ/ 1469ء) : ان کی دو کتابیں ہیں ایک ''النجوم الزاھرۃ فی ملوک مصر والقاھرۃ'' ہے جو فتح اسلام سے 1453ء تک مصر کی مفصل تاریخ ہے۔ان کی دوسری کتاب ''المنھل الصافی'' ہے۔

وہ مؤرخین جنھوں نے عمومی تاریخ پر کتابیں لکھیں ان کی بھی ایک بڑی تعداد ہے جن میں سرفہرست یہ ہیں:

بیبرس المنصوری (725ھ/ 1325ء) : ان کی کتاب ''زبدۃ الفکرۃ'' ہے۔

بدر الدین العینی (855ھ/ 1451ء) : ان کی کتاب ''عقد الجمان فی تاریخ اھل الزمان'' ہے۔

ابو الفداء (733ھ/ 1331ء) : اس دور کے سب سے بڑے مؤرخ اور جغرافیہ داں ہیں، انھوں نے تاریخ اور جغرافیہ دونوں پر اہم کتابیں لکھیں۔انھوں نے زمین کے گول ہونے کا نظریہ پیش کیا۔

19.4.3 علم جغرافیہ اور علم سیاست وحکومت

جغرافیہ، سیاست اور حکومت پر بھی بہت سے علماء نے کتابیں لکھیں جن میں چند نام یہ ہیں:

شرف الدین ابن الجیعان (777ھ/ 1375ء) ان کی کتاب ''التحفۃ السنیۃ فی اسماء البلاد المصریۃ'' ہے۔نجم الدین احمد بن الرمفۃ مصری (710ھ/ 1310ء) ان کی کتاب ''بذل النصائح الشرعیۃ فیما علی السلطان وولاۃ الامور وسائر الرعیۃ'' ہے۔حسن بن عبد اللہ عباسی ان کی کتاب ''آثار الاول فی تدبیر الدول'' ہے۔

ان سب کے علاوہ مملوک دور کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں تاریخ پر بہت ضخیم موسوعات لکھے گئے جن میں امام نویری کا موسوعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جو 35 جلدوں پر مشتمل ہے۔

ابن فضل اللہ عمری ان کے موسوعہ کا نام مسالک الابصار فی ممالک الامصار ہے جو کہ 20 جلدوں پر مشتمل ہے۔اسی طرح امام سیوطی اور دوسرے علماء نے مختلف موضوعات پر بڑے اہم موسوعات لکھے۔

19.4.4 علم حدیث

علم حدیث پر بھی مملوک دور میں بڑی بڑی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں چند مشہور کتابیں حسب ذیل ہیں:

فتح الباری شرح صحیح البخاری: یہ علامہ ابن حجر کی عظیم تصنیف اور ان کی زندگی کا شاہکار ہے اور بخاری کی شروحات میں سب سے عمدہ شرح سمجھی جاتی ہے۔

تہذیب التہذیب: یہ بھی علامہ ابن حجر کی تصنیف ہے۔اس میں احادیث بیان کرنے والے تقریباً تمام راویوں کے حالات مذکور ہیں، جس یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ راوی قابل اعتماد اور قوی الحافظہ ہے یا ضعیف اور نا قابل بھروسہ۔اسی کے مطابق اس کی روایت کی ہوئی حدیث پر بھی صحیح یا ضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے۔یہ کتاب علم حدیث سے دل چسپی رکھنے والے ہر شخص کے پاس ہونا تقریباً لابدی اور ناگزیر ہے۔

تقریب التہذیب: یہ تہذیب التہذیب کا خلاصہ ہے۔اور حدیث کے ہر طالب علم کے لیے ایسی ہی ضروری ہے جیسے ادب کے طالب علم کے لیے ڈکشنری کا ہونا ضروری ہے۔

المنہاج فی شرح صحیح مسلم: جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور صحیح مسلم کی سب سے اچھی شرح مانی جاتی ہے۔یہ بھی امام نووی کی کتاب ہے۔

ریاض الصالحین: یہ احادیث کا مجموعہ ہے جو امت مسلمہ میں بہت مقبول ہے اور بعض مدارس میں بھی داخل نصاب ہے۔اس میں عام آدمی کو درپیش تمام مسائل کا حل قرآن کریم کی آیات اور منتخب صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب کو ہر طبقے میں یکساں مقبولیت حاصل ہے۔یہ بھی امام نووی کی مشہور کتاب ہے اور مملوک دور کی یادگار ہے۔

بدرالدین عینی (855ھ/1451ء) اور علامہ سخاوی (902ھ/1496ء) اس دور کے عظیم محدث ہیں۔سخاوی آخری بڑے محدث تھے، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے بعد علم حدیث ختم ہوگیا۔

19.4.5 علم تفسیر

تفسیر جلالین: یہ امام سیوطی اور ان کے استاد شیخ جلال الدین محلی کی مشترکہ تفسیر ہے۔یہ ایک مختصر مگر انتہائی عمدہ تفسیر ہے۔جو شخص معمولی طور پر تھوڑی بہت تفسیر کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے یہ کتاب بہت مفید ہے۔تفسیر جلالین برصغیر ہندو پاک کے مدارس کے نصاب میں شامل ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے۔یہ تفسیر بھی مملوک دور میں لکھی گئی۔تفسیر درمنثور امام سیوطی کی تصنیف ہے اور اسی دور میں لکھی گئی۔تفسیر ابن کثیر: اسی طرح معروف ومشہور تفسیر ابن کثیر بھی اسی زمانے میں لکھی گئی۔تفسیر ابن کثیر دس جلدوں پر مشتمل ایک بڑی تفسیر ہے۔یہ تفسیر بالاحادیث والآثار ہے اور باضابطہ سندوں کے ساتھ اس میں روایات بیان کی گئی ہیں اور جہاں مؤلف نے ضرورت محسوس کی ہے جرح وتعدیل اور اصول تنقید سے بھی کام لیا ہے۔

19.4.6 علم فقہ:

فقہ میں خلیل ابن اسحاق مالکی (767ھ/1366ء) اس دور کے بڑے نامور عالم تھے، انہوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں ''المختصر فی الفقہ'' بہت مشہور ہے۔

تقی الدین سبکی (756ھ/1355ء) اپنے زمانے کے مشہور فقیہ، محدث، حافظ، مفسر اور ادیب تھے۔ ہر فن میں انہوں نے کتابیں لکھیں لیکن فقہ میں انہوں نے جو کتابیں لکھیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

ضوء المصابیح فی صلاۃ التراویح، فتاوی السبکی، رفع الشقاق فی مسئلۃ الطلاق، النظر المحقق فی الحلف بالطلاق المعلق۔

19.4.7 تصوف

مملوک سلاطین کے عہد میں تصوف کو بھی بہت فروغ ملا اور بڑے بڑے صوفیا ہجرت کر کے مصر آ گئے اور انہوں نے تصوف جہاں ایک طرف تصوف کے اعمال وظائف کو فروغ دیا وہیں تصوف پر بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ چند مشہور صوفیا اور ان کی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

تاج الدین ابن عطاء الاسکندری (709ھ/1309ء) فقہ میں آپ مالکی مذہب اور تصوف میں شاذلی سلسلہ کے پیرو تھے، آپ کو قطب العارفین، ترجمان الواصلین اور مرشد السالکین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، آپ کے وعظ میں اللہ نے بڑی تاثیر عطا فرمائی تھی۔ آپ نے تصوف پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں چند کے نام یہ ہیں: الطریق الجادۃ فی نیل السعادۃ، تاج العروس الحاوی لتھذیب النفوس، مفتاح الفلاح و مصباح الارواح فی ذکر اللہ الکریم الفتاح۔

سید احمد البدوی: (596ھ/1199ء-675ھ/1276ء) آپ بدوی سلسلہ کے بانی ہیں، مغرب اقصیٰ کے شہر فاس میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام علی البدوی اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ مکہ معظّمہ گئے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ آپ نے مختلف اساتذہ سے قرآن کریم قراءات سبعہ کے مطابق پڑھا اور فقہ شافعی کا مطالعہ کیا۔ 627ھ/1230ء میں ان کی طبیعت میں ایک انقلاب پیدا ہوا اور وہ لوگوں سے کنارہ کشی کر کے اپنا سارا وقت نفس کشی اور ریاضت میں گزارنے لگے۔ کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے اور اپنا مافی الضمیر اشاروں سے ظاہر کرتے تھے۔ 633ھ/1236ء میں مکہ معظّمہ سے بغداد گئے اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور سید احمد الکبیر رفاعی کے مزاروں پر حاضری دی۔ 634ھ/1237ء میں مصر کے شہر طنطا تشریف لے گئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ طنطا میں وہ بڑی جاں گداز ریاضتیں کرتے تھے۔ کبھی طویل عرصے تک عالم سکوت میں رہتے تھے۔ کبھی چالیس چالیس دن تک کچھ نہ کھاتے تھے۔ اور کبھی سورج کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے تھے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہوگئی تھیں۔ جلد ہی وہ مرجع خلائق بن گئے اور مصر کے گھر گھر میں ان کے کشف و کرامات کا چرچہ ہونے لگا۔ ان کے عقیدت مندوں میں ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے یہاں تک کہ فرماں روائے مصر سلطان بیبرس بھی ان سے حد درجہ عقیدت رکھتا تھا۔ 675ھ/1276ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ طنطا میں آپ کا مزار آج تک مرجع خاص و عام ہے۔ احمدیہ سلسلہ جسے سید احمد البدوی نے قائم کیا مصر کے مقبول ترین سلاسل طریقت میں سے ایک ہے۔ اس سلسلے سے وابستہ لوگ ''سطوحیہ'' یا ''اصحاب السطح'' کہلاتے ہیں۔ آپ نے تین کتابیں بھی اپنی یادگار چھوڑیں جن کے نام یہ ہیں:

(1) وصایا: اس میں عام قسم کی تنبیہات ہیں۔ (2) صلوات: (دعاؤں کا مجموعہ)۔ (3) ایک دعا (حزب)

آپ سے تصوف کے سلسلے میں بہت سے اقوال منقول ہیں۔

ان کے علاوہ ابوالحسن الشاذلی (571ھ-656ء) ابوالعباس المرسی (616ھ/1219ء-686ھ/1281ء) ابوالقاسم القباری جیسے جیسے بڑے بڑے صوفیا مملوک دور میں موجود تھے۔

دیگر علوم پر بھی اس دور میں بہت سے علماء نے کتابیں لکھیں مثلاً طبی علوم میں بھی بہت سی کتابیں منظر عام پر آئیں۔اسی طرح علم الہندسہ، علم النجوم اور علم الفلکیات پر شہاب الدین بن طبیغا القاہری (805ھ/1402ء) جیسے ماہرین نے کتابیں تصنیف فرمائیں۔نیز زراعت وکاشت کاری پر بھی اس دور میں مختلف کتابیں لکھی گئیں۔علوم الحیوان پر بھی بہت سے مصنفین نے کتابیں لکھیں جن میں سرفہرست کمال الدین محمد بن عیسی الدمیری ہیں جنہوں نے ''حیاۃ الحیوان الکبری'' جیسی عظیم الشان کتاب مملوک دور میں ہی لکھی۔

19.5 مملوک دور کے مدارس ومکاتب اور علمی ادارے

مملوک دور میں علم کے فروغ واشاعت کے لیے بہت سے مدارس، مکاتب اور تعلیمی ادارے قائم کیے گئے۔صرف قاہرہ میں سینکڑوں مدارس تھے۔ظاہر بیبرس نے قاہرہ میں 661ھ/1262ء میں ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا جس میں کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، مملوکوں کو ایوبی حکومت سے بہت سی کتابیں وراثت میں ملی تھیں، جیسے قاضی فاضل کا کتب خانہ جس میں ایک لاکھ سے زائد کتابیں تھیں۔

مملوک دور کے بڑے بڑے شہروں میں مدارس کا ایک جال بچھا ہوا تھا جہاں دور دراز سے تشنگان علوم اپنی علمی تشنگی بجھانے آتے تھے۔ مملوک سلاطین تعلیم وتدریس پر بڑی کثرت اور فراخ دلی سے مال خرچ کرتے تھے، مدارس کے لیے بڑی بڑی جائدادیں انہوں نے وقف کر رکھا تھا۔اساتذہ اور نادار طلبہ کے لیے ماہانہ وظائف مقرر تھے۔

بہت سے مدارس کسی ایک علم وفن کے لیے مخصوص تھے، مثلاً فقہ کے لیے، حدیث کے لیے، لغت کے لیے اور تفسیر وغیرہ کے لیے۔اس کے علاوہ بہت سے علماء اور شیوخ کے اپنے علمی حلقے تھے جہاں وہ تدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے بہت سے طلبہ فراغت کے بعد مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کرتے تھے، جیسے لغت، نحو اور حساب وغیرہ۔

مملوک دور میں تعلیم وتدریس کے پیشہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور تدریسی خدمات انجام دینے والے علماء کو مملوک سلاطین کی جانب سے خلعت وانعام سے نوازا جاتا تھا۔مملوک دور میں قاہرہ اور دمشق میں بہت سے مشہور مدرسے قائم تھے، جامع عمرو بن العاص میں قاہرہ کا سب سے قدیم مدرسہ قائم تھا جس میں درس کے حلقے لگتے تھے، مملوک دور میں اس جامع کی تجدید کاری عمل میں آئی۔اس جامع سے قاہرہ اور مصر کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ نے سند فراغت حاصل کی۔

اس کے بعد جامع ابن طولون کا مدرسہ ہے، مملوک حکمرانوں نے اس پر اپنی خصوصی توجہ صرف کی اور 696ھ میں سلطان لاجین نے اس کی تعمیر جدید کا کام انجام دیا۔اس مدرسہ میں دینی اور طبی دونوں علوم کے درس دیے جاتے تھے۔

جامع الازہر جو دنیا کی قدیم اسلامی یونیورسٹی ہے، جہاں عالم اسلام کے گوشے گوشے سے طلبہ اپنی علمی پیاس بجھانے آتے ہیں، اس عظیم الشان یونیورسٹی نے مملوک دور میں خوب ترقی کی اور اس دور میں یہاں بہترین اور ماہرین علماء تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔

مدرسہ فاضلیہ جس کو ایوبی دور کے قاضی فاضل نے قائم کیا تھا مملوک دور میں اس مدرسہ نے بہت ترقی کی اور یہاں بڑے بڑے علماء نے تدریسی خدمات انجام دیں، جن میں عثمان بن الحاجب کا نام سرفہرست ہے۔

اسی طرح مدرسہ دارالحدیث الکاملیہ جس کو کامل ایوبی بن الملک العادل نے 622ھ میں قائم کیا تھا اور جو دارالحدیث الکاملیہ کے نام سے مشہور تھا، مملوک دور میں اس مدرسے نے بڑی قدر و منزلت اور مقبولیت حاصل کی۔

مدرسہ صالحیہ: اس کی بنیاد صالح نجم الدین ایوب نے 639ھ میں رکھی تھی۔ اس میں فقہ کا درس دیا جاتا تھا، اس مدرسہ میں کمال الدین الادفونی جیسے با کمال عالم نے تدریسی خدمت انجام دی جن کی کتاب ''الطالع السعید'' بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

المدرسۃ العزیۃ: اس مدرسہ کی بنیاد سلطان عزالدین ایبک نے دریائے نیل کے کنارے رکھی تھی۔

المدرسۃ الظاھریۃ: اس مدرسہ کی بنیاد ظاہر بیبرس نے رکھی تھی اور یہ مدرسہ کتابوں کا عظیم مرکز تھا، اس میں اس وقت کے نابغہ روزگار اور علمائے کبار نے تدریسی خدمت انجام دی۔

المدرسۃ المنصوریۃ: یہ مدرسہ سلطان منصور قلاوون نے قائم کیا تھا، اس میں اس نے پڑھنے اور حدیث کی تلاوت کے لیے ایک بڑا گنبد تعمیر کرایا تھا۔ اس مدرسے میں فقہ کے چاروں مذاہب کا درس دیا جاتا تھا، مدرسے میں اس زمانے کے مشہور علمائے کرام تدریسی خدمات انجام دیتے تھے اور انہیں ماہانہ تنخواہ دی جاتی تھی۔

المدرسۃ الشیخونیۃ: اس کی بنیاد امیر شیخون نے رکھی تھی، اس مدرسے میں حدیث کے علاوہ فقہ کے چاروں مذاہب کا بھی درس دیا جاتا تھا، اس مدرسے میں حضرات صوفیاء کرام کے لیے ایک خانقاہ بھی تھی۔ نیز مدرسے کو بہت سی وقف جائدایں بھی تھیں تاکہ ان سے مدرسے کی مالی حالت مضبوط اور مستحکم رہے۔

مدرسۃ السلطان حسن بالقلعۃ: یہ قاہرہ کے تمام مدرسوں میں سب سے بڑا مدرسہ تھا، اس مدرسے کے اندر فقہ کے چاروں مذاہب کے چار الگ الگ مدرسے تھے، ہر مدرسہ ایک مذہب کے لیے خاص تھا، اس عظیم الشان مدرسہ کی تعمیر اور ترقی مملوک دور میں ہوئی۔

اس کے علاوہ دمشق سینکڑوں مدارس اور مشرق و مغرب کے علماء و طلبہ سے آباد و معمور تھا۔ مملوک دور میں دمشق کے مشہور مدرسوں میں سے ایک مدرسہ دارالحدیث الظاھریہ تھا، دوسرا مشہور مدرسہ دارالحدیث الاشرفیہ تھا جس کی بنیاد دمشق کے قلعہ کے قریب اشرف موسیٰ بن عادل ایوبی نے رکھی تھی۔ مدرسہ ناصریہ کے نام سے ایک مدرسہ جبل قاسیون میں تھا، دوسرا مدرسہ ناصریہ ہی کے نام سے باب فرادیس کے اندر تھا۔

المدرسۃ النجیبیۃ: اس کو امیر جمال الدین آقوش النجیبی نے وقف کیا تھا اور اسی کے نام سے منسوب ہوا۔

الجامع الاموی: یہ مدرسہ مختلف علوم و فنون کی تدریس، طلبہ اور نامور علماء سے آباد تھا، جن میں خطیب قزوینی، تقی الدین سبکی اور عماد الدین ابن کثیر کے نام سرفہرست اور قابل ذکر ہیں۔ اس کے لیے بہت سی جائدادیں وقف تھیں۔ اس مدرسہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں طلبہ کے لیے ماہانہ دس درہم، سبق کا اعادہ اور مراجعہ کرانے والوں کے لیے بیس درہم اور تدریسی خدمت انجام دینے والوں کے لیے 80 درہم وظائف مقرر تھے۔

اس طرح مملوک دور میں مصر میں علم و ادب کی عظیم الشان تحریک پیدا ہوئی جس کا فیض نہ صرف مصر تک محدود رہا بلکہ اس تحریک سے ملک شام کے شہروں نے بھی فیض حاصل کیا اور ادب، انسانی اور طبعی علوم نے خوب ترقی کی، بے شمار کتابیں لکھی گئیں، مدارس اور مکاتب قائم کئے گئے، طلبہ، علماء اور مشائخ نے ان سے سیرابی حاصل کی اور علوم و فنون کے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دینے کے انہیں مواقع میسر آئے۔

مصر و شام میں مملوک دور علم و ادب کی ترقی کا آخری دور تھا۔ چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں مصر و شام میں امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم جیسے بڑے بڑے مصنف اور بلند پایہ اہل علم کثرت سے پیدا ہوئے اس کی مثال ان دو صدیوں میں پوری اسلامی دنیا میں نہیں ملتی اور بعد میں

بھی سوائے برصغیر ہندو پاک کے کسی دوسرے خطے میں نہیں ملے گی۔

19.6 مملوک دور کی ممتاز شخصیات اور ان کی اہم تصانیف

ابن تیمیہ (661ھ/1263ء - 728ھ/1328ء)

اس دور کے مصنفوں میں سب سے ممتاز شخصیت تقی الدین ابن تیمیہ کی ہے۔ آپ شمالی شام کے شہر حران میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ شام پر منگولوں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ ابن تیمیہ پانچ سال کے تھے کہ منگولوں نے حملہ کیا جس کی وجہ سے ان کے والد کو دمشق میں پناہ لینی پڑی۔ ابن تیمیہ نے دمشق ہی میں تعلیم حاصل کی۔ وہ نہایت ذہین تھے اس لیے بیس سال ہی کی عمر میں تمام علوم سے فراغت حاصل کر لی۔ جن مسئلوں کو اس زمانے کے بڑے بڑے علماء حل نہیں کر سکتے تھے ابن تیمیہ اپنی ذہانت اور خداداد صلاحیت کی وجہ سے بڑی آسانی سے ان مسئلوں کو حل کر کے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے تھے۔ ابن تیمیہ نے اپنی زندگی میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے۔

ابن تیمیہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دینی علوم کی تجدید کی اور اسلامی عقائد کا پرزور دفاع کیا۔ انہوں نے تفسیر، حدیث، فلسفہ، منطق اور تصوف وغیرہ پر کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کو ان غیر اسلامی خیالات سے بچایا جو مسلمانوں میں پھیلتے جا رہے تھے۔ انہوں نے تقلید کے خلاف آواز اٹھائی، آزادئ فکر کی حمایت کی۔ ابن تیمیہ کے دل میں لوگوں کی اصلاح کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ کسی اچھے کام کے لیے حکومت کا انتظار نہیں کرتے تھے بلکہ خود میدان عمل میں کود پڑتے تھے۔ اگر وہ دیکھتے کہ برائیوں کی روک تھام کے لیے حکومت کوئی اقدام نہیں کر رہی ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر خود آگے بڑھتے اور اس برائی کا خاتمہ کر دیتے تھے۔ اس کی بہت سی مثالیں کتابوں میں موجود ہیں۔

ابن تیمیہ نے تلوار اور قلم دونوں سے جہاد کیا۔ منگولوں کے حملوں کی روک تھام کے لیے عوام اور حکومت دونوں کو آمادہ کیا اور پھر جب ضرورت پڑی تو خود بھی جنگ میں شرکت کی اور دمشق کے قریب منگولوں کو شکست دی۔

ابن تیمیہ کے خیالات سے بہت سے علماء کو اختلاف تھا اس لیے حکومت پر دباؤ ڈال کر ان کو قید کرا دیا گیا۔ وہ دمشق، قاہرہ اور اسکندریہ میں تین مرتبہ قید کئے گئے اور ان کی زندگی کے کئی سال قید ہی میں گزرے۔ اور بالآخر قید ہی کی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔

ابن تیمیہ مملوک دور کی سب سے بڑی علمی شخصیت ہیں۔ انہوں نے کئی سو کتابیں تصنیف کیں، صرف تفسیر قرآن سے متعلق کتابوں کی تعداد تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان کی مندرجہ ذیل تین کتابیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں:

(1) الجواب الصحیح: یہ عیسائیت کی رد میں ہے۔ (2) منہاج السنۃ: اس میں اہل سنت والجماعت کے عقائد کا دفاع کیا گیا ہے۔
(3) الرد علی المنطقیین: اس میں فلسفہ اور منطق کے بجائے قرآن وسنت کے طریقے کو اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ارسطو کی منطق اور اس کے اصولوں کی پہلی مرتبہ تفصیل سے تردید کی گئی ہے۔

ابن قیم (691ھ/1292ء - 751ھ/1350ء)

یہ ابن تیمیہ کے شاگرد ہیں اور اسلامی علوم وافکار کی تاریخ میں ان کا مقام ومرتبہ بھی ان کے استاد کی طرح بہت بلند ہے۔ انہوں نے بھی بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں مندرجہ ذیل کتابیں بڑی شہرت اور اہمیت کی حامل ہیں:

(1) اعلام الموقعین۔ (2) زاد المعاد

زاد المعاد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ غزالی کی احیاء العلوم کے بعد شاید کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں لکھی گئی بلکہ کتاب وسنت سے مطابقت کے

لحاظ سے اس کو احیاء العلوم پر ترجیح حاصل ہے۔

ابن حجر (773ھ/1372ء - 852ھ/1449ء)

عظیم محدث، فن اسماء الرجال کے امام حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی جیسی عظیم شخصیت کا تعلق بھی مملوک دور سے ہے۔ انہوں نے سو سے زائد کتابیں لکھیں جن میں مشہور کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

الاصابہ فی تمییز الصحابہ: یہ کتاب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے متعلق ایک جامع انسائیکلو پیڈیا ہے۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری: علامہ ابن حجر کی یہ عظیم تصنیف ان کی زندگی کا ایک شاہکار ہے اور بخاری کی شروحات میں سب سے عمدہ شرح سمجھی جاتی ہے۔

محی الدین نووی (631ھ/1233ء - 676ھ/1277ء)

آپ کی ولادت دمشق کے علاقے حوران سے متصل ایک گاؤں نوا میں ہوئی، اسی وجہ سے آپ نووی کہلائے۔ بچپن میں قرآن شریف پڑھ کر دمشق آئے اور طب اور علوم اسلامی حاصل کئے۔ انتہائی ذہین اور قوی الحافظہ تھے۔ روزانہ مختلف علوم میں مختلف اساتذہ سے بارہ اسباق پڑھتے تھے اور دن رات مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ 655ھ میں لکھنا شروع کیا۔ مدت تک دمشق کے مدرسہ اشرفیہ میں بلا معاوضہ حدیث پڑھاتے رہے۔ چند سال کے اندر اندر تمام دنیائے اسلام میں ان کے علم و فن کی شہرت ہوگئی اور وہ امام وقت تسلیم کئے جانے لگے۔ اگر چہ وہ شافعی المسلک تھے لیکن تعصب سے بالکل پاک تھے۔ چنانچہ اپنی تصانیف میں جگہ جگہ امام ابو حنیفہ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

لذات دنیوی اور خواہشات نفسانی سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ اور زہد و عبادت میں ضرب المثل تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہتے اور دن رات میں صرف ایک بار عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھاتے۔ نہایت بردبار اور بلند حوصلہ تھے۔ مصائب و آفات پر بھی بے حد صابر تھے۔ ساری عمر مجرد رہے کیوں کہ آپ تنہائی پسند تھے۔ مملوک حکمرانوں میں ملک الظاہر بیبرس نے جب مصر اور شام کی حکومت سنبھالی اس وقت امام موصوف دمشق میں مقیم تھے اور اپنے علم و فضل اور زہد و ورع کی بدولت مرجع خلائق بنے ہوئے تھے۔ سلطان بھی ان کے کمالات علمی کا معترف تھا اور ان سے ہمیشہ نہایت احترام سے پیش آتا تھا لیکن بدقسمتی سے 676ھ/1277ء میں ان کے اور امام نووی کے درمیان ایک معاملہ میں شدید اختلاف پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے سلطان نے ناراض ہو کر انہیں دمشق سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اپنے وطن نوی چلے گئے۔ ان کا اس طرح شہر بدر کیا جانا شامی علماء پر بہت شاق گزرا، وہ ایک وفد بنا کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے اس پیرائے میں گفتگو کی کہ سلطان پر رقت طاری ہوئی، اس نے اپنا حکم فوراً منسوخ کر دیا اور علماء کے وفد سے درخواست کی کہ امام نووی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس لائیں۔ جب یہ وفد امام نووی کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو سلطان سے بے حد کبیدہ خاطر پایا۔ امام نووی نے فرمایا کہ بیبرس کی زندگی میں میں کبھی دمشق نہیں جاؤں گا۔ یہ وفد مایوس ہو کر دمشق واپس آیا اور سلطان کو امام نووی کے جواب سے مطلع کیا، سلطان شاید تلافی مافات کے لیے کوئی اور قدم اٹھاتا لیکن قدرت نے اسے ایسا کرنے کی مہلت نہ دی اور وہ چند دن بعد وفات پا گیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ سلطان بیبرس کی وفات کے چند ہی دن بعد امام نووی نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت ان کی عمر صرف پینتالیس برس کی تھی اور ان کے والدین بقید حیات تھے۔

انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

المنہاج فی شرح صحیح مسلم، جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور صحیح مسلم کی سب سے اچھی شرح مانی جاتی ہے۔

ریاض الصالحین: یہ احادیث کا مجموعہ ہے جو امت مسلمہ میں بہت مقبول ہے اور بعض مدارس میں بھی داخل نصاب ہے۔اس میں عام آدمی کو درپیش تمام مسائل کا حل قرآن کریم کی آیات اور منتخب صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب کو ہر طبقے میں یکساں مقبولیت حاصل ہے۔اسی طرح منہاج الطالبین، بستان العارفین، کتاب الاربعین، کتاب الاذکار، تہذیب الاسماء واللغات، الدقائق، التقریب والتیسیر فی مصطلح الحدیث وغیرہ جیسی بہت سی کتابوں کے آپ مصنف ہیں۔

شمس الدین ذہبی (673ھ/1274ء - 748ھ/1348ء)

آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے محدث اور علم اسماء الرجال کے ماہر تھے۔آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

تاریخ الاسلام و الطبقات المشاہیر و الاعلام، تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، سیر اعلام النبلاء طبقات القراء، طبقات الحفاظ، تہذیب التہذیب، اختصار تاریخ الخطیب، اختصار المستدرک للحاکم، اختصار سنن البیہقی۔

جلال الدین سیوطی (849ھ/1445ء - 911ھ/1505ء)

آپ کی ولادت مصر کے ایک قدیم قصبے اسیوط میں ہوئی۔اسی نسبت سے آپ کو سیوطی کہا جاتا ہے۔آپ کا اصلی نام عبدالرحمٰن، کنیت ابو الفضل، لقب جلال الدین ہے۔آٹھ سال کی عمر میں شیخ کمال الدین ابن الہمام حنفی کی خدمت میں رہ کر قرآن کریم حفظ کیا، اس کے بعد مختلف علوم مختلف اساتذہ سے حاصل کئے۔علامہ سیوطی کا یہ علمی اشتغال 864ھ سے شروع ہوتا ہے۔مختلف شیوخ سے علوم وفنون کی تکمیل کے بعد 871ھ میں افتاء کا کام شروع کیا۔حسن المحاضرہ میں علامہ سیوطی خود فرماتے ہیں کہ حق تعالی نے مجھے سات علوم یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان اور بدیع میں تبحر عطا فرمایا ہے۔آپ نے خود فرمایا کہ مجھے دو لاکھ احادیث یاد ہیں اور اگر مجھے اس سے زیادہ ملتیں تو ان کو بھی یاد کرتا۔دنیوی مال و دولت کی طرف سے آپ کی طبیعت میں اس قدر استغناء تھا کہ امراء و اغنیاء آپ کی خدمت میں اموال و ہدایا پیش کرتے مگر آپ کسی کا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے۔آپ ایک مفسر، محدث، فقیہ اور مؤرخ تھے، آپ اپنے دور کے کثیر التصانیف عالم ہیں، آپ نے پانچ سو سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں مشہور کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

تفسیر میں تفسیر جلالین، تفسیر در منثور، قرآنیات پر الاتقان فی علوم القرآن کافی مقبول ہے، نیز تاریخ اسلام پر تاریخ الخلفاء بہت مشہور ہے۔

ابن کثیر (701ھ/1301ء - 774ھ/1372ء)

مؤرخوں میں ایک مشہور نام ابن کثیر کا ہے، ان کی کتاب البدایہ النہایہ بڑی مفصل اور مستند اسلامی تاریخ ہے۔اس میں انہوں نے ہر دور کے علماء اور مشہور لوگوں کے حالات ذکر کئے ہیں۔انہوں نے قرآن کی تفسیر بھی لکھی ہے جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے مشہور ہے۔اس میں انہوں نے قرآنی آیات کی تفسیر احادیث سے کی ہے۔

صلاح الدین خلیل صفدی (697ھ/1296ء - 764ھ/1362ء)

یہ دنیا کے سب سے بڑے سوانح نگار ہیں۔ان کی کتاب ''الوافی'' تیس جلدوں میں ہے، ان میں سے جو جلدیں محفوظ رہ گئی ہیں ان میں چودہ ہزار لوگوں کے حالات مذکور ہیں۔شاید دنیا میں کسی ایک شخص نے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کے حالات نہیں لکھے ہیں۔

ابن نفیس (607ھ/1210ء - 687ھ/1288ء)

ابن النفیس ساتویں صدی ہجری کے سب سے بڑے طبیب اور فقہ شافعی، صرف ونحو اور منطق کے ایک جید عالم تھے۔ دمشق میں پیدا ہوئے اور وہاں کے بیمارستان نوری میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے دوسرے علوم میں بھی مہارت پیدا کی۔ کچھ عرصہ بعد وہ قاہرہ چلے گئے وہاں وہ ایک طرف ایک شفاخانے میں طب پڑھاتے تھے اور دوسری طرف مدرسہ مسروریہ میں فقہ کا درس دیتے تھے۔ مصر میں انہیں رئیس اطباء مصر کا عہدہ دیا گیا تھا۔ گردش خون کا نظریہ سب سے پہلے انہوں نے ہی پیش کیا تھا۔ یورپ والوں کو اس نظریہ کا علم ابن نفیس کے تین سو سال بعد یعنی سولھویں صدی کے وسط میں ہوا۔ ابن النفیس کئی اہم کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں چند اہم نام یہ ہیں:

(1) موجز القانون: یہ ابن سینا کی کتاب القانون کی شرح ہے۔ اس کتاب نے مشرق ومغرب میں بڑی شہرت پائی اور صدیوں تک اس کی شرحیں اور شرحوں کی شرحیں لکھی جاتی رہیں۔ (2) شرح فصول بقراط۔ (3) کتاب المہذب فی الکحل۔ (4) الکتاب الشامل فی الطب۔ (5) مختصر علم اصول الحدیث۔ (6) الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ

ابن نفیس کی بیشتر کتابیں طبع زاد تھیں اور ان کتابوں کی تیاری میں انہوں نے دوسری کتابوں سے کوئی مدد نہیں لی تھی۔ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے اپنا مکان اور عظیم الشان کتب خانہ قاہرہ کے منصوریہ شفاخانہ کو وقف کر دیا تھا۔

ابن ماجد (1432-1500)

مملوک دور کی ایک اور عظیم ہستی شہاب الدین احمد ابن ماجد کی ہے۔ یہ اپنے دور کے عظیم ترین جہاز رانوں میں سے ایک ہے۔ اس نے نہ صرف یہ کہ بحر ہند اور اس سے ملے ہوئے طوفانی سمندروں کا برسوں سفر کیا بلکہ وہ جہاز سازی اور جہاز رانی کے علم کا بھی ماہر تھا اور ان علوم پر اس نے کم وبیش تیس کتابیں تصنیف کیں۔ ان کتابوں میں سب سے اہم کتاب ''الفوائد فی اصول علم البحر والقواعد'' ہے۔ جہاز رانی کے علم میں ابن ماجد کے بعد پھر کسی مسلمان نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ پرتگالی جہاز ران واسکوڈی گاما نے 1498ء میں ابن ماجد سے مشرقی افریقہ کے شہر مالندی میں ملاقات کی تھی، کہا جاتا ہے کہ ابن ماجد نے ہی واسکوڈی گاما کو ہندوستان تک جانے کا راستہ بتایا تھا۔ ابن ماجد کے جہاز رانی کے آلات واسکوڈی گاما کے آلات سے بہت بہتر تھے۔

19.7 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- 1250ء میں مصر میں مملوکوں کی حکومت کا آغاز ہوا۔
- اس کے چند سال بعد 1258ء میں بغداد پر منگولوں نے حملہ کیا اور بغداد کو تباہ وبرباد کر کے عباسی خلیفہ کو قتل کر دیا۔
- 1262ء میں مملوک سلطان ملک الظاہر بیبرس نے عباسی خاندان کے ایک شہزادے ابوالقاسم احمد کو مستنصر باللہ کا لقب دے کر خلیفہ بنایا اور مصر میں خلافت عباسیہ کو پھر سے بحال کیا۔
- مصر میں خلافت عباسیہ کے قیام کی وجہ سے مصر پورے عالم اسلام کی توجہ کا مرکز بن گیا۔
- عالم اسلام منگولوں اور صلیبیوں کے حملوں اور خطرات سے گھرا ہوا تھا، ایک مصر ہی تھا جو ہر طرح کے حملوں سے محفوظ تھا؛ کیوں کہ مصر میں مملوکوں کی طاقتور سلطنت قائم تھی۔

- مصر کو اپنے لیے محفوظ پناہ گاہ سمجھ کر عالم اسلام کے گوشے گوشے سے علماء، فضلاء، صلحاء، صوفیاء اور طلبہ جوق در جوق مصر کی طرف آنے لگے، جہاں انہیں علم و تحقیق کے لیے پرسکون ماحول ملا، جس کے نتیجہ میں مصر ہر قسم کے علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔
- اس پرسکون ماحول میں مصر میں علوم وفنون نے خوب ترقی کی، ہر علم وفن کے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے۔
- ادب ولغت، فقہ، تفسیر، حدیث، طب، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ پر اہم کتابیں لکھی گئیں۔
- بڑی بڑی مسجدیں تعمیر کی گئیں اور ان مسجدوں سے ملحق مدرسے تعمیر کئے گئے۔
- مسجدوں کے علاوہ بھی بڑے بڑے مدارس قائم کئے گئے، ان مدارس کے لیے بڑی بڑی جائدادیں وقف کی گئیں، اساتذہ اور طلبہ کے لیے ماہانہ اور سالانہ وظائف مقرر کئے۔
- مملوک سلاطین نے علم کے فروغ واشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور دل کھول کر مال خرچ کیا۔
- علم وفن نے مملوک دور میں وہ ترقی کی کہ اس کے بعد عالم اسلام میں پھر ایسی ترقی دیکھنے کو نہیں ملی۔

19.8 نمونہ امتحانی سوالات

19.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ موجز القانون کن کی تصنیف ہے؟

(a). ابن سینا (b). ابن نفیس (c). ابن حجر (d). ابن ماجد

2۔ تفسیر درمنثور کے مصنف کا نام بتائیں؟

(a). ابن کثیر (b). امام سیوطی (c). امام ذہبی (d). امام نووی

3۔ الرد علی المنطقیین کن کی تصنیف ہے؟

(a). ابن تیمیہ (b). ابن رشد (c). ابن قیم (d). امام غزالی

4۔ زاد المعاد کے مصنف کا نام کیا ہے؟

(a). ابن قیم (b). ابن تیمیہ (c). ابن ماجد (d). ابن کثیر

5۔ مصر میں خلافت عباسیہ کا قیام کس سن میں ہوا؟

(a). 1258ء (b). 1260ء (c). 1262ء (d). 1270ء

6۔ ابن ماجد کس فن کے ماہر تھے؟

(a). جغرافیہ (b). جہاز رانی (c). فلسفہ (d). منطق

7۔ امام ابن تیمیہ کی وفات کس سن میں ہوئی؟

(a). 1328ء (b). 1350ء (c). 1355ء (d). 1360ء

8۔ منگولوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کا سانحہ کس سن میں پیش آیا؟

(a). 1250ء (b). 1255ء (c). 1258ء (d). 1260ء

9۔ ابن حجر کا سن وفات کیا ہے؟

(a). 1449ء (b).1450ء (c). 1455ء (d). 1456ء

10۔ الاتقان فی علوم القرآن کس کی کتاب ہے؟

(a). امام ذہبی (b). امام سیوطی (c). امام ابن تیمیہ (d). امام ابن قیم

19.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ مملوک دور میں علم تصوف پر مختصراً لکھیے۔

2۔ مملوک دور میں مصر میں علمی سرگرمی کے کیا اسباب و وجوہات تھے؟ بیان کیجیے۔

3۔ محی الدین نووی کون تھے، ان کی کسی دو کتاب کا نام بتائیے۔

4۔ مملوک دور میں عربی زبان و ادب اور تاریخ پر کیا کام ہوا روشنی ڈالیے۔

5۔ مملوک دور میں علم حدیث و تفسیر پر اپنی معلومات بیان کیجیے۔

19.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ مملوک دور کی چند اہم علمی شخصیات اور ان کی خدمات پر تفصیل سے لکھیے۔

2۔ مملوک دور کی اہم علمی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

3۔ مملوک دور کے چند اہم مدرسوں کا جائزہ تفصیل سے لکھیے۔

19.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ مصر فی عصر دولۃ المممالیک البحریۃ (عربی) : دکتور سعید عبد الفتاح عاشور

2۔ موسوعۃ التاریخ الاسلامی، العصر المملوکی (عربی) : دکتور مفید الزیدی

3۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (اردو) : ثروت صولت

-:oOo:-

اکائی 20 : مملوک دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر

اکائی کے اجزا

20.0 تمہید

20.1 مقصد

20.2 مملوک سلطنت: ایک نظر میں

20.3 بغداد میں عباسی خلافت کا خاتمہ اور مصر کی جانب منتقلی

20.4 ماہرین فنون کی مصر کی جانب ہجرت

20.5 مملوک دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر کا عروج

20.5.1 بحری ممالیک کے دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر

20.5.2 برجی ممالیک کے دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر

20.6 مملوک دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر کے عروج کے اسباب

20.7 معدنیات اور دھاتوں کی صنعت کاری

20.7.1 فنون لطیفہ اور مختلف دھاتوں کی صنعت کاری: آثار قدیمہ کی روشنی میں

20.7.2 شیشے کی صنعت

20.7.3 قالین کی صنعت

20.7.4 کپڑے اور ان پر کڑھائی کی صنعت

20.8 فن تعمیر

20.9 مملوک دور کی چند اہم تعمیرات

20.9.1 اسلم سلہدار کی مسجد

20.9.2 جامع ناصر محمد، قاہرہ

20.9.3 جامع سلطان اشرف برسبای، خانکہ
20.9.4 قلعہ سلطان قایتبای، اسکندریہ
20.9.5 مسجد سلطان حسن بن ناصر محمد بن قلاؤن
20.9.6 اشرف برسبای مدرسہ یا کمپلکس
20.9.7 مملوک دور کی مساجد اور مدارس
20.10 فن تعمیر اور فنون لطیفہ پر لکھی گئی کتابیں
20.11 اکتسابی نتائج
20.12 نمونہ امتحانی سوالات
20.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
20.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
20.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
20.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

20.0 تمہید

مصر سیاحوں کی نظر میں آج بھی ایک پراسرار ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ مصر کے فراعین اور ان کی حکومت پر آج بھی تحقیق ہو رہی ہے۔ اہرام مصر دنیا کے سات عجائبات میں شامل ہیں۔ صرف اہرام مصر کو دیکھنے کے لیے عالمی سیاحوں کی ایک بڑی تعداد مصر جاتی ہے۔ اہل مصر جو اپنے فن میں ماہر تھے اور اہرام کی تعمیر اور ممیوں کو محفوظ رکھنے کا جو طریقہ انہوں نے اس دور میں اپنایا تھا سائنس اس پر بھی حیران ہے۔ مصر میں تاریخ کے نادر و نایاب نمونے آج بھی بہت سی جگہوں پر موجود ہیں۔ مصر کی حکومت کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قید و بند اور بادشاہت تک کا ذکر مصر سے ہی منسوب ہے۔ معروف زمانہ نیل ندی آج بھی مصر میں موجود ہے، اسی ندی میں فرعون کا لشکر غرقاب ہوا تھا۔ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرکہ آرائی اسلامی تاریخ کا حصہ ہے۔ ان سب کے ساتھ اسلامی دور کی شاندار یادگاریں اور آثار بھی آج مصر میں موجود ہیں، جن کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں سنہرے الفاظ میں مرقوم ہے۔ اس اکائی میں انہی خوشگوار یادوں، تعمیر و ترقی اور فنون لطیفہ کو ہم موضوع گفتگو بنائیں گے، اور ان سے متعلق اہم اور مفید معلومات طلبہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔

20.1 مقصد

اس اکائی میں مملوک دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر کی ترقی کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا، اور یہ دکھایا جائے گا کہ مصر میں اس وقت فنون لطیفہ میں سے کون کون سا فن عروج پر تھا، نیز اس بات کو بھی موضوع گفتگو بنایا جائے گا کہ خلافت عباسیہ کے بغداد سے قاہرہ منتقلی کے بعد کس طرح

بڑے بڑے فنکار اور فن تعمیر کے ماہرین جوق در جوق سارے اسلامی ممالک سے مصر وشام کی طرف چلے آرہے تھے اور مملوک سلطنت کے دائرہ کو اپنے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ تصور کر رہے تھے، اور وہاں کے باشندوں کو اپنے فن کے قدر شناس خیال کر کے مصر کو اپنا مستقل مسکن بنا کر اپنے فن کو دوام بخش رہے تھے۔ اس کے علاوہ اس دور میں تعمیر کی گئی چند اہم عمارتوں پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

20.2 مملوک سلطنت: ایک نظر میں

آپ کے مطالعہ میں یہ بات آچکی ہے کہ مملوک سلطنت (1250-1517) مصر وشام میں ایوبی سلطنت کے کمزور ہونے کے بعد ابھر کر سامنے آئی تھی۔ ایوبی سلطنت فوجی تنظیم کے لیے غلاموں کی فوج پر انحصار کرتی تھی۔ یہاں تک کہ ترک نژاد غلام نے آخری ایوبی سلطان توران شاہ کو معزول کر کے مصر میں اپنی سلطنت قائم کر لی۔ مختصر عرصہ میں مملوک نے قرون وسطی کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت قائم کر لی جس کے کنٹرول میں مقدس شہروں مکہ اور مدینہ بھی تھے۔ مملوک سلطنت کا دارالحکومت قاہرہ شہر تھا۔ مملوک سلطنت دو حصوں میں منقسم تھی، بحری مملوک اور برجی مملوک۔ مصر وشام میں مملوک کا دور اسلامی تاریخ کا بہت اہم دور ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ منگولوں کے حملوں کی روک تھام ہے۔ شام کو تو وہ منگولوں کی قتل وغارت گری سے زیادہ نہیں بچا سکے، لیکن مصر کا انہوں نے پوری کامیابی سے دفاع کیا۔ شام کے ساحل سے بچے ہوئے صلیبیوں کا اخراج ان کا دوسرا بڑا کارنامہ ہے۔

مملوک سلاطین میں کئی حکمراں ایسے گزرے ہیں جو صاحب علم اور شائستہ حکمران تھے، جیسے ملک الظاہر بیبرس، منصور قلاوون اور ملک الناصر محمد، لیکن ان کی اکثریت غیر متمدن اور علم وفضل سے عاری تھی، خصوصاً برجی مملوک اس معاملہ میں زیادہ غیر مہذب تھے۔ مملوک سلاطین کی اپنی ذاتی زندگی خواہ کیسی بھی ہو لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے دور میں مصر وشام اپنی خوشحالی کے عروج پر پہنچ گئے تھے۔ تجارت کو فروغ ہوا اور فن تعمیر نے بہت ترقی حاصل کی۔ اس زمانے میں کثرت سے ایسی مسجدیں، مدرسے، شفا خانے اور مقبرے تعمیر کئے گئے جو فن تعمیر کے شاہکار ہیں۔ سلطان حسن ابن قلاوون کی مسجد اور مدرسہ اسلامی دنیا کی حسین ترین عمارتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ قلاوون کا مقبرہ اور شفا خانہ، جامع مؤید، جامع قایت بے، آق سنقر کی نیلی مسجد اور خان خلیلی کا مسقّف بازار اس دور کی اہم تعمیری یادگار ہیں۔ ان کے زمانے میں قاہرہ دنیا کا سب سے بڑا شہر بن گیا تھا۔ آج بھی قاہرہ کی سب سے بڑی دلکشی ان مملوک بادشاہوں کی عمارتوں کی وجہ سے ہے۔

20.3 بغداد میں عباسی خلافت کا خاتمہ اور مصر کی جانب منتقلی

1258ء میں منگولوں کے ہاتھوں دارالخلافہ بغداد کی تباہی اور عباسی خلیفہ کے قتل کے بعد اسلامی دنیا میں ایک قسم کی قنوطیت اور ناامیدی کی فضا قائم ہونے لگی تھی۔ اور مسلمانوں کو پھر سے ایک خلافت کے تحت جوڑنے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ عالم اسلام کے باشندگان خلافت عباسیہ کے احیاء کے منتظر تھے۔ اس کے لیے چھوٹی چھوٹی اسلامی سلطنتوں کے حکمرانوں نے اپنی سی کوششیں بھی کیں، کیوں کہ احیائے خلافت جیسے کارنامے کو ہر حکمراں اپنے لیے باعث عز وشرف سمجھتا تھا اور اس کے لیے ان کے درمیان ایک قسم کی مسابقت بھی پائی جارہی تھی، ہر کوئی اس عظیم شرف کو خود حاصل کرنا چاہتا تھا، لیکن خلافت کے قیام کا یہ شرف مملوک سلطان ملک الظاہر بیبرس کی قسمت میں تھا، چنانچہ اس نے بغداد کی تباہی کے صرف چار سالوں بعد 1262ء میں مصر میں نئے سرے سے عباسی خلافت قائم کیا۔

20.4 ماہرین فنون کی مصر کی جانب ہجرت

بغداد پر منگولوں کے حملے کی بعد عالم اسلام میں دہشت اور خوف کا ماحول بن گیا تھا۔ایسے ماحول میں مملوک سلاطین نے منگولوں کا کامیاب مقابلہ کیا تھا، جس کی وجہ سے مصر کو ایک محفوظ پناہ گاہ سمجھ کر مختلف علاقوں کے لوگ ہجرت کر کے مصر کی طرف چلے آرہے تھے، ان ہجرت کرنے والوں میں جس طرح بہت سے علماء، صلحاء اور طلبہ شامل تھے اسی طرح ان میں بہت سے فنکار اور فن تعمیر کے ماہرین بھی تھے جنہوں نے مصر کو اپنا مسکن بنایا اور اپنے فنکارانہ جوہر اور خداداد صلاحیتوں سے مصر کو چار چاند لگا دیا۔مملوک حکمرانوں نے مصر میں کثرت سے مساجد و محلات اور دیگر بہت سی عمارتیں تعمیر کروائیں، یہاں تک کہ جب یورپ کے لوگ بغرض سیر و سیاحت مصر آتے تھے تو مساجد اور مدارس کی کثرت اور ان کی شاندار طرز تعمیر کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔

20.5 مملوک دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر کا عروج

مملوک دور کو بہت سے مصری اسلامی فنون کے لیے ایک سنہرا دور سمجھا جاتا ہے۔مملوک سلاطین جس طرح مال و دولت اور شان و شوکت میں شہرت رکھتے ہیں اسی طرح تعمیرات اور فنون لطیفہ پر کثرت سے مال خرچ کرنے میں بھی ان کو بڑی شہرت حاصل ہے۔اسی لیے فن تعمیر اور دیگر مصری اسلامی فنون کو مملوک دور میں بہت فروغ ملا۔اور بہت سے مدارس، مساجد، حمام اور بازار تعمیر کئے گئے جو مصری اسلامی فن تعمیر کا شاہکار اور مملوک سلاطین کی بلند ذوقی اور نفاست طبعی کی شاندار مثال ہے۔

20.5.1 بحری ممالیک کے دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر

بحری مملوک کا پورا دور فنون لطیفہ اور فن تعمیر سے معمور ہے۔مشرق و مغرب میں ریشم اور مسالے کی تجارت سے پیدا ہونے والی خوشحالی نے مملوکوں کے اندر فراخدلانہ سرپرستی کو فروغ دیا تھا۔بحری مملوک کے دور میں اندرونی انتشار اور داخلی جدوجہد کے باوجود زبردست فنی اور تعمیری سرگرمی عمل میں آئی۔اور ایوبی دور کے فنون کو مزید ترقی دی اور مشرق و مغرب سے تعلق رکھنے والی اسلامی دنیا کے مختلف حصوں کے اثرات نے اس رفتار میں اہم کردار ادا کیا۔مملوک دور کے فنون آرائش خاص کر تانچینی اور شیشہ کا گلدستہ، میٹل ورک، لکڑی کا کام اور ٹکسٹائل کو بحیرہ روم کے اردگرد کے ممالک اور یورپ کے ممالک میں بڑی قدر و اہمیت کی نظر سے دیکھا گیا۔

بحری مملوکوں میں خاص طور پر سلطان ناصر محمد بن قلاؤن کا دور بہت شاندار ہے۔فن تعمیر نے اس زمانہ میں بہت ترقی کی۔اسے عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔اس نے قاہرہ کو ایک خوبصورت اور حسین شہر بنا دیا تھا۔اس دور کی جو یادگار تعمیرات ہیں ان میں مدرسۃ الجامع سب سے اہم ہے، جو اپنے خوبصورت ڈیزائن، عظیم و شاندار گنبد، بلند و عظیم الشان دروازے، خوبصور محلات اور بے مثال سجاوٹ اور خوبصورت نقش و نگار کی وجہ سے تمام تعمیرات میں سرفہرست اور نمایاں مقام کا حامل ہے۔اس کے علاوہ اس نے جو مسجدیں بنوائیں ان کی تعداد تیس بتائی جاتی ہے۔خانقاہوں، سبیلوں، مدرسوں اور حماموں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔اس کا تعمیر کردہ مدرسہ ناصریہ اور قاہرہ کی جامع مسجد اس دور کے فن تعمیر کے بہترین نمونے ہیں۔اس کی تقلید امراء اور والیوں نے بھی کی اور انہوں نے حلب اور دمشق کو بہترین عمارتوں سے آراستہ کیا۔

20.5.2 برجی ممالیک کے دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر

برجی ممالیک نے اپنے پیشرو بحری ممالیک کی قائم کردہ فنی روایات کو باقی رکھا، اگرچہ حکومت کو پندرہویں صدی کے اوائل میں بڑے

بڑے اندرونی اور بیرونی خطرات کا سامنا کرنا پڑا، جن میں وسط ایشیائی فاتح تیمور کی طرف سے مشرقی بحیرہ روم کے صوبوں کی تباہی کے ساتھ ساتھ مصر میں قحط اور طاعون وغیرہ جیسے آفات شامل ہیں۔ اس سب کے باوجود فنون لطیفہ اور فن تعمیر کی سرپرستی انہوں نے جاری رکھی۔

برجی حکمران اگرچہ بحری حکمرانوں کے مقابلہ میں زیادہ وسیع النظر نہ تھے، تاہم شاندار عمارتیں بنانے میں برجی مملوکوں کو بھی خاصی دلچسپی تھی۔ قاہرہ میں اس دور کی جو یادگار عمارتیں ہیں ان میں برقوق کی مسجد اور مدرسہ، اور قایت بے کا مدرسہ قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح مملوک سلاطین کے مقبرے بھی اس دور کے بے مثال شاہکار رہیں۔ جیسے برقوق کا مقبرہ، قاہرہ کے مشرقی ریگستان میں قائتبائے کا مقبرہ اور سنگ مرمر کا بنا ہوا قلاؤن کمپلیکس جس میں مدرسہ، ہاسپٹل اور حمام شامل ہیں، اور مدرسہ سلطان ناصر حسن کے پیچھے قوصون کا محل اور اس دور کے دیگر نشانات و آثار وغیرہ۔

مشرقی بحیرہ روم کے صوبوں میں ایران اور یورپ کے درمیان ٹکسٹائل کی نفع بخش تجارت نے معیشت کو بحال رکھنے میں مدد کی۔ مکہ اور مدینہ کے راستوں میں حاجیوں کی تجارتی سرگرمی بھی اہم تھی۔ تجارت میں اضافہ کو پورا کرنے کے لیے بڑے بڑے گودام جیسے خان القاضی (1441) تعمیر کیے گئے، اس کے علاوہ دیگر عوامی تعمیرات بھی منظر عام پر آئیں، جیسے مسجد اقبوغہ جو حلب میں 1399ء اور 1410ء کے درمیان تعمیر ہوئی۔ مسجد سبون جو دمشق میں 1464ء میں تعمیر ہوئی۔

پندرہویں صدی کے نصف آخر میں فنون لطیفہ کو عظیم مملوک سلطان قائتبائی کے دور (1468-1496) میں بہت فروغ ملا۔ اس کے دور حکومت میں مکہ اور مدینہ کے مزارات کی بڑے پیمانے پر تجدید کاری ہوئی۔ بڑے شہروں میں تجارتی کوٹھیاں، مذہبی عمارتیں اور پل تعمیر کیے گئے۔ قاہرہ کے شمالی ریگستان میں قائتبائی کا کمپلیکس (1472-1474) اس دور کا سب سے معروف اور قابل تعریف عمارت ہے۔ اپنی سرپرستی کے ساتھ ساتھ قائتبائی نے اعلیٰ درجہ کے عہدے داروں اور بااثر امیروں کو بھی عمارتیں بنوانے کی ترغیب دی۔

وہ عمارت جو آخری مملوک سلطان قانصوہ الغوری (1501-1515) کے دور میں تعمیر ہوئی وہ اس کا اپنا کمپلیکس ہے جسے اس نے 1503 سے 1505 کے دوران تعمیر کرایا تھا۔

تعمیرات میں مسجدوں کے سامنے کے حصے کی تزئین، اذان خانوں کی خوبصورتی اور فرش کی رنگ برنگے سنگ مرمر کے ذریعے پختہ کاری پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ مسجدوں کی چھتیں سنہری بنائی جاتی تھیں اور ان پر نقش ونگار کے ذریعے ان کے حسن و جمال کو دوبالا کیا جاتا تھا۔ سنگ مرمر اور پلاسٹر پر نقش ونگار اس دور میں لکڑی پر نقش ونگار کی طرح ترقی یافتہ اور مروج تھا۔ سنگ مرمر کے بنے ہوئے ممبر، منقش کارنس اور چھجے، چشموں میں سنگ مرمر کے بنے ہوئے سلیب اور کھوکھلے پتھروں کی بنی ہوئی کھڑکیاں اس بات کی گواہی دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تمام چیزیں مملوک دور کے فنکاروں کی مہارت کی گواہی دیتی ہیں جن پر خوبصورت نقش ونگار کندہ ہیں۔ جیسے ہاتھی دانت پر نقش ونگار، ممبروں اور فرنیچروں پر خوبصورت نقش ونگار وغیرہ۔

اس کے علاوہ مصر اس دور میں برش، پردے، خیمے، قالین اور اون اور ریشم کی بنٹی ہوئی رسیوں کی صنعت کے لیے بھی مشہور تھا۔ اسی طرح چمڑے کی صنعت خاص کر زین کی صنعت میں بھی مملوک دور میں مصر کو بڑا مقام حاصل تھا۔ مصر کے عمال زین کو سجانے میں سونے اور چاندی کا استعمال کرتے تھے۔ اس دور میں مختلف رنگوں اور مختلف قیمتوں کے زین بنائے جاتے تھے جو کہ بلغاریہ کے چمڑے سے بنائے جاتے تھے۔

بہر حال مملوک کے تعمیری ذوق، عمارتوں کے ڈیزائن اور فنکارانہ صلاحیتوں سے مملوک حکومت کی مالی فراوانی اور اقتصادی پختگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اگرچہ مملوک کے دائرہ حکومت کو سلطنت عثمانیہ نے 1517 میں اپنے تسلط میں لے لیا تھا لیکن مملوکوں کے فنون اور ان کی ثقافت مسلسل عثمانی اور دیگر اسلامی فنی روایات کو متأثر کرتی رہی۔

20.6 مملوک دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر کے عروج کے اسباب

فنون لطیفہ کی ترقی اور خوبصورت تعمیرات کی وجہ سے مملوک دور کو جمالیاتی دور کہا جاتا ہے۔ اس کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ پورا عالم اسلام منگولوں اور صلیبیوں کے خطرات میں گھرا ہوا تھا، خاص کر اسپین میں صلیبیوں نے اور عراق وشام میں منگولوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا، جبکہ اس کے مقابلہ میں مملوک سلاطین منگولوں کا کامیاب مقابلہ کر رہے تھے، جس کی وجہ سے مختلف علوم وفنون کے ماہرین اپنے علاقوں کو چھوڑ کر مصر کی طرف ہجرت کر رہے تھے، خاص طور پر ان علاقوں کے مصائب وآلام سے دوچار ماہرین فن جہاں صلیبیوں اور منگولوں نے خونریزیاں کی تھیں۔ یہ ماہرین فن مصر کو اپنے لیے محفوظ ومامون مسکن خیال کرتے ہوئے ہجرت کر رہے تھے، جو دراصل ان کے لیے ایک محفوظ پناہ گاہ ثابت ہوا اور انہیں وہاں انہیں اپنے فن کے جوہر دکھانے کا کھل کر موقع اور پرسکون ماحول ملا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک زمانہ میں بغداد دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت شہر تھا، ساتھ ہی علم وفن کا سب سے بڑا مرکز بھی تھا، لیکن بغداد کی تباہی اور خلافت کی بغداد سے قاہرہ منتقلی کے بعد قاہرہ دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت شہر بن گیا تھا، لہٰذا یہ لازمی تھا کہ علوم وفنون کی مرکزیت بھی اسے حاصل ہو، اور یہ گہوارہ علم بن جائے۔

20.7 معدنیات اور دھاتوں کی صنعت کاری

20.7.1 فنون لطیفہ اور مختلف دھاتوں اور معدنیات کی صنعت کاری: آثار قدیمہ کی روشنی میں

معدنیات اور دھاتوں کی صنعت بھی مملوک دور میں کپڑوں اور چمڑوں کی صنعت سے کسی بھی طرح کم نہ تھی۔ دھات کی صنعت کو بھی مملوک دور میں بہت فروغ ملا۔ وہ کرسیاں، برتن اور قیمتی ساز وسامان جو اس صنعت کے تعلق سے مصریوں کی ترقی کے دوران نوادرات خانوں نے محفوظ کیے ہیں اس کی گواہ ہیں۔ اس کے علاوہ قاہرہ کے عربی آثار قدیمہ میں تانبہ کے برتنوں اور پیالوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو اپنی پختہ کاریگری اور ان پر موجود نوشتہ جات، تحریریں اور باریک آیات کی وجہ سے اپنی امتیاز اور نمایاں پن کی آپ بولتی تصویریں ہیں۔

اسی طرح مملوک دور میں تانبوں کا استعمال مسجدوں اور سلاطین وامراء کے محلوں کے دروازوں کو ڈھانپنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ قاہرہ کے آثار قدیمہ میں آج بھی مملوک دور کا ایک دروازہ موجود ہے جس پر تانبہ کی چادر چڑھی ہوئی ہے اور اس پر خوبصورت عربی نقوش بنے ہوئے ہیں، جن کے درمیان مملوک دور کی خوبصورت عربی تحریر لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ سلطان قلاؤن کے کسی امیر کا دروازہ ہے۔

اس کے علاوہ اس دور میں معدنیات کی بڑی خوبصورت اور قیمتی چیزیں بنائی جاتی تھیں جو قدیم وجدید آرائش وزیبائش کی جامع ہوا کرتی تھیں جس کا اس دور میں رواج تھا۔ مثلاً پرندوں کی تصویریں، خوبصورت جگوں اور لوٹوں کی تصویریں اور خوبصورت دروازے جن پر تانبوں کی چادر چڑھائی جاتی تھی اور ستاروں کی پلیٹوں کے ذریعے ان کو سجایا جاتا تھا۔ اس دور میں تانبوں اور چاندیوں کے ذریعے آرائش وزیبائش کی صنعت کو بہت فروغ ملا تھا۔

مملوک دور میں کانسہ اور تانبہ میں سونے اور چاندی کو جڑنے کی صنعت نے بھی خوب ترقی پائی، چنانچہ قاہرہ کی کفتیین مارکیٹ کو اس تعلق سے بڑی شہرت حاصل تھی۔

20.7.2 شیشہ کی صنعت

مملوک دور میں شیشہ کی صنعت کو بھی بہت فروغ ملا۔ مصر میں اس کے اہم مراکز فسطاط، فیوم، اشمونین اور اسکندریہ تھے۔ شیشے کے وہ طاق آج بھی اس کے گواہ ہیں جو مصر کے آثار قدیمہ میں محفوظ ہیں، اور جو اپنی خوبصورتی اور مضبوطی میں ممتاز ہیں۔ اس کے علاوہ مصر اور شام میں پالش کئے ہوئے اور رنگین شیشہ کی صنعت کو بہت فروغ ملا۔ اور بلوری برتنوں پر کتابت کو رواج ملا۔ جیسے پانی پینے کے گلاس، جگ، بوتل اور مشکیزے جو اس زمانے کے عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ ان میں سے بہت سی چیزیں آج بھی لندن، برلین اور پیرس کے بین الاقوامی عجائب گھروں میں موجود ہیں۔

اسی طرح چینی مٹی کے برتنوں کی صنعت، ان پر نقش ونگار اور عربی کتابت کو مملوک دور میں بہت فروغ ملا۔ اس فن کے بڑے بڑے ماہرین اس دور میں پائے جاتے تھے۔

20.7.3 قالین کی صنعت

مملوک دور میں دیگر صنعتوں کے ساتھ ساتھ قالین کی صنعت کو بھی بہت فروغ ملا۔ مملوک دور میں مصر کے اندر تیار ہونے والی قالینوں نے مصر آنے والے یورپی سیاحوں کو حیران وششدر کر دیا تھا۔ یہ قالین خوبصورتی، اعلی کاریگری اور نقش ونگاری کا اعلی نمونہ ہوا کرتی تھی۔

20.7.4 کپڑے اور ان پر کڑھائی کی صنعت

ٹکسٹائل انڈسٹری نے مملوک دور میں اپنا بلند معیار قائم کیا۔ مملوک دور کی کڑھائی کے ڈیزائن اپنے ٹوٹے ہوئے اور ٹیڑھے رسم الخط میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ ان کی بناوٹ میں صنعتی طریقہ کار کو اختیار کیا گیا ہے، جو کہ سیڑھی کی طرح درجہ بدرجہ ٹانکے ہیں۔ اسے ہیلیپین سلائی کہا جاتا ہے۔ مملوک دور میں پرنٹیڈ کپڑے استعمال کئے جاتے تھے، اور اس کے ڈیزائن تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی میں رائج تھے۔

مملوک دور میں جن صنعتوں نے سب سے زیادہ ترقی کی ان میں سے ایک کپڑوں کی صنعت ہے۔ یہاں تک کہ بعض شہروں کو کپڑوں کی مخصوص قسموں کی صنعت کے لیے عالمی شہرت حاصل ہوئی۔ جیسے شہر فسطاط کو کپڑوں کی ایک مخصوص قسم کے لیے بہت شہرت ملی اور اس کپڑے کو اس شہر کی طرف منسوب کیا جانے لگا تھا۔

اسی طرح دبیق شہر جس کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے دبیقی کپڑے نے شہرت پائی۔ یہ کپڑے ریشم، اون، کتان اور کاٹن سے بنائے جاتے تھے۔ ریشمی کپڑے اپنے پرکشش تانے بانے، شاندار نقش ونگار اور خوبصورت آرائش وسجاوٹ کے لیے مشہور تھے۔ جبکہ اونی کپڑے اپنے استحکام اور میٹریل کے اعلی معیار میں ممتاز تھے۔ اس کے علاوہ عام لباس کے کپڑوں کے لیے مخصوص کارخانے قائم تھے جن میں وہ جوڑے اور خلعت بھی تیار کئے جاتے تھے جو حکومت کے بڑے عہدیداروں اور اعلی افسران کو سلاطین کی جانب سے عنایت کئے جاتے تھے۔ جن پر سلاطین کے نام اور ان کے القاب نقش ہوتے تھے۔

20.8 فن تعمیر

مملوک دور کا آرٹ تعمیر، مجسمہ سازی اور دستکاری پر مشتمل تھا۔ اور فن تعمیر شاندار انجینئرنگ کا نمونہ ہوا کرتا تھا۔ جو انجینئرنگ کے میدان

میں ان کے اعلیٰ ذوق اور بلند فکر کا غماز تھا۔ جیسے جامع سلطان ناصر محمد بن قلاوٗن جس کی تعمیر میں تین سال کا عرصہ لگا اور 1363 میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اس خوبصورت جامع مسجد کی تعمیر انجینئر محمد بن بیلیک کی نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس کی تعمیر میں اس دور کے فن تعمیر اور فن تزئین دونوں کو بروئے کار لایا گیا۔ اس کو ایسے نمونہ پر بنایا گیا جس نے اس کو ایک منفرد حیثیت عطا کر دی۔ مسجد کے مشرقی جانب دو عظیم الشان مینار تعمیر کئے گئے، اس میں چار اذان خانے بنانے کا ارادہ تھا لیکن دو ہی اذان خانے بنائے جا سکے۔

اسی طرح خوبصورت شاہی تعمیر میں گنبد، مدرسہ اور قلاوٗن کا بیمارستان ہے جس کی تعمیر کا کام 1258 میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس میں سلطان منصور قلاوٗن اور اس کے بیٹے سلطان ناصر محمد مدفون ہیں۔ یہ عمارت مصری اسلامی فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے، جو سونے کے گرینائٹ سے بھرا ہوا اور خوبصورت موزیک (پچی کاری) سے ڈھکا ہوا ہے۔

مملوک دور کے فن تعمیر کا ایک اور اعلیٰ نمونہ سلطان ظاہر برقوق کا مقبرہ ہے۔ جس کی تعمیر کا کام 1410 میں اس کے بیٹے سلطان ناصر کے دور سلطنت میں مکمل ہوئی۔ اس کو ایک کامپلکس کی شکل میں بنایا گیا ہے جس میں ایک بڑی مسجد، ظاہر برقوق اور اس کے افراد خاندان کا مقبرہ اور ایک خانقاہ ہے۔ یہ عمارت اسلامی فن تعمیر کا مظہر ہے۔ مملوک انجینئر نے چار ایوانوں سے گھرے ہوئے صحن میں ایک مسجد تعمیر کی۔ ان چاروں ایوانوں میں سب سے بڑا ایوان قبلہ کا ایوان ہے۔ جس میں اعلیٰ سجاوٹ کے ساتھ دو خوبصورت گنبد ہیں، جس کے بیچ میں محراب کے اوپر تیسرا گنبد ہے۔ چاروں ایوانوں کی چھتیں نصف کروی گنبدوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ خانقاہ میں بہت سے حجرے بنے ہوئے ہیں۔

قاہرہ کے مشرقی ریگستان میں قایتبائے کا مقبرہ مملوک دور کی عمارتوں میں سے ایک اہم عمارت ہے۔ یہ مقبرہ بھی ایک کمپلکس ہے جس میں ایک مدرسہ، سڑک، ایک دفتر اور ایک گنبد ہے۔ مقبرہ کا صحن چھت سے ڈھکا ہوا ہے جس کے چاروں طرف ایوان ہیں، ان میں سب سے بڑا ایوان قبلہ کا ایوان ہے۔ اور اس کے گنبد پر ہندسی نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔

20.9 مملوک دور کی چند اہم تعمیرات

20.9.1 مسجد اسلم سلہدار

مصر میں مملوک دور کی بہت سی یادگار اور شاندار وراثت آج بھی موجود ہیں۔ انہی وراثت میں اسلم سلہدار مسجد بھی ہے، جس کی طرز تعمیر میں مملوک حکومت کی طرز تعمیر کا عکس نمایاں ہے۔ گو کہ یہ ایک قدیم مسجد ہے اس کی تزئین نو کے بعد یہ مسجد آج اسلامی تاریخ و تعمیر کا ایک نادر نمونہ بن گئی ہے۔ اہراموں کو دیکھنے کے لیے آنے والے سیاح اس مسجد کی تعمیر کو بھی بڑی شوق کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں۔ اسلم سلہدار مسجد کی حکومت کی جانب سے تجدید کاری نے اسے ایک یادگار زندگی دے دی ہے اور آج یہ آثار قدیمہ کا ایسا عظیم سرمایہ ہے جس سے ملک میں بھی سیاحت کو فروغ حاصل ہوا ہے۔

قاہرہ میں واقع یہ مسجد اسلامی تاریخ میں نہایت اہمیت کی حامل رہی ہے۔ ایک طویل مدت تک اس مسجد کے رکھ رکھاؤ کی جانب خصوصی توجہ نہیں دی گئی تھی۔ چنانچہ اس مسجد کے مقابلہ میں سیاح اہراموں کی جانب زیادہ متوجہ ہوتے تھے اور اہراموں کو دیکھنے میں ہی ان کی زیادہ دلچسپی ہوتی تھی۔ جب مصر کی حکومت نے اس صورت حال کا جائزہ لیا تو اس نے اس قدیم ترین مسجد کی تجدید کاری اور اسے بحال کرنے کا ارادہ کیا، تاکہ سیاحت کے اعتبار سے قدیم اسلامی مقامات کی تعداد میں مزید اضافہ ہو۔ حکومت کے اس فیصلہ سے نہ صرف اسلامی ورثہ کی یہ قدیم عمارت بحال ہوگئی بلکہ

سیاحوں کی تعداد میں بھی زبردست اضافہ ہوا۔مسجد اسلم کے فرش سے لے کر چھت تک کی مرمت کی گئی ہےاور اسلامی طرز کے محراب دار گلیاروں میں روشن کرنے والے لیمپ لگے ہیں۔اس مسجد کے تمام فرش چکنے پتھروں سے آراستہ ہیں۔علاوہ ازیں اس مسجد کے اہم گنبد کو باہر کی جانب سبز اور کالے رنگ کی عربی خطاطی سے آراستہ کیا گیا ہے۔

اسلم سلہدار مسجد کی تعمیر ایک امیر اسلم البہائی، جو کہ سلطان الناصر محمد کے دور اقتدار میں سلہدار یا شمشیر بردار کے عہدہ تک پہنچ گئے تھے، 744-745 ہجری میں کرائی تھی۔وہ مملوک سلاطین کا نہایت اہم دور تھا۔طرز تعمیر میں انہوں نے زبردست دلچسپی دکھائی۔یہ مسجد نسبتاً کافی کشادہ علاقہ میں واقع ہے۔وہاں سے الازہر پارک نظر آتا ہے۔مشرق کی جانب ہی 300 میٹر کے فاصلہ پر ابوحربیہ اسٹریٹ بھی ہے۔اس مسجد کو مرحلہ وار تعمیر کرایا گیا تھا۔موجودہ مربوط حصوں کی طرز سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک متحدہ اور سلسلہ وار ڈھانچہ تعمیر کرانے کے نتیجہ میں یہ عمارت وجود میں آئی تھی۔

اس مسجد سے ملا ہوا الاحمد مہماندار مدرسہ اور مقبرہ کا کمپلیکس ہے۔یہاں پر مختلف روایتی تبدیلیاں بھی قابل ذکر ہیں،جن میں سے دروازہ کا ڈیزائن قابل غور ہے۔جہاں سے لوگ براہ راست مسجد کے دیوان تک چلے جاتے ہیں۔دوسرا دروازہ راست طور پر صحن تک جاتا ہے،جس کا راستہ پُر پیچ اور گھماؤدار ہے۔اس مسجد کے شمالی اور جنوبی ایوانوں کے راستے محراب دار ہیں،جن میں سے ہر ایک کے دوستون ہیں۔مشرقی اور مغربی ایوان محراب دار ہیں جبکہ قبلہ ایوان میں ایک محراب اور ایک چھوٹا سا منبر ہے لیکن اطراف کی دیواروں پر بڑے ہی دلکش انداز میں گولائی دار آرائشی نقش ونگاری کی گئی ہے۔قبلہ ایوان کے اہم محراب کے اوپر ایک آرائشی تمغہ نصب کیا گیا ہے جس کی عربی انداز میں پتوں کے طرز پر سرخ اور نیلے رنگ کے شیشوں سے تزئین کاری کی گئی ہے۔شمالی اور جنوبی ایوان جو کہ سہ رخی برآمدہ سے ہوکر صحن کی جانب ہیں ان کی چھتیں ہموار ہیں جن پر کسی زمانے میں کمرے تعمیر کرائے گئے تھے،جن میں کمپلیکس کے لوگ ہی قیام کرتے تھے۔جنوبی ایوان کے اوپر جو کمرہ تعمیر کرایا گیا تھا وہ امراء کے لیے استقبالیہ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔اس کمرے کو عمارت کے سامنے والے حصہ میں صدر دروازہ کے اوپر تعمیر کرایا گیا تھا۔اس کمرے کے مقابل لائبریری بنائی گئی تھی لیکن اس میں داخل ہونے کے لیے الگ سے زینہ تعمیر کرایا گیا تھا۔عمارت کے سامنے والے حصہ میں تعمیر شدہ ان کمروں کے اندر تین کھڑکیوں کا اہتمام کیا گیا تھا،جنہیں پلاسٹر کی آرائشی جالیوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔علاوہ ازیں مشرقی ایوان پر محراب دار راستہ بنایا گیا تھا۔ایوان کے اوپر جو دوسری بالکنی تعمیر کرائی گئی تھی وہ مملوک دور کی مسجدوں کی ایک انوکھی خصوصیت تصور کی جاتی تھی جو کہ عثمانی دور کی مسجدوں میں کافی مقبول ہوگئی تھی۔

اس مسجد کے سامنے والے دو حصے ہیں۔ان کی سب سے زیادہ دلچسپ خصوصیت یہ ہے کہ جنوب کی جانب ایک مستطیل ماربل کا پینل ہے جس میں سرخ، کالے اور سفید رنگ والے تکونے شکل کے ٹکڑے نصب کئے گئے ہیں، جو کہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور ان کی دلکشی قابل دید ہے۔اس کمپلیکس میں واضح طور پر مملوک طرز تعمیر کی عکاسی ہوتی ہے اور کسی بھی طرح کے مستقل طرز تعمیر کو نظرانداز کیا گیا ہے یعنی ایک ہی طرح کا طرز تعمیر اختیار نہیں کیا گیا ہے۔چنانچہ اس کمپلیکس کی طرز تعمیر میں تنوع دکھائی دیتا ہے۔اس عمارت کے ایوانوں، دروازوں اور صحنوں کی مختلف انداز میں تزئین کاری کی گئی ہے۔اس مسجد میں آج بھی مقامی باشندے نماز ادا کرتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسے چوراہے پر واقع ہے، جہاں سے الدارب الاحمر علاقہ کا قاہرہ سے رابطہ ہے اور وہاں سے جنوب کی جانب شہری قلعہ تک راستہ جاتا ہے۔

قاہرہ میں یہ مسجد مملوک طرز تعمیر کا ایک شاہکار ہے لیکن ادوار گزرنے کے ساتھ اس کی حالت خستہ ہوگئی تھی لیکن آثار قدیمہ کی دیکھ بھال والی کمیٹی نے 20 ویں صدی میں اس کی مرمت اور تجدید کاری کرنے کے بعد اس کو بحال کر دیا اور اسے کسی بھی قسم کا نقصان ہونے سے بچا لیا گیا۔

آج اس قدیم مسجد کی مرمت اور تجدید کاری کے ساتھ نہ صرف اسے بحال کر دیا گیا ہے بلکہ اس کی آرائش اور تزئین کاری بھی کر دی گئی ہے۔اب سیاح جس طرح اہراموں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اسی طرح اسلم سلہدار مسجد کی جانب بھی متوجہ ہونے لگے ہیں اور جسے دیکھ کر وہ محو حیرت رہ جاتے ہیں۔حکومت کی جانب سے اس مسجد کی تجدید کاری سے نہ صرف آثار قدیمہ کی ایک بے مثال یادگار کو حیات نو مل گئی ہے بلکہ اس کی وجہ سے اس ملک میں سیاحت کو بھی فروغ حاصل ہوا ہے۔حکومت کے شعبہ سیاحت کے اعداد وشمار کے مطابق دیگر تاریخی مقامات کی مانند سیاح اس مسجد کا دیدار کرنے کے لیے ضرور جاتے ہیں۔اس طرح سے صدیوں سے نظر انداز کئے جانے والی اسلم سلہدار مسجد آج اپنی دلکشی اور تاریخی فنکارانہ طرز تعمیر کے سبب ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کو اپنی جانب متوجہ کر رہی ہے، جہاں پر پنج وقتہ نمازوں کے پیش نظر سیاحوں کے لیے الگ سے اوقات متعین کر دیئے گئے ہیں۔

20.9.2 جامع ناصر محمد، قاہرہ

یہ ایک شاندار شاہی مسجد ہے، جس کو سلطان ناصر نے اپنے دور حکومت میں 1335ء میں قلعہ کے اندر تعمیر کرایا تھا۔اس کی تعمیر اس کے ستون مصر کے شہر اشمونین کے قدیم مصری معبدوں سے لائے گئے تھے۔اس کے دونوں اذان خانے عہد مملوک کے قاہرہ میں بہت ہی منفرد اور شاندار اذان خانے شمار کئے جاتے تھے۔یہ مسجد قاہرہ کے قلعہ میں مسجد محمد علی کے قریب میں واقع ہے۔

20.9.3 جامع سلطان اشرف برسبای، خانکہ

جامع سلطان اشرف برسبای مملوک دور کی عظیم الشان عمارتوں میں سے ایک ہے۔یہ مسجد آج بھی خانکہ شہر کی علامت کے طور پہ جانی جاتی ہے۔یہ مسجد مملوک سلطان اشرف برسبای کی تعمیر کردہ مسجدوں میں سے ہے جسے اس نے خانکہ شہر میں تعمیر کرایا تھا۔خانکہ شہر قاہرہ کے شمال میں تقریباً 22 کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔اس مسجد کی تعمیر کا کام 1437ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔یہ ایک بڑی اور وسیع مسجد ہے۔اس مسجد میں ایک کھلا ہوا صحن ہے جس کے چاروں طرف چار گیلریاں ہیں۔سب سے بڑی گیلری قبلہ کی جانب کی گیلری ہے جس میں سنگ مرمر کے ستونوں پر ٹکے ہوئے محرابوں کی تین قطاریں ہیں۔اور دونوں کناروں کی گیلریوں میں دو دو قطاریں ہیں۔اور سب سے پچھلی گیلری میں صرف ایک قطار ہے۔اس کے علاوہ قبلہ کی جانب والی گیلری کے اوپر مربع شکل میں لکڑی کی ایک چھت اور نقش ونگار سے سجے ہوئے ڈرموں سے ڈھکی ہوئی ہے۔اس کی دیواروں کے نچلے حصے رنگین سنگ مرمر کی چادر سے ڈھکے ہوئے ہیں، جس کے بیچ میں سنگ مرمر کا ایک محراب ہے، اس کے قریب لکڑی کا ایک ممبر ہے جو دانتوں بھرا ہوا ہے۔مسجد کے سامنے کا حصہ شاہراہ عام کے مقابل ہے۔اس میں داخلہ کے لیے ایک بڑا سا گیٹ ہے اس کے سامنے سیاہ اور سفید سنگ مرمر کی تختیاں لگی ہوئی ہیں جن پر اس مسجد کی تعمیر کی تاریخ (841ھ) لکھی ہوئی ہے۔مرکزی دروازہ کے دائیں طرف ایک راستہ ہے جس کے اوپر ایک کتاب بنی ہوئی ہے۔اس کے بائیں طرف ایک تین منزلہ اذان خانہ ہے جو معزلدین اللہ عبیدی روڈ پر اس کی تعمیر کردہ مسجد کے اذان خانے کے طرز پر بنا ہوا ہے۔اس عظیم الشان مسجد کی مغربی منزل کے بیچ میں دو دوسری منزلیں بھی ہیں، اس میں ایک دوسرا دروازہ ہے۔مسجد سے علاحدہ اس زمانے کا بنا ہوا ایک بیت الخلاء بھی ہے جو آج بھی اپنی پرانی ترتیب کی خصوصیات کو باقی رکھا ہوا ہے۔یہ مسجد عربی آثار ونوادرات کے تحفظ کے ادارہ کے زیر نگرانی

ہے۔ کچھ دنوں پہلے تک یہ مسجد بہت خستہ حالت میں تھی لیکن اس ادارہ نے اس کی اچھی طرح مرمت کر کے اس کو بحال کر دیا ہے۔

20.9.4 قلعہ سلطان قایتبای، اسکندریہ

یہ قلعہ اسکندریہ شہر کے مغربی کنارے پر جزیرہ فانوس کے آخری حصہ میں واقع ہے۔ یہ قلعہ اسکندریہ کے اس قدیم مینار کی جگہ بنایا گیا جو 702ھ میں زلزلہ کی وجہ سے منہدم ہو گیا تھا۔ یہ زلزلہ سلطان ناصر محمد بن قلاؤن کے دور میں آیا تھا۔ سلطان اشرف ابونصر قایتبای نے اس قلعہ کی تعمیر کا آغاز 882ھ میں کیا تھا اور 884ھ میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اسکندریہ اس قلعہ کی تعمیر وجہ یہ تھیں کہ دشمنوں کی طرف سے مصر کو اکثر دھمکیوں اور حملوں کا اندیشہ رہتا تھا۔ یہ قلعہ مربہ شکل میں ہے اور اس کے تین طرف سمندر ہے۔ یہ قلعہ فصیلوں اور ایک مرکزی برج پر مشتمل ہے۔ اس قلعے میں دو طرح کی فصیلیں ہیں ایک اندرونی، دوسری بیرونی۔ اندرونی فصیلوں کے اندر فوج کے چھپنے کی جگہ اور ہتھیاروں کے رکھنے کی جگہ ہے بنی ہوئی ہے۔ اس قلعی کی بیرونی فصیل چاروں طرف سے دفاعی برجوں پر مشتمل ہے۔ یہ مملوک دور کا انتہائی عظیم الشان قلعہ ہے۔ جو فن تعمیر میں ان کی مہارت کا پتہ دیتا ہے۔

20.9.5 مسجد سلطان حسن بن ناصر محمد بن قلاؤن

مسجد سلطان حسن کے ساتھ ایک مدرسہ بھی ہے۔ اور یہ دونوں یعنی مسجد سلطان اور مدرسہ سلطان مملوک دور کی شاندار عمارتوں میں سے ہے۔ یہ مسجد سلطان حسن بن ناصر کے لیے بنائی گئی تھی۔ اس عظیم مسجد کی تعمیر کا آغاز 757ھ/ 1356ء میں ہوا۔ تین سال تک مسلسل اس کی تعمیر کا کام چلتا رہا۔ اس کی تکمیل سے قبل سلطان حسن کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد سلطان کے ایک امیر بشیر جمدار نے 764ھ/ 1363ء میں اس کی تعمیر کا کام پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

20.9.6 اشرف برسبای مدرسہ یا کمپلکس

اس مدرسہ کو سلطان اشرف برسبای نے قائم کیا۔اس کی تعمیر کا آغاز 829ھ/ 1425ء میں ہوا اور چھ سال کے بعد 835ھ میں اس کی تعمیر کا کام مکمل ہوا۔ یہ مدرسہ قاہرہ شر کے قلب میں معزلدین اللہ عبیدی روڈ پر واقع ہے۔اس کے اردگرد کئی دوسرے مدرسے بھی ہیں، جیسے مدرسہ منصوریہ، نحاسین گروپ، الغوری گروپ وغیرہ لیکن ان سب کے درمیان مدرسہ اشرف برسبای کو نمایاں مقام حاصل ہے۔اس مدرسہ کا شمار مملوک دور کے بڑے مدرسوں میں ہوتا ہے۔ یہ مدرسہ اسلام کے شاندار دور کی یاد دلاتا ہے اور وہ مملوک سلاطین کا دور ہے جس نے بے مثال شان وشوکت دیکھا ہے۔ مدرسہ کی عمارت کی تعمیر بڑے بڑے رفاہی اور خیر کو کاموں کا سبب بنا، کیوں کہ اس مدرسہ کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ملازمتیں ملیں۔اس مدرسہ میں راہ گیروں اور مسافروں کے پانی پینے کے لیے سبیل کا انتظام کیا گیا تھا۔یتیم بچوں کی تعلیم کے لیے معلمین رکھے گئے تھے، تاکہ یہ بچے پڑھنا لکھنا سیکھ سکیں اور اللہ کی کتاب قرآن پاک حفظ کرسکیں۔اس کے علاوہ ان بچوں کو کپڑے اور مالی عطایا دیے جاتے تھے تاکہ وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کریں۔

20.9.7 مملوک دور کی مساجد اور مدارس

مملوک دور میں بڑی کثرت سے مساجد اور مدارس قائم کئے گئے۔صرف قاہرہ میں سینکڑوں مدارس تھے۔مملوک دور کے بڑے بڑے شہروں میں مدارس کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔جن کے انتظام انصرام کی ذمہ داری عموماً مملوک حکومت انجام دیتی تھی اور ان پر بڑی کثرت اور فراخ دلی سے مال خرچ کرتے تھے۔مملوک دور میں قاہرہ اور دمشق میں بہت سے مشہور مدرسے قائم تھے۔ جامع عمرو بن العاص میں قاہرہ کا سب سے قدیم مدرسہ قائم تھا جس میں درس کے حلقے لگتے تھے۔مملوک دور میں اس جامع کی تجدید کاری عمل میں آئی تھی۔

اس کے بعد طولونی حکومت کے بانی احمد ابن طولون کی مسجد ہے۔ یہ مسجد قاہرہ میں واقع ہے، جس کی تعمیر میں احمد بن طولون نے خطیر رقم صرف کی تھی، اور ماہر معماروں کی محنت سے اسے فن تعمیر کی مثال بنا دیا تھا۔مملوک حکمرانوں نے اس پر اپنی خصوصی توجہ صرف کی اور 696ھ میں سلطان لاجین نے اس کی تعمیر جدید کا کام انجام دیا تھا۔ اِس وقت قاہرہ میں اُس وقت کی یادگار تعمیرات میں سے باقی رہ جانے والی ایک اہم مسجد ہے۔

ان کے علاوہ مملوک دور میں تعمیر کئے گئے مدارس کی ایک لمبی فہرست ہے، ان تمام کو یہاں پر شمار کرنا مشکل ہے، البتہ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

المدرسۃ العزیۃ: اس مدرسہ کی بنیاد سلطان عزالدین ایبک نے دریائے نیل کے کنارے رکھی تھی۔

المدرسۃ الظاھریۃ: اس مدرسہ کی بنیاد ظاہر بیبرس نے رکھی تھی۔

المدرسۃ المنصوریۃ: یہ مدرسہ سلطان منصور قلاؤن نے قائم کیا تھا، اس میں اس نے پڑھنے اور حدیث کی تلاوت کے لیے ایک بڑا گنبد تعمیر کرایا تھا۔

المدرسۃ الشیخونیۃ: اس کی بنیاد امیر شیخون نے رکھی تھی۔

مدرسۃ السلطان حسن بالقلعۃ: یہ قاہرہ کے تمام مدرسوں میں سب سے بڑا مدرسہ تھا۔

اتنی کثرت سے مدارس کا قیام جہاں مملوک سلاطین کے مذہب اور علوم سے شغف پر روشنی ڈالتا ہے وہیں ان مدرسوں کی تعمیرات ان کے ذوق تعمیر کی غمازی کرتا ہے۔

20.10 فن تعمیر اور فنون لطیفہ پر لکھی گئی کتابیں

مملوک دور میں بہت سی ایسی کتابیں لکھی گئیں جن میں فن آرائش کو بیان کیا گیا تھا، جن کی ایک بڑی تعداد آج بھی مصر کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔ ان کتابوں میں ترقی یافتہ فنی طریقہ کار کو بیان کیا گیا ہے۔ ان میں بعض کتابیں مصر کے کتب خانہ میں موجود ہیں جو 1369/770 کو سلطان شعبان کے نام سے لکھی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ بہت سے مخطوطات ہیں جو خوبصورت فنکارانہ نقش و نگار اور قرآن کریم و اسلامی کتابوں پر سونے کے ذریعے تزئین کاری پر لکھے گئے ہیں۔ اس کے صفحات کو سونے کے تاروں سے سجایا گیا، اور ہندسی و تعمیری نقش و نگار کے ذریعے عربی ڈیزائن سے مزین کیا گیا۔ جیسے 1340 کا لکھا ہوا انجیل کا نسخہ جو دمشق کے قبطی عجائب گھر میں موجود ہے۔

20.11 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- مصر کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک ہے۔ یہاں قدیم تہذیبوں کے بہت سے آثار اور فراعین مصر کے بہت سے نشانات آج بھی موجود ہیں۔ مصر زمانہ قدیم سے علم و فن میں بہت آگے رہا ہے۔ مصر میں موجود اہرام دنیا کے سات عجائبات میں سے ہیں۔ مصر عجائب و اسرار سے بھرپور ملک ہے۔ یہاں کے عجائبات پر آج بھی ریسرچ کی جا رہی ہے۔
- اسلامی دور میں مصر اپنے علوم و فنون کی مرکزیت کی بناء پر اوج ثریا کو جا پہنچا تھا۔ خاص کر عباسی خلافت کے بغداد سے قاہرہ منتقلی کے بعد قاہرہ پوری دنیا میں علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز اور سب سے خوبصورت شہر بن گیا تھا۔ پورا عالم اسلام منگولوں اور صلیبیوں کے حملوں اور خطرات سے گھرا ہوا تھا، مصر میں مملوکوں کی طاقتور سلطنت قائم تھی، جو منگولوں کا کامیاب مقابلہ کر رہی تھی، جس کی وجہ سے مصر کو اپنے لیے محفوظ پناہ گاہ سمجھ کر عالم اسلام کے گوشے گوشے سے اہل فن جوق در جوق مصر کی جانب منتقل ہو رہے تھے، جہاں انہیں اپنے فن کا جوہر دکھانے کا وافر موقع فراہم ہو رہا تھا۔ جس کے نتیجہ میں مصر ہر قسم کے فنون کا مرکز بن گیا۔
- مصر کے محفوظ اور پرسکون ماحول میں علوم و فنون نے خوب ترقی کی، ہر فن کے بڑے بڑے فنکار پیدا ہوئے۔ مملوک حکمرانوں نے بھی ان کے فن کی قدر کی۔ مملوک حکمرانوں نے اپنے تعمیری ذوق کی بنا پر یہاں بہت سی خوبصورت عمارتیں بنوائیں جو آج بھی دنیا کی خوبصورت ترین عمارتوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ ان میں جامع سلطان ناصر، قلاؤون کا بیمارستان، ظاہر برقوق کا مقبرہ اور اسلم سلہدار کی مسجد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
- عمومی طور پر سبھی مملوک سلاطین نے فن تعمیر میں اپنے جوہر بکھیرے، البتہ سلطان ناصر محمد بن قلاؤن کا دور اس فن میں دوسروں سے ممتاز رہا۔ اس کے دور کی سب سے شاندار تعمیری یادگار مدرسۃ الجامع ہے۔ اس کے علاوہ اس نے تقریباً تیس مساجد کی تعمیر کرائی جو اپنی تعمیر اور نقش و نگار کے اعتبار سے امتیازی حیثیت کی حامل تھیں۔ علاوہ ازیں خانقاہیں، سبیلیں، مدارس اور حمام وغیرہ بھی اس کے دور میں بڑی تعداد میں تعمیر ہوئے۔ پھر اس کی تقلید میں اس کے امراء و حکام نے بھی شاندار تعمیری سرگرمیاں انجام دیں۔

- اس دور میں مختلف دھاتوں اور معدنیات کی کاری گری کا کام بھی بڑے پیمانے پر انجام پایا۔ ان دھاتوں اور معدنیات کی کاری گری اور نقش ونگار اور نفیس کاموں کے ذریعے اس دور کے فنون لطیفہ پر روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ یہ نقش ونگاری اور کاری گری وہ نہ صرف اپنے در ودیوار پر انجام دیتے تھے، بلکہ اس کے اظہاران کے لباس وپوشاک، برتن وظروف اور گھر کی دوسری استعمال کی چیزوں سے بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ آج بھی یہ چیزیں مصر کے عجائب خانوں میں سیاحوں اور دیدہ وروں کی دلچسپی کا سامان ہیں۔

20.12 نمونہ امتحانی سوالات

20.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ مملوک سلطنت کا دور کب سے کب تک ہے؟

(a). 1200ء–1500ء (b). 1205ء–1520ء (c).1250ء–1517ء (d).1255ء–1715ء

2۔ جامع سلطان ناصر محمد بن قلاؤن کی تعمیر کتنے سال میں مکمل ہوئی؟

(a).5 سال میں؟ (b). 10 سال میں (c). 15 سال میں (d). 3 سال میں

3۔ جامع سلطان ناصر محمد بن قلاؤن کی تعمیر کا کام کس سن میں مکمل ہوا؟

(a). 1360ء (b). 1363ء (c). 1365ء (d). 1370ء

4۔ قلاؤون کا بیمارستان کب تعمیر کیا گیا؟

(a). 1250ء (b). 1255ء (c). 1258ء (d). 1260ء

5۔ برقوق کا مقبرہ کس نے تعمیر کرایا؟

(a). سلطان بیبرس (b). سلطان ناصر (c). سلطان برقوق (d). منصور قلاؤن

6۔ برقوق کا مقبرہ کب تعمیر کیا گیا؟

(a). 1405ء (b). 1410ء (c). 1415ء (d). 1420ء

7۔ مسجد اسلم سلہدار کی تعمیر کب ہوئی؟

(a).744–745ھ (b).745–746ھ (c).770–771ھ (d). 775–776ھ

8۔ اسلم سلہدار کس مملوک حکمراں کے دور میں شمشیر بردار کے عہدہ پر فائز تھا؟

(a). سلطان بیبرس (b). سلطان قلاؤون (c). سلطان برقوق (d). سلطان ناصر

9۔ مملوک دور میں قاہرہ کا سب سے بڑا مدرسہ کون سا تھا؟

(a). مدرسہ منصوریہ (b). مدرسہ ظاہریہ (c). مدرسہ شیخونیہ (d). مدرسہ سلطان حسن

10۔ قاہرہ کے آثار قدیمہ میں آج بھی مملوک دور کا ایک دروازہ موجود ہے، یہ کس کا دروازہ ہے؟

(a). منصور قلاؤن کا (b). سلطان بیبرس کا (c). سلطان قلاؤن کے ایک امیر کا (d). برقوق کا

20.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ مملوک حکمرانوں میں کس حکمران کو تعمیرات کا سب سے زیادہ شوق تھا؟ بیان کیجیے۔

2۔ مملوک دور میں ٹکسٹائل پر نوٹ لکھیے۔

3۔ قلعہ سلطان قایتبائی پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

4۔ مملوک دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر کے فروغ کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔

5۔ مملوک دور میں شیشہ کی صنعت پر روشنی ڈالیے۔

20.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ مملوک دور کے فنون لطیفہ پر ایک تفصیلی تحریر قلمبند کیجیے۔

2۔ مملوک دور کی چند اہم تعمیرات پر روشنی ڈالیے۔

3۔ مسجد اسلم سلہدار پر ایک تفصیلی نوٹ تحریر کیجیے۔

20.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔ المواعظ والاعتبار (عربی) : المقریزی

2۔ مصر فی عصر دولۃ المممالیک البحریۃ (عربی) : دکتور سعید عبد الفتاح عاشور

3۔ موسوعۃ التاریخ الاسلامی، العصر المملو کی (عربی) : دکتور مفید الزیدی

4۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ : ثروت صولت

5۔ الملک الظاہر بیبرس بندقداری : طالب ہاشمی

-:oOo:-

اکائی 21 : صفوی حکومت کا قیام واستحکام

اکائی کے اجزا

21.0 تمہید
21.1 مقصد
21.2 شجرہ نسب: صفویوں کے آباء واجداد اور اس کی کثیر الثقافتی شناخت
21.3 صفوی صوفی سلسلہ کا پس منظر
12.4 شاہ اسماعیل صفوی خاندان کا بانی
21.5 شاہ اسماعیل کا عروج
21.6 ازبیکوں کے خلاف مہم
21.7 عثمانیوں سے جنگ
21.8 نتائج جنگ چالدران
21.9 قزلباش
21.10 شیعہ اسلام بطور ریاستی مذہب
21.11 شاہ اسماعیل کی فکری زندگی اور اس کی عدالت
21.12 شاہ اسماعیل کی شعراوعلماء میں دل چسپی
21.13 عظیم سائنسدان اور اسکالرز
21.14 مصوری
21.14.1 موسیقی
21.15 شاہ اسماعیل مخالف خصوصیات کا مالک
21.16 شاہ طہماسپ

21.17 شاہ طہماسپ کے دربار میں مغل حکمراں ہمایوں

21.18 اکتسابی نتائج

21.19 نمونہ امتحانی سوالات

21.19.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

21.19.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

21.19.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

21.20 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

21.0 تمہید

اس اکائی میں صفوی سلطنت کے قیام واستحکام پر تفصیل سے گفتگو کیا جائے گا۔اس کے تحت قیام صفوی سلطنت کا پس منظر،صفوی حکمرانوں کا شجرہ نسب،ان کے اجداد کی تصوف سے دل چسپی ،قیام سلطنت کی طرف رجحانات ،شاہ اسماعیل بانی صفوی سلطنت اوراس کے ذریعے لیے گیے فیصلے مثلاً شیعیت کو سرکاری مذہب بنانا اوراس کے فروغ میں حد سے بڑھ کر دل چسپی لینا،قزلباش اور ان کے قبائل،عہد شاہ اسماعیل کے شعراء،ادباء،مصور،موسیقار،سائنسدان،شاہ اسماعیل کی خصوصیات اوراس کا جانشین شاہ طہماسپ کے عہد پر روشنی ڈالی جائے گی۔

21.1 مقصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کوصفوی حکومت کے قیام کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہوجایے گا کہ کس طرح تدریجی طور پر ایک خاندان جوتصوف سے وابستہ تھا اپنے پیروکاروں کی مدد سے ایک عظیم سلطنت کی بنیادرکھی جس نے اگلے دوسوسال سے بھی زیادہ وقت تک حکومت کی۔آپ اس سے بھی واقف ہوں گے کہ اس خاندان نے شیعیت کے فروغ میں کیا کیا کام انجام دیااورشاہ اسماعیل کے زمانہ میں سیاسی صورت حال: ازبکوں اورعثمانیوں سے جنگ اوران کے اثرات۔شاہ اسماعیل کا نظام حکومت،علوم وفنون میں دل چسپی اوراس کا جانشین شاہ طہماسپ کے عہد کے اہم واقعات کے متعلق بھی واقفیت ہوگی۔

21.2 شجرہ نسب:صفویوں کے آباءواجداداوراس کی کثیرالثقافتی شناخت

صفوی حکمرانوں نے اپنے آپ کوسید ہونے کا دعویٰ کیا جوکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل واولاد ہیں، حالانکہ بہت سے علماء نے اس دعوے پرشک ظاہر کیا ہے۔جدید تحقیق کے مطابق صفوی خاندان کاتعلق فارسی کردستان سے تھا جوبعدمیں آذربائیجان منتقل ہوگیااور گیارہویں صدی میں اردبیل میں آبادہوا۔صفوی سلطنت کے قیام کے وقت تک ،صفوی خاندان کے افرادمقامی ترکی بولنے والے اورترک زبان تھےاور کچھ حکمرانوں نے اپنی مادری زبان ترکی میں نظمیں بھی لکھی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ حکمرانوں نے خودبھی فارسی ادب،شاعری،فنون لطیفہ کی حمایت کی جس میں شاہ طہماسپ کاعظیم الشان ''شاہ نامہ'' شامل ہے،جب کہ خاندان کے افراداور کچھ صفوی حکمرانوں نے فارسی میں شاعری بھی کی ۔یہ واضح رہے کہ صفویوں کا اختیار مذہبی بنیادوں پرتھااورانہوں نے حضرت علی، جو پہلے شیعہ امام ہیں اوراپنی قانونی حیثیت رکھتے ہیں،کے براہ راست اولاد پراپنی

سلطنت کی بنیاد رکھی۔

21.3 صفوی صوفی سلسلہ کا پس منظر

صفوی تاریخ کا آغاز صفویہ سلسلہ کے بانی صفی الدین اردبیلی (1334-1252) کے نام سے ہوا۔ 1301 میں صفی الدین نے زاہدیہ سلسلہ کی قیادت سنبھالی جو کہ گیلان کا ایک مشہور صوفی سلسلہ تھا جس کی بنیاد اس کے مذہبی رہنما اور خسر زاہد گیلانی نے رکھی تھی۔ صفی الدین کی روحانی کرشمہ کی وجہ سے اس سلسلہ کو بعد میں صفویہ کے نام سے جانا گیا۔ اس سلسلہ نے جلد ہی علاقہ اردبیل میں بہت اثر ورسوخ حاصل کرلیا اور یہاں کے زیادہ تر لوگ صفی الدین کے پیروکار ہوگئے۔ ان کی ایک مذہبی رہنما کے طور پر عزت کی جاتی تھی۔ ان کی تعلیمات صوفی اور شیعہ عقائد کا مرکب تھیں۔ شیخ صفی الدین کا انتقال 1334ء میں ہوا۔

شیخ صفی الدین کے بعد صفویہ کی قیادت ان کے بیٹے صدرالدین موسیٰ کو سونپی گئی۔ اپنے والد کی طرح وہ بھی اپنے تقویٰ اور مذہبی کارناموں کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔ صدرالدین کے زمانہ میں یہ سلسلہ ایک مذہبی تحریک میں تبدیل ہوگیا اور فارس، شام اور ماوراءالنہر کے علاقہ میں مذہبی تبلیغ کے لیے پیروکاروں کو بھیجا گیا۔ جس کی وجہ سے ان کے دور میں پیروکاروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا اور صفویوں نے کافی اثر ورسوخ حاصل کیا۔ ان کا انتقال 1391 میں ہوا۔

شیخ صدرالدین کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے خواجہ علی نے اس سلسلہ کی ذمہ داری سنبھالی۔ وہ اپنے والد اور دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک مذہبی رہنما کے طور پر، نہ صرف عوام بلکہ حکمراں طبقہ میں بھی، بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔ حکمرانوں میں امیر تیمور کا نام بہت اہم ہے۔ ماوراءالنہر میں اپنی مہمات اور کامیابی کے بعد امیر تیمور خواجہ علی کو خراج عقیدت پیش کرنے حاضر ہوا۔ وہ خواجہ علی کے روحانی فیض سے بہت متاثر ہوا اور ان کی خدمت میں رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ خواجہ علی نے امیر تیمور سے کہا کہ اگر وہ ان کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو وہ ان تمام قیدیوں کو رہا کردے جنہیں وہ ایشیا مائنر کی مہمات میں قید کیا تھا۔ امیر تیمور نے خواجہ علی کی خواہش پوری کی اور ان تمام قیدیوں کو رہا کردیا۔ سبھی قیدی جن میں اکثریت ترکوں کی تھی، خواجہ علی کے شکر گزار ہوئے، ان کی شاگردی اختیار کی اور وہیں گیلان صوبہ میں خواجہ علی کے اردگرد آباد ہوگیے۔ اپنے شاگردوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ کے ساتھ اس سلسلہ نے اور زیادہ طاقت اور اہمیت حاصل کرلی۔ 1426 میں خواجہ علی کا انتقال ہوا۔

خواجہ علی کے بعد ان کا بیٹا شیخ ابراہیم جانشین ہوا اور 22 سال تک صفویہ سلسلہ کی قیادت کی اور 1458 میں وفات پائی۔ شیخ ابراہیم کے بعد ان کا بیٹا جنید جانشین ہوا۔ شیخ جنید کے دور میں صفوی سلسلہ کو مزید تقویت واہمیت ملی۔ شیخ جنید کا آذربائیجان کی قارآق قویونلو (کالی بھیڑوں) ترکمان حکمران جہاں شاہ سے تنازع ہوا۔ جس کے نتیجہ میں جہاں شاہ نے شیخ جنید کو اردبیل علاقہ سے باہر نکال دیا۔ شیخ جنید اردبیل سے دیار بکر منتقل ہوا۔ اس وقت دیار بکر کا حکمراں ازون حسن تھا، اس نے شیخ جنید کا خیر مقدم کیا۔ ازون حسن کا تعلق ترکمان کے آق قویونلو (سفید بھیڑوں) گروہ سے تھا۔ ازون حسن نے اپنی بہن کی شادی شیخ جنید سے کردی جس کے نتیجہ میں صفویوں کی اہمیت کافی بڑھ گئی۔ شیخ جنید زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکا اور ایک مقامی تنازع میں 1460 میں مارا گیا۔

شیخ حیدر جو شیخ جنید کا بیٹا تھا جانشین ہوا۔ اس نے اپنا ہیڈکوارٹر دیار بکر میں مقام شیروان میں قائم کیا۔ اس نے محسوس کیا کہ صفویوں کو کئی سالوں سے کسی نہ کسی طرح سے تنازعات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی حفاظت کے لیے فوجی طاقت حاصل کرے۔ اس لیے اس

نے اپنے پیروکاروں کو یورپی فوجی طرز پر منظم کیا۔اس نے انہیں بارہ کونوں والی سرخ ٹوپیاں پہنائی، جو بارہ شیعہ اماموں کی علامت تھی اوران سرخ ٹوپیوں کی وجہ سے وہ قزلباش (سرخ ٹوپیاں) کے نام سے مشہور ہوئے۔اس کے علاوہ اس نے ازون حسن کی بیٹی عالم شاہ بیگم سے نکاح کیا اور اپنی فوجی طاقت کومزید مستحکم کیا اور مقامی تنازعات کوفروکیا۔اسی کاروائی کی تکمیل میں 1487 میں وہ مارا گیا۔

شیخ حیدر کے انتقال کے بعد صفویہ اس کے بیٹے علی مرزا صفوی کے گرد جمع ہوگئے لیکن علی مرزا بھی تنازع کا شکار ہوا اور قتل کردیا گیا۔علی مرزا نے اپنی وفات سے قبل اپنے بھائی شاہ اسماعیل کوصفویہ کا سربراہ نامزد کیا۔شاہ اسماعیل اپنی قابلیت اورصلاحیت کی بنا پر صفویہ سلسلہ کا سیاسی قائد اور روحانی پیشوا بنا۔

21.4 شاہ اسماعیل صفوی خاندان کا بانی

تیموری سلطنت (1370-1506) کے زوال کے بعد ایران سیاسی طور پر کئی حصوں میں بٹ گیا،جس نے متعدد سیاسی و مذہبی تحریکوں کو جنم دیا،جن میں صفویہ کے ساتھ ساتھ حروفیہ اورنقطاویہ سلسلہ اہم ہیں۔صفوی اپنے مذہبی فکر اور کثیر التعداد پیروکاروں کی وجہ سے کافی مشہور ہوئے جس کا فائدہ شاہ اسماعیل کو سیاسی طور پر ملا۔1501 میں جب شاہ اسماعیل نے صفوی حکومت کی بنا رکھی اس وقت ایران میں بہت سی مقامی ریاستیں تھیں۔ 1500 کے قریب اہم مقامی حکمراں حسب ذیل تھے۔

1۔	حسین بیقرہ	:	ہرات کا تیموری حکمراں
2۔	الوند مرزا	:	تبریز کا آق قویونلو حکمراں
3۔	مراد بیگ	:	عراق عجم کا آق قویونلو حکمراں
4۔	فرخ یاسر	:	شیروان کان شاہ
5۔	بدیع الزمان مرزا	:	بلخ کا مقامی حکمراں
6۔	حسین خان چلاوی	:	سمنان کا مقامی حکمراں
7۔	مراد بیگ بیاندر	:	یزد کا مقامی حکمراں

شاہ اسماعیل ان تمام حکومتوں کو شکست دے کر صفوی سلطنت کے تحت لانے میں کامیاب ہوا۔

21.5 شاہ اسماعیل کا عروج

صفوی حکومت کو شاہ اسماعیل نے 1501 میں قائم کیا۔وہ ایک بہادر اور کرشمائی نوجوان تھا۔اس کے قزلباش پیروکار، عملی طور پر اس کی پرستش کرتے تھے۔1500 میں شاہ اسماعیل نے اپنے والد شیخ حیدر کی موت کا بدلہ لینے کے لیے شیروان کے حکمراں فرخ یاسر پر حملہ بول دیا اور شکست دی۔اس کے بعد اسماعیل نے فتح کی مہم چلائی۔1501 میں تبریز پر قبضہ کیا اور آذربائیجان کے شاہی تخت پر تخت نشین ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایران کا حاکم ہونے کا اعلان کیا۔شاہ اسماعیل نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور شیعہ مذہب کو سرکاری مذہب بنایا۔شاہ اسماعیل نے ابتدا میں آذربائیجان پر تسلط حاصل کی،لیکن بہت جلد ہی اس نے ایران کی ان تمام حکومتوں کو ایک ایک کر شکست دی جو ایران پر سالوں سے تسلط پانے کی کوشش کررہیں تھی۔تبریز کو فتح کرنے کے بعد شاہ اسماعیل نے 1503 میں ہمدان، 1504 میں شیراز اور کرمان، 1507 میں نجف اور کربلا،

1508 میں وان اور آس پاس کے علاقے اپنے اقتدار میں لے لیا۔اس طرح شاہ اسماعیل نے فارس کے بیشتر حصوں پر قبضہ کر کے پورے ایران کا حکمراں کے طور پر دعویٰ کیا۔اس نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔یہ لقب پہلے ترکمان حکمران استعمال کرتے تھے اور بعد میں یہ لقب ازون حسن کے پاس تھا۔

21.6 ازبیکوں کے خلاف مہم

سلسلہ فتوحات میں شاہ اسماعیل کو شمال کی جانب ازبیکوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔خون ریز جنگوں سے پہلے دونوں ریاستوں میں سرد جنگ چھیڑی۔ازبیک حکمراں شیبانی خان نے شاہ اسماعیل کے پاس بھکاری کا پیالہ اور ایک عصا بھیجا،جس کا مطلب یہ تھا کہ صفوی محض بھکاری ہیں اور اقتدار کا عصا اٹھانا ان کے بس کی بات نہیں۔اس کے جواب میں شاہ اسماعیل نے شیبانی خاں کو تکلا (Spindle) اور کچھ دھاگہ بھیجا،جس سے مراد یہ تھا کہ شیبانی خاں جو عورتوں کی طرح بیکار اور فضول باتیں کرتا ہے اس کا مقابلہ شاہ اسماعیل کے اعلی درجہ کے بہادر سپاہی سے نہیں ہوسکتا۔اس کے بعد شاہ اسماعیل نے ازبیکوں کے خلاف اپنی فوج کی قیادت کی۔دونوں فوجیں 1511 میں مرو کے قریب طاہر آباد میں میدانی جنگ میں آمنے سامنے ہوئیں اور ایک زبردست معرکہ ہوا۔اس جنگ میں شیبانی خان کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔شاہ اسماعیل نے خراسان کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔اس کے بعد ہرات اور بلخ میں مہم چلائی گئی اور شاہ اسماعیل نے ان علاقوں کو بھی اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔

21.7 عثمانیوں سے جنگ

شاہ اسماعیل کے عہد میں عراق،عرب،خراسان،دیار بکر اور آذربائیجان صفوی ریاست کا حصہ بن چکی تھیں اور اس طرح شاہ اسماعیل کی مقبوضہ علاقوں کی سرحدیں سلطنت عثمانیہ کی سرحد سے مل گئی تھیں۔دونوں حکومتوں کے سربراہ یعنی سلطان سلیم اور شاہ اسماعیل اپنی شجاعت،عظمت اور ملک گیری کی ہوس میں ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے۔ایسی صورت میں دونوں کا تصادم ناگزیر تھا اور تصادم کے متعدد اسباب بھی موجود تھے۔

1۔ سب سے بڑا اختلاف مذہب کا تھا۔شاہ اسماعیل شیعہ مکتبہ فکر کا پیروکار تھا جب کہ سلطان سلیم ایک سخت سنی تھا۔سلطنت عثمانیہ کے ایشیائی مقبوضات(ایران کی سرحدوں سے متصل علاقے) میں شیعوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔شاہ اسماعیل کے گماشتے اناطولیہ میں شیعیت کی تلقین کرتے تھے اور اندر اندر لوگوں کو سلیم کے خلاف ابھارتے رہتے تھے۔سلطان سلیم شیعیت کا سخت دشمن تھا اور اپنی حکومت کے لیے ایک بڑا خطرہ خیال کرتا تھا کیوں کہ اس کے عہد میں شاہ قلی نام کے ایک شخص نے شیعیت کی تبلیغ کر کے اناطولیہ کے باشندوں کو باغی بنا دیا تھا، جسے کچلنے میں سلیم کو کافی دشواری ہوئی تھی۔اس لیے سلطان سلیم نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی حدود سلطنت سے شیعیت کا خاتمہ کرے۔اسی کے تحت اس نے اپنے سلطنت کے تمام شیعوں کا شمار کرایا جن کی تعداد بقول عزیز احمد 70000 تھی۔پھر ایک روز سلطان سلیم نے ان میں سے 40000 کو قتل کرادیا اور باقی 30000 کو جن میں بچے،عورتیں اور بوڑھے شامل تھے قید میں ڈال دیا۔

2۔ کشمکش اور اختلافات کی دوسری وجہ یہ تھی کہ عثمانی سلطان بایزید ثانی کے عہد میں کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں شاہ اسماعیل نے کئی ترک سرداروں کو، جو ایشیا مائنر کے سرحدی علاقوں کے حاکم تھے،شکست دی تھی۔

3۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ شاہ اسماعیل نے عثمانیوں کے مقابلہ میں سلطان مصر سے اتحاد کر لیا تھا جس سے عثمانیوں کو مصر کی جانب سے خطرہ لاحق ہو گیا۔

4۔ چوتھی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ شاہ اسماعیل نے مرحوم شہزادہ احمد کے لڑکے شہزادہ مراد کو پناہ دی اور اعلانیہ اس کی حمایت کر رہا تھا۔نہ صرف یہ بلکہ سلیم کو تخت سے اتار کر مراد کو اس کی جگہ بٹھانے کے لیے فوجی مہم بھی تیار کر رہا تھا۔سلیم جب ان حالات سے واقف ہوا تو ایران پر حملہ کر شاہ اسماعیل کو شکست دینے کا ارادہ کیا۔

ان حالات کے پس منظر سلیم نے ایک بہت مضبوط فوج تشکیل دی جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔جس میں بنیادی طور پر گھڑ سوار دستے شامل تھے۔اس میں بندوقچی کی ایک رجمنٹ اور ایک طاقتور توپ خانہ، تین سو توپیں،بھی شامل تھا۔سلیم 20 اپریل 1514 کو ایران کے پایہ تخت تبریز کی جانب روانہ ہوا۔حالانکہ اناطولیہ سے تبریز کا فاصلہ لگ بھگ 1500 کلومیٹر تھا، راستہ بھی بہت دشوار کن تھا۔شاہ اسماعیل نے جنگی حکمت عملی کے مطابق جنگ نہیں کیا بلکہ اس نے ایران کے سرحدی علاقوں کو خالی کروادیا اور خود پایہ تخت تبریز میں مقیم ہوا،جس کا مقصد یہ تھا کی ترکی فوج کا راستہ اور طویل ہو اور سامان رسد ملنے میں دشواری ہو، تاکہ ترکی فوج کی ہمت اور حوصلہ ٹوٹ جائے۔سلیم نے اپنی فوج کی ٹوٹتی ہوئی ہمت کو محسوس بھی کیا۔سلطان سلیم نے ایک حوصلہ افزائی اور شعلہ انگیز تقریر کر کے فوجیوں میں جوش کو ابھارا اور اپنے دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

چالدران کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔عثمانی حکمت عملی یہ تھی کہ شاہ اسماعیل کی گھڑ سوار فوج کو ان کے توپ خانے اور بندوقچیوں کے دائرے میں لایا جائے،اس لیے بندوقچی پیادہ فوج کے پیچھے چھپائے گیے تھے۔شاہ اسماعیل عثمانی جنگی حکمت عملی کا جائزہ لینے کے بعد اپنی فوج کو مکمل طور پر جو گھڑ سواروں پر مشتمل تھا،جنکی تعداد ساٹھ ہزار تھی، دو حصوں میں تقسیم کیا،جس میں سے ایک کی قیادت اس نے خود کی اور دوسرے کی استاجلو کے سربراہ کے ماتحت کی۔اس کا منصوبہ عثمانیوں پر ایک ہی وقت دونوں طرف سے حملہ کرنا تھا۔ترکی فوج کے دائیں جانب سے اس نے خود حملہ کیا اور ترکوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔لیکن عثمانی فوج فوراً ہی سنبھل گئے اور اپنے توپوں کی مدد سے پلٹ کر بہت دلیری سے مقابلہ کیا۔عثمانی توپوں نے ایرانی فوج پر گولے برسانے شروع کئے چونکہ صفویوں کے پاس توپوں کا دستہ نہیں تھا اس لیے وہ عثمانی توپوں کی حملوں کی تاب نہ لا

سکے۔ ہزاروں کی تعداد میں صفوی فوجی مارے گئے اور جو زندہ بچے میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ شاہ اسماعیل زخمی ہو کر گر گیا مگر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور گھوڑے پر بیٹھ کر میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ 6 ستمبر 1514 کو عثمانی فوج تبریز میں داخل ہوئی اور اس پر قبضہ کر لیا۔

چالدران کی جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ دیار بکر اور کردستان کے صوبے مکمل طور پر شاہ اسماعیل کے ہاتھ سے نکل گئے اور سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو گئے۔ سلطان سلیم کا ارادہ تھا کہ موسم سرما کے گزر جانے کے بعد مزید فتوحات کرے۔ لیکن عثمانی فوج بالکل تھک چکی تھی اور آگے بڑھنے کے لیے تیار نہ تھی۔ سلطان سلیم فوج کی یہ حالت دیکھ مزید فتوحات کا سلسلہ منقطع کیا اور قسطنطنیہ کی طرف لوٹ آیا۔

عثمانی فوج کا قسطنطنیہ واپسی پر شاہ اسماعیل سے کوئی صلح نامہ نہ ہوا اور دونوں سلطنتوں کی جنگ کا سلسلہ کسی نہ کسی حد تک سلطان سلیم کی حیات تک قائم رہا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ شاہ اسماعیل کو شکست ہوئی اور اس کے دارالحکومت تبریز پر قبضہ کر لیا گیا لیکن صفوی سلطنت بچ گئی۔ شاہ اسماعیل کے بیٹے شاہ طہماسپ اور عثمانی سلطان سلیمان اعظم کے تحت دونوں طاقتوں کے درمیان جنگ جاری رہی یہاں تک کہ شاہ عباس نے 1602 میں عثمانیوں سے کھوئے ہوئے علاقے دوبارہ حاصل کر لیے۔

21.8 نتائج جنگ چالدران

چالدران میں شاہ اسماعیل کی شکست صرف سیاسی ہار ہی نہیں تھی بلکہ نفسیاتی ہار بھی تھی۔ علاقہ کے لحاظ سے دیار بکر، ماریش اور لبستان عثمانی ریاست کا حصہ بن چکے تھے۔ ہلاکتوں کے لحاظ سے بہت سے اعلیٰ درجہ کے قزلباش امیر اور علماء کی تین سرکردہ اراکین مارے گئے۔ نفسیاتی طور پر شاہ اسماعیل کی اس شکست نے اس کے اپنے دعویٰ کردہ، کہ وہ ناقابل تسخیر ہے، کے یقین کو تباہ کر دیا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری دس سالوں میں، جس میں 18-1517 میں بلخ، 1522 میں قندھار اور 23-1520 میں ہرات کے علاقے اس کے ہاتھ سے نکلنے کے باوجود وہ کبھی میدان جنگ میں نہیں آیا۔

قزلباش پیروکاروں کے ساتھ اس کے تعلقات بھی بنیادی طور پر بدل گئے۔ قزلباشوں کے درمیان قبائلی دشمنی جو چالدران میں شکست سے قبل عارضی طور پر ختم ہو گئی تھی شاہ اسماعیل کی موت کے فوراً بعد شدید شکل میں دوبارہ نمودار ہوئی اور دس سال کی خانہ جنگی (1533-1524) کا باعث بنی جب تک کہ شاہ طہماسپ نے دوبارہ ان پر قابو حاصل نہ کر لیا۔ صفوی حکومت کی ابتدائی طاقت قزلباش کی فوجی طاقت پر مبنی تھی۔ شاہ اسماعیل نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے انہی قزلباشوں کا استعمال کیا۔ لیکن چالدران میں اپنی شکست کے بعد شاہ اسماعیل نے سیاست سے کنارہ کش اختیار کیا اور حکومت کے معاملات کو وکیل کے دفتر پر چھوڑ دیا جسے بعد میں شاہ عباس نے اپنے ہاتھوں میں لیا۔

21.9 قزلباش

شاہ اسماعیل کے والد شیخ حیدر نے یہ محسوس کیا کہ جب تک وہ اپنے پیروکاروں کو اکٹھا و متحد نہیں کریں گے اور انہیں وردی نہیں دیں گے تب تک انہیں سیاسی اقتدار حاصل کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ شیخ حیدر نے ایک وردی کے ذریعے وفادار، معتبر اور عقیدت مندوں کے درمیان فرق کا پتہ لگانا چاہا۔ صفوی روایات کے مطابق شیخ حیدر نے خواب میں امام حضرت علی کو دوسرے اماموں کے ساتھ دیکھا۔ اس خواب میں شیخ حیدر کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے ایک گروہ کو صوفی اور غیر صوفی میں فرق کرنے کے لیے الگ کر دے۔ جب شیخ حیدر بیدار ہوا تو اس نے سوچا کہ وہ ایسے

کپڑے بنائے جس سے اپنے عقیدت مندوں کو دوسرے سے ممتاز کر سکے۔اس مقصد کے تحت جو خواب میں اماموں کو جن نشانیوں کے ساتھ دیکھا تھا وہی نشانی اس نے اپنے عقیدت مندوں کو پرکھنے کے لیے اپنایا۔وہ نشانی اونی کپڑے کا بارہ کنگورہ والی تاج تھی۔

صفویوں کے سرخ رنگ سے وابستگی کا ایک افسانوی قصہ ہے۔بعض مورخین کا کہنا ہے کہ تیمور کے یلدرم پر غالب آنے کے بعد اس نے ایشیا مائنر کے کچھ اقوام کو اسیر کر کے آذربائیجان لے گیا تا کہ انہیں ترکستان بھیج سکے۔جب اسیران آذربائیجان پہونچے تو انہیں شیخ صدرالدین کے خانقاہ میں ان سے معافی مانگنے کے لیے بھیجا گیا۔شیخ صدرالدین نے اپنے سرخ کوٹ کو پھاڑ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیے اور ہر قبیلے کے سردار کو حکم دیا کہ وہ ان ٹکڑوں کو اپنی ٹوپیوں پر لگالیں تا کہ یہ ظاہر ہو کہ وہ صفویوں کے عقیدت مند ہیں۔انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا ان سے کہا گیا۔تیمور جب شیخ صدرالدین کی عیادت کے لیے آیا تو شیخ نے تیمور سے کہا کہ معلوم ہوا ہے کہ تم نے ہمارے چند عقیدت مندوں کو قید کر لیا ہے اور انہیں ترکستان بھیجنے کے لیے یہاں لائے ہو۔وہ سب دین کے علمبردار اور اسلامی سرحدوں کے محافظ ہیں۔انہیں ان کے مادر وطن سے منتشر نہ کیا جائے۔ہم انہیں عثمانی حملوں کے خلاف سرحدوں کے محافظ کے طور پر تعینات کرتے ہیں، اس لیے انہیں رہا کر دیا جائے۔امیر تیمور نے شیخ صدرالدین کے ہدایت کے مطابق انہیں رہا کر دیا۔

قزلباش ٹوپی کی ظاہری شکل اور اس کی اصلیت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس تاج کی بنیاد سرخ اون سے بنی ٹوپی تھی، جسے اون سے بنی ایک لمبی سرخ مخروطی شکل میں جوڑ دیا گیا تھا۔ٹوپی کا یہ حصہ بارہ اماموں کی نشانی کے طور پر بارہ تہوں یا کنگورے تھے۔سرخ ٹوپی کے گرد اون یا ریشم کی سفید یا سبز پگڑی تھی۔یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قزلباش (سرخ سر) کا لفظ اصطلاحی طور صفوی خاندان کے عروج کے دوران استعمال کیا گیا۔جس نے ایران پر دوسو سال سے 1722-1500 سے زیادہ حکومت کی۔اس کا استعمال ایرانیوں کے ترکوں یا ترک شیعہ کو ممتاز کرنے کے لیے کیا جاتا تھا، جو حکمراں طبقے کی تشکیل کرتے تھے اور سرخ ٹوپیاں پہنتے تھے۔

قزلباش کا لقب ان عقیدت مندوں پر لاگو کیا گیا جو صفوی خاندان کے سچے اور وفادار سپاہی تھے اور اپنی جان قربان کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ان حامیوں کو نو بڑے قبیلوں اور دو چھوٹے قبیلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔زیادہ تر یہ ترک نژاد تھے۔

(۱) روملو قبیلہ (۲) شاملو قبیلہ (۳) استاجلو قبیلہ (۴) قاچار قبیلہ (۵) افشار قبیلہ (۶) تکالو یا تیکیلو قبیلہ (۷) ذوالقدر قبیلہ (۸) ورساق قبیلہ (۹) قراباغی قبیلہ

روملو قبیلہ کے اکثر باشندے شیخ صدرالدین کے کہنے پر امیر تیمور کے رہا کردہ قیدی تھے۔شاملو قبیلہ کے متعلق یہ آراء ہے کہ صفوی خاندان کے یہ پہلے پیروکار ہیں اور ان کا تعلق ماوراء النہر سے ہے۔قزل باش کے قبیلوں میں سے شاملوں قبیلہ سب سے بڑا اور وفادار تھا۔شاہ اسماعیل کی طاقت کے ظہور اور قیام کے دوران صفویوں کے حق میں اپنی جان قربان کرنے کے لیے سب سے آگے رہتے تھے۔ان کے بڑے اور اہم مریدین اسی قبیلہ سے تھے۔استاجلو قبیلہ دوسرے قبائل کی طرح، ایران میں صفوی بادشاہت کے آغاز سے ہی قزلباش کے عظیم بااثر قبائل میں سے ایک تھا۔اس قبیلہ سے تعلق رکھنے والے صفوی کمانڈر محمد استاجلو نے اثنا عشری کو سرکاری مذہب بنانے کی کوشش کی۔وہ شاہ اسماعیل کے جھنڈے تلے ریاستی مذہب اور لاہیجان میں شاہ اسماعیل کے روپوش ہونے کے دوران ان کے ساتھ تھا۔محمد استاجلو 1514 تک دیار بکر کا والی بھی تھا۔اس قبیلہ کے دو اور شخص منتشا سلطان استاجلو اور خضر آقا استاجلو شاہ اسماعیل کے دربار سے وابستہ تھے۔قزلباشوں میں قاچار قبیلہ کی بھی کافی اہمیت تھی۔ان کے تعداد لگ بھگ 12000

تھی، جوشاہ اسماعیل اوردوسرے صفوی حکمرانوں کے عہد میں فوج کے اہم عہدوں مثلاً کمانڈر، امیر اور کمانڈران چیف پر فائز رہے۔

21.10 شیعہ اسلام بطور ریاستی مذہب

اس میں کوئی شک نہیں کہ صفوی ایران سے پہلے ایرانی عوام شیعہ نہیں تھی۔صفویوں نے پورے ایران میں شیعہ اسلام کو سرکاری مذہب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔آٹھویں صدی کے اوائل میں قم اور سبزوار جیسے شہروں میں بڑی شیعہ برادریاں تھیں۔دسویں اور گیارہویں صدی میں آل بویہ جو شیعہ مذہب کے زیدی شاخ سے تھے فارس، اصفہان اور بغداد میں حکومت کرتے تھے۔منگولوں کے فتح اور ایل خانیوں کے مذہبی رواداری کے نتیجہ میں ایران میں شیعہ خاندان دوبارہ قائم ہوئی۔تیرہویں صدی میں ایل خانی حکمراں نے اسے اثنا عشری میں تبدیل کردیا۔ایران کی فتح کے بعد شاہ اسماعیل نے بڑی تعداد میں سنی آبادی کے لیے تبدیلی کولازمی قرار دیا۔سنی علماء کرام اور امراء وروسا کو جبراً شیعہ مذہب قبول کرایا گیا یا انہیں جلا وطن کردیا گیا۔شاہ اسماعیل نے شیعہ مذہبی رہنماؤں کو زمین اور پیسہ دے کرانہیں خوب نوازہ اوران کی حوصلہ افزائی کی۔اس طرح ایران ایک جاگیردارانہ تھیوکریسی بن گیا۔جہاں شاہ کوریاست اور مذہب کا خدا کی طرف سے مقرر کردہ سربراہ سمجھا جاتا تھا۔

21.11 شاہ اسماعیل کی فکری زندگی اوراس کی عدالت

معاصرین مورخین بتاتے ہیں کہ شاہ اسماعیل کو بچپن سے ہی مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا۔کم عمری میں ہی اس نے فارسی اورعربی زبانوں کا مطالعہ کیا تھا۔اس کے مذہبی استادوں میں شیخ زادہ لاہیجی اور خادم بیگ تھے۔اپنی جوانی کے دوران شاہ اسماعیل بہت سے شیعی علماء، فلسفیوں، وکیلوں اور شاعروں سے وابستہ رہا۔شاہ اسماعیل کے دربار میں ترکی زبان کا استعمال عام تھا۔یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ وہ زبان تھی جوخود شاہ اسماعیل بولا کرتا تھا اور یہ اس کے پیروکاروں کی زبان بھی تھی۔گو شاہ اسماعیل نے فارسی زبان بھی سیکھی تھی مگر ترکی زبان کو اولیت حاصل تھی۔اسی وجہ سے صفوی دور کے اوائل میں فارسی زبان میں بہت کم کام ہوا اور ترکی زبان آخر تک عدالتوں میں رائج رہی۔شاہ اسماعیل کا عقیدہ تھا کہ جولوگ اپنی مادری زبان اوراپنے قومی ادب کو نہیں جانتے وہ اپنے وطن اور وطنیت کے اہمیت کو محسوس نہیں کرسکتے۔

شاہ اسماعیل نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں جن کا تعلق مذہب، سیاست اور سماج سے ہے۔اس نے نظمیں ترکی زبان میں لکھی ہے اور قلمی نام خطائی ہے۔بہت سے مورخین کا خیال ہے کہ شاہ اسماعیل نے اپنے مجموعہ میں 1000 سے زائد شعر لکھے ہیں۔ان کے مرثیہ کا مجموعہ مثنوی دونامہ، نصیحت نامہ، مناقب الاسرار و بحجات الاحرار اور دیوان العشر ی روبائی وغیرہ ہیں۔اس کے شعر روانی اور فصاحت سے پر ہیں۔

21.12 شاہ اسماعیل کی شعراء وعلماء میں دلچسپی

شاہ اسماعیل ایران کے عظیم شعراء وعلماء کا احترام کرتا تھا، بشرطہ کہ وہ اثنا عشری مذہب کی توہین نہ کرتے ہوں۔اس کے یہاں فردوسی کا بہت اونچا مقام تھا۔اس نے شاہ نامہ کے ہیروز کے نام پر اپنے تین بیٹوں طہماسپ، سام اور بہرام کا نام رکھا تھا۔وہ خود میدان جنگ میں شاہ نامہ پڑھا کرتا تھا اوراپنے قزلباش فوجیوں میں جوش بھرتا تھا۔ایسا کہا جاتا ہے کہ شاہ اسماعیل کا کمانڈر خان محمد استاجلو قزلباشوں میں جوش دلانے کے لیے شاہ نامہ اس انداز میں بلند آواز میں بڑھتا تھا کہ ان کی رگوں میں خون جوش مارنے لگتا اور وہ شہادت کے لیے تیار ہوجاتے۔جنگ چالدران میں ایران اور توران کی لڑائیوں کے موضوع پر مہاکاوی کہانیوں کے سب سے اہم حصوں کو جان بوجھ کر جوش دلانے کے لیے منتخب کیا گیا تھا تاکہ عثمانیوں کے خلاف دل وجان سے مقابلہ کریں۔

شاہ اسماعیل اور شاہ طہماسپ کے عہد کے 700 شعراء کا ذکر ملتا ہے ان میں سے حاتفی ،فضولی ،مولانا امیدی ، بابا فرغانی شیرازی ، نارنجی سلطان ، بوداق بیگ ،سوسنی ،شہاب الدین عبداللہ بیانی ، شیخ محی الدین احمد لاہیجی ،کافی نوراللہ ، قاضی محمد ، قاضی اختیارالدین ،مولانا شرف الدین محمود مراغہی ، حافظ چارگر ،مولانا حبیبی ،فضل شبستری ،شوقی تبریزی ، عارف ہمدانی ، شیخ جنید یقینی وغیرہ مشہور ہیں۔

21.13 عظیم سائنسدان اور اسکالرز

صفوی حکومت کے طویل عرصے میں 1500 سے 1722 تک صفوی حکمرانوں نے شیعہ علماء کی ہر طرح سے حمایت کی۔ ایران وعراق میں مذہبی کالجوں کی بنیاد رکھی گئی اور زیارت کے شہروں میں مزارات کو بحال کیا گیا۔ ان علماء ومفکرین کی ہر حوصلہ افزائی کی گئی جنہوں نے لوگوں کو متعدد فرقوں کی تعلیم سے بارہ اماموں کی مخلصانہ پیروی کی طرف لے جانے کی کوشش کی۔ شاہ اسماعیل اور اس کے بیٹے شاہ طہماسپ کے دور میں بہت سے ادیبوں اور علماء نے نام کمایا۔

اس دور کے سب سے بڑے عالم دین مولانا حسین واعظ (متوفی 1504) تھے۔ وہ جواہر التفسیر ، روضۃ الشہداء ، اخلاق محسنی ،مواہب علیہ، لب لباب مثنوی اور مخزن الانشاء کے مصنف تھے۔ مولانا نظام استرآبادی جو بلقیس وسلیمان اور دیوان القصائد کے مصنف ہیں شاہ اسماعیل ہی کے دور میں میں 1516ء میں انتقال ہوا۔ ان کے علاوہ مولانا ریازی سووجی تاریخ سلطان حسین مرزا کے مصنف ہیں۔ شیعوں کے دوسرے بڑے علماء میں شیخ علی بن عبدالعلی مجتہد کافی اہم ہیں۔ ان کی تصنیفات میں شرح لمع ، حاشیہ ،شرائع ،شرح ارشاد ، رسالائے جعفریہ اور حاشیہ الفیہ قابل ذکر ہیں۔

اس دور کے ایک اور بااثر سائنسدان اور ماہر الہیات امیر غیاث الدین منصور بن امیر صدرالدین محمد شیرازی (متوفی 1535) جن کا لقب معلم الثانی تھا۔ ان کے اعلی مرتبہ اور علم کے بارے میں یہ کہنا کافی ہے کہ انہیں شاہ اسماعیل نے مراغہ کے رصدگاہ کی مرمت اور تعمیر نو کے لیے مقرر کیا تھا جسے خواجہ نصیر الدین طوسی نے تعمیر کیا تھا۔

ان علماء وشعراء کے علاوہ کچھ علماء وشعراء ایسے بھی ہیں جنہیں اپنی سنی رجحانات کے سبب ایران چھوڑ کر جانا پڑا۔ ان علماء میں شیخ ابراہیم گلشنی ،فضل اللہ بن روز بہان خنجی ،مولانا مصلح الدین لاری وغیرہ اہم ہیں۔

خطاطی

شاہ محمود نیشاپوری شاہ اسماعیل کے عہد کا مشہور خطاط تھا، وہ شاہی خطاط اور شاہی کتب خانے کا انچارج تھا۔ اس نے شاہ اسماعیل کے اولادوں کو بھی خطاطی کا علم سکھایا تھا۔ گلستان ہنر میں اس کی تحریر کے چند نمونے ہیں۔ اس عظیم خطاط کو سنہری قلم کے نام جانا جاتا ہے۔ اس کے دربار کا دوسرا اہم خطاط مولانا عابدی تھا۔ حسن روملو اور سکندر منشی کے مطابق ماضی اور عصری خطاطوں میں سے کسی ایک کا ان سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

21.14 مصوری

مصوری کے میدان میں اکثر صفوی بادشاہوں اور شہزادوں نے خاص دل چسپی لی ، شاہ اسماعیل بھی اس سے مستثنی نہیں تھا۔ اس نے اپنے دربار کے مصوروں کو خوب عزت بخشی۔ اس کے بیٹے شاہ طہماسپ کو بھی اس فن سے خوب دل چسپی تھی اور وہ خود بھی مصور تھا۔ اس نے فن کی تربیت عظیم مصوروں اور خطاطوں جیسے استاد کمال الدین بہزاد ، سلطان محمد اور آقا میراک نقاش اصفہانی سے حاصل کی۔ یہاں تک کہ اس کا بھتیجہ ابراہیم

مرزا بھی خطاطی اور موسیقی میں ماہر ہونے کے علاوہ ایک اچھا مصور تھا۔ بہت سے عظیم مصور جیسے کہ شیخ محمد سبزواری، علی اصغر کاشی، عبداللہ شیرازی اور دیگر نے ابراہیم مرزا کے لیے کام کیا۔

شاہ اسماعیل کے عہد کا سب سے مشہور مصور کمال الدین بہزاد تھا۔ اس کا تعلق ہرات کے مکتب مصوری سے تھا۔ وہ 1510 میں مرو کے فتح کے بعد تبریز آیا۔ اس سے پہلے بہزاد تیمور سلطان حسین بائے قرا (Bayqara) کے دربار سے وابستہ تھا۔ 1506 میں جب ازبکوں نے خراسان فتح کیا تو محمد خان شیبانی نے اسے طلب کیا اور اس کے ہنر کی وجہ سے ''مانی ثانی'' کا لقب عطا کیا۔ 1522 میں بہزاد کی تقرری کتب خانہ ہمایونی کے سربراہ کے طور پر ہوئی اور اپنی وفات 1535 تک اس اعلیٰ عہدے پر فائز رہا۔ تبریز ہی میں اسے دفن کیا گیا۔ نوائی نے اپنی کتاب بدائع الوقائع میں حیرت کا اظہار کیا کہ بہزاد اپنے انتہائی سنی خیالات کے ساتھ شاہ اسماعیل کے دربار میں داخل ہو کر اتنی بلندی تک کیسے پہنچا۔

بہزاد کے علاوہ مانی شیرازی بھی شیراز کا باصلاحیت اور مشہور مصوروں میں سے تھا جو تبریز میں شاہ اسماعیل کے دربار سے منسلک تھا۔ وہ کبھی کبھی نظمیں بھی لکھا کرتا تھا۔ جنگ چالدران میں شکست ہونے کے بعد جب شاہ اسماعیل روپوش ہو کر لاہیجان میں رہا تو مانی بھی اس کے ساتھ رہا، وہ شاہ اسماعیل کا بہت احترام کرتا تھا۔ شاہ اسماعیل بھی اسے اپنے ساتھ بہت شفقت و محبت سے رکھتا تھا۔

21.14.1 موسیقی

شاہ اسماعیل کے فوجی جنگی کیمپ میں موسیقاروں کا ایک گروہ تھا جو رساتی اور تر کی گیت گایا کرتے تھے تا کہ قزلباشوں میں جنگی جوش پیدا کیا جا سکے اور وہ دشمن کو ان کے کیمپ میں گھس کر وار کر سکیں۔ شاہ اسماعیل کے عہد کے دو موسیقار کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں ایک استاد دوست محمد اور دوسرے اوزان جہان شاہ ہیں۔

21.15 شاہ اسماعیل مخالف خصوصیات کا مالک

شاہ اسماعیل اخلاق کی خوبی اور غیر اخلاقی دونوں خصلتوں کا مالک تھا۔ اس کی نجی اور سیاسی زندگی کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ متضاد خصوصیات سے بنا تھا۔ خودغرضی اور سخاوت، ہٹ دھرمی اور نرمی، ظلم اور انصاف، ناشکری اور احسان مندی، سفاکیت اور رحم دلی، بے دردی اور یلغار اس قدر خوفناک طور پر اس کے کردار میں جمع تھے کہ اس کے کسی رشتہ دار، گورنر اور امیر کو بھی خیانت کی جرات نہ تھی۔ شاہ اسماعیل ہی کے دور کا ایک مورخ اس کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کی عظمت قوم، اپنی رعایا اور کمتر لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور انصاف سے پیش آتی تھی اور کسی کو یہ جرات نہیں ہوتی تھی کہ وہ لوگوں پر ظلم کرے یا ان کے ساتھ ناانصافی کرے، کیونکہ وہ بہت سخت تھا۔ وہ میدان جنگ میں ایک تلوار باز اور بہترین سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ وہ ضیافت میں بارش کے بادل کی طرح تھا۔ اس کے رائے میں سونا اور پتھر ایک جیسے تھے اور جب وہ انتہائی فراخ دل محسوس کر رہا ہوتا تو سمندر اور کانوں کی تمام مصنوعات اس کے روزمرہ کے تحائف کے لیے ناکافی تھے۔ زیادہ تر اس کا شاہی خزانہ خالی رہتا تھا۔ وہ شکار میں بہت دلچسپی رکھتا تھا اور سائنس دانوں کی عزت کرتا تھا۔

ایک اور مورخ جو اس کا ہم عصر ہے اس کے متعلق لکھتا ہے کہ ''وہ تمام مخلوقات بشمول کمتر لوگوں کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک سے پیش آتا۔ اپنے مستند انداز کی وجہ سے اس کے قزلباش میں سے کسی نے بھی غریب پر ظلم کرنے یا انہیں دھوکہ دینے کی ہمت نہیں کی۔ اس نے قزلباش کو منظم طور پر قائم کیا اور سبھی جنگوں میں بخوبی حصہ لیا۔ وہ کسی لڑائی میں زخمی نہیں ہوا کیوں کہ اسے خدا کی رحمت کی حفاظت حاصل تھی۔

تاریخ انقلاب اسلام کا مصنف اس کے متعلق ایک زیادہ متوازن اور غیر جانب دارانہ جائزہ پیش کرتا ہے۔اس کے مطابق:

> وہ پڑھا لکھا ہے،اس کا قلمی نام خطائی تھا اور نظمیں بھی لکھتا تھا۔اس کی زیادہ تر نظمیں سادہ تھیں،بغیر بیان بازی کے وہ ترکمانی زبان میں نظمیں کہتا تھا۔چونکہ اس کی پرورش گیلانات میں ہوئی تھی اس لیے اس نے گلانی زبان بہت اچھی طرح سیکھ لی تھی لیکن وہ ہمیشہ ترکمانی زبان میں بات کرتا تھا۔وہ ایک تلوار باز اور لانسر کے طور پر لڑائی میں منفرد تھا۔اور وہ فنون لطیفہ میں بھی ماہر تھا۔وہ مثالی بہادری کا مالک تھا۔وہ خاص طور پر شیروں اور چیتوں کے شکار پر دل چسپی رکھتا تھا اور اس نے اعلان کیا تھا کہ جو کوئی شیر کے بارے میں خبر دے گا اسے زین والا گھوڑا پیش کیا جائے گا اور اگر چیتا اور تیندوے کے بارے میں خبر دے گا تو اسے بغیر زین کے گھوڑا تحفہ میں ملے گا۔وہ اکیلا ہی ان جانوروں کا شکار کرتا تھا اور کمان اور تلوار سے ان کا شکار کرتا تھا۔کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے انسانی وحیوانی دشمنوں کو تلوار کے ایک ہی وار سے مار ڈالتا تھا یہاں تک کہ جنگ چالدران (1514) میں اس نے ملقوچ اوغلی (Malquch Ughli) کا سر اور دایاں ہاتھ ایک ہی ضرب سے کاٹ دیا اور اس طرح سلطان سلیم نے اس کی تعریف کی۔

وہ مورخ آگے لکھتا ہے:

> افسوس، وہ بھی چنگیز خان اور تیمور کی طرح بہت خونخوار اور ظالم تھا۔اس نے تشدد کی بہت سی وحشیانہ شکلیں بنائیں۔مثلاً وہ زندہ انسان کو آگ میں بھن دیتا تھا۔وہ چند آدمیوں کی مدد سے دو درختوں کو اسپرنگ (Spring) کی طرح نزدیک کرواتا پھر انسان کے ہاتھ پاؤں دونوں درختوں سے بندھواتا اور پھر انہیں جھٹکے سے چھوڑ دیتا جس سے انسان کا جسم دو حصے میں پھٹ جاتا اور درخت کے ساتھ چلا جاتا۔

21.16 شاہ طہماسپ

1524 میں شاہ اسماعیل کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا شاہ طہماسپ تخت پر بیٹھا۔اس وقت اس کی عمر 10 سال تھی اور ہرات کا گورنر تھا۔شاہ طہماسپ ایک طاقتور قزلباش امیر علی بیگ کے ماتحت تھا۔امیر علی بیگ خود کو ریاست کا اصل حکمران سمجھ رہا تھا۔قزلباش کے مختلف دھڑے سلطنت کے کنٹرول کے لیے آپس میں دس سال تک خانہ جنگی میں مبتلا رہے۔شاہ طہماسپ حکومت کے نشیب و فراز سے خوب واقفیت ہوا اور دو سال بعد اس نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی۔شاہ طہماسپ نے 52 سال تک حکومت کی جو صفوی تاریخ کی سب سے طویل دورِ حکومت ہے۔

شاہ طہماسپ کے عہد میں ازبکوں نے سلطنت کے مشرقی صوبوں پر پانچ مرتبہ حملہ کیا،عثمانی سلطان سلیمان اعظم کے عہد میں عثمانیوں نے فارس پر چار بار حملہ کیا۔شاہ طہماسپ نے عراق اور شمال مغرب میں علاقے کھونے کے بعد محسوس کیا کہ اس کا دارالحکومت محفوظ نہیں ہے،اس لیے وہ اپنا دارالحکومت تبریز سے قزوین منتقل کرنے پر مجبور ہوا۔سن 962ھ/1555ء میں شاہ طہماسپ نے عثمانیوں کے ساتھ امن وامان قائم کیا۔

21.17 شاہ طہماسپ کے دربار میں مغل حکمراں ہمایوں

صفوی سلطنت کے ظہور کے ساتھ ہی جنوبی ایشیا میں ایک اور مسلم معاشرہ ترقی کر رہا تھا جسے مغل سلطنت کے نام سے جانا جاتا ہے۔مغلوں

کی حکومت ہندوستان کے علاقہ پر تھی۔مغل مذہباً سنی تھے مگر ایک مشترک دشمن یعنی از بیک نے مغلوں اور صفویوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا۔طہماسپ کے دور حکومت کے درمیان جب ہمایوں، ہندوستان کے ایک دوسرے مسلم حکمراں شیر شاہ سوری سے جنگ چوسا اور جنگ قنوج میں شکست فاش ہوا تو بہت مایوس ہوا اور ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگتا رہا۔بالآخر ہمایوں شاہ طہماسپ کے دربار میں پناہ گزین ہوا۔طہماسپ نے ہمایوں کو ہندوستان بھیجنے سے منع کیا اور اسے اپنے دربار میں مغلیہ شہنشاہ کے طور پر قبول کیا۔ہمایوں نے 15 سال سے زیادہ عرصہ جلاوطنی میں گزارا۔شاہ طہماسپ کی فوجی امداد کی بدولت ہمایوں دوبارہ ہندوستان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا اور اپنی کھوئی ہوئی حکومت کو از سرنو قائم کیا۔اس طرح صفویوں اور مغلوں کے درمیان ایک مضبوط تعلقات قائم ہوا اور صفوی سلطنت کی پوری تاریخ میں یہ خوش گوار تعلقات قائم رہے۔

21.18 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- سلطنت صفویہ ایران کی اہم ترین سلطنتوں میں سے ایک ہے۔انہوں نے ایران پر مسلمانوں کی فتح کے بعد سے سب سے بڑی ایرانی سلطنتوں میں سے ایک پر حکمرانی کی اور اپنی سلطنت کے سرکاری مذہب کے طور پر شیعہ اسلام کے اثنا عشری مکتب فکر کو قائم کیا جو مسلم تاریخ کے اہم ترین نکات میں سے ایک ہے۔
- صفویوں نے 1501 سے 1736 تک حکومت کی اور اپنے عروج پر انہوں نے اسلامی ممالک مثلاً جمہوریہ ایران، جمہوریہ آذربائیجان، جمہوریہ آرمینیا، عراق، جارجیا، افغانستان اور قفقاز (Caucasus) اور اس کے علاوہ پاکستان، ترکمانستان اور ترکی کے کچھ حصوں پر بھی قبضہ کیا تھا۔
- صفوی خاندان کی ابتدا صفویہ صوفی سلسلہ سے ہوئی جو آذربائیجان کے علاقے اردبیل میں قائم ہوئی تھی۔یہ مخلوط نسب، کرد اور آذربائیجانی تھا، جس میں جارجیا اور پونٹیک یونانی معززین کے ساتھ بین شادیاں شامل تھیں۔اردبیل اپنے مرکز سے صفویوں نے تمام ایران پر اپنا کنٹرول قائم کیا اور خطے کی ایرانی شناخت کو دوبارہ قائم کیا، اس طرح ساسانی سلطنت کے بعد ایک متحد ایرانی ریاست قائم کرنے والا پہلا مقامی خاندان بن گیا۔
- 1736 میں اپنے زوال کے باوجود، انہوں نے جو وراثت اپنے پیچھے چھوڑی وہ مشرق و مغرب کے درمیان ایک اقتصادی مرکز کے طور پر ایران کی احیاء، ایک موثر ریاست کا قیام اور چیک اور بیلینس پر مبنی بیوروکریسی، ان کی تعمیراتی اختراعات اور فنون لطیفہ کی سرپرستی کو انہوں نے ایران کے ساتھ ساتھ قفقاز، جنوبی ایشیا، وسطی ایشیا اور اناطولیہ کے بڑے حصوں میں بھی شیعہ اسلام کو پھیلا کر موجودہ دور تک اپنا نشان چھوڑا ہے۔

21.19 نمونہ امتحانی سوالات

21.19.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ سلطنت صفویہ کا عہد کیا ہے؟

(a).1500-1522 (b).1501-1736 (c).1650-1722 (d).1510-1722

2۔ شاہ اسماعیل کا دور خلافت بتائیں۔

(a).1501-1524 (b).1500-1534 (c).1650-1652 (d).1510-1524

3۔ جنگ چالدران کب ہوئی؟

(a).1520 (b).1514 (c).1535 (d).1622

4۔ شاہ اسماعیل کے عہد میں صفوی سلطنت کا دارالسلطنت کہاں تھا؟

(a). تبریز (b).اصفہان (c). قازوین (d).تہران

5۔ شیخ صفی الدین کا تعلق کس حکومت سے ہے؟

(a).عثمانی (b). ازبیک (c). صفوی (d). قارآق قویونلو

6۔ قزلباش کون تھے؟

(a).صفوی سلطنت کے تجار (b). صفوی فوج کا اہم دستہ (c). دونوں (d). کوئی نہیں

7۔ شاہ اسماعیل کا جانشین کون تھا؟

(a). شیخ حیدر (b). شیخ صفی الدین (c).شاہ طہماسپ (d).شاہ عباس

8۔ جنگ چالدران کن کے بیچ لڑی گئی تھی؟

(a).شاہ اسماعیل اور سلیم (b).شاہ اسماعیل اور بایزید (c). شیخ حیدر اوراز ون حسن (d). سلیم اور بایزید

9۔ کمال الدین بہزاد کون تھا؟

(a).مصور (b).موسیقار (c).سائنسداں (d).سپہ سالار

10۔ شاہ اسماعیل کے دربار میں کس زبان کا استعمال عام تھا؟

(a).ترکی (b).فارسی (c).ازبیکی (d).عربی

21.19.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ شاہ اسماعیل کن خصوصیات کا مالک تھا؟ بحث کیجیے۔

2۔ شاہ اسماعیل کے عروج اور ازبیکوں کے خلاف جنگ پر جامع نوٹ لکھیے۔

3۔ صفویوں کے اجداد کون تھے؟ بیان کیجیے۔

4۔ شاہ طہماسپ پر نوٹ لکھیے۔

5۔ علوم وفنون کے فروغ میں شاہ اسماعیل کا کارنامہ کا جائزہ لیجیے۔

21.19.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی سلطنت کے قیام پر مضمون لکھیے۔

2۔ جنگ چالدران کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

3۔ قزلباش کون تھے اور نظام حکومت میں ان کا کیا رول تھا؟ واضح کیجیے۔

21.20 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	ملت اسلامیہ کی مختلف تاریخ (جلد دوم)	:	ثروت صولت
2۔	دولت عثمانیہ (جلد دوم)	:	عزیر احمد
3۔	دائرہ معارف اسلامیہ (جلد سوم)		
4۔	The life and Personality of Shah Ismail I	:	Mohd Karim Youssef Jamali
5۔	History of Islam, (Vol.2)	:	Masoodul Hasan
6۔	A History of Persia	:	P. Sykes
7۔	Historical Dictionary of Iran	:	John H. Lorentz
8۔	Safavid Iran: Rebirth of Persian Empire	:	Andrew J. Newman

-:oOo:-

اکائی 22 : صفوی حکومت کے اہم حکمراں

اکائی کے اجزا

22.0	تمہید
22.1	مقصد
22.2	شاہ اسماعیل صفوی اول
22.3	شاہ طہماسپ صفوی اول
22.4	شاہ اسماعیل صفوی دوم
22.5	شاہ عباس صفوی اول
22.6	شاہ عباس صفوی دوم
22.7	شاہ سلیمان صفوی اول تا شاہ طہماسپ صفوی دوم
22.8	شاہ عباس صفوی سوم
22.9	کلیدی الفاظ
22.10	اکتسابی نتائج
22.11	نمونہ امتحانی سوالات
22.11.1	معروضی جوابات کے حامل سوالات
22.11.2	مختصر جوابات کے حامل سوالات
22.11.3	طویل جوابات کے حامل سوالات
22.12	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

22.0 تمہید

اس اکائی میں صفوی حکومت کے اہم حکمرانوں اور اس کے سقوط کے بارے میں بتایا جائے گا۔ ساتھ ہی ان حکمرانوں کے حالات زندگی پر

روشنی ڈالی جائے گی جنھوں نے صفوی حکومت کے قیام اور استحکام میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ کو معلوم ہوگا کہ شافعی وحنفی مذہب کے پیروکارسنیوں کی اکثریت والا ملک ایران کیسے شیعہ اکثریت والے ملک میں تبدیل ہوگیا اور کیسے ایران کے نئے باب کا آغاز ہوا جسے ایران کا شیعی دور بھی کہا جا سکتا ہے۔علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ صفویوں کے دور حکومت میں ایران نے فوجی، فقہی اور ہنر کے شعبوں میں کیسے غیر معمولی ترقیات حاصل کیں۔

22.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے سے آپ کو صفوی سلطنت کے قیام کے بعد ایران میں رونما ہونے والی ان سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی، ادبی اور تاریخی تبدیلیوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی جو اس وقت سیاسی و مذہبی ڈھانچے اور صفوی سلطنت کے قیام کے حوالے سے کافی اہم تھیں۔اس اکائی کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی آشکارہ ہو جائے گی کہ صفوی سلطنت کے قیام کا اثر کس طرح ایرانی باشندوں کی زندگی پر ہوا۔اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بھی معلوم ہوگا کہ کیسے پہلی شیعہ (اثنا عشری) حکومت قائم ہوئی۔

22.2 شاہ اسماعیل صفوی اول (1487-1524ء)

اسماعیل صفوی اول کی پیدائش 17/جولائی 1487ء میں بمقام اردبیل (آذربائیجان) میں ہوئی۔اس کا تعلق چھ واسطوں سے ترکی النسل صاحب کرامات بزرگ شیخ صفی الدین ابوالفتح اسحاق اردبیلی (1334-1252ء) کی اولاد سے ہے اسی نسبت سے اس سلطنت کو صفوی سلطنت کہا جاتا ہے۔شیخ صفی الدین نے ایران کے شمال مغربی علاقہ اردبیل میں صفوی سلسلہ کی بنیاد ڈالی تھی۔یہ خاندان اپنا نسبی تعلق ساتویں امام، امام موسی کاظمؒ سے بتاتا ہے۔اسماعیل صفوی اول (شاہ اسماعیل صفوی اول کے نام سے مشہور ہے) نے سن 1501ء میں آق قویونلو سے آذربائیجان کا علاقہ چھین کر صفوی سلطنت (Safavid Empire) کی بنیاد ڈالی اور آق قویونلو کے دارالخلافہ اور مغربی ایران کے اہم تجارتی مرکز تبریز کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔روملو، استجلو، تکلو، شاملو، ذوالقدر، قاجار، افشار جیسے قبیلوں اور ترکمانوں نے صفویہ حکومت کے قیام میں اساسی کردار ادا کیا ہے۔صفوی سلطنت میں گیارہ حکمراں ہوئے جن کے اسماء یہ ہیں: (1) اسماعیل اول (1502ء تا 1524ء)، (2) طہماسپ (1524ء تا 1576ء)، (3) اسماعیل دوم (1576ء تا 1577ء)، (4) محمد خدابندہ (1577ء تا 1587ء)، (5) عباس اول (1587ء تا 1629ء)، (6) شاہ صفی (1629ء تا 1642ء)، (7) شاہ عباس دوم (1642ء تا 1666ء)، (8) شاہ سلیمان اول (1666ء تا 1694ء)، (9) شاہ سلطان حسین (1694ء تا 1722ء)، (10) طہماسپ دوم (1722ء تا 1732ء)، (11) شاہ عباس سوم (1732ء تا 1736ء)۔صفوی سلطنت ایران میں اسلامی فتوحات کے بعد قائم ہونے والی سب سے بڑی حکومت تھی۔صفویوں کے دور حکومت میں ایران نے فوجی، فقہی اور ہنر کے شعبوں میں غیر معمولی ترقیات حاصل کیں۔داخلی و خارجی دباؤ کے باوجود صفوی سلطنت کی حکمرانی کا سلسلہ زائد از دو صدیوں تک جاری رہا۔عمومی طور پر صفوی سلطنت کا دور حکومت قابل قدر کارناموں سے مملو نظر آتا ہے چونکہ اثناء میں عوام کے لیے راستے محفوظ ہو گیے تھے، تجارت و کاروبار اور فن و دستکاری کو بھرپور فروغ ملا، فوجی، معاشی، مذہبی، اور سماجی مسائل کو حل کرنے کی کوششیں کی گئیں، مذہبی اقلیتوں کو تحفظ فراہم کیا گیا۔

شاہ اسماعیل صفوی اول جب تخت نشین ہوا اور پورے ایران کا شہنشاہ بنا تو اس وقت اس کی عمر محض تیرہ سال تھی۔شاہ اسماعیل صفوی اول نے 1501ء سے 1524ء تقریباً 23 سال تک حکمرانی کی۔شاہ اسماعیل نے حسین بیگ شاملو کو وکیل السلطنت اور قزلباش فوج کا کمانڈران چیف

مقرر کیا۔ چونکہ شاہ اسماعیل صفوی اول کے والد حیدر نے اپنے پیروؤں کے لیے سرخ رنگ کی ایک مخصوص ٹوپی کا انتخاب کیا تھا جس میں 12 اماموں کی نسبت سے 12 کنگورے تھے، اسی لیے شاہ اسماعیل کی فوج کو ''قزلباش'' یعنی سرخ ٹوپی والے کہا جاتا ہے جو 13 ویں صدی عیسوی میں اناطولیہ اور کردستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ مسلح شیعہ گروہ قزلباش کا صفوی سلطنت کی توسیع میں اہم کردار رہا ہے۔ قزلباش کے لیے شاہ اسماعیل صفوی اول نہ صرف روحانی وسیاسی پیشوا تھا بلکہ خدا کا نائب سمجھا جاتا تھا۔

شاہ اسماعیل صفوی اول نے تبریز پر قبضہ کرنے کے فوری بعد اولین قدم اٹھاتے ہوئے عربوں کے اقتدار کے بعد پہلی بار ایران کو آزادانہ حیثیت دی اور مکتب اہل بیت یعنی شیعیت بالخصوص مذہب اثنا عشری کو نئی تشکیل شدہ ریاست کا مذہب قرار دیا جو آج تک جاری ہے۔ اسی وقت سے شاہ کو امام مستتر و منتظر کا نائب اور مجتہدین کو شاہ کا ترجمان مانا جانے لگا جو حکمران اور عوام کے درمیان رابطہ کا ایک ذریعہ تھے۔ شاہ اسماعیل اول صرف بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ اسے مرشد کامل کی حیثیت حاصل تھی جو نور الٰہی اور ذات الوہیت کا مظہر خیال کیا جاتا تھا۔ اپنے پہلے حکم کے ذریعہ اس نے آذربائیجان، جنوبی داغستان اور آرمینیا کے ساتھ دیگر کئی سنی اکثریت والے علاقوں میں اثنا عشری شیعیت کو ریاستی مذہب قرار دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ دو ہمسایہ سنی ریاستوں یعنی مغرب کی سلطنت عثمانیہ اور مشرق کے ازبکوں کے مقابلے میں ایران کو ایک علاحدہ اور منفرد شناخت حاصل ہو۔ شیعیت کو ریاستی مذہب تسلیم کرنے کا فیصلہ شاہ اسماعیل صفوی اول کے عہد کا اہم کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ ایران کے جدید مورخین کا خیال ہے کہ شیعہ مذہبی تسلط کے قیام نے بالآخر ایران کو سلطنت عثمانیہ میں شامل ہونے سے بچالیا۔ لیکن شاہ اسماعیل صفوی اول کے مذکورہ بالا اقدام نے شیعہ اور سنیوں کے درمیان سیاسی حد بندی اور مخالفت کی واضح لکیر کھینچ دی۔ تاریخ اسلام کا یہ پہلا ایسا واقعہ تھا جہاں ایران کی نئی مذہبی سرحدوں نے شیعوں کو سنیوں سے جدا کر دیا تھا۔ واضح رہے کہ ایران میں اکثریت سنی حکمرانوں کی رہی تھی اور مذہب بھی اہل سنت کا تھا۔ یہ ملک کبھی حاکم نیشاپوریؒ، ابن جریر طبریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شہاب الدین سہروردیؒ، بایزید بسطامیؒ، معروف کرخیؒ، شمس تبریزیؒ، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ، خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ، نجم الدین کبریؒ، شاہ نعمت اللہ ولیؒ، امام غزالیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، ابن سینا، فریدالدین عطارؒ، مولانا رومؒ، اور شیخ سعدیؒ، حافظ شیرازیؒ، عبدالرحمٰن جامیؒ، جیسے سنی تاریخ داں، محدثین کرام، علماء، صوفیاء، صلحاء، فلاسفہ اور دیگر مفکرین کا مبداء و مسکن رہا ہے۔ سطور بالا میں واضح کیا جا چکا ہے کہ صفوی سلطنت کی بنیاد مذہب پر ہے۔ لہٰذا ریاست کے مذہبی و سیاسی پہلوؤں کے درمیان کوئی واضح فرق نہیں کیا جاتا تھا اسی لیے شاہ کے نائب یا ریاست کے اعلیٰ ترین افسر کو ''وکیل نفسِ نفسِ ہمایوں'' کہا جاتا تھا جو حکمران کی طرف سے مذہبی و سیاسی معاملات میں نمائندگی کرتا تھا اور اسی پر ریاست کے مذہبی و سیاسی امور کے منظّم انتظام کی ذمہ داری تھی۔

ایران میں سنیت سے شیعیت کی صفوی تبدیلی کا عمل تقریباً 16 ویں صدی عیسوی سے 18 ویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔ یہ عمل تاریخ اسلام کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا چونکہ شافعی و حنفی مذہب کے پیروکار سنیوں کی اکثریت والا ملک ایران اب شیعہ اکثریت والے ملک میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس سے قبل ایران میں شیعہ اقلیت میں تھے۔ شاہ اسماعیل صفوی اول کے اس اعلان کے ساتھ ہی نہ صرف ایران کے اندر ہم خیال لوگوں میں اتحاد کی راہ ہموار ہوئی بلکہ بیرون ایران بشمول سیریا، بصرہ، اناطولیہ، رومی ایلی علاقوں میں مقیم شیعہ حضرات کی کثیر آبادی کو متحد ہونے کا زریں موقع مل گیا چونکہ شاہ اسماعیل صفوی اول نے بیرون ایران مقیم تمام شیعوں کو ایران آنے کی دعوت دی اور انہیں سنی اکثریت سے تحفظ فراہم کرنے کی یقین دہانی بھی کروائی گئی۔ اس طرح ایران میں پہلی مرتبہ شیعہ حکومت قائم ہوئی اور میر داماد، فیض کاشانی، ملا صدرا اور محمد باقر مجلسی جیسے ممتاز و معروف فقہاء

کو اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے کا بھر پور موقع ملا۔اسی زمانے میں مرثیہ خوانی کی صنف مقبول عام ہوئی اور محتشم کاشانی جیسے مرثیہ خواں سے لوگ آشنا ہوئے۔ چونکہ تبریز کی دوتہائی آبادی سنی تھی اسی لیے خود شیعی علماء نے فکری وعقیدتی افکار پر تشیع کو حکومتی مذہب تسلیم کرنے کے شاہ اسماعیل اول کے اس اقدام کی سخت مخالفت کی لیکن سخت سنی مخالف شاہ اسماعیل صفوی اول پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔شاہ اسماعیل صفوی اول نے شیعیت کو پھیلانے میں تشدد اور تعصب کا مظاہرہ کیا، تبدیلی مذہب کے لیے پالیسیاں نافذ کیں، تبرا کی رسم کو تمام مساجد میں نافذ کیا، سنی طریقت کو تحلیل کیا، مزاحمتی سنی علماء کو مذہب تبدیل کرنے یا جلاوطن ہونے کا انتخاب دیا۔اس نے جنوبی لبنان کے جبل عامل، شام، مشرقی عربستان، اور جنوبی عراق سے شیعہ علماء کو مدعو کیا۔یہیں سے ایران کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے جسے ایران کا شیعی دور کہا جا سکتا ہے۔

ایرانی تاریخ میں شاہ اسماعیل صفوی اول کی حکمرانی مختلف فتوحات کے حوالے سے بھی بہت اہم ہے۔اس کی فتوحات میں وسطی ایشیاء کے داغستان کی سرحد تک کا علاقہ، تبریز، کردستان، عراق عجم اور فارس کے علاقے، ارض روم، ماژندران، خوزستان، بغداد، آرمینیا، خراسان شامل تھے۔ اسی کے دور حکمرانی میں صفوی حکومت کے سرحدیں جنوب میں شیراز و یزد، مشرق میں استراباد، مغرب میں بغداد و موصل تک پھیل چکی تھیں۔ تیموریوں کے زوال کے بعد ایران تقریباً دس چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم ہو گیا تھا ان میں سب سے زیادہ طاقتور حکومت آق قویونلو ترکمانوں کی تھی۔شاہ اسماعیل صفوی اول نے 1499ء میں سات ہزار قزلباش کے ہمراہ آق قویونلو حکومت کا خاتمہ کر کے تبریز پر قبضہ حاصل کر لیا۔1502ء میں ایرزنکن اور ایرزورم کے علاقے اس کے قبضہ میں آ گئے۔آق قویونلو کے شہزادوں کے مسلسل حملوں کو پسپا کیا اور بالخصوص سلطان مراد کو ہمدان کے قریب 20 جون 1503ء کو شکست دی۔جنوبی و مغربی ایران کے شہری مراکز بشمول اصفہان، شیراز، یزد اور کرمان نے صفوی حکمرانی کو قبول کر لیا۔علاوہ ازیں 1503ء میں شاہ اسماعیل صفوی اول ہمدار میں آق قویونلو کی باقی افواج کو شکست دیکر وسطی و جنوبی ایران پر قبضہ حاصل کر لیا۔اسی سال اس نے عراق عجم کا علاقہ بھی فتح کر لیا۔1504ء میں شاہ اسماعیل نے مازنداران، گرگان اور یزد کو فتح کیا۔1505ء اور 1508ء کے درمیان آق قویونلو کی اہم زمین دیار بکر اور جنوب مغربی ایران اور بغداد کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔1509ء میں شیروان کو مسخر کر لیا اور اسی سال ازبک افواج نے صفوی علاقہ کرمان پر حملہ کر دیا۔شاہ اسماعیل صفوی اول نے شیبانی خان کو مغرب کی طرف پیش قدمی سے روکنے کے لیے دو سفارت کار روانہ کیے۔اس کے جواب میں شیبانی خان نے شاہ اسماعیل صفوی اول سے ازبک کی بالادستی کو قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔1510ء میں ازبک قبائل کو مضبوط و مستحکم کرنے اور خانیت بخارا کی داغ بیل ڈالنے والے ازبک کے رہنما محمد شیبانی (1510-1451ء) کو مرو کے قریب طاہر آباد میں ہونے والی جنگ میں شاہ عباس صفوی اول نے شکست دیکر خراسان کو بھی اپنی سلطنت کا حصہ بنالیا۔اس طرح وہ ایران، عراق اور شیروان کا بلاشرکت غیر حکمراں بن گیا۔1511ء میں اس نے ازبک سے سمرقند اور بخارا کو واپس لینے میں بابر کی مدد کی۔ڈینیل ڈ۔ براؤن کے مطابق مصر کے فاطمیوں کے سقوط کے بعد شاہ اسماعیل صفوی اول کامیاب ترین شیعہ حکمران تھا۔

1512ء میں ازبکوں نے صفوی سلطنت کو گدوان کی جنگ میں شکست دی۔سلطان سلیم اول (1512ء تا 1520ء) نے سن 1514ء میں چالدران کی جنگ میں شاہ اسماعیل صفوی اول کو شکست دیکر فیصلہ کن فتح حاصل کی اور عراق کے بالائی علاقے بشمول موصل، کرد اور دجلہ پر قبضہ کر لیا اور زخمی شاہ اسماعیل صفوی اول کو راہ فرار اختیار کرنا پڑا۔سلطان سلیم اول ایک سو توپوں اور بندوقوں کے ساتھ مسلح جاں نثاروں اور ساٹھ تا ایک لاکھ فوجیوں کے ساتھ میدان میں آیا تھا جبکہ شاہ اسماعیل صفوی اول کی فوج کی تعداد محض چالیس تا اسی ہزار تھی۔چالدران شکست کے ساتھ ہی صفوی

سلطنت کے پہلے دور کا اختتام ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جنگ کے بعد شاہ اسماعیل صفوی اول اپنے آخری دس سالہ دور حکومت میں کسی جنگی مہم میں حصہ نہیں لیا مذکورہ بالا شکستوں کے باعث صفوی سلطنت کا وقار بری طرح متاثر ہوا جس کی وجہ سے حلیفوں میں سیاسی تبدیلیاں رونما ہونی شروع ہوگئیں اور قبائلی رہنماؤں کو فیصلہ کن اختیار مل گیا۔ اس طرح ان کے غلبہ حاصل کرنے کے لیے کی جانے والی جدو جہد صفوی سیاست میں مرکزی حیثیت حاصل کرگئی۔ چالدران شکست کے بعد شاہ اسماعیل صفوی اول کا اعتماد ٹوٹ گیا اور وہ سلطنت اور فوج کے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر اس معرکہ میں اسے شکست نہ ہوئی ہوتی تو مشرق وسطی آج شیعہ مسلک کا پیروکار رہوتا۔

شاہ اسماعیل صفوی اول ترکی زبان کا صاحب دیوان شاعر بھی تھا جس کا تخلص ''خطائی'' تھا۔ گرچہ ایران کی زبان فارسی تھی لیکن آذربائیجان کی اکثریت ترکی بولتی تھی اسی لیے شاہ اسماعیل صفوی کی زبان بھی ترکی تھی۔ استنبول سے اس کا ترکی دیوان بھی شائع ہوا۔ اس کے اشعار میں تصوف کا رنگ اور اہل بیت کی محبت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ شاہ اسماعیل صفوی اول کی ادبی خدمات کا آذربائیجانی اور فارسی زبان وادب کے ارتقاء میں اہم کردار رہا ہے لیکن اس کی فارسی تخلیقات کا بڑا حصہ ناپید ہے۔ شاہ اسماعیل صفوی اول نصف دنیا کو فتح کرنے اور تاریخی کارنامے انجام دینے کے بعد 37 سال کی عمر 23 مئی 1524ء میں انتقال کرگیا اور اسے اردبیل میں دفن کیا گیا۔ شاہ طہماسپ صفوی اول اس کا جانشین مقرر ہوا۔

22.3 شاہ طہماسپ صفوی اول (1514-1576ء)

طہماسپ صفوی اول کی ولادت 3/ مارچ 1514ء کو شاہ آباد نزد اصفہان میں ہوئی۔ شاہ اسماعیل صفوی اول کے انتقال کے بعد اس کا بڑا لڑکا طہماسب صفوی اول سلطنت کی ریڑھ کی ہڈی تصور کی جانے والی قزلباش فوج کی حمایت اور سرپرستی سے سلطنت کے دوسرے بادشاہ کی حیثیت سے تخت نشین ہوا چونکہ اس وقت اس کی عمر محض 10 سال تھی۔ قزلباش کی بالادستی کے سبب اس وقت صفوی سلطنت کی بنیادیں کچھ عرصہ کے لیے متزلزل ہوگئی تھیں۔ بالآخر شاہ طہماسپ صفوی اول توازن قائم رکھنے اور تقریباً چالیس سال تک ان کے ساتھ بہتر تعلقات کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہا۔ اس طرح شاہ طہماسپ صفوی اول نے سب سے زیادہ تقریباً 52 سال تک حکمرانی کی جو کسی بھی دوسرے صفوی بادشاہ سے طویل دور حکومت رہا ہے۔ اس طرح وہ ان مسلم حکمرانوں کی فہرست میں شامل ہوگیا جنہوں نے 50 یا اس زائد عرصہ تک حکومت کی۔ شاہ طہماسپ صفوی اول کو اپنے نڈر بھائی بہرام مرزا کی طرف سے ہمیشہ حمایت وتائید حاصل رہی۔ شاہ طہماسپ صفوی اول کے دوسرے دو بھائیوں یعنی خراسان کے گورنر سام مرزا اور شیروان کے گورنر القاص مرزا کی بغاوت اس کے لیے بڑے غم اور صدمہ کا سبب بنا۔

شاہ طہماسپ صفوی اول کا دور حکومت سلطنت عثمانیہ کے مسلسل جنگ اور دیگر داخلی وخارجی اسباب وعلل کی وجہ سے ہنگامہ خیزیوں اور شورشوں سے پر رہا۔ وہ ذاتی طور پر بے شمار خداداد صلاحیتوں کا مالک تھا۔ شاہ اسماعیل صفوی اول کے انتقال کے بعد دیو سلطان روملو، سلطان تکلو، کپک سلطان استاجلو جیسے سرکش حکمرانوں سے جھڑپوں، داخلی بحرانوں، اجتماعی تضادات کے باعث ملک ایران شرق تا غرب عدم استحکام اور کشمکش کا شکار رہا جسے دیکھ کر یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ صفوی سلطنت کو کوئی بقا ودوام حاصل ہوگا لیکن شاہ طہماسپ صفوی ان تمام نامساعد حالات اور شیبائی خان کے لڑکے جنید خان اور ترکوں کے متعدد حملوں کے باوجود ایران میں امن وامان اور جارجیا یا گرجستان پر ایرانی قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہوا۔ طہماسپ صفوی اول نے سن 1529ء میں بغداد کا علاقہ دوبارہ حاصل کر کے محمد سلطان خان تکالو کے حوالہ کردیا۔ سن 1534ء میں سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیمان اول نے صفوی گورنر محمد سلطان خان سے دوبارہ بغداد حاصل کرلیا۔ اس کے بعد سے بغداد شہر سلطنت عثمانیہ کا اٹوٹ حصہ رہا سوائے

1623ء سے 1638ء تک جب صفوی سلطنت نے بغداد کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔

1530ء کے بعد شاہ طہماسپ صفوی اول نے آہستہ آہستہ اپنے آپ کو اس قدر طاقتور بنالیا کہ قبائل کے سامنے مجبور ہونے کے بجائے قبائل کو اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد قبائل کا اثر و دبدبہ پھر بڑھ گیا جو شاہ عباس صفوی اول کے دور تک جاری رہا۔ 1524ء اور 1538ء کے دوران ازبکوں نے خراسان پر پانچ بڑے حملے کیے۔ مغرب میں سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیمان نے مکمل فوجی طاقت کے ساتھ آذربائیجان پر چار حملے کیے۔ 34-1533ء میں سلطنت عثمانیہ کے وزیر اعظم ابراہیم پاشا کی زیر نگرانی افواج نے جب پہلا حملہ کیا تو اس وقت اس کی فوج کی تعداد نوے ہزار تھی جبکہ طہماسپ صفوی اول کی فوج صرف ستر ہزار فوجیوں پر مشتمل تھی ان میں سے بھی بہت سارے لوگوں کی وفاداری مشکوک تھی اس کے باوجود شاہ طہماسپ اول اپنے ملک کے دفاع میں کامیاب رہا یہ اس لیے ممکن ہو سکا چونکہ اس میں ہمت اور فوجی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔

سیاسی اور مذہبی اختلافات کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ اور صفوی سلطنت ہمیشہ برسرِ پیکار رہی ہیں۔ چونکہ شاہ طہماسپ صفوی اول کے عہد حکمرانی میں صفوی سلطنت انتظامی نظام ابھی تبدیلی اور ارتقاء کے عمل سے گزر رہی تھی اسی سبب سلطنت عثمانیہ کی افواج نے تین مرتبہ یعنی سن 1534ء، 1538ء اور 1543ء میں ایران پر حملہ کیا اور اپنے کھوئے ہوئے علاقوں کو بازیاب کرنے اور دیگر نئے علاقے فتح کرنے میں کامیاب ہوئے۔ صفوی سلطنت میں ہونے والے داخلی خلفشار کے باعث شاہ طہماسپ صفوی اول کے لیے ممکن نہ تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی افواج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں سرحدی علاقوں میں عدم تحفظ کی وجہ سے شاہ طہماسپ صفوی اول نے سن 1555ء میں دفاعی حکمت عملی اختیار کی اور اپنا دارالخلافہ تبریز سے قزوین منتقل کیا۔ اسی سال سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیمان کے ساتھ شہر اماسیا میں ایک امن معاہدہ کیا۔ اسی مناسبت سے یہ معاہدہ ''معاہدۂ اماسیا'' کے نام سے مشہور ہے۔ ایلزبتھ اول نے جب سلطنت عثمانیہ کے خلاف ایران کی مدد حاصل کرنے کی غرض سے ان کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی تو شاہ طہماسپ صفوی اول نے اس پیشکش کو یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ ''ہم کافروں سے دوستی نہیں کرتے''۔ شاہ طہماسپ صفوی اول کے ان دور اندیش فیصلوں کا ہی ثمرہ تھا کہ صفوی سلطنت کا زائد از تیس سال سلطنت عثمانیہ کے ساتھ امن برقرار رہا۔ اس طرح اس نے صفوی سلطنت کو ایسی اساس فراہم کی جو ایران میں صفوی سلطنت کے زوال تک قائم رہی۔

شاہ طہماسپ صفوی اول کی تائید و حمایت کا ہی نتیجہ تھا کہ 1543ء میں بابر کا بیٹا ہمایوں اپنی سلطنت بحال کرنے میں کامیاب ہوا جسے شیر شاہ نے ہندوستان سے نکال دیا تھا۔ شاہ طہماسپ صفوی اول نے ہمایوں کی فوجی مدد کی۔ شاہ طہماسپ صفوی اول اپنے آخری ایام میں عوامی و سیاسی امور پر بہت کم توجہ دینے لگا تھا اور محل میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ شاہ طہماسپ صفوی اول کی وفات بمقام قزوین سن 1576ء میں ہوئی۔ اس کے جانشینوں کی نااہلی کے سبب ایران پر ترکوں کے حملوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

22.4 شاہ اسماعیل صفوی دوم (1577-1537ء)

اسماعیل مرزا المعروف بہ اسماعیل صفوی دوم کی پیدائش 31 مئی 1537ء کو قم میں ہوئی۔ پیدائش کے وقت اس کے ماموں موسیٰ سلطان موصلوی ترکمان تبریز کا گورنر تھا۔ موسیٰ سلطان موصلوی کو عام طور پر اسماعیل صفوی دوم کا نانا تصور کیا جاتا ہے جو غلط ہے۔ 1574ء میں شاہ طہماسپ اول بیمار رہا اور دو دفعہ قریب المرگ ہو چکا تھا اس کے باوجود اس نے اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا۔ 1576ء میں شاہ طہماسپ اول کی وفات کے بعد

سب سے بڑا سوال یہ ابھرا کہ اس کا جانشین کون ہوگا؟ قزلباش دو گروہوں میں منقسم ہوگیے۔ ایک گروہ شاہ طہماسپ صفوی اول کے بیٹے اسماعیل صفوی دوم کی تائید کرنے کے حق میں تھا جس کی والدہ کا تعلق ترکمان سے تھا۔ جبکہ دوسرا گروہ شاہ طہماسپ اول کے لڑکے حیدر میرزا صفوی کی حمایت کر رہے تھے جس کی والدہ جارجیائی کنیز تھی۔ شاہ طہماسپ صفوی اول کے انتقال کے بعد جارجیائی گروہ نے استاجلو قبیلہ کی تائید کی اور حیدر کو تخت پر بٹھانے کی ناکام کوشش کی۔ اس گروہ کو قزلباش کے سرکیسی اور کرد فوجیوں نے شکست دی اور حیدر کو قتل کر دیا۔ بعد ازاں روملو قبیلہ اور سرکیسی باشندوں نے سرکیسی غلام کو پیدا ہونے والے شہزادہ کو تخت پر بٹھانا چاہا لیکن یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی۔ بالآخر انہیں احساس ہوا کہ ان کے مفادات کا بہتر تحفظ اتحاد میں ہے لہٰذا تیس ہزار قزلباش متحد ہوئے اور اسماعیل صفوی دوم کی حمایت و تائید کا اعلان کیا۔ اس طرح شاہ اسماعیل صفوی دوم 22 اگست سن 1576ء میں بمقام قزوین تخت نشین ہوا جس کے پیچھے اس کی بہن پری خان خانم کا بھی اہم کردار رہا ہے۔

شاہ اسماعیل صفوی دوم کا دور حکومت (78-1576ء) صرف ایک سال تین ماہ رہا لیکن اس کے باوجود اس کا عہد صفوی سلطنت کی تاریخ میں اس حوالہ سے اہمیت کا حامل ہے چونکہ اس نے سنی مخالف چلن کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے مساجد میں پہلے تین سنی خلفاء پر تبرا کرنے اور تبرا کرنے والے طبقہ پر پابندی لگائی۔ اس نے شاہ اسماعیل صفوی اول کے بالکل برعکس قدم اٹھاتے ہوئے شیعہ علماء کی جگہ سنی علماء جیسے مولانا مرزا جان شیرازی اور میر مخدوم لالہ کا تقرر کیا۔ شیعہ علماء کی لکھی گئی کتابوں کو ضبط کروایا۔ اسی لیے قزلباش نے شاہ اسماعیل صفوی دوم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ شاہ کی منشیات کی لت نے ان کی سازش کو بہت آسان بنا دیا۔ چونکہ شاہ کے رشتے اپنی بہن پری خان خانم سے بگڑ چکے تھے اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہ بہن کو سازش میں شامل کر لیا گیا اور اسی کی ملی بھگت سے شاہ کے منشیات میں زہر ملا دیا گیا۔ اس سازشی پہلو کو تقویت اس لیے بھی ملتی ہے چونکہ جب 25 نومبر 1577ء کو شاہ اسماعیل صفوی دوم کی اچانک موت واقع ہونے پر شاہی طبیبوں نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ شاید اسے زہر دیکر ہلاک کیا گیا ہے۔ شاہ اسماعیل صفوی دوم کے سنی موافق پالیسی اختیار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ شاہ اسماعیل صفوی دوم چاہتا تھا کہ اسے ایران میں مقیم سنیوں اور سلطنت عثمانیہ کی حمایت حاصل ہوجائے تاکہ وہ داخلی و خارجی طور پر مضبوط و مستحکم ہوجائے۔ شاہ اسماعیل صفوی دوم کے انتقال کے بعد محمد خدابندہ اس کا جانشین مقرر ہوا۔

22.5 شاہ عباس صفوی اول (1629-1571ء)

صفوی سلطنت کے چوتھے بادشاہ محمد خدابندہ آشوب چشم کا شکار ہونے کی وجہ سے وہ تقریباً نابینا ہو چکا تھا اور وہ حکومت چلانے سے اور قزلباش کو قابو میں رکھنے سے قاصر ہوگیا تھا۔ یکم اکتوبر 1588ء کو جب محمد خدابندہ کو محسوس ہوا کہ اس کا وجود بے قابو طاقتوں کے رحم و کرم پر ہے تو اس نے اپنی بادشاہت اپنے سترہ سالہ بیٹے شاہ عباس صفوی اول کے حوالہ کر دیا۔ صفوی سلطنت کے پانچویں بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے والے شاہ عباس صفوی اول کا شمار ایران اور صفوی سلطنت کے عظیم حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ نازک حالات میں صفوی سلطنت کی باگ ڈور سنبھالنے کے باوجود صفوی سلطنت کو مستحکم کرنے کے لیے متعدد اصلاحی اقدامات کیے۔ شاہ عباس صفوی اول نے شاہ اسماعیل صفوی اول کی طرح سنیوں کو ناقابل اعتماد سمجھتا تھا۔ شاہ عباس نے شیعیت کو فروغ دینے کے لیے انتظامیہ میں متعدد تبدیلیاں لائیں۔ اپنے عہد میں اس نے زیادہ سے زیادہ عرب شیعہ علماء کو ایران آنے کی دعوت دی اور ان کے لیے مدارس قائم کیے اور مذہبی ادارے بنوائے اور حکومتی معاملات میں ان سے رہنمائی حاصل کی۔ شاہ عباس صفوی اول کے عہد میں صفوی سلطنت اپنے عروج کو پہنچی جب اس نے مغرب میں سلطنت عثمانیہ اور مشرق میں ازبک سلطنت کو

شکست دی۔اس کا دورحکومت صفوی سلطنت کا عہد زریں اور وہ خود صفوی سلطنت کا عظیم بادشاہ کہلاتا ہے۔اس کا رعایا سے تعلق بہت مضبوط تھا۔وہ بازاروں سے ظلم اور رشوت کے خاتمہ کے لیے شخصی دلچسپی لیتا تھا۔اس نے انتظامی اور ثقافتی امور میں بہت ساری اصلاحات کیں۔اندرون ملک پھیلی بدامنی،صوبوں کے امراء کی سرکشی اور فوج کی محدود طاقت وصلاحیت کے باعث اس نے 1590ء میں سلطنت عثمانیہ سے ناموافق شرائط پر صلح کرتے ہوئے آذربائیجان،گرجستان اور لورستان کا ایک حصہ ان کے حوالے کردیا۔علاوہ ازیں سلطنت عثمانیہ کو اپنے اعتماد میں لینے کے لیے تبرا کرنے کی رسم کو بند کروادیا۔

مرشد قلی خان جس نے شاہ عباس صفوی اول کی تخت نشینی میں اہم کردار نبھایا تھا سلطنت کا اہم، باثر اور طاقتور انسان بن گیا جسے دیوان اعلی کے وکیل کا لقب دیا گیا۔شاہ عباس صفوی اول کی کمسنی اور تجربہ کی کمی کے باعث مرشد قلی خان استاجلو نے وکیل کی حیثیت سے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی۔دربار کے دفتروں اور صوبائی گورنروں کو دوبارہ منظّم کیا۔مرشد قلی خان کو اپنے بڑھتے اثر ورسوخ کی وجہ سے قزلباش سربراہوں سے خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔اسی اثناء میں عباس صفوی اول نے استاجلو یا دیگر کسی قبیلہ کے آلہ کار کے طور پر نہیں بلکہ شاہ کی حیثیت سے اپنے لیے بالخصوص قزلباش سربراہوں سے حمایت حاصل کرنے کی کوششیں تیز کردیں۔شاہ اسماعیل صفوی اول کے زمانے سے ہی لوگ بادشاہ کو روحانی پیشوا ماننے میں پس وپیش کررہے تھے۔لہٰذا شاہ عباس صفوی اول نے لوگوں سے مطالبہ کیا وہ اس کی صوفی اور امام سے زیادہ بادشاہ کی حیثیت سے تائید وحمایت کریں۔اپنی حیثیت کو مستحکم ومضبوط بنانے کے لیے اس نے شاہی سیوانی کا تصور متعارف کروایا جس کے لغوی معنی شاہ کے لیے محبت کے ہیں۔شاہ عباس صفوی اول نے 23 جولائی 1589ء کو مرشد قلی خان کو پھانسی دے دی جس کے ساتھ ہی اس کے اصل عہد حکمرانی کا آغاز ہوتا ہے۔اس نے اپنے منصب کو بچانے کے لیے اپنے ہی خاندانوں والوں کے خلاف بھی سخت اقدامات کیے۔1615ء میں اس نے اپنے بڑے لڑکے محمد باقر مرزا المعروف بہ صفی کو خفیہ سازش کرنے کے شک میں پھانسی دے دی۔دیگر دو بچوں کو 1621ء اور 1626ء میں نابینا بنادیا۔شاہ عباس صفوی اول کے ان سخت ترین اقدامات سے شاہی خاندان مستحکم ہوا۔شاہ عباس صفوی اول کا دور نہ صرف صفوی سلطنت کے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے لحاظ سے قابل قدر ہے بلکہ صفوی سلطنت کے اپنی مذہبی تشخص سے باہر نکلنے کے اعتبار سے بھی اہم ہے۔اس نے مذہبی شخصیات کو ریاست کے معاملات میں داخل اندازی کرنے سے باز رکھا جس کی وجہ سے صفوی سلطنت سیکولر سلطنت بن گئی۔حکومتی اور مذہبی اداروں میں بڑھتی اس خلیج کا اختتام سن 1978ء میں اسلامی جمہوریہ ایران کے قیام پر ہوا۔

صفویوں کا دارالحکومت تبریز چونکہ ہمیشہ سلطنت عثمانیہ زد کی میں رہتا ہے اسی لیے شاہ عباس صفوی اول نے سن 98-1597ء میں ایران کے وسط میں واقع صوبہ فارس کے علاقہ اصفہان کو اپنا دارالخلافہ اور اس شہر کو صفوی سلطنت کے تعمیراتی کارناموں کا مرکز بنادیا۔قدرتی مناظر کا حامل شہر اصفہان دنیا کے خوبصورت شہروں میں سے ایک ہے۔اسی شہر میں شاہ عباس صفوی اول یوروپ اور انگلینڈ سے آنے والے سفارتی اور تجارتی وفود سے ملاقات کرتا تھا۔دارالخلافہ کی اس تبدیلی سے اس کے نئے سیاسی عزائم کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔شہر اصفہان کو خوب ترقی دی گئی اور شاہ عباس صفوی اول نے یہاں جامع مسجد،قصر چہل ستون،زندہ رود ندی کے دو پل اور چہار باغ جیسی پرشکوہ عمارتیں تعمیر کروائیں اسی وجہ سے اصفہان کو نصف جہان کہا جانے لگا۔دارالخلافہ کی تبدیلی کے اس فیصلہ کے باعث ایرانی فن تعمیر کو بہت فروغ ملا۔اس دور میں تعمیر ہونے والی عمارتیں تاریخ ایران کی سب سے زیادہ خوبصورت اور پرکشش عمارتیں ہیں۔ایرانی فن تعمیر کے اثرات مغلیہ سلطنت کے جہانگیر اور شاہجہاں کے ادوار میں تعمیر ہونے والے محلات،مساجد،گنبدوں میں صاف نظر آتے ہیں۔

شاہ عباس صفوی اول کا سب سے اہم قدم غلامان فوج کا تیار کرنا ہے جو جارجیا، قفقاز (جو آج کل روس کا حصہ ہے) اور آرمینیائی خطہ سے قید کیے گئے نومسلم قیدیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے اس اقدام سے صفوی سلطنت کا پورا ڈھانچہ بدل گیا۔ غلامان فوج کو تیار کرنے کا ایک اہم مقصد سلطنت کے لیے خطرہ بن چکے بے قابو قزلباش کے اثر کو کم کرنا تھا۔ شاہ عباس صفوی اول نے مرکزی حکومت کے اعلی انتظامیہ عہدوں پر مامور قزلباش سربراہوں کی جگہ غلامان کا تقرر کیا۔ قلیل عرصہ میں، ان اقدامات کا اثر انتظامی نظام کے سماجی وگروہی ڈھانچے میں ہونے والی تبدیلیوں میں ظاہر ہوا۔ شاہ عباس صفوی اول نے صوبائی انتظامیہ میں بھی اہم تبدیلیاں لائیں اور صوبوں کو ممالک (صوبائی) سے خاص (مرکزی حکومت) انتظامیہ میں منتقل کیا۔ یہ قدم اٹھانا اس کے لیے اس لیے ضروری ہو گیا تھا چونکہ ممالک (صوبوں) کی حکمرانی قزلباش کے ہاتھوں میں تھی جو محصولات کا بڑا حصہ اپنے پاس رکھتے اور مرکز کو برائے نام حصہ دیتے یا بالکل نہیں دیتے۔ جبکہ خاص (صوبے) اپنی محصولات مرکزی خزانہ میں جمع کرواتے۔ ممالک (صوبوں) کو خاص (صوبوں) میں منتقل کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ اقتدار کا توازن قزلباش سے حکمران کو منتقل ہو گیا۔ چونکہ قزلباش جو محصول وصول کیا کرتے تھے انہیں برخواست کر دیا گیا اور ان کی جگہ محصول وصول کرنے کے لیے غلامان کو اہم عہدوں پر فائز کیا گیا اور جن قزلباش نے محصول وصول کرنے میں کوتاہی برتی ان کے خلاف سخت اقدامات کیے گئے جس کی وجہ سماجی، ثقافتی اور معاشی سطح پر بہت ساری تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ نئے محصولات کا استعمال شاہ عباس صفوی اول نے اصفہان میں نئے شاہی دار الحکومت کی تعمیر اور فوجی اصلاحات پر کیا۔ کچھ معاملات میں منتقلی کا یہ فیصلہ قزلباش سے صوبوں کو حاصل کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوا۔ اس طرح صفوی سلطنت پر قزلباش کے اثر ورسوخ کا دوسرا اور آخری دور اختتام پذیر ہوا۔

صفوی سلطنت کو قزلباش گروہ کی طرف سے کمزور کیے جانے کے بعد یہ سلطنت اپنی روایتی حریف سلطنتوں یعنی سلطنت عثمانیہ اور ازبکوں کے رحم وکرم پر ہوگئی تھی۔ متعدد دفعہ کوششیں کرنے کے باوجود 1585ء سے تبریز کے قلعہ پر سلطنت عثمانیہ کے افواج کا قبضہ تھا۔ دوسری طرف 1589ء میں ازبک افواج مشہد اور سرخس کا محاصرہ کرنے کے لیے پیش قدمی کر رہی تھیں۔ ایسے عالم میں شاہ عباس صفوی اول کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ محدود فوجی طاقت کے ساتھ بیک وقت دو محاذوں پر لڑنا ممکن نہیں ہے اسی لیے 21 مارچ 1590ء کو اس نے سلطنت عثمانیہ سے مذاکرات کی شروعات کی۔ صفوی سلطنت کے نمائندوں نے سلطنت عثمانیہ کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کیے اور آذربائیجان، قاراباغ، عراق کا پورا علاقہ شروان، داغستان، کردستان اور لرستان کے کچھ علاقوں سے دستبردار ہو گئے۔ اس سے پہلے صفوی سلطنت کے علاقوں میں سلطنت عثمانیہ کا اس طرح کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔

سن 1598ء میں ازبکوں کے طاقتور حکمران عبداللہ خان کے انتقال کے ساتھ ہی ازبکوں کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہ عباس صفوی اول نے 29 رجولائی کو مشہد پر قبضہ کر لیا اور 5 راگست کو ہرات کے باہر ازبکوں کو شکست دی اور خراسان سے نکال دیا۔ 1603ء میں جب ایک کرد سردار نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کر دی تو اس موقعہ کی نزاکت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تبریز کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اسی طرح 1604ء میں مشرقی اناطولیہ کے علاقہ ایروان کو فتح کر لیا۔ 1605ء میں صفوی فوج نے سلطنت عثمانیہ کی فوج کو کچل دیا۔ یہ عظیم فتح صفوی سلطنت کو بندوق بردار فوج کے ساتھ افسر شاہی سیاست میں تبدیل کرنے میں اہم سنگ میل ثابت ہوا شاہ عباس صفوی اول نے صفوی سیاست میں بڑی تبدیلیاں لائیں اور قبائلی حلیفوں کے تعاون سے چلائے جانے والے اقتدار کو افسر شاہی سلطنت میں تبدیل کر دیا اور وہ خود محدود ذمہ داریوں کے ساتھ وزیر اعلی کی سربراہی میں کام کرنے والی افسر شاہوں پر اعتماد کرتا رہا۔۔ افسر شاہی کی بالا دستی 1722ء میں صفوی سلطنت کے زوال تک جاری رہی۔

سن 1602ء میں پرتگالی تاجروں نے خلیج فارس میں جزیرے ہرمز کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ 1622ء میں شاہ عباس صفوی اول نے

مغلوں سے قندھار اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدد سے پرتگالیوں سے یہ بندرگاہ چھین لی اور خلیج فارس کے ساحل پر ایک نئی بندرگاہ تعمیر کی جو آج بھی اسی کے نام سے معنون ہے اور بندر عباس کہلاتی ہے۔ یہ برآمدات بالخصوص ریشم کی برآمد کا اہم مرکز بن گیا۔ اسی سال اس نے قندھار پر بھی قبضہ حاصل کرلیا جو پہلے تیموری سلطنت کے زیر نگرانی تھا۔ شاہ عباس صفوی اول نے فوج میں بہت ساری اصلاحات کیں اور فوج کو تین دستوں (یعنی غلامان، تفنگچی اور توپچی) میں تشکیل دیا، قزلباش کی طاقت کو کم کردیا گیا اور آتشی اسلحہ کے استعمال میں اضافہ کیا گیا۔ یہ وہ دور تھا جب سلطنت عثمانیہ اور مغلیہ سلطنت میں توپوں کا استعمال بکثرت کیا جانے لگا تھا۔ شاہ عباس صفوی اول نے ایرانی فوج کو منظم، آتشیں ہتھیاروں اور توپوں سے مسلح کرنے میں دو انگریز بھائیوں انتھونی شرلے اور رابرٹ شرلے سے مدد حاصل کی جنہوں نے آگے چل کر ایران میں توپ سازی کی صنعت کا آغاز کیا اس طرح ایرانی افواج توپ سے مسلح ہوگئی۔ سن 1603ء میں شاہ عباس صفوی اول نے ترکوں کو شکست دیکر مقبوضہ علاقوں کو خالی کرنے پر مجبور کردیا اور بغداد پر دوبارہ قبضہ حاصل کرلیا۔ اس کے باوجود یہ مانا جاتا ہے کہ شاہ عباس صفوی اول کو فوج میں اصلاحات سے توقع کے مطابق کامیابی نہیں ملی۔

شاہ عباس صفوی اول کے دور میں ایران میں سفارتی و تجارتی معاملات نے رفتار پکڑی۔ اسی کے زمانے میں مغرب کے ساتھ تجارت کو بھرپور فروغ ملا، مواصلاتی نظام میں بہتری آئی۔ خلیج فارس میں تجارتی بالادستی قائم رکھنے کے لیے ڈچ پرتگالی اور انگریز آپس میں زبردست مقابلہ کررہے تھے۔ 1622ء میں شاہ عباس صفوی اول نے ان ممالک کے درمیان جاری مخاصمت و دشمنی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پرتگالی کو ہرمز کے جزیرے سے بے دخل کرنے کے لیے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ 1623ء میں شاہ عباس صفوی اول نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف جنگی مہم کا آغاز کیا اور عراق و کردستان کے بڑا حصے پر قبضہ کرلیا۔

شاہ عباس صفوی اول کا دور حکومت مجموعی طور پر حیرت انگیز فوجی کامیابیوں اور موثر انتظامی امور کے سبب شاندار رہا جس نے صفوی سلطنت کی حدود کو ہرات اور مرو تک وسیع کردیا اور ایران کو دنیا کی عظیم طاقت بنادیا۔ گرچہ صفوی سلطنت میں علم وادب کو خاطر خواہ فروغ نہیں ملا لیکن شاہ عباس صفوی اول کے زمانے میں علم و ادب کو شاہی سرپرستی حاصل رہی جس کی وجہ سے اہل علم و دانش نے مطالعہ قدرت اور فلسفہ کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ اس دور کے جید و مایہ ناز علماء میں میر محمد باقر بن محمد داماد، بہاءالدین آملی اور صدرالدین شیرازی المعروف بہ ملا صدرا قابل ذکر ہیں۔ شاہ عباس صفوی اول کے دور میں فنون لطیفہ بالخصوص فن تعمیر اور فن مصوری کو کو خوب فروغ ملا۔ اسلامی ممالک میں ایران نے فن مصوری کو فروغ دینے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ جب لوگ ایرانی فن تعمیر کی شاہکار مساجد یعنی مسجد شیخ لطف اللہ اور مسجد شاہ کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں صفوی سلطنت کے طرز تعمیر کی خوبیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ سن 1979ء میں ہونے والے ایرانی انقلاب کے بعد مسجد شاہ کا نام بدل کر مسجد امام رکھ دیا گیا۔ عوامی کاموں میں شاہ عباس صفوی اول کی دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوا اس وقت صرف اصفہان میں 162 مساجد، 48 کالجز، 1802 کاروان سرائے اور 273 غسل خانے تیار ہوچکے تھے۔ مشہد میں امام علی رضا کے روضہ کی تعمیر نو بھی اسی کے عہد میں ہوئی۔ ساسانی اور اچیمینی بادشاہوں کی طرح لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے صفوی حکمراں عظیم محلات تعمیر نہیں کیے۔ اصفہان میں شاہ عباس صفوی اول جس مکان میں قیام پذیر تھا وہ معمولی نوعیت کا تھا۔ تاریخ نگاری کے حوالہ سے بھی یہ عہد یادگار رہا ہے چنانچہ فارسی مورخ اسکندر بیگ ترکمان منشی (1632-1560ء) تاریخ عالم آرای عباسی لکھی۔ یہ عظیم تخلیق شاہ اسماعیل صفوی اول سے شاہ عباس صفوی اول تک کے ادوار کا احاطہ کرتی ہے۔ اس عرصہ میں ہونے والے اہم واقعات کا ذکر اس میں ملتا ہے۔ شاہ عباس صفوی اول کے دور کی یہ ایک عظیم یادگار تصنیف ہے۔ شاہ عباس صفوی اول کو پارچہ بافی (ٹکسٹائل) صنعت

بنانے میں کامیابی حاصل ہوئی جہاں کا ریشم اور مخمل یوروپ کو درآمد ہوتا تھا۔شاہ عباس صفوی اول نے عیسائی کی آبادکاری میں اہم کردار ادا کیا اور اسی کے دور میں ایران میں بہت سارے گرجا گھر تعمیر ہوئے۔ مذکورہ بالا تمام خصوصیات کی وجہ سے شاہ عباس صفوی اول کا تقابل اس کے ہم عصر مغلیہ سلطنت کے عظیم بادشاہ اکبر، سلطنت عثمانیہ کے عظیم حکمراں سلیمان عالیشان، انگلینڈ کی ملکہ الزبیتھ اول سے کیا جاتا ہے۔

شاہ عباس صفوی اول کے جانشینوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو شاہ عباس صفوی اول کی صلاحیتوں کا حامل ہو۔ان کی نااہلی، ان کے مظالم اور ریاست کے اہم معاملات میں ان کی عدم دلچسپی کے سبب شاہ عباس اول کی وفات کے ساتھ ہی صفوی سلطنت کے زوال کا آغاز ہو چکا تھا اور اٹھارویں صدی کے قریب صفوی سلطنت اپنی تاریخ کی تنزل و انحطاط کی نچلی سطح پر پہنچ چکی تھی۔صفوی سلطنت کے زوال کی ایک اہم وجہ صفوی سلطنت کے داخلی معاملات میں یوروپ کی غیر ضروری مداخلت بھی تھی۔ چونکہ شاہ عباس صفوی اول کے اولاد میں کوئی بھی اس کی جانشینی کا حقدار نہیں تھا اسی لیے 19 / جنوری 1629ء میں اپنی وفات سے پہلے شاہ عباس صفوی اول نے اپنے پوتے سام مرزا کو اپنا جانشین نامزد کیا۔اس نوجوان نے اپنے والد کا نام صفی کا استعمال کرتے ہوئے ۱۷ فروری کو تخت نشین ہوا۔

22.6 شاہ عباس صفوی دوم (1666-1632ء)

صفوی سلطنت کے انتہائی پرجوش اور قابل بادشاہ یعنی شاہ عباس صفوی دوم کی پیدائش 30 / اگست 1632ء میں بمقام قزوین ہوئی۔اس کا اصلی نام سلطان محمد مرزا تھا۔وہ صفوی سلطنت کے ساتویں بادشاہ کی حیثیت سے سن 1642ء میں بعمر 9 سال تخت نشین ہوا۔اس کی کم عمری کے سبب حکومت کی باگ ڈور اس کی ماں، انا خانم اور وزیر اعظم میرزا محمد تقی اعتماد الدولہ (سارو تقی) کے ہاتھ میں تھی۔ان دونوں کی وجہ سے ایران محفوظ ہاتھوں میں تھا۔جبکہ شاہ عباس صفوی دوم قزوین میں زیر تعلیم تھا۔شاہ عباس صفوی دوم شاعر بھی تھا جس کا تخلص ثانی تھا۔اس نے سیاسی امور کی تعلیم محمد علی بیگ اور جانی بیگ خان شاملو سے حاصل کی۔ اپنی تخت نشینی کے ایک سال بعد شاہ عباس صفوی دوم صفوی سلطنت کے پایہ تخت کو اصفہان منتقل کر دیا۔اسی سال طاقتور جنرل رستم خان صفوی حکومت کے احکامات کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا اور شاہ عباس صفوی دوم کو سلطنت سے بے دخل کرنے کے لیے اصفہان کی طرف روانہ ہوا۔سارو تقی اسے مشہد میں ہی قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔1644ء میں بختیار کے کچھ قبائل شاہ عباس صفوی دوم کے خلاف بغاوت کر دیتے ہیں سارو تقی ان باغیوں کا سر بھی جلد ہی کچل دیتا ہے۔سارو تقی رشوت کے سخت خلاف تھا جس کی وجہ سے بہت سارے لوگ اس کے دشمن بن گئے تھے۔ 11 / اکتوبر سن 1645 میں قزلباش کے ایک گروہ نے ملک کے باثر منتظم سارو تقی کا قتل کر دیا۔شاہ عباس صفوی دوم نے تمام مجرمین کو موت کی سزا دی۔شاہ عباس صفوی دوم نے سارو تقی کی موت کے بعد یعنی 14 / اکتوبر خلیفہ سلطان کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔

پندرہ سال کی عمر میں جب شاہ عباس صفوی دوم نے حکومت کا انتظام سنبھالا تو سیاسی اور فوجی امور میں گہری دلچسپی لینے لگا اور 1648ء میں قندھار کو مغلوں سے واپس لینے کی کوشش کی اور چالیس ہزار افواج کے ہمراہ اصفہان سے کوچ کیا۔ایک مختصر سے محاصرہ کے بعد 22 / فروری 1649ء کو قندھار پر قبضہ کر لیا اور جار جیا غلام مہراب خان کو اس شہر کا گورنر مقرر کیا۔مغل بادشاہ شاہ جہاں نے اپنے لڑکے اورنگ زیب کو پچاس ہزار افواج کے ساتھ قندھار واپس لینے کے لیے بھیجا۔اگرچہ اورنگ زیب شاہ عباس صفوی دوم کو شہر کے باہر شکست دینے میں کامیاب رہا لیکن قندھار پر دوبارہ قبضہ نہ کر سکا۔1652ء میں اورنگ زیب نے دوبارہ قندھار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اس دوران بخارا کے ازبک حکمران نے شاہ عباس صفوی دوم کے ساتھ اتحاد کر لیا اور مغلیہ افواج کو مرعوب و پسپا کرنے کے لیے دس ہزار افواج روانہ کیں۔ بالآخر اورنگ زیب کو اس مہم کو چھوڑنے پر مجبور ہونا

پڑا۔1653ء میں بھی مغلوں نے قندھار پر قبضہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس بار بھی وہ ناکام رہے۔اس طرح 1736ء میں صفوی سلطنت کے زوال تک قندھار پر صفوی سلطنت کا ہی قبضہ رہا۔

25اور 26 ر اکتوبر 1666ء کی درمیانی شب شاہ عباس صفوی دوم کا خسرو آباد میں انتقال ہوا اور اسے قم میں اس کے والد کے پہلو میں دفنایا گیا۔سلطان سلیمان اس کا جانشین بنا۔

22.7 شاہ سلیمان صفوی اول (1694-1648ء) تا شاہ طہماسب صفوی دوم (1740-1704ء)

شاہ سلطان سلیمان صفوی، شاہ سلطان حسین صفوی اول (1760-1668ء) اور شاہ طہماسپ صفوی دوم کے دور حکومت سے متعلق کوئی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ مستند مصادر نہیں ملتے۔مذکورہ بالا دور حکمرانی سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس جو ذرائع موجود ہیں وہ دستور شہر یاران اور زبدۃ التواریخ ہیں جو ایران سے شائع ہوئی ہیں۔یہ دو کتابیں تذکرہ کی نہج پر لکھی گئی ہیں اس لیے اس کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ صفوی سلطنت اور ایران کے اس عہد سے متعلق کوئی تاریخی معلومات ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔البتہ شاہ سلطان حسین صفوی اول کے دور حکومت سے متعلق معلومات ہمیں مجموعہ فندرسکی میں ملتے ہیں جو طہران یونیورسٹی کی مرکزی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔اس مجموعہ میں ایک کتاب بعنوان تحفۃ العالم موجود ہیں جس میں فندرسکی نے شاہ سلطان حسین صفوی اول کے دور حکومت کے پہلے دو سالوں میں ہونے والے واقعات کا اجمالی ذکر کیا ہے اور شاہ سلطان حسین صفوی اول کو زیرک اور باہمت حکمراں بتایا ہے جس نے عدلیہ، انتظامیہ اور ایرانی معاشرہ کی بہتری کے لیے اقدامات کیے۔یہ وہ معلومات ہیں جو ہمیں دوسرے ماخذ میں نہیں ملتے۔شاہ سلطان حسین صفوی اول کے دور سے متعلق کچھ دلچسپ اور اہم معلومات ہمیں مجموعہ مرزا معینہ میں بھی ملتے ہیں۔

22.8 شاہ عباس صفوی سوم (1740-1732ء)

1721ء میں چرواہے سے بادشاہ بننے والا، ایران کی سلطنت افشار کا بانی، ایشیا کے فاتح اعظم نادر خان افشار ایران کے سیاسی منظر نامے پر نظر آتا ہے۔اس تاریخ ساز شخصیت کو اس کی غیر معمولی عسکری صلاحیتوں کی وجہ سے مورخین ایشیا کا نپولین اور سکندر ثانی کہتے ہیں۔1726ء میں ایران کو طاقتور دشمنوں سے آزاد کروانے کی مہم میں شاہ طہماسپ صفوی دوم کے ساتھ مل جاتا ہے اور مشہد و ہرات کو مقامی سرداروں سے چھین لیا۔1726ء میں اس نے افغانوں کو شکست دی اور اصفہان و شیراز پر قبضہ کر کے افغانوں کو ایران سے باہر کیا۔نادر خان افشار کی ان فتوحات کے مدنظر روس نے 1732ء میں گیلان اور مازندران کے صوبے ایران کے حوالے کر دیے۔نادر خان افشار آہستہ آہستہ شاہ طہماسپ صفوی دوم پر فوقیت حاصل کر لیتا ہے اور اسی سال یعنی 1732ء میں عثمانی ترکوں سے شاہ طہماسب صفوی دوم کے کیے گیے صلح کو مسترد کرتے ہوئے شاہ طہماسپ صفوی دوم کو معزول کر کے اس کی جگہ اس کے بیٹے شاہ عباس صفوی سوم کو تخت پر بٹھا دیتا ہے۔چونکہ شاہ عباس صفوی سوم اس وقت نوزائیدہ بچہ تھا اسی لیے ملک کا اصل حکمران نادر بن گیا اور شاہ عباس صفوی سوم اس کے ہاتھ کٹھ پتلی بنا رہا۔بالآخر 1736ء میں اس نے شاہ عباس صفوی سوم کو بھی معزول کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔اس طرح صفوی حکومت جو 1722ء سے برائے نام باقی تھی اب حقیقت میں سقوط و زوال کا شکار ہوگئی۔

22.9 کلیدی الفاظ

مملو	:	بھرا ہوا، لبریز، پُر
قزلباش	:	شاہ اسماعیل کی فوج جن کے لیے سرخ رنگ کی ایک مخصوص ٹوپی ہوتی تھی جس میں 12 اماموں کی نسبت سے کنگورے ہوتے تھے۔
مرثیہ خواں	:	مرثیہ پڑھنے والا
سرگزشت	:	واردات، تذکرہ، سوانح عمری
تبرّا	:	عربی لفظ "تبرّیٰ" ہے- دشمنان خدا اور آل بیت اور اولیاء اللہ کے دشمنوں سے (اللہ کے راہ میں) دوری اختیار کرنا اور بیزاری ظاہر کرنا۔ سورہ یونس (41): "... أَنَا بَرِیۤءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ"۔
قریب المرگ	:	مرنے کے قریب

22.10 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- شاہ اسماعیل صفوی اول نے آق قویونلو ترکمانوں کو شکست دے کر سن 1501ء میں صفوی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ایران میں اسلامی فتوحات کے بعد قائم ہونے والی سب سے بڑی حکومت تھی۔
- مغرب کی سلطنت عثمانیہ اور مشرق کے ازبکوں کے مقابلے میں ایران کو ایک علاحدہ اور منفرد شناخت دینے کے لیے شاہ اسماعیل صفوی اول نے اثنا عشری شیعیت کو ریاست کا مذہب قرار دیا اس طرح اس نے ایران کو سلطنت عثمانیہ میں شامل ہونے سے بچا لیا۔
- نا قابل شکست بادشاہ شاہ اسماعیل صفوی اول کو سلطنت عثمانیہ کے سلطان سلیم اول نے سن 1514ء میں چالدران میں بدترین شکست دی۔
- شاہ طہماسپ صفوی اول نے سب زیادہ تقریباً 52 سال تک حکمرانی کی جو کسی بھی دوسرے صفوی بادشاہ سے طویل دور حکومت رہا۔
- سرحدی علاقوں میں عدم تحفظ کی وجہ سے شاہ طہماسب صفوی اول نے سن 1555ء میں اپنا دارالخلافہ تبریز سے قزوین منتقل کیا۔
- شاہ اسماعیل صفوی دوم نے سنی مخالف چلن کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے مساجد میں پہلے تین سنی خلفاء پر تبرا کرنے اور تبرا کرنے والے طبقہ پر پابندی لگائی۔ شیعہ علماء کی جگہ سنی علماء کا تقرر کیا۔ شیعہ علماء کی لکھی گئی کتابوں کو ضبط کروایا۔
- شاہ عباس صفوی اول کا دور نہ صرف صفوی سلطنت کے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے لحاظ سے قابل قدر ہے بلکہ صفوی سلطنت کے اپنی مذہبی تشخص سے باہر نکلنے کے اعتبار سے بھی اہم ہے۔
- شاہ عباس صفوی اول نے سلطنت کے لیے خطرہ بن چکے بے قابو قزلباش کی طاقت اور ان کے اثر کو کم کرنے کے لیے غلامان فوج تیار کی جس سے صفوی سلطنت کا پورا ڈھانچہ بدل گیا۔
- شاہ عباس صفوی اول کے دور میں فنون لطیفہ بالخصوص فن تعمیر اور فن مصوری کو کو خوب فروغ ملا۔ مسجد شیخ لطف اللہ اور مسجد شاہ اسی دور کے فن تعمیر کی شاہکار ہیں۔
- 1732ء میں نادر خان افشار شاہ طہماسب صفوی دوم کو معزول کر کے اس کی جگہ اس کے نوزائیدہ بچہ شاہ عباس صفوی سوم کو تخت پر بٹھا دیتا ہے

جواس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہا اس طرح صفوی حکومت جو 1722ء سے برائے نام باقی تھی اب حقیقت میں سقوط و زوال کا شکار ہوگئی۔

22.11 نمونہ امتحانی سوالات

22.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی سلطنت کس سن میں قائم ہوئی؟

(a). 1601ء (b). 1502ء (c). 1501ء (d). 1602ء

2۔ صفوی سلطنت کا بانی کون ہے؟

(a). شاہ عباس صفوی اول (b). شاہ اسماعیل صفوی اول (c). شاہ طہماسپ اول (d). شیخ صفی الدین

3۔ صفوی سلطنت کا ریاستی مذہب کیا تھا؟

(a). سنیت (b). اثنا عشریہ اہل تشیع (c). زرتشیت (d). مسیحیت

4۔ شاہ اسماعیل صفوی اول کی فوج کو کس رنگ کی ٹوپی پہننے پر قزلباش کہا جاتا ہے؟

(a). نیلی (b). سیاہ (c). سرخ (d). پیلی

5۔ ''وہ ہمارے گرجوں میں بہتری کی کوشش کرتا ہے لیکن تمام مسلمانان اندلس کے مکانات کو تباہ کرتا ہے'' کس بادشاہ کے لیے کہا گیا؟

(a). شاہ اسماعیل اول (b). شاہ طہماسپ دوم (c). شاہ سلیمان اول (d). شاہ عباس دوم

6۔ مزاحمتی سنی علماء کو مذہبی تبدیل کرنے یا جلاوطن ہونے کا انتخاب کس بادشاہ نے دیا؟

(a). شاہ اسماعیل اول (b). شاہ طہماسپ اول (c). شاہ عباس دوم (d). شاہ عباس سوم

7۔ سن 1555ء میں شاہ طہماسب صفوی اول نے دفاعی حکمت عملی کے تحت کس شہر کو اپنا دار الخلافہ بنایا؟

(a). تبریز (b). مرو (c). قزوین (d). ہرات

8۔ داخلی معاملات میں کس ملک کی غیر ضروری مداخلت کی وجہ سے صفوی سلطنت کو زوال آیا؟

(a). ہندوستان (b). یورپ (c). ترکی (d). عراق

9۔ میرزا محمد تقی اعتماد الدولہ (سارو تقی) کس بادشاہ کے دور میں وزیر اعظم مقرر ہوا؟

(a). شاہ طہماسپ دوم (b). شاہ عباس اول (c). شاہ عباس دوم (d). شاہ عباس سوم

10۔ شاہ عباس سوم کس کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی تھا؟

(a). قزلباش (b). غلامان (c). سارو تقی (d). نادر خان افشار

22.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی خاندان کے حالات بیان کیجیے۔

2۔ شاہ اسماعیل صفوی دوم پر ایک نوٹ قلمبند کیجیے۔

3۔ شاہ عباس دوم پر مختصر مضمون لکھیے۔

4۔ صفوی سلطنت کے اہم کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

5۔ اسماعیل صفوی کی فتوحات پر مختصر نوٹ لکھیے۔

22.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی سلطنت کے قیام اور اس کے بعد رونما ہونے والے حالات پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

2۔ شاہ عباس صفوی اول کی فتوحات کو مفصل قلمبند کیجیے۔

3۔ شاہ اسماعیل صفوی اول پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

22.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1۔	ریاض العلماء وحیاض الفضلاء	:	میرزا عبداللہ آفندی
2۔	نقاوۃ الآثار فی ذکر الاخیار	:	محمود افوشتہ ای نطنزی
3۔	روضۃ الصفویہ	:	میرزا بیگ جون آبادی
4۔	ہسٹری آف اسلام (جلد اول و دوم)	:	پروفیسر مسعود الحسن
5۔	دی لائف آف شاہ عباس اول	:	پروفیسر نصر اللہ فلسفی
6۔	عرب ایڈمنسٹریشن	:	ایس۔اے۔حسینی

-:oOo:-

اکائی 23 : صفوی دور میں علمی خدمات

اکائی کے اجزا

23.0 تمہید
23.1 مقصد
23.2 صفوی دور میں سائنسی علوم
23.2.1 صفوی عہد میں علوم کا احیاء
23.2.2 علم فلکیات اور متعلقہ علوم
23.2.3 صفوی عہد کی ٹکنالوجی
23.2.4 ادویات
23.3 صفوی دور میں مشہور سائنسدان
23.3.1 محمد حسینی نوربخشی بہاء الدولہ
23.3.2 عمادالدین محمد بن مسعود
23.4 صفوی دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر
23.4.1 فن مصوری
23.4.2 فن تعمیر
23.4.2.1 چہار باغ
23.4.2.2 میدانِ نقش جہاں
23.4.2.3 مسجد شاہ
23.4.2.4 مسجد شیخ لطف اللہ
23.4.2.5 علی قاپو

23.4.2.6 شاہی بازار
23.5 صفوی دور میں ادبی خدمات
23.6 صفوی دور میں اسلامی فلسفہ کی تجدید نو
23.6.1 میر داماد
23.6.2 میر فندرسکی
23.6.3 شیخ بہائی
23.6.4 محسن فیض کاشانی
23.6.5 ملا صدرا
23.7 اکتسابی نتائج
23.8 کلیدی الفاظ
23.9 نمونہ امتحانی سوالات
23.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
23.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
23.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
23.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

23.0 تمہید

کسی بھی عہد حکومت کا عروج دراصل اس عہد کے علوم وفنون کے ارتقا پر منحصر ہے۔علوم وفنون کی ترقی ہی کسی بھی قوم کی اصل معراج ہوتی ہے۔اسلامی دور حکومت میں ایران کی صفوی حکومت ایک اہم حکومت رہی ہے، جو اپنے عالی شان فن تعمیر کے لیے بالخصوص اور دیگر فنون لطیفہ اور علوم کے لیے بالعموم جانی جاتی ہے۔فنون لطیفہ فی الواقع کسی بھی قوم کے ذوق جمال کی عکاسی کرتے ہیں اور فن کاران کے ذریعے اپنے معتقدات اور مذہبی رجحانات کا اظہار کرتے ہیں۔صفوی دور حکومت میں اگرچہ دینی وسائنسی علوم میں ایک قسم کا تعطل نظر آتا ہے لیکن علوم فلکیات،علوم فلسفہ،مصوری اور فن تعمیر وغیرہ کے میدان میں اس دور میں زبردست پیش رفت اور سرگرمی نظر آتی ہے،جس کے اثرات ایران کے اردگرد کے ممالک بالخصوص ترکی اور برصغیر ہند میں بھی محسوس کیے اور دیکھے جاسکتے ہیں۔

23.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ جان سکیں کہ کسی بھی قوم یا حکومت کا تقابل اس کی معاصر یا ماقبل و مابعد حکومتوں اور قوموں سے کیا

جائے تبھی اس کا اصل مرتبہ ومقام طے کیا جاسکتا ہے اور صحیح معنوں میں اس کی حیثیت طے کی جاسکتی ہے۔علوم وفنون کی ترقی کے اعتبار سے ایران کی صفوی حکومت کو اسلامی عہد حکومت کا آخری ترقی یافتہ دور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔اس عہد میں جہاں ملاصدر جیسے اہم فلسفی پیدا ہوئے تو بہزاد جیسے مصور اور بہائی جیسے فن تعمیر کے ماہر وجود میں آئے۔اس اکائی میں صفوی عہد کے اسی پہلو کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے اس مقصد سے کہ آپ اس عہد کی سائنس اور فنون میں ہونے والی پیش رفت سے واقف ہوسکیں اور ان کے عظمت رفتہ کا صحیح اندازہ ہوسکے۔بلاشبہ یہ تمام چیزیں ہمارے مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کرنے کی طرف ایک نیا جذبہ پیدا کرنے میں اہم اور مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

23.2 صفوی دور میں سائنسی علوم

23.2.1 صفوی عہد میں علوم کا احیاء

صفوی دور کے ایران میں تبادلۂ خیالات وافکار نے علوم وفنون کے فروغ میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔صفوی حکمراں اور عثمانی ترکوں کے درمیان چلنے والے اختلافات کے بدولت صفویوں کو یورپی سفیروں سے ملنے اور تعلقات بنانے کا موقع ملا، جنھوں نے نہ صرف ٹکنالوجی میں ان کی دلچسپی بڑھائی بلکہ اس نے ایران کو سائنسی انقلاب سے متعارف کرایا جو اس وقت یورپ میں متحرک تھا۔

1722 /1134 میں اصفہان کے محاصرے کی وجہ سے بہت سارے علماء اور فنکار وہاں سے کوچ کر گئے۔اس طرح ایران دوسوسال تک ذہین اور تخلیقی اہل علم سے محروم رہا۔علم کا جو چراغ سلطان حسین بائے قرا کے ہرات میں بجھ چکا تھا، وہ دہلی میں مغل دربار میں روشن ہوا، جہاں ایران کے مصنّفین اور مفکرین ہمایوں کی رہنمائی میں اکٹھا ہوئے۔دراصل یہ ایران کے پڑوسی ملک ہندوستان اور ترکی میں ہونے والی علمی وفکری ترقیات کا ہی اثر تھا جس نے ایران میں ایک بار پھر سے علم کا چراغ روشن کیا۔

یہ احساس کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ فلسفہ دراصل ریاضیات،طبیعیات اور مابعدالطبیعیات کا مجموعہ ہے اور کلاسیکی اسلامی علوم میں یونانی علوم کا اثر غالب رہا ہے۔جس طرح برطانیہ میں ایلزابیتھ کے دربار میں سائنس کو سرمایۂ علم سے ایک الگ طرح کا علم سمجھنا ناممکن تھا۔اسی طرح شاہ عباس اور اکبر کے دربار میں ناممکن تھا۔ان لوگوں کے دربار میں ایک شاعر بیک وقت طبیب اور ایک طبیب بیک وقت شاعر بھی ہوتا تھا۔

انگریزی سیّاح تھامس ہربرٹ جو شاہ عباس اول کے انتقال کے وقت وہاں موجود تھا، اس نے چار سال بعد لندن میں ایک تحریر شائع کروائی، جس میں اس نے ایرانی علوم اور اطباء کا ذکر کیا، جس کا مختصر خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

> جہاں تک میں نے سمجھا ہے، یہ لوگ سائنسی علوم سے متعارف ہیں اور کچھ تو فلسفی بھی ہیں۔ان کی لائبریری چھوٹی ہیں۔ان کی کتابیں زیادہ تر عربی زبان میں ہیں، مگر جامع اور کارآمد ہیں۔وہ عموماً پودوں اور سبزیوں کو معدنیات پر ترجیح دیتے ہیں۔وہ بہت سارے علوم کے ماہر ہیں، مگر علم نجوم میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے۔بہت سے عرب مصنّفین علم طبیعیات اور ریاضیات جو دونوں ہی علوم کے ماہر ہیں، اس علاقے میں ترقی یافتہ ہیں۔وہ زیادہ تر بقراط، جالینوس، ابن رشد، فارابی، ابن سینا، ابن اسحاق، ابویعلی وغیرہ کی کتابیں پڑھتے ہیں۔شہروں میں شیراز میں ایک کالج ہے، جہاں فلسفہ، علم نجوم، علم طبیعیات، علم کیمیا اور ریاضیات پڑھائی جاتی ہے۔اس لیے یہ پورے ایران میں زیادہ مشہور ہے۔جب کہ اصفہان میں موجود دکانیں اس قدر دواؤں کی قسمیں رکھتی ہیں جو کہ میں نے آج تک کبھی ایک ساتھ ایک جگہ موجود یورپ کے کسی بھی شہر میں موجود نہیں دیکھیں۔

چارڈن نے صفوی دور کی علمی خدمات و ترقیات کو منظّم انداز میں لکھنے کا بہترین کام کیا ہے۔ چارڈن کے مطابق، ایرانیوں میں سائنس، علوم عامہ اور تکنیکی علوم کو لے کر طبعی رغبت موجود ہے۔ علم نجوم اور علم فلکیات کو سب سے زیادہ ترقی حاصل ہوئی۔ اصفہان میں بہت سارے نجومی موجود ہیں، اور سب سے مشہور کوراسون کے ہیں۔ بادشاہ اپنے دربار میں صرف اسی علاقے کے ماہر نجوم کو منتخب کرتا ہے جہاں پورے فارس کے نجومیوں کی ٹریننگ کے لیے ایک اسکول موجود ہے۔ چارڈن نے اپنی کتاب کی ایک فصل ''درختوں، پودوں اور دواؤں'' کے لیے مقرر کی ہے۔ اس کی نظر میں ''ایران طبعی دواؤں کے لیے ایک درست ملک ہے۔''

چارڈن لکھتا ہے کہ 'سائنسی علوم میں جن شخصیات کا اثر و رسوخ تھا، ان میں علم فلکیات اور ریاضیات میں بطلیموس، ریاضیات کے لیے اقلیدس، تھیوڈیس وغیرہ، ادویات کے لیے بقراط اور جالینوس، جب کہ علم فلکیات کے میدان میں اہم شخصیات میں عبدالحسین، عبدالرحمٰن بن عمر الصوفی، ناصرالدین طوسی، محمود شاہ خلجی اور مرزا الغ بیگ، ان کے مددگار جمشید غیاث الدین الکاشی، قاضی زادہ الروحی اور علی بن محمد القوشچی تھے۔ روایات اور قائم شدہ رسومات پر انحصار عام تھا' آگے چارڈن نے اپنی لسٹ میں علم نجوم اور علم ریاضیات کے میدان میں المامون، الکندی، الفارسی کے نام، اور عمر خیام اور ابوالوفاء کے نام خاص طور پر الجبراء کے لیے، فاراجی کا نام موسیقی اور ادویات کے لیے، اور ابن الہیثم کا نام بصریات، اور ابوالفداء کا نام جغرافیہ کے لیے درج کیا ہے۔ ان کی لائبریریوں میں سے کسی میں بھی چار سو سے زیادہ جلدیں نہیں ہیں۔ اسلاف پر منحصر ہونے کی وجہ سے انھوں نے نہ ہی زیادہ کتابیں لکھی ہیں اور نہ ہی زیادہ ایجادات کیے ہیں۔

چارڈن نے مشہور اسطرلاب کے ماہر محمد امین سے اسطرلاب کے بارے میں معلومات حاصل کیں، جن کو چارڈن نے ملاحسن علی نجومی کا بیٹا بتایا ہے، حالانکہ ملاحسن کے بیٹے دراصل خلیل محمد ہیں، جو موجودہ انیس اسطرلاب کے لیے جانے جاتے ہیں۔ چارڈن نے ایرانی اسطرلاب کا یورپی اسطرلاب کے ساتھ موازنہ کیا ہے اور ایرانی اسطرلاب کو بہتر بتایا ہے۔

23.2.2 علم فلکیات اور متعلقہ علوم

صفوی دور اسلامی علم فلکیات کے سفر کے آخری پڑاؤ میں سے آتا ہے۔ جہاں جیومیٹری خاص طور سے اسطرلاب وغیرہ پر تحقیق جاری تھی او مختلف مقامات پر رصدگاہوں میں مندرجہ بالا علوم پر کام جاری تھا۔ چنانچہ مسلم دور کی عظیم رصدگاہیں (مراغہ اور سمرقند) جو تباہ و برباد ہو چکی تھی، ان کو شاہ اسماعیل اول نے پھر سے آباد کیا اور مراغہ کی رصدگاہ کا سرپرست امیر غیاث الدین المنصور بن امیر صدرالدین محمد الشیر ازی (43-1542) کو مقرر کیا۔ طہماسپ اول (1576-1524 / 989-930) کا بھی اصفہان کے شاہی دربار میں ایک رصدگاہ تعمیر کروانے کا ارادہ تھا جو پورا نہیں ہو پایا۔

یہاں اسلامی رصدگاہوں کی تاریخ میں ایک مختصر وضاحت ضروری ہے کہ شاہی رصدگاہوں کے علاوہ بھی یقیناً بہت سے ایسے سائنسداں موجود تھے جو کہ ذاتی طور پر صرف علمی غرض سے تجربات کیا کرتے تھے۔ بہر حال اسلامی رصدگاہیں مسلم علم فلکیات کی تاریخ کا ایک اہم حصہ پیش کرتی ہیں۔

ایران میں فلکیاتی رسالے لکھنے والے بہت سے مصنّفین موجود تھے۔ مثلاً مرزا قاضی بن کاشف الدین محمد یزدی، شیخ الاسلام نے جن کے والد شاہ عباس اول کے طبیب تھے، علم فلکیات پر ایک عملیاتی کتابچہ مدون کیا تھا۔ جس کا عنوان ''تحفۂ عباسیہ'' ہے۔ ان مصنّفین میں سب سے مشہور بہاء الدین محمد بن حسن الآملی تھے، جو ''تشریح الافلاک'' کے مصنف تھے۔ یہ کتاب عربی زبان میں تھی جس پر بعد میں فارسی زبان میں تشریحات لکھی گئیں۔ آملی کو بعض لوگوں نے عاملی بھی لکھا ہے۔ ''تحفۂ حاتمی'' اسطرلاب پر لکھا گیا ایک مختصر صحیفہ ہے، جو کہ شاہ عباس اول کے وزیر مرزا حاتم بیگ

سے منسوب ہے۔ ایک دوسرا چھوٹا مجموعہ ''الصحیفہ'' کے نام سے موجود ہے۔ ریاضیات پر'' خلاصات الحساب'' کے نام سے ایک اور کتاب ہے، جس پر ایران اور ہندوستان دونوں جگہوں میں مختلف تشریحات لکھی گئی ہیں، جو کہ بعد میں ''تحفۂ حاتمی'' کے نام سے شائع کی گئی۔ اس کے علاوہ ایک مہاجر محمد علی ''حازن'' جیلانی نے فلکیات کے عناصر پر ایک تحریر ''رسالہ درھیئات'' کے نام سے اپنی زندگی کے آخری ایام میں لکھی۔

23.2.3 صفوی عہد کی ٹکنالوجی

چارڈن نے صفوی دور کے کاشت کاری کی ٹکنالوجی پر زور دیا ہے۔ کس طرح وہ کاشت کاری میں پانی کا استعمال کرتے تھے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہ پہاڑی کی نچلی جگہوں پر کنویں کھودتے تھے، پھر وہاں سے کافی دور دور تک پانی تلیاں بناتے تھے، جس سے آسانی سے پانی کا بہاؤ کھیتوں تک پہنچ جاتا تھا۔ چارڈن نے لکھا ہے کہ ایرانیوں سے بہتر دنیا میں کوئی بھی پانی کا صحیح استعمال نہیں جانتا۔ اس نے مزید لکھا ہے کہ خراسان میں ایک وقت میں چالیس ہزار اس طرح کی قناتیں ہوتی تھیں۔ شاہ عباس اول نے اپنے عہد حکومت میں ایک تیس میل لمبی نہر بنوائی تھی، جس میں بعد میں شاہ سلطان حسین نے مزید اضافہ تھا۔

تعمیرات کے معاملے میں ان کی تکنیکی صلاحیتوں کی مثال نہیں تھی۔ وہ بہت زیادہ ماہر اور سلیقہ مند ہیں، خواہ وہ معماری کا کام ہو یا موزیک کا یا پھر چھت بنانے کا ہر کام میں ماہر ہیں۔ چارڈن نے اپنی کتاب کی ساتویں فصل ''دھات اور معدنیات'' میں لکھا ہے کہ ''ایرانی چقماق کا استعمال نہ ہی بندوق میں کرتے ہیں اور نہ ہی آگ جلانے میں کرتے ہیں۔ ان کے پاس ایک قسم کی لکڑی ہے جس کا استعمال وہ چقماق اور فولاد کی جگہ کرتے ہیں، جس کا بالکل ایک ہی جیسا اثر ہے۔ حالانکہ انھوں نے بندوقیں ہماری ہی طرح مضبوط بنائی ہیں، مگر ان کی بندوق کی نالیں ضرورت سے زیادہ بھاری اور کمزور ہیں۔ اس کے علاوہ چارڈن نے ایرانی دست کاروں اور کمہاروں کی بھی تعریف کی ہے۔ ان کے برتن مختلف رنگوں سے رنگے ہوئے اور مختلف اشکال میں ڈھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس قسم میں ان سے زیادہ روشن اور مضبوط چیز نہیں دیکھی جا سکتی ہے۔ صفوی حکمرانوں نے ہمیشہ سے ہی ٹکنالوجی کی طاقت کو اپنی رسائی میں رکھا ہے۔ اصفہان میں اسطرلاب کا بہت ہی عمدہ کارخانہ موجود تھا، جس پر صفوی حکمرانوں نے فخر کیا ہے۔ تذکرۃ الملوک کے مطابق اس طرح کے تقریباً ۳۰ کارخانے شاہ سلطان حسین کے عہد میں متحرک وفعال تھے۔

23.2.4 ادویات

ایران نے ادویات کے میدان میں 200 سالوں تک نقصان کا سامنا کیا ہے۔ منگولوں کی تباہ کاریوں کی وجہ سے جو اطباء ہندوستان ہجرت کر کے چلے گئے تھے، انھوں نے ہندوستانی ادویات میں اپنا کافی اثر چھوڑا ہے اور کافی اہم خدمات انجام دیئے ہیں۔

غیاث الدین جو کہ اصفہان کے ایک طبیب تھے، بعد میں ترکی چلے گئے۔ انھوں نے سلطان بایزید کے لیے ''مرآۃ الصحۃ فی الطب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس کی ادویات اور بحثوں کا استعمال ترکی کی ادویات کی تعلیم میں ہوا۔

23.3 صفوی دور میں مشہور سائنسدان

23.3.1 محمد حسینی نوربخشی بہاء الدولہ (پیدائش:1468ء)

کہا جاتا ہے کہ بغداد کے سنہرے دور کے گزرنے کے بعد سے ایران میں بہاء الدولہ سے بڑا کوئی طبیب نہیں گزرا ہے۔ بہاء الدولہ نے ایرانی اور ہندوستانی دونوں ہی طرح کے استاذوں سے رے اور ہرات میں تعلیم حاصل کی ہے اور ان کو بقراط، جالینوس، ابن سینا، رازی، سید اسماعیل

جرجانی اور ابن بیطار کو پڑھایا گیا۔ ان کی صرف ایک ہی تحریر موجود ہے، جس کا عنوان ''خلاصات التجارب'' ہے۔

23.3.2 عمادالدین محمود بن مسعود (1592-1515ء)

عمادالدین صفوی عہد کے دوسرے اہم طبیب ہیں، جنھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مشہد کے مقبروں اور ہسپتالوں کے مریضوں کا علاج کیا، جہاں زائرین اور دوسرے لوگوں کو طبی سہولیات دی جاتی تھیں۔ انھوں نے 1569 میں آتشک پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا تھا۔ چینی جڑ، جو اس کے علاج میں مؤثر بتائی جاتی ہے۔ اس کو اکسیر اعظم کہا جاتا ہے اور اس سے پہلے لکھے گئے ایک مقالہ، رسالۂ چوب چینی خوارواں میں انھوں نے پہلے اس کو بہت ساری بیماریوں کے لیے تریاق بتایا ہے اور دوسرا تریاق اس کالے یا لال پتھر کو بتایا ہے جو جنگلی بکری کے معدے میں پایا جاتا ہے۔

اس دور کے آخر کے منتشر حالات نے ایرانی طبیبوں کو مغل دربار میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تھا، جن میں مرزا محمد ہاشم بھی تھے، جو اورنگ زیب کے سامنے پیش کیے گئے تھے۔ انھوں نے پہلے ان کے دربار میں خدمات انجام دیں، اس کے بعد محمد شاہ اور اس کے بعد نادرشاہ کے دربار میں خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ شیراز سے محمد اکبر شاہ عرضانی اور نورالدین محمد عبداللہ بن حاکم عین الملک تھے۔ انھوں نے دو اہم تحریریں لکھی ہیں 1038ھ مطابق 29-1628ء میں ''الفاظ الادویۃ'' شاہ جہاں کے لیے، اور ''طب داراشکوہی'' شاہ جہاں کے بیٹے اورنگ زیب کے لیے جو کہ آخری اہم طبی تحریر فارسی زبان میں لکھی گئی ہے، جس میں ایک بڑا حصہ آتشک پر ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایران کی تاریخ کے اس انتشار بھرے عہد یعنی صفوی دور میں بڑے پیمانے پر ایجادات یا سائنسی کارنامے تو نہیں انجام دیئے گئے، لیکن یہ ایک قابل غور بات ہے کہ اس دور میں انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہسپتال ایک ادارے کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اس کے علاوہ اس دور کے کمہار اور دست کار کے نمونے موجودہ طور تک کے لیے قابل ستائش ہیں۔

23.4 صفوی دور میں فنون لطیفہ اور فن تعمیر

ایران میں ہمیشہ سے فنون لطیفہ کی ایک شان دار روایت رہی ہے۔ یہاں کے حکمرانوں نے ہمیشہ کاری گروں کی حوصلہ افزائی کی، جنھوں نے اپنی لیاقت سے بیش قیمتی یادگاریں قائم کیں، اس روایت کو صفوی حکمرانوں نے بھی جاری رکھا اور ان کے عہد میں فنون لطیفہ کو حیرت انگیز ترقی حاصل ہوئی اور مختلف فنون میں ایک مخصوص ایرانی اسلوب کی جھلک دکھائی دینے لگی اور یہاں کی بنی ہوئی چیزیں اور عمارتیں بیش قیمتی سمجھی جانے لگیں۔

23.4.1 فن مصوری

اس دور میں فن مصوری اور فن نقاشی کو خاص اہمیت حاصل ہوئی۔ شاہ اسماعیل صفوی نے ان فنون کی ترقی کے لیے ایران کے مشہور مصوروں کی ایک انجمن دارالحکومت تبریز میں قائم کی۔ اس انجمن کے صدر ''بہزاد خاں'' تھے۔ اس انجمن کے مصوروں نے اپنے فن میں وہ جادو دکھائے جو آج بھی بیش قیمت سمجھے جاتے ہیں۔ ان مصوروں کا خاص کام کتابوں پر نقاشی اور موضوع کی مناسبت سے ان پر تصویریں بنانا تھا۔ اس فن ''Art of the Book'' کہا جاتا ہے۔ اس انجمن کے مصوروں کی تصاویر اور کتابوں کی جلدوں اور صفحوں پر خاص قسم کی Painting ہوتی تھی اور اس میں زیادہ تر سونا چاندی اور رنگوں کا عمدہ استعمال ہوتا تھا اور اس کو اس طرح سے سجانے کی کوشش کی جاتی کہ وہ کوشش فطری معلوم ہو۔ بہزاد اور شاہ محمود کے قلمی نسخوں پر جو تصویریں بنی ہوئی ہیں وہ صفوی دور کی اہم یادگاریں ہیں۔ شاہ عباس کے عہد میں ایرانی نقاشی میں ایک مکتب فکر کا ظہور رہا، جس کا نام ''مکتب رضا عباسی'' پڑا۔ اس میں قلمی کتابوں میں تصویر کشی کے بہ نسبت دیواروں، دروازوں، ستونوں اور چھتوں وغیرہ پر زیادہ رواج ہوا۔ فن نقاشی کا

مظاہرہ جتنی اچھی طرح سے عمارتوں اور قالینوں میں ہوا، کسی اور جگہ نہیں ہوا۔ قالینوں کی خوب صورتی کے لیے رنگ برنگ کے رنگوں سے اس پر اس طرح سے رنگا جاتا تھا کہ وہ دل کش معلوم ہوں اور رنگوں کا کام آنکھوں کو بھی برا نہ لگے۔

صفوی عہد میں فن نقاشی اور فن تعمیر کے ساتھ ساتھ قالین بافی کا فن بھی اپنے انتہائی عروج پر تھا۔ شاہی کارخانوں میں بنائے گئے بڑے بڑے نفیس قالینوں کو دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا کہ ایسے خوب صورت اور قیمتی قالینوں کو فرش پر بچھانے اور پیروں سے روندنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ قالین ہزاروں اور لاکھوں روپے کی مالیت سے بنائے جاتے تھے۔ ان کا استعمال محلوں، خانقاہوں اور شاہی گزرگاہوں پر بچھانے کے لیے ہوتا تھا۔ ان قالینوں پر رنگ برنگی تصویریں، شکار کے مناظر، باغوں کے نظارے، جانوروں کی تصویریں اور پھلوں اور پھولوں کی تصویریں اس مہارت کے ساتھ بنائی جاتی تھیں کہ دیکھنے والے اس میں کھو جاتے تھے۔ قالین کی صنعت کو بڑھانے کے لیے شاہ عباس اور طہماسپ نے اہم رول ادا کیا۔ انھوں نے تمام سلطنت کے چھوٹے گھریلو کارخانوں کو سرکاری مدد فراہم کی اور ان کے مالکان کو روپے پیسے اور قوانین کی ہر طرح مدد دی۔ اس دور کی قالینوں میں ریشم کا خاص استعمال ہوتا تھا اور ریشمی قالینوں میں انسانی اجسام یا جانوروں کی تصویروں کے ساتھ ساتھ بیل بوٹے بھی بنائے جاتے تھے۔ مغربی ممالک میں ان قالینوں کی بہت اہمیت ہے اور آج بھی بہت سے عجائب گھروں میں کچھ نادر قالین موجود ہیں۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ صفوی عہد میں قالین کی صنعت کو بہت زیادہ ترقی دی گئی اور دنیا میں ایران نے قالین کی صنعت میں اپنی پہچان بنائی۔

اس دور میں مٹی کے برتنوں پر بھی نقاشی کو خاص اہمیت دی گئی۔ شروع میں اس فن پر چینی اثرات غالب تھے، مگر بعد کے زمانے میں ایرانی صناعوں (کاریگروں) نے خود اس میں اتنی ترقی کی کہ چینی اور ایرانی فن میں فرق کرنا مشکل ہو گیا، بلکہ ۱۷ ویں صدی کے آخر تک اس فن میں اتنی ترقی ہوئی کہ ایرانی کاریگر چینی کاریگروں سے بھی آگے بڑھ گئے۔ اسی طرح دھاتوں سے بنے ہوئے برتنوں کو بھی اس عہد میں خوب اہمیت حاصل ہوئی اور ان پر جو نقاشی کی جاتی تھی اس نے ان برتنوں کی خوب صورتی میں اور اضافہ کیا۔ ان برتنوں پر حافظ اور سعدی کے علاوہ ایرانی بادشاہوں کی تصویریں بھی بنائی جاتی تھیں۔ رضا عباسی اور برق اس زمانے کے مشہور مصور ہیں۔ اس زمانے کا ایران کا سب سے بڑا مصور بہزاد ہے جو کہ تیموریوں کے دربار سے بھی وابستہ تھا اور اپنے آخری زمانے میں تبریز آ گیا تھا، جو شاہ اسماعیل کا دارالسلطنت تھا۔

سلطنت کے آغاز میں صفویوں کا دارالحکومت رہا۔ شاہ اسماعیل نے سیکڑوں خطاط، نقاش اور معمار کو اس شہر میں جمع کر دیا تھا، جن کے کارناموں کے نمونے آج بھی موجود ہیں۔

23.4.2 فن تعمیر

صفوی حکمرانوں نے فن تعمیر میں بھی خاطر خواہ توجہ کی۔ شاہ عباس اعظم نے سولہویں صدی کے آخر میں جب اصفہان کو اپنا دارالحکومت بنایا تو انھوں نے فن تعمیر کی دل کھول کر سرپرستی کی اور ایسے شاہکار تعمیر کرائے کہ تھوڑے ہی دنوں میں اصفہان دنیا کے چند بڑے شہروں میں شمار ہونے لگا اور اصفہان کو ''نصف جہاں'' کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس دور کی تعمیرات میں مسجدیں، مدرسے، مقبرے، سرائیں اور محلات وغیرہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ فن تعمیر کا نادر نمونہ اصفہان کی آبادکاری اور اس کو منصوبہ بند طریقے سے آراستہ کرنا ہے۔ اس کو اس خاص ڈھنگ سے آباد کیا گیا تھا، جس سے ایرانی آبادی منہدم نہ ہو اور اپنا شہر بھی بس جائے۔ یہاں کی عمارتوں پر نقاشی کے نئے طرز نہ صرف اسلامی دنیا میں ممتاز ہوئے، بلکہ اس کے اثرات یورپ تک جا پہنچے اور یہ شہر یورپی سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا۔ شہر اصفہان کے وسط میں ایک بہت بڑا میدان تھا، جس کو ''میدان شاہ'' کہا جاتا

تھا۔اس میدان کے اردگرد جوعمارتیں، مسجدیں اور محلات تیار کیے گئے تھے وہ آج بھی قابل دید ہیں۔شاہ عباس نے اصفہان میں جوعمارتیں بنوائیں ان میں جامع مسجد، قصر چہل ستون، ہشت بہشت، علی قاپو، آئینہ خانہ، مسجد شیخ لطف اللہ، مسجد شاہ، چہار باغ اور زندہ رودندی کے دو پل مشہور ہیں۔ان عمارتوں میں جگہ جگہ سنگ مرمر سے حسن پیدا کیا گیا ہے۔اکثر مقامات پر کتبوں کو پھولوں اور پتیوں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔شاہ عباس نے اصفہان کی عمارتوں کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی دل کش عمارتیں بنوائی ہیں، جیسے تبریز اور مشہد وغیرہ کی مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں وغیرہ۔اصفہان کی شہری منصوبہ بندی کے لیے سب سے مشہور شخصیت شیخ بہائی کی ہے۔شیخ بہائی کے اس بھاری بھرکم شہری منصوبہ بندی کی دوکلیدی خصوصیات ''چہار باغ'' اور ''میدان نقش جہاں'' ہیں۔شاہ عباس کے طاقت میں آنے سے پہلے ایران میں غیر مرکزی طاقتی ڈھانچہ تھا، جس میں مختلف عہدیدار طاقت کی لڑائی لڑتے تھے۔شاہ عباس اس سیاسی ڈھانچے کو کمزور کرنا چاہتے تھے اور طاقت کو مرکزی بنانے کی طرف ایک اہم قدم اٹھا رہے تھے۔میدان کی تعمیر کی وجہ سے شاہ کو یہ آسانی تھی کہ وہ ایران میں طاقت کے تین اہم اجزاء کو اپنے گھر کی صحن میں جمع کر سکتے تھے۔امام کی طاقت جس کی نمائندگی مسجد شاہ کے ذریعے کی جارہی تھی، تاجروں کی طاقت جس کی نمائندگی ''شاہی بازار'' کے ذریعے ہورہی تھی اور یقیناً شاہ کی بذات خود کی طاقت ''علی قاپو محل'' میں رہنے کی وجہ سے ہوتی تھی۔شیخ بہائی نے اصفہان میں زبردست تعمیری نمونے پیش کیے جن میں سے بعض اہم قابل ذکر ہیں۔

23.4.2.1 چہار باغ

چہار باغ کی ایک تاریخی گزرگاہ ہے، جس کی تعمیر ایران کے صفوی دور میں ہوئی۔ یہ گزرگاہ، تاریخ کے مطابق پورے ایران کی سب سے مشہور جگہ ہے۔ یہ شہر کے شمالی حصوں کو جنوبی حصوں سے جوڑتا ہے۔اس کی لمبائی تقریباً چھ کلومیٹر ہے۔اس گزرگاہ کے مشرقی جانب باغ ہشت بہشت اور چہل ستون ہیں۔

اس باغ کے کل تین حصے ہیں: پہلا حصہ چہار باغ پایین: یہ باغ کا نچلا حصہ جوکہ شمالی جانب ہے یہ حصہ میدان شہداء سے لے کر دروازہ دولت تک ہے۔دوسرا حصہ چہار باغ عباسی: چہار باغ عباسی اس گزرگاہ کا درمیانہ حصہ ہے جوکہ دروازہ دولت سے لے کر میدانِ انقلاب کے 33/ پول تک ہے۔تیسرا حصہ چہار باغ بالا: چہار باغ بالا اوپری حصے کا نام ہے جوکہ جنوبی جانب ہے۔یہ حصہ جنوبی 33/ پول سے میدان آزادی تک ہے۔

23.4.2.2 میدانِ نقش جہاں

میدان نقش جہاں، اصفہان شہر کے بالکل بیچوں بیچ موجود ہے۔اس کی تعمیر 1629-1598 کے درمیان ہوئی۔ یہ اب ایک اہم تاریخی منظر ہے۔اسے میدان شاہ یا میدان امام کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ میدان صفوی دور کی عمارتوں سے گھرا ہوا ہے۔مسجد شاہ اس میدان کے جنوبی جانب موجود ہے۔مغربی جانب علی قاپو محل ہے۔شیخ لطف اللہ مسجد اس میدان کے مشرقی جانب واقع ہے اور شمالی جانب قیصری دروازہ ہے جوکہ شاہی بازار میں کھلتا ہے۔میدان شاہ میں ہی شاہ لوگوں سے ملاقات کیا کرتا تھا۔ یہ میدان تفریح اور تجارت کے لیے نہایت مشغول جگہ تھی، جہاں دنیا بھر کے لوگوں کے درمیان تبادلۂ اشیاء وافکار ہوتا تھا۔اس میدان کی تعریف صفوی دور میں ایران آنے والے یوروپی سیاحوں نے بھی کی ہے۔ دن کے وقت یہاں تاجروں کے خیمے اور اسٹال لگے ہوتے تھے، جوکہ ہفتہ وارانہ کرایہ حکومت کو ادا کرتے تھے۔وہاں اداکار اور تفریح کار بھی موجود ہوتے تھے۔کھانے پینے کی دیگر اشیاء، پھل اور مشروبات بھی ملتے تھے اور پانی کا گلاس مفت میں ملتا جس کی قیمت دکاندار ادا کرتے تھے۔شاہی بازار کی شروعات میں قہوے خانے ہوا کرتے تھے۔ بہت سے مؤرخین نے میدان شاہ کی خاص طرز پر تعجب کیا ہے۔بہت سی مشہور عمارتوں کے برعکس،

یہ میدان مکہ کے سیدھے جانب نہیں پڑتا ہے۔اس لیے جب کوئی مسجد شاہ میں داخل ہوتا تو وہ قدرتی طور پر آدھا سیدھے جانب مڑ جاتا ہے، جس سے اندرونی اصل دربار مکہ کی جانب ہوجاتا تھا۔ڈونلڈ ولبر (Donald Wilber) نے اس کی سب سے قابل تعریف وضاحت کی ہے کہ اس کی تعمیر کے خاص طرز کا مسے شیخ بہائی کا اولین مقصد یہ تھا کہ میدان میں کہیں بھی موجود شخص کو مسجد صاف صاف نظر آجائے۔

23.4.2.3 مسجد شاہ

میدان نقش جہاں کا تاج مسجد شاہ تھی، جس نے اس سے کافی پرانی جامع مسجد کی جگہ لے لی، اور جمعہ کی نماز مسجد شاہ میں ادا ہونے لگی اور آج تک وہیں ادا ہوتی ہے۔اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لیے شیخ بہائی نے صرف اس کے گنبد کو سب سے بڑا ہی نہیں بنوایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسجد کی ایک جانب مدرسے کی تعمیر اور دوسری جانب موسم سرما کی مسجد کی بھی منصوبہ بندی کی۔

23.4.2.4 مسجد شیخ لطف اللہ

میدان شاہ کے احاطے میں جن چار عمارتوں کو غلبہ حاصل ہے ان میں سے ایک مسجد لطف اللہ ہے۔محل کے مخالف تعمیر کی جانے والی سب سے پہلی عمارت ہے۔اس مسجد کی حیثیت شاہی دربار کی ذاتی مسجد کی تھی۔اس مقصد کی وجہ سے اس مسجد کا کوئی منارہ نہیں ہے اور اس کا رقبہ بھی کم ہے۔ حقیقتاً بہت سے مغربی سیاحوں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی، یقیناً ان کو اس تک رسائی حاصل نہیں تھی۔دراصل صدیوں بعد اس کے دروازے عوام اور زائرین کے لیے کھولے گئے، تاکہ عوام شاہ کی ان کے حرم کے لیے مقدس جگہ بنانے کی کوشش اور ٹائلوں کی قابل تعریف نقوش کا مشاہدہ کرسکیں جو کہ مسجد شاہ سے کافی زیادہ مزین تھی۔

23.4.2.5 علی قاپو

علی قاپو اصفہان میں ایک شاہی محل ہے۔یہ میدان شاہ کے مغربی جانب واقع ہے۔یہ محل صفوی حکمرانوں کی سرکاری رہائش گاہ ہوتی تھی۔ یہ محل 48 میٹر بلند ہے اور اس میں چھ منزلیں ہیں۔علی قاپو کو صفوی فن تعمیر کا سب سے بہترین نمونہ اور ایران کی اسلامی وراثت کی ایک علامت تسلیم کیا جاتا ہے۔علی قاپو کے نام میں علی کے معنی فارسی زبان میں شاہی یا عظیم کے ہیں اور قاپو آذربائیجانی زبان میں دروازے کو کہتے ہیں چوں کہ یہ عمارت صفوی محلات کے بالکل داخلے پر موجود تھی جو کہ میدان نقش جہاں سے لے کر چہار باغ تک پھیلی ہوئی تھی۔اس کی تعمیر شاہ عباس اول کے فرمان پر ہوئی تھی۔یہیں وہ امراء اور سفیروں کی تفریح کے لیے ان کو دعوت دیتے تھے۔شاہ عباس نے اسی محل میں پہلی مرتبہ ایرانی تہوار نوروز منایا۔قاپو مشہور مصور رضا عباسی کے قدرتی جداری (دیواری) مصوری سے بھرا پڑا ہے جو کہ شاہ عباس اول اور ان کے درباریوں کے شاہی مصور تھے۔اس کے دروازے بھی نہایت ہی مزین تھے، جس کے جواہرات سماجی انتشار کے وقت لوٹ لیے گئے۔شاہ عباس دوم نے علی قاپو کی تزئین کاری میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ان کا سب سے بڑا کارنامہ عظیم ہال اور تیسری منزل کی تعمیر ہے۔ہال کے 18 ستون شیشے سے ڈھکے ہوئے تھے اور اس کی چھت عمدہ تصویروں سے سجی ہوئی تھی۔پہلی منزل میں سفارت خانہ موجود تھا اور چھٹی منزل پر شاہی ولیمے اور دیگر تقریبات ہوا کرتی تھیں۔محل کے سب سے وسیع ترین کمرے اسی منزل پر واقع تھے۔چھٹی منزل ''موسیقی ہال'' کے نام سے مشہور تھی۔محل کے بالائی گیلریوں سے صفوی حکمراں چوگان، فوجی سرگرمیاں اور گھڑسواری دیکھا کرتے تھے۔

23.4.2.6 شاہی بازار

بازار اصفہان ایک تاریخی بازار ہے اور وسط ایشیا کے پرانے اور بڑے بازاروں میں سے ایک ہے۔ حالاں کہ موجودہ ڈھانچہ صفوی عہد کا ہے مگر اس کے بہت سے حصے ہزاروں سالوں سے بھی پرانے ہیں۔ یہ ایک دو کلومیٹر لمبا بازار ہے جو کہ پرانے شہر کو نئے شہر سے جوڑتا ہے۔ شاہی بازار کو بازار قیصریہ یا سلطانی بازار بھی کہتے ہیں۔ اس بازار میں خاص طور پر قالینوں کی تجارت کی جاتی تھی۔ یہ بازار صفوی عہد کے بڑے اور اہم تجارتی مرکزوں میں آتا تھا۔ اس کی تعمیر 1620 میں میدان شاہ کے شمالی جانب کی گئی۔ یہ میدان شاہ کو میدان کھنہ اور اصفہان کے سلجوقی حصے سے جوڑتا ہے۔ قیصریہ دروازہ اس بازار کا اہم داخلہ ہے۔ اس بازار کی تعمیر اصل میں گیارہویں صدی میں کی گئی، یہ بازار جامع مسجد اور میدان کھنہ کے جنوب مغرب جانب واقع ہے۔ بعد میں اس میں بہت سے دالان اور کمرے جوڑے گئے۔ مندرجہ بالا مشہور عمارتوں کی تعمیر اور منصوبہ بندی کے علاوہ بھی شیخ بہائی کے اور بھی کئی تعمیری اور فنی نمونے قابل ذکر ہیں۔ شیخ بہائی نے ہی امام مسجد کے مغرب میں موجود دھوپ گھڑی کو بنایا۔ ان کی نقشہ سازی کے فن میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا ہے، جس کی اہم مثال زاینده دریا کے پانی کو اصفہان شہر کے مختلف علاقوں تک پہنچانا ہے۔ انھوں نے ''زریں کمر'' نام کی ایک نہر کی بھی نقشہ سازی کی جو کی ایران کی اہم نہروں میں شامل کی جاتی ہے۔ انھوں نے ہی میدان شاہ سے قبلہ کی جہت کا اندازہ لگایا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک عوامی غسل خانے کی نقشہ سازی اور تعمیر کی جو آج بھی اصفہان میں موجود ہے۔ اسے شیخ بہائی کے غسل خانے کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انھوں نے اس غسل خانے کی بھٹی کو ایسی تکنیک سے بنایا جس کا علم کچھ ہی عرصے پہلے کے معماروں کو ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیخ بہائی نے ہی منار جنبان کی نقشہ سازی کی تھی، جو آج بھی اصفہان میں موجود ہے، مگر اس کے ڈھانچے کی تعمیر چودہویں صدی میں ایل خانی دور حکومت میں آمو عبداللہ کے مقبرے (صوفی شیخ) کے مقبرے پر ہوئی ہے، جن کا انتقال اسی صدی میں ہوا تھا۔ ان کی انہیں خدمات کی بنا پر ایران میں 23/اپریل کو شیخ بہائی کی ولادت کی یاد میں ''قومی معمار کا دن'' منایا جاتا ہے۔ صفوی حکومت تقریباً سوا دو سو سال قائم رہی۔ اس عہد میں ایران نے بہت ترقی کی۔ اور ایران خاص طور سے صفوی فن کاروں اور فن تعمیر کی وجہ سے بہت مشہور ہوا۔

23.5 صفوی دور میں ادبی خدمات

صفوی سلاطین اکثر بغاوتوں کو کچلنے اور بیرونی حملہ آوروں سے الجھے رہے، مگر اس کے باوجود انھوں نے علم و ادب اور فنون لطیفہ کی سرپرستی میں کوئی کمی نہیں کی۔ علمی میدان میں ان سلاطین نے نہ صرف علماء کی سرپرستی کی بلکہ خود بھی اہم کام انجام دیے۔ یہ سلاطین خود صاحب علم و فضل اور اچھے شاعر تھے۔ شاہ اسماعیل اپنے دور کے اچھے شعراء میں شمار ہوتا تھا اور یہ اپنا تخلص 'خطائی' کرتا تھا۔ صفوی عہد کے علم و ادبیت کے سلسلے میں علامہ شبلی شعر العجم میں لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں تمدن و تہذیب کو نہایت ترقی ہوئی اور ہر چیز میں حد سے زیادہ نفاست اور تکلّفات کا آغاز ہوا اور اس کا اثر شاعری پر بھی پڑا اور اس لیے اس دور کی شاعری میں لطافت و نظافت پیدا ہوگئی۔

اس دور کے مشہور شاعروں میں عرفی اور نذیری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دونوں فارسی شعراء کا کلام پورے ایران اور ہندوستان میں بہت زیادہ مقبول ہوا۔ ان کے علاوہ اس دور کا ایک اور نامور شاعر ''شامی'' تھا، جو شاہ عباس کے عہد کا سب سے بڑا شاعر گزرا ہے۔ شاہ عباس نے اس کی خدمات کے اعتراف میں اس کو اس کے وزن کے برابر سونا دے کر حوصلہ افزائی کی تھی۔ شاہ عباس نے اپنے دور میں، عالموں اور شاعروں کے عہدے اور وظیفے مقرر کیے تھے۔ اسی طرح شاہ طہماسپ نے بھی شعراء کی سرپرستی کی، بلکہ ان سے نہایت قریبی روابط بھی قائم کیے۔ اس دور کے

قابل ذکر مدبروں میں ''علی مروان'' اور آصف خان'' کا نام آتا ہے جو بعد میں ترک وطن کر کے ہندوستان آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔شاہ عباس اعظم کے زمانے میں بھی علم وادب کے میدان میں تھوڑی بہت ترقی ہوئی۔اس کے درباری علماء میں ''میر محمد باقر'' قابل ذکر ہیں۔مطالعۂ قدرت اور فلسفہ ان کا خاص موضوع تھا۔''شیخ بہاءالدین'' اور ''صدرالدین شیرازی'' بھی اسی دور کے علمی وادبی شخصیات میں سے ہیں۔صدرالدین کے فلسفے کی کتاب کا نام ''اسفارالاربعۂ'' ہے، جس کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

23.6 صفوی دور میں اسلامی فلسفہ کی تجدید نو

صفوی دور میں جس طرح کے اسلامی فلسفے کی نشونما ہوئی، اس کو علما نے عام طور پر اصفہان مکتب فکر کا نام دیتے ہیں۔میر داماد اس مکتب کے بانی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ان کے علاوہ اس مکتب کے اہم شخصیات میں سے ایرانی فلسفی میر فندرسکی، شیخ بہائی اور محسن فیض کاشانی کے نام قابل ذکر ہیں۔

23.6.1 میر داماد (1561-1631/32)

یہ میر محمد باقر استرآبادی کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔میر داماد صفوی عہد میں ابن سینا اور سہروردی کی روایت پر چلنے والے ایک ایرانی فلسفی تھے۔اسلامی روایتی علوم کے ایک عالم تھے اور صفوی خاندان کے تحت ہونے والی تہذیبی نشأۃ ثانیہ کی سب سے اہم شخصیت تھے۔اس کے علاوہ اصفہان مکتب فکر کے بانی تھے اور ان کے شاگردوں اور مداحوں نے ان کو معلم ثالث ارسطو اور فارابی کے بعد درج کیا ہے۔ملاصدران کے اہم شاگردوں میں سے تھے۔ملاصدرا کے علاوہ سید احمد بن زین العابدین علوی، محمد بن علی رضا آغا جانی، قطب الدین محمد، ملاشمس گیلانی ان کے اہم شاگرد شمار کیے جاتے ہیں۔میر داماد نے متعدد بہترین کتابیں تصنیف کیں۔تقویم الایمان، کتاب القباسات اور صراط المستقیم وغیرہ ان کی اہم تصانیف میں شامل ہیں۔

23.6.2 میر فندرسکی (1562-1640)

صفوی عہد میں میر فندرسکی ایک مشہور ایرانی فلسفی، شاعر، صوفی تھے۔ان کا پورا نام سید میر ابوالقاسم استرآبادی تھا مگر فندرسکی کے نام سے مشہور تھے۔وہ میر داماد کے ہم عصر تھے۔انھوں نے ہندوستان میں اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ گزرا اور وہاں کے یوگیوں اور زرتشتوں سے بہت کچھ سیکھا۔صفوی اور مغل دربار دونوں نے ان کی سرپرستی کی۔مشہور ایرانی فلسفی ملاصدرا بھی ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔میر فندرسکی ابن سینا کی تصانیف میں مہارت رکھتے تھے، وہ ابن سینا کی القانون اور الشفاء اصفہان میں پڑھایا کرتے تھے۔فندرسکی نے مہابھارت کے فارسی ترجمہ (رزم نامہ) پر وسیع پیمانے پر حاشیے لکھے ہیں، اور یوگ سے متعلق فلسفہ کی کتابیں رسالۂ سنائی، رسالۂ در کیمیا، شہرکتاب مہارت فارسی زبان میں ان کی کچھ اہم تصانیف ہیں۔فندرسکی ایک شاعر بھی تھے۔انھوں نے ایک طویل قصیدہ حکیمیہ بھی لکھا جو کہ ایرانی اسمٰعیلی مفکر ناصر خسرو کی نقل اور اس کے جواب میں تھا۔ان کا سب سے اہم کام ''رسالة السينائية'' جس میں ایک کامل معاشرہ میں مختلف فن اور فنکاروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

23.6.3 شیخ بہائی (1597-1621)

بہاءالدین محمد بن حسین العاملی (شیخ بہائی) صفوی عہد میں ایک عالم، فلسفی، معمار، ریاضی داں، ماہر فلکیات اور شاعر تھے۔ان کی پیدائش بعلبک، لبنان میں ہوئی، مگر بچپن میں ہی صفوی ایران کی طرف اپنے والد کے ساتھ ہجرت کر گئے۔وہ اسلامی دنیا میں نظریۂ کوپرنیکن کے آنے سے پہلے ان اولین ماہرین فلکیات میں سے تھے جنھوں نے زمین کی گردش کے امکان کی رائے دی۔شیخ بہائی اصفہان کے اسلامی فلسفے کے مکتب کے شریک بانی

رہے ہیں۔اور بعد کے دنوں میں وہ ملا صدرا کے استاذ بھی بنے۔انھوں نے تقریباً 100/مقالے اور کتابیں مختلف موضوعات پر فارسی اور عربی زبان میں لکھیں،جن میں کشکول بہائی، جامع عباسی،طوطی نامہ،تشریح الافلاک،نان وپنیر،الفوائد الصمدیۃ،نان وحلوہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

23.6.4 محسن فیض کاشانی(1598-1680)

صفوی عہد میں محسن کاشانی کا نام بھی بہت اہم ہے۔یہ ایک ایرانی شاعر،فلسفی اور محدث تھے۔ان کی پیدائش کاشان کے ایک مشہور تعلیم یافتہ گھرانے میں ہوئی۔فیض نے اپنی تعلیم کی ابتدا اپنے والد شاہ مرتضیٰ کے ساتھ کی۔ان کے والد ایک بیش قیمتی لائبریری کے مالک تھے،جس سے فیض نے خوب استفادہ کیا۔جب ان کی عمر بیس برس کو پہنچی تو مزید تعلیم کے لیے انھوں نے اصفہان کا رخ کیا۔البتہ ایک سال بعد انھوں نے شیراز کا سفر کیا، مجید بحرانی جو اس وقت کے شیعی علما کے لیڈروں میں سے تھے، ان سے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔اس کے کچھ عرصے بعد ہی بحرانی انتقال فرما گئے۔ان کے انتقال کے بعد فیض دوبارہ اصفہان منتقل ہو گئے۔وہاں انھوں نے عظیم عالم شیخ بہائی کے حلقے میں شمولیت اختیار کی اور میر داماد سے فلسفہ سیکھا۔اس کے بعد شیخ فیض سفر حج پر چلے گئے۔وہاں سے واپسی پر انھوں نے ایک نئے استاذ کو پالیا، ملا صدرا نے ان کو تقریباً 8/سال تک تعلیم دی۔فیض نے مدرسہ ملا عبداللہ میں پڑھایا اور اصفہان میں جمعہ کی نماز کی امامت کی۔ایک نامعلوم عرصے کے بعد وہ کاشان واپس چلے گئے، جہاں 1680 میں ان کا انتقال ہو گیا۔محسن فیض فارسی اور عربی زبان کے ایک قابل مصنف تھے،جن کی تصانیف تقریباً 120/سے بھی زیادہ تھیں۔ان کی مشہور تصانیف میں سے **مهجة البيضاء** جو کہ غزالی کی احیاء علوم الدین کی شیعی مدنظر سے تصنیف نو ہے۔اس کے علاوہ عین الیقین ہے جو کہ ان کی قرآن پر لکھی گئی تفسیر سے متعلق ایک تصنیف ہے۔ایک تحقیق کے مطابق محسن فیض نے کل 122/کتابیں لکھیں،جن میں سے تقریباً 40/کی اشاعت ہو چکی ہے۔انھوں نے فارسی شاعری کے تقریباً بیس ہزار مصرعے لکھے جو بیشتر صوفی طرز پر ہیں۔ان کے 30/فارسی نثر کے کام موجود ہیں۔

23.6.5 ملا صدرا(1571-1635)

ملا صدرا کی پیدائش شیراز کے ایک مشہور درباری عہدیداروں کے خاندان میں 1571 یا 1572 میں ہوئی۔ملا صدرا کے دور میں ایران میں صفوی خاندان کی حکومت تھی۔ملا صدرا کے والد،خواجہ ابراہیم قوامی،جو کہ ایک ماہر علم اور نہایت ہی وفادار سیاست داں تھے۔ان کی کوئی اولاد نہیں تھی،مگر بہت دعاؤں کے بعد اللہ نے ان کو ایک اولاد عطا کی،جس کا نام گھر والوں نے محمد رکھا،مگر انہیں ''صدرا'' کہا جاتا تھا۔بہت سالوں بعد صدرا کو 'ملا'' کا لقب مل گیا،جس کے معنی عظیم سائنس داں کے ہیں۔صدرا بہت عقلمند، چست اور پڑھائی لکھائی میں دلچسپی رکھنے والے لڑکے تھے۔انھوں نے عربی اور فارسی ادب کے تمام اسباق میں مہارت حاصل کر لی تھی۔بہت ہی کم عرصے میں ساتھ ہی ساتھ فن خطاطی میں بھی مہارت حاصل کر لی۔اپنے وقت کی پرانی روایت کے مطابق اور بالغ ہونے سے پہلے انھوں نے گھڑسواری، شکار اور لڑنے کی مختلف فن بھی سیکھ لیے تھے۔سائنسی علوم میں ریاضی،فلکیات، ادویات،فقہ اور اسلامی شریعت بھی سیکھ لیا تھا۔حالانکہ وہ خاص طور پر فلسفہ میں اور اس میں بھی صوفی فلسفہ اور معرفت میں دلچسپی رکھتے تھے۔

ملا صدرا پہلی مرتبہ قزوین 1591 میں گئے اور پھر 1597 میں اصفہان گئے اور وہاں جا کر ایک روایتی اور تعلیمی ادارے میں فلسفہ، دینیات، حدیث اور تفسیر سیکھی۔اس دور میں صفوی حکومت کا ہر شہر ایک ترقی یافتہ دارالحکومت تھا اور اثنا عشری شیعہ مدرسہ کا مرکز تھا۔ان کے مشہور استاذوں میں سے میر داماد اور بہاء الدین عاملی ہیں۔انھوں نے جو علمی سرمایہ اپنے بعد چھوڑا ان میں درج ذیل کتب بہت اہم ہیں: **الحكمة المتعالية فى الاسفار الأربعة، التفسير، ديوان الشعر، شرح الهداية، الحكمة العرشيّة، المبدأ والمعاد، المظاهر، المسائل القدسية،**

الشواهد الربوبية، حدوث العالم۔

اصفہان اسکول ایرانی فلسفی ملاصدرا کے ذریعے اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا جو کہ دلائل کے مطابق ابن سینا کے بعد سب سے اہم فلسفی تھے۔ ملاصدرا اسلامی مشرق کے سب سے غالب فلسفی بن گئے تھے، فلسفہ کی فطرت سے متعلق ان کا نقطۂ نظر آج کے دن تک غیر معمولی طور پر بااثر ہے۔

مشہور ماہر ایرانیات ریچرڈ نیلسن کے مطابق:

> ''وہ اسلامی فکر کی کلاسیکی روایت کے تسلسل کار تھے، جو کہ ابن سینا کے بعد مغربی عرب میں مر چکا تھا۔ فارسی مکتب فکر، اسلامی دور زریں کے عظیم مفکرین کے اصل وارث ہیں، جب کہ عثمانی حکومت میں جہاں تک اسلامی فلسفہ کی روایت کا سوال تھا ایک علمی جمود تھا''۔

23.7 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- صفوی سلطنت ایران کی آخری سلطنت اور پرشکوہ حکومت تھی۔ سامانیوں، سلجوقیوں اور تیموریوں کی طرح صفویوں نے بھی دنیا میں ایران کا بڑا نام کیا۔
- صفوی عہد کے ایران میں علوم وفنون کے بعد ان میں پیش رفت کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ دور کا ایران ہو یا کوئی بھی ارد گرد کی مسلم حکومت، وہاں کے زبان وادب اور فن مصوری وفن تعمیر میں صفوی عہد کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، جو آج بھی صفوی عہد کی یاد تازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔

23.8 کلیدی الفاظ

رصدگاہ	:	لبارٹری (Libortary) جہاں سائنسی تجربات کیے جاتے ہیں۔
اسطرلاب	:	(Astrolabe) ایک ایسا آلہ ہے جو زمانۂ قدیم سے زمین کی جغرافیائی سطح اور ناہموار سطح کی پیائش کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قرون وسطیٰ میں یہ آلۂ فلکیات اور ریاضی کے اہم ترین آلات میں شمار کیا جاتا تھا۔ البیرونی نے اسے یونانی لفظ قرار دیا ہے۔
آتشک	:	یہ ایک متعدی قسم کی جنسی بیماری ہے جو متاثرہ شخص سے جنسی تعلق کے نتیجے میں یا بغیر اسکریننگ خون کی منتقلی کے نتیجے میں ہو جاتی ہے۔
قالین بافی	:	قالین سازی
علی قاپو	:	صفوی عہد کے شاہی محل کا نام تھا۔ فارسی میں علی کے معنی شاہی یا عظیم کے ہیں اور قاپو آذربائیجانی زبان میں دروازے کو کہتے ہیں۔
جداری مصوری	:	دیواری تصاویر کا فن مصوری

23.9 نمونہ امتحانی سوالات

23.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی ایران میں علوم کے احیاء میں کن دو ملکوں کی علمی وفکری ترقیات کا کردار اہم رہا؟

(a). مصر اور شام (b). مصر اور ہندوستان (c). ہندوستان اور ترکی (d). ترکی اور شام

2۔ مسلم دور کی عظیم رصد گاہیں جو تباہ و برباد ہو چکی تھیں انہیں پھر سے کس نے آباد کیا تھا؟

(a). شاہ طہماسپ (b). شاہ اسماعیل (c). شاہ صفی (d). شاہ عباس

3۔ 'تشریح الافلاک' کے مصنف کا نام بتائیے۔

(a). بہاء الدین محمد (b). مرزا قاضی (c). مہاجر محمد علی (d). مرزا حاتم بیگ

4۔ اسطرلاب سے متعلق علوم پر مشتمل کتاب 'تحفۂ حاتمی' کس کی طرف منسوب ہے؟

(a). حسن الآملی (b). مرزا حاتم بیگ (c). مہاجر محمد علی (d). کاشف الدین محمد

5۔ تذکرۃ الملوک کے مطابق شاہ سلطان حسین کے عہد میں اسطرلاب کے کتنے کارخانے متحرک وفعال تھے؟

(a).50 (b).60 (c).45 (d).30

6۔ غیاث الدین کی مشہور کتاب 'مرآۃ الصحۃ' کس فن پر لکھی گئی ہے؟

(a). کاشت کاری (b). ریاضیات (c). فلکیات (d). طب

7۔ شاہ اسماعیل صفوی نے فن مصوری اور فن نقاشی کی ایک انجمن قائم کی تھی، اس کے صدر کا نام بتائیے۔

(a). بہزاد خاں (b). شاہ محمود (c). رضا عباسی (d). برق

8۔ ایرانی نقاشی کے مکتب فکر 'مکتب رضا عباسی' کا ظہور کس کے عہد میں ہوا تھا؟

(a). شاہ طہماسپ (b). شاہ اسماعیل (c). شاہ صفی (d). شاہ عباس

9۔ ایران میں کس کی یاد میں قومی معمار کا دن منایا جاتا ہے؟

(a). شیخ لطف اللہ (b). آمو عبد اللہ (c). شیخ بہائی (d). آصف خان

10۔ ارسطو اور فارابی کے بعد ایرانی مسلم فلسفہ کا معلم ثالث کسے کہا جاتا ہے؟

(a). میر فندرسکی (b). میر داماد (c). ملا صدرا (d). شیخ بہائی

23.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی عہد میں علوم وفنون کی ترقی سے متعلق انگریز سیاحوں کے خیالات کا تجزیہ کیجیے۔

2۔ علم فلکیات اور علم طب میں ہونے والی صفوی عہد کی سرگرمیوں پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔

3۔ صفوی عہد کے فن مصوری پر ایک مختصر مضمون قلم بند کیجیے۔

4۔ ایرانی دور کی فن مصوری کا جائزہ لیجیے۔

5۔ صفوی عہد کی علمی وادبی سرگرمیوں پر مختصر روشنی ڈالیے۔

23.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی دور میں سائنسی علوم پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

2۔ ایران کا صفوی عہد اپنے فن تعمیر کے لیے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض تعمیری نمونوں کے حوالے سے جائزہ لیجیے۔

3۔ صفوی دور میں اسلامی فلسفہ کی تجدید نو کے سلسلہ میں مسلم فلسفیوں کی کوششوں پر روشنی ڈالیے۔

23.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1. Collin P. Mitchell, *New Perspectives on Safavids Iran: Empire & Polity*
2. Ata Anzali, *Mysticism in Iran: Safavid Roots*
3. Rudi Matti, *Persia in Crisis Safavid Decline and Fall of Isfahan*
4. The Growth and Development of Astronomy and Astrophysics in India and Asia Pacific Region (a seminar proceeding).
5. "Safavid Dynasty", Encyclopedia of Britanica
6. "Rethinking the Safavid Iran", Cultural and Political Society.

-:oOo:-

اکائی 24 : صفوی حکومت کے سماجی، معاشی اور مذہبی حالات

اکائی کے اجزا

24.0 تمہید
24.1 مقصد
24.2 صفوی دور میں ایرانی معاشرہ
24.2.1 صفوی سماج
24.2.2 رسم ورواج
24.2.3 کردار
24.2.4 تفریح
24.2.5 لباس وحلیہ
24.2.6 ترک اور تاجک کے سیاسی اثرات
24.2.7 اشرافیہ علماء کا ظہور
24.2.8 صفوی سماج میں ریاست اور حکومت
24.2.9 شاہی دربار
24.2.10 مطلق العنان معاشرے میں جمہوری انجمنیں
24.2.11 قانونی نظام
24.2.12 صفوی تہذیب وثقافت
24.3 اکتسابی نتائج
24.4 کلیدی الفاظ
24.5 نمونہ امتحانی سوالات

24.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

24.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

24.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

24.6 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

24.0 تمہید

اسلامک اسٹڈیز کے مفہوم میں بنیادی طور پر یہ بات شامل ہے کہ اس کے تحت مسلم حکومتوں کے تحت پروان چڑھے سماج کا مطالعہ خصوصیت کے ساتھ کریں۔ گرچہ یہ مضمون دوسرے بہت سے پہلوؤں کے احاطے کا تقاضا کرتا ہے تاہم معاشرے وسماج کا مطالعہ اس کا بنیادی ہدف ہے۔ اس اکائی میں صفوی عہد حکومت میں ایران میں جو معاشرہ وجود میں آیا ہے، اس کی خصوصیت اور اس کے ارتقا میں کارفرما بنیادی، سیاسی ومذہبی عوامل کا مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ آپ صفوی عہد کے سماج کو اور اس کے تحت اسلام اور مسلمانوں پر مرتب ہونے والے اثرات کو کسی قدر آسانی سے سمجھ سکیں۔

24.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے بعد آپ یہ جان سکیں گے کہ کسی بھی عہد حکومت کا موازنہ یا تقابل کرنا ہو یا اس کی روشنی میں ماضی کی غلطیوں سے سبق لیتے ہوئے اپنے مستقبل کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا ہو تو ماضی کا مطالعہ بالخصوص ماضی کی حکومتوں کے معاشرے کا مطالعہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ موجودہ عہد کے ایران کے خدوخال طے کرنے کے لیے جو عہد حکومت سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، وہ صفوی عہد ہے۔ لہٰذا اس عہد کا معاشرے کا مطالعہ ایران کی ثقافتی ومذہبی اور معاشرتی تاریخ کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔ ان اہم عنوانات سے متعلق معلومات فراہم کرنا اس اکائی کا عین مقاصد ہے۔

24.2 صفوی دور میں ایرانی معاشرہ

24.2.1 صفوی سماج

صفوی سماج کے لیے میریٹوکریسی (Meritocracy) ایک مناسب اصطلاح ہے، جس کے معنی ایسا سماجی نظام جس میں لوگوں کی اہلیت کے مطابق اختیارات اور مقامات دیے جائیں، نا کہ خاندان اور حسب ونسب کی بنیاد پر۔ یہ حکومت نہ تو اقلیت کی تھی اور نہ ہی اشرافیہ کی۔ حکمراں کے بیٹے صرف ان کے باپ کی تعظیم میں جانشیں تسلیم کیے جاتے تھے، مگر ان کو اپنی اہلیت ثابت کرنا لازمی تھا۔ اس حکومت کی بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں، جس میں عام لوگ صرف اور صرف اپنی قابلیت کی بنیاد پر اونچے سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے ہیں۔

ان سب کے باوجود صفوی عہد کے ایرانی سماج میں بھی ایک قسم کی درجہ بندی موجود تھی، جس میں سب سے اوپر شاہ (حکمراں) آتے ہیں، سب سے نیچے عام تجار اور کسان اور درمیان میں شرفاء اور امراء آتے ہیں۔ ''دولت''، جس کے معنی جدید فارسی زبان میں حکومت کے ہیں، پہلے اس لفظ سے مراد رحمت ونعمت لیے جاتے تھے۔ صفوی عہد میں یہ اصطلاح ٹھوس معنوں میں صفوی حکومت کے لیے استعمال کی جانے لگی، جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ اس عہد کی رعایا اپنے حکمراں کو انسان سے بڑھ کر مانتی تھی۔

سماجی درجہ بندی کے درمیان کے درجے میں شرفاء کے ساتھ علماء کا بھی شمار ہوتا تھا، جو حکمراں اور عوام کے درمیان پل کا کام کرتے تھے اور عام طور پر عوام کو ظالم و جابر حکمرانوں سے بچایا بھی کرتے تھے۔

24.2.2 رسم و رواج

چارڈن نے اپنی کتاب کے ایک پورے باب میں ایرانیوں کے کردار پر بات کی ہے، جس نے اسے بہت متاثر کیا، چارڈن نے اپنی زندگی کا ایک لمبا عرصہ ایران میں گزارا۔ اس نے خود کو ایرانیوں کے روزمرہ کے عادات و اطوار ڈھال لیا اور آخر کار اس نے ایرانی تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج کے متعلق ایک گہرا علم حاصل کیا۔ اس نے ان کی مہمان نوازی کی بہت تعریف کی ہے، مگر بہت سی خصوصیات کو مشکل بھی بتایا ہے۔

چارڈن نے ایرانی معاشرے، لباس اور رسومات کو فن مصوری کے ذریعے پیش کیا ہے، جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے۔

> ’’یہ لوگ زندگی میں اچھی اور بری چیزوں اور مستقبل کو لے کر بہت فلسفیانہ واقع ہوئے ہیں۔ انہیں مستقبل کو لے کر کوئی فکر یا گھبراہٹ نہیں ہے۔‘‘

24.2.3 کردار

چارڈن کو پڑھنے کے بعد ایرانیوں کے کردار پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ انہیں مہذب اور تعلیم یافتہ گمان کرتا ہے، جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے:

> ’’یورپین کے بالمقابل ایرانیوں کو جسمانی سرگرمیوں میں دلچسپی نہیں ہے۔ انہیں سکون و آسائش کی زندگی پسند ہے۔ سفر صرف ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کے لیے کرتے تھے۔ سیر و تفریح یا نئی جگہ و نئی تہذیب و ثقافت کا تجربہ کرنے کے لیے نہیں کرتے تھے۔ جن جسمانی ورزشوں میں وہ حصہ لیتے تھے، ان میں سب سے پہلے تیراندازی پھر تیغ زنی، گھڑسواری اور شکار کرنا آتا ہے۔‘‘

24.2.4 تفریح

کشتی، عہد جاہلیت سے ہی ایرانی شناخت کا اہم حصہ رہا ہے۔ پہلوان جوز ورخانوں میں اپنی کارکردگی دکھاتے تھے، معاشرے کا اہم حصہ شمار کیے جاتے تھے۔ ہر شہر کے پاس اپنی پہلوانوں کی فوج ہوتی تھی۔ یہ کھیل بھی لوگوں کی تفریح کا ذریعہ ہوتی تھی۔ چارڈن نے اس قسم کی ایک تقریب کو اس طرح سے بیان کیا ہے کہ:

> ’’کشتی کے ساتھ ساتھ تنگروپ، رقص، کٹھ پتلیاں اور بازیگری وغیرہ بھی لوگوں کی تفریح کا اہم ذریعہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ میخانے بھی مختلف صوبوں میں ہوا کرتے تھے۔ لوگ وہاں قہوہ و تمبا کو نوشی کیا کرتے تھے اور بات چیت اور شاعری سننے کے لیے جمع ہوتے تھے۔‘‘

24.2.5 لباس و حلیہ

عیش و آرام اور پُر تعیش زندگی بسر کرنا ایرانی کردار کا کلیدی پہلو ہے، خاص طور پر حلیے کے معاملے میں وہ اپنے لباس کی تزئین کاری کرتے تھے، مختلف طرح کے نگینوں کو کپڑوں میں چسپاں کرتے تھے اور اپنے گھوڑوں کی لگام کو بھی سجاتے تھے۔ مرد بہت ساری انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے۔ اکثر جس کی جتنی بیویاں ہوا کرتی تھیں وہ اتنی انگوٹھیاں پہنتا تھا۔ وہ اپنے بازوؤں، خنجروں اور تلواروں کے لیے بھی زیورات کا استعمال کرتے تھے۔ خنجر

اپنی کمر پر پہنا کرتے تھے۔ ایرانی عورتوں کا لباس یوروپی عورتوں کے بالمقابل زیادہ افشا کرنے والا ہوتا تھا، مگر وہ عورتیں مختلف جگہوں کے لیے مختلف طرح کے لباس کا استعمال کرتی تھیں۔

مردوں کے لیے لباس میں سب سے اہم ان کی پگڑی ہوتی تھی۔ وہ مختلف تقریبات کے لیے تبدیل کیا کرتے تھے، مگر اونچے گھرانے کے مرد ایک پگڑی دو دنوں تک پہنتے تھے، ہاں مگر کپڑوں پر اگر مٹی لگ جاتی تو فوراً تبدیل کر لیا کرتے تھے۔

24.2.6 ترک اور تاجک کے سیاسی اثرات

حالانکہ صفوی حکمران اور عوام مقامی ہی لوگ تھے اور وہ مسلسل اپنی ایرانی شناخت کی تصدیق اپنے طرز زندگی سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ مگر صفوی حکومت کی طاقت کا مأخذ خاص طور پر دو گروپوں میں بٹا ہوا تھا۔ ا۔ ترکی زبان بولنے والا فوجی یا حکمراں طبقہ، جن کا کام علاقائی سالمیت برقرار رکھنا اور اپنی قیادت کے ذریعے ایرانی حکومت کا وجود برقرار رکھنا تھا۔ ۲۔ فارسی زبان بولنے والا انتظامی طبقہ، جن کا کام اپنے اونچے عہدوں کے ذریعے اپنے ملک اور اپنی شناخت کے ارتقا کی نگرانی کرنا تھا۔ اس طرح سے ''ترک اور تاجک'' کی اصطلاح وجود میں آئی، جس کا استعمال مقامی ایرانیوں نے بہت سی نسلوں تک ترکی اور فارسی زبان بولنے والوں کے بیسویں صدی کے دوران بھی کیا۔ انھوں نے فارسی زبان کے فروغ میں حصہ لیا۔ حالانکہ وہ خود ترکی زبان بولنے والے غیر فارسی تھے۔ ترک اور تاجکوں کا آپسی رشتہ ہم زیستانہ تھا، مگر ان کے درمیان بھی دشمنی تھی، جیسا کہ ترک اہلِ شمشیر کی اور تاجک اہلِ علم کی نمائندگی کرتے تھے، جس کی وجہ سے اونچے سرکاری عہدے قدرتی طور پر فارسی زبان بولنے والوں کے لیے مقرر ہوتے تھے۔ حقیقتاً یہ حالت عربوں کے آنے سے پہلے ہی ایران کی تھی۔ شاہ طہماسپ نے پہلی مرتبہ اس نظام میں ایک تبدیلی متعارف کرائی، جس کو ان کے بعد آنے والے حکمرانوں نے بھی جاری رکھا، طہماسپ نے ترک زبان بولنے والے بچوں کو شاہی محل میں رکھ کر ان کو فارسی زبان میں تعلیم یافتہ بنایا، جس کی وجہ سے وہ دھیرے دھیرے ان عہدوں پر بھی فائز ہونے لگے، جو اس سے پہلے صرف اور صرف اصل فارسی زبان بولنے والوں کے لیے مقرر ہوا کرتی تھی۔

1570ء سے شاہ طہماسپ نے ایرانی معاشرے میں شرفاء کے درمیان دھیرے دھیرے ایک نئی شاخ تعمیر کرنے کے ذریعے ایک تبدیلی متعارف کرائی۔ 1557ء تا 1570ء کے درمیان جارجیا کے خلاف جنگ صرف قزلباش فوج کی حوصلہ افزائی اور ان کی لڑنے کی قابلیت ابھارنے کے لیے کی گئی تھی، مگر وہ اپنے ساتھ جارجیا، آرمینیا اور سرکیشیائی غلاموں کو بڑی تعداد میں لے آئے۔ ان میں سے عورتیں صفوی امراء کے حرم میں ممتاز عہدوں پر فائز ہوئیں اور مردوں کو خاص تربیت دی گئی، جس کے بعد شاہی محلات میں بطور ملازم مقرر کیے جانے لگے۔ شاہ نے اس نظام کو جاری رکھا، جس کی وجہ سے غلاموں کی یہ فوج چند ہزار سے پندرہ ہزار تک پہنچ گئی۔ پھر اس نے قزلباش صفویائی عہدیداروں کی تعداد کم کر دی اور ان کو دوسرے علاقوں میں منتقل کر دیا۔ مقامی لوگوں سے ان کے تعلقات کم ہونے کی وجہ سے ان کی طاقت کم ہوگئی اور ان کی جگہ پر غلاموں کو مقرر کیا گیا۔ اس طرح سے یہ نیا گروپ حکومت کے اندر ''تیسری طاقت'' کی شکل میں تاجک فارسی اور قزلباش ترک کے بالمقابل نمودار ہوا۔ یہ نظام صفوی حکومت کے Meritocracy معاشرے کا ثبوت دیتا ہے۔

24.2.7 اشرافیہ علماء کا ظہور

صفوی معاشرے کی ایک اہم خصوصیت مذہبی طبقے اور تاجر برداری کے درمیان معاہدہ ہے۔ ایران میں جائیداد کی ملکیت کے تحفظ کے لیے علماء کو چندہ کر دیا کرتے تھے، جسے وقف کہا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ زمین ضبط ہونے سے بچا لیتے تھے، جب تک کہ وہ ایک مقررہ فیصد آمدنی،

وقف میں بھیجتے تھے، اس طرح سے زمین کی سرکاری ملکیت انہیں کے پاس رہتی تھی۔ تیزی سے بڑھتے اس علماء طبقے کے ممبران، خاص طور سے سیدوں نے ان زمینوں کی پوری ملکیت حاصل کر لی اور موجودہ مؤرخ اسکندر منٹی کے مطابق ایران میں ایک نئے اہم زمینداروں کے گروپ کا ظہور عمل میں آیا۔

محمد امین استرآبادی نے اخباری تحریک کو اپنی تحریر کے ذریعے ایک علاحدہ تحریک کی شکل دے دی۔ انھوں نے عقل کے استعمال کا انکار کیا، ان کا ماننا ہے کہ صرف قرآن، حدیث اور اجماع کا ہی استعمال ہونا چاہیے۔ فتویٰ دینے کے لیے اخباری اصول کے برخلاف اجتہاد کا استعمال نہیں کرتے ہیں۔

اخباری تحریک نے صفوی دور کے اخیر اور بعد کے دور میں بہت اثر حاصل کیا، اس نے اثناعشری شیعہ پر بھی اپنا اثر قائم کر لیا، حالانکہ اس کے کچھ عرصے بعد ہی محمد باقر بہائی نے کچھ دوسرے اصولی مجتہدین کے ساتھ مل کر اخباری تحریک کو دبا دیا۔ جو کہ اب شیعہ مسلم دنیا میں اقلیت میں ہیں۔ اس تنازعہ کے قرارداد کے نتیجے میں اجتہاد کے تصور اور علماء کے برخلاف مجتہدین کو اہمیت حاصل ہوئی، خاص کر اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی میں۔ یہی وہ وقت تھا جب کہ شیعی دنیا میں مجتہد اور مقلد کے درمیان فرق نمودار ہوا۔ موجان مومن کے مطابق انیسویں صدی کے درمیان میں ایک وقت میں چند ہی مجتہد کہیں بھی ہوا کرتے، لیکن انیسویں صدی کے اخیر تک یہ تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔

محمد باقر مجلسی، جن کے لیے عام طور پر ''علامہ'' کا لقب استعمال کیا جاتا ہے۔ صفوی عہد کے ایک بہت ہی بااثر عالم ہیں۔ مجلسی نے اثنا عشری شیعیت کو تصوف اور فلسفہ سے پاک کرنے اور مثالی اسلامی قوانین پر عمل کرنے پر زور دیا۔ مجلسی نے ''امامت کے تصور'' پر زور دیتے ہوئے شیعی رسوم مثلاً حضرت حسین کے لیے ماتم منانے اور امام اور امام زادوں کے قبروں کی زیارت کرنے کے عمل کو فروغ دیا۔

24.2.8 صفوی سماج میں ریاست اور حکومت

صفوی ریاست کے نظام میں سب سے بلندی پر شاہ ہوتا تھا، جس کی حکومت اس کے سید ہونے کی وجہ سے جائز قرار دی گئی تھی۔ شاہ کی طاقت اتنی زیادہ مطلق تھی کہ فرانسیسی تاجر اور بعد میں ایران کے ہونے والے سفیر ''جین چارڈن'' نے یہ نظریہ قائم کیا کہ شاہ نے اپنی سرزمین پر مضبوطی سے مہذب انداز میں حکومت قائم تھی۔ شاہ نے اپنے نظام حکومت اور افسروں کے درمیان ایک ایسا سسٹم بنایا، جس نے حکومت کو فریب اور دھوکوں سے صاف وشفاف رکھا۔ ہر آفس کا ایک نائب یا نگراں ہوتا تھا، جس کا کام حکومت کے افسروں کے تمام ریکارڈ رکھنا اور اس سے سیدھا شاہ کو مطلع کرنا تھا۔ چوں کہ صفوی حکومت ایک میریٹوکریٹک سماج تھی، اس لیے سرکاری افسروں پر ہمیشہ یہ دباؤ رہتا تھا کہ وہ نگرانی میں ہیں اور ان کو اپنی قابلیت کا ہمیشہ ثبوت دینا ہے۔

صفوی دور میں پارلیمنٹ کا تصور نہیں تھا، جیسا کہ ہم آج دیکھتے ہیں۔ مگر صفوی عہد کے پرتگالی سفیر نے اس کے باوجود اپنی ریکارڈ میں کاؤنسل آف اسٹیٹ کا ذکر کیا ہے، جو کہ شاید اس وقت کے سرکاری احتجاج کی ایک اصطلاح ہو۔

حکومت میں ''اعتمادالدولہ'' کا سب سے اونچا مرتبہ ہوتا تھا، جو کہ ہمیشہ قانون کے ڈاکٹرس کے درمیان سے منتخب کیا جاتا تھا، جس کو ملک کے معاملات میں بہت زیادہ طاقت اور کنٹرول حاصل ہوتا تھا اور شاہ کا نائب ہوتا تھا، شاہ کا کوئی بھی قانون اعتمادالدولہ کے مہر کے بغیر معقول نہیں مانا جاتا تھا۔ اعتمادالدولہ کے بعد دوسرا عہدہ مستوفی ممالک (Finance Minister) اور دیوان بیگی Minister of Justice کا ہوتا تھا۔ کسی

بھی دیوانی یا فوج داری مقدمے میں دیوان بیگی کا حرف آخر ہوتا تھا۔صفوی دور کی ابتداء میں شاہ بذات خود مقدموں میں شامل ہوتا تھا،لیکن شاہ صفی نے یہ عمل چھوڑ دیا۔اس کے بعد سے شاہ صفی کے بعد آنے والے صفوی سلاطین نے بھی یہ عمل نظرانداز کر دیا۔اس کے بعد اقتدار میں اعلیٰ افسران کا نمبر ہوتا تھا۔فوج کے افسر اور توپ خانے کے ماسٹر اور اس کے علاوہ ایک الگ افسران تمام افسروں کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔

24.2.9 شاہی دربار

شاہی دربار میں سب سے اونچا عہدہ ''ناظر'' کا ہوتا تھا۔وہ شاید شاہ کا سب سے قریبی مشیر ہوتا تھا اور دربار میں شاہ کی آنکھوں اور کانوں کی طرح کام کرتا تھا۔اس کا اصل کام دربار کے تمام افسروں پر نظر رکھنا اور شاہ اور ان کے درمیان رابطہ قائم کرانے کا تھا۔اس کے علاوہ اس کی ذمہ داری شاہ کی ملکیتوں کا تحفظ ونگہداشت تھی۔وہ ان ملکیتوں کے خازن کی حیثیت رکھتا تھا۔اس کا مطلب تھا کہ حکومت کے وزیر اعظم یعنی اعتماد الدولہ کو بھی اخراجات کے معاملے میں ناظر کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑتا تھا۔

دوسرا اہم عہدہ گرینڈ مہتمم (ایچک آغاسی باشی) کا تھا۔وہ ہمیشہ شاہ کے ساتھ رہتا تھا۔اپنی لاٹھی کی وجہ سے پہچان میں آتا تھا۔اس کی ذمہ داری شاہ کو تمام مہمانوں سے ملانا اور درخواستوں کو شاہ کے سامنے پیش کرنا اور ضرورت کے تحت پڑھ کر سنانا بھی تھا۔اس کے بعد صف میں شاہی اصطبل اور شاہی شکار کے ماہرین آتے تھے۔جنہیں میر اکور باشی اور میر شکار باشی کہا جاتا تھا۔حکومت کے تمام اہم شہروں میں شاہ کے اصطبل تھے۔کہا جاتا ہے کہ شاہ عباس کے پاس پورے ملک میں تقریباً تیس ہزار گھوڑے تھے۔ان سب کے علاوہ شاہی ضیافت اور تفریح کے لیے الگ افسروں کا انتخاب ہوتا تھا۔

چارڈن نے خاص طور سے ڈاکٹروں اور نجومیوں کے مرتبے کا ذکر کیا ہے،اور شاہ کے نزدیک جوان کے لیے عزت تھی،اس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔شاہ کی خدمت میں بہت سے ڈاکٹر اور نجومی تھے اور کسی بھی تقریب کے موقع پر شاہ کے ساتھ تین ڈاکٹر اور تین نجومی بیٹھتے تھے۔حکیم باشی شاہی دربار کا اہم مرتبہ والا ممبر ہوتا تھا اور دربار کے سب سے اہم نجومی کو منجم باشی کا لقب ملتا تھا۔

مقامی سطح پر حکومت دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ایک عوامی زمینیں اور دوسری شاہی ملکیتیں۔عوامی زمینیں مقامی حاکموں یا خانوں کے قبضے میں ہوتی تھیں۔صفوی عہد کی ابتداء سے ہی قزلباش اس طرح کے تمام عہدوں پر فائز کیے جاتے تھے۔یہ اپنی زمینوں پر ثانوی درجے کے شاہ کی طرح حکومت کرتے تھے،جس کے بدلے انہیں شاہ کے لیے ہر حالت میں اپنی فوج تیار رکھنی پڑتی تھی۔عدالت میں ایک وکیل کو منتخب کرنے کی بھی ان کی ذمہ داری ہوتی تھی،جس کا کام صوبائی مقدموں کو درج کرنا تھا۔شاہ عباس اوّل نے قزلباش کی طاقت کم کرنے کے لیے ان صوبوں کو براہ راست اپنے کنٹرول میں لے لیا اور اس کے لیے اپنے جانشینوں کو مقرر کیا اور انہیں خاصہ کا لقب دیا گیا۔مگر شاہ صفی نے اپنے وزیر اعظم سارو تقی کی باتوں میں آکر ایک ایسا پروگرام شروع کیا،جس کے ذریعے محاصل میں اضافہ ہونے لگا۔اس پروگرام کو عمل میں لانے کے لیے زمینوں کو حاکموں سے خرید کر اس پر مقامی منتظم کو مقرر کر دیا۔لیکن کچھ عرصے بعد یہ عوام پر بوجھ بننے لگا،کیوں کہ مقامی حاکموں کے برخلاف یہ منتظم مقامی لوگوں سے زیادہ واقف نہیں تھے اور صرف اور صرف شاہ کے لیے محاصل میں اضافہ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

24.2.10 مطلق العنان معاشرے میں جمہوری انجمنیں

سولہویں اور سترہویں صدی کے ایران میں کافی تعداد میں مقامی جمہوری محکمے قائم ہو چکے تھے۔مثال کے طور پر تاجروں اور کاریگروں کی

انجمن تھیں، جن کا ظہور پندرہویں صدی کے ایران سے ہی ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ اور مذہبی حلقے تھے، جو کہ فتوحی کہلاتے تھے، جس کو مقامی درویش چلاتے تھے۔ اس کے علاوہ مقامی لوگوں کے اجتماع کا ایک اور افسر کا منتخب ہوتا تھا، جسے ''کا دخودا'' کہتے تھے، جو ایک عوامی ناظم قانون کے طور پر عمل کرتا تھا۔ مقامی شریف (کلنتار) جس کا انتخاب لوگ نہیں کرتے تھے بلکہ براہ راست شاہ کرتا تھا۔ اس کا کام لوگوں کو مقامی حکمرانوں کے ظلم اور ناانصافی سے محفوظ رکھنا تھا۔

24.2.11 قانونی نظام

صفوی ایران میں دینیات اور فقہ کے درمیان تھوڑا ہی فرق تھا یا بہ الفاظ دیگر انصاف الٰہی اور انسانی انصاف میں بہت معمولی فرق تھا اور یہ سب اسلامی فقہ کی بحث میں آتے تھے۔ قانونی نظام دو شاخوں پر منحصر تھا: شہری قانون، جس کی جڑیں شریعہ سے ملی ہوئی تھیں، اور دوسرا ''عرف''، جس کے معنی روایتی تجربات کے ہیں، جو کہ مغربی عوامی قانون سے کافی ملتا جلتا ہے۔ امام اور جج شہری قانون پر عمل کرتے تھے اور عرف خاص طور پر مقامی کمشنر، جو کہ شاہ اور دیوان بیگی کی جگہ پر گاؤں کا معائنہ کرتے تھے۔

قانونی نظام میں سب سے اونچا مرتبہ دیوان بیگی کا ہوتا تھا اور بیگا نونی افسران مختلف عہدوں کے تحت بٹے ہوئے تھے۔ مثلاً داروغہ، وزیر، واقعہ نویس وغیرہ۔ اس کے علاوہ نچلے درجے کے افسروں میں قاضی آتے تھے، جو کہ مقامی حاکموں کے تحت بطور صوبائی جج کے کام کرتے تھے۔

چارڈن نے لکھا ہے کہ ایران میں عدالت میں مقدمہ پیش کرنا مغرب سے آسان تھا۔ قاضی کسی بھی مقدمے کے مختلف نکات کو سنتا اور مقدمہ لینے یا نہ لینے کا فیصلہ کرتا تھا۔ مقدمہ لینے کے بعد ان کا حوالدار مقدمے کی تحقیق کرتا اور مدعا علیہ کو طلب کرتا، جس کو حوالدار کی اجرت دینے کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ دونوں پارٹی اپنے اپنے گواہوں کے ساتھ مقدمے کی التجا کرتے، عام طور پر بغیر کسی کاؤنسل کے، قاضی پہلی یا دوسری سنوائی کے بعد اپنا فیصلہ سنا دیتا تھا۔

فوج داری مقدمات سے متعلق قوانین وایوانی مقدمات کے قوانین سے بالکل الگ تھے اور فوج داری مقدموں کا فیصلہ عوامی قانون کی بنیاد پر دیوان بیگی مقامی حاکموں اور مناظر کے ذریعے ہوتا تھا۔ عرف پر منحصر ہونے کے باوجود اس پر بھی کچھ اصولی قوانین لازمی تھے۔ قتل کی سزا موت تھی، اس کے علاوہ جب شاہ بذات خود انصاف دلاتا تو وہ سرخ رنگ کے لباس میں آتا تھا جو کہ ایران کی قدیم روایت کا حصہ ہے۔

24.2.12 صفوی تہذیب وثقافت

شاہی خاندان کی تہذیب: صفوی خاندان اپنی ابتداء سے ہی ایک پڑھا لکھا خاندان تھا۔ شیخ صفی الدین اور شیخ صدر الدین دونوں ہی فارسی شاعر تھے۔ صفوی حکومت کے بانی شاہ اسماعیل بھی ایک نمایاں شاعر ومصور ہے جو کہ آذربائیجان کی آذری زبان میں شاعری لکھتے تھے۔ ان کا تخلص ''خطائی'' تھا۔ شاہ اسماعیل کے بیٹے بسام مرزا اور دیگر مصنفین کا ماننا ہے کہ شاہ ترکی وفارسی دونوں ہی زبانوں میں شاعری کرتے تھے، جن میں سے آذری زبان کے شاعری کا ایک مجموعہ ''دیوان شاہ طہماسپ کے نام سے شائع ہوا۔ سام مرزا بھی بذات خود ایک شاعر تھے اور انھوں نے بشریاتی شاعری تدوین کی اس کے علاوہ شاہ عباس دوم بھی ایک اچھے شاعر تھے، وہ آذری زبان میں شاعری کرتے تھے۔

شاہ عباس اوّل نے فنون کے فروغ کے تجارتی فائدوں کو پہچان لیا تھا۔ کاریگر زیادہ تر ایران کے غیر ملکی تجارت کے مصنوعات تیار کرتے تھے۔ اس دور میں دست کاری خاص طور سے ٹائٹل سازی، مصوری، کپڑے کی صنعت میں ترقی ہوئی اور چھوٹی تصویروں کی مصوری، جلد سازی،

سجاوٹ اور خطاطی میں بھی اعلیٰ درجے کی ترقی ہوئی۔ سولہویں صدی میں قالین سازی خانہ بدوشوں اور کسانوں کی دست کاری سے نکل کر ڈیزائن اور صنعت وحرفت کی خصوصیت رکھنے والے کارخانوں میں تبدیل ہوگئی۔ تبریز اس طرح کے کارخانوں کا مرکز تھا۔ اردبیل کی قالینوں خاص طور پر شاہی خاندان کے لیے تیار کی جاتی تھی۔

رضا عباسی (1635-1565) نے روایتی مواد کا استعمال کرتے ہوئے ایرانی مصوری میں نئے موضوعات کا تعارف کرایا، مثلاً نیم عریاں عورتیں، جوانی اور عاشقوں کی تصویریں وغیرہ۔ ان کی مصوری اور خطاطی کے انداز نے صفوی عہد کے بہت سے فنکاروں کو متاثر کیا ہے، جس کو بعد میں ''اصفہانی مکتب'' کے نام سے جانا گیا۔ سترہویں صدی میں دوسرے ممالک خاص طور سے یوروپی ممالک سے بڑھتے تعلقات نے ایران کی تہذیب وثقافت کو متاثر کیا۔ ایرانی فنکاروں نے مختلف طرح کی تکنیکیں سیکھیں۔ مثلاً ماڈلنگ، تصویر کو اس طرح سے دکھانا کہ اس کا اگلا حصہ چھوٹا نظر آئے۔ اس کے علاوہ روغنی رنگوں سے بنی تصویریں وغیرہ۔

صفوی دور کے ایران کی تاریخ کا مطالعہ بہت سے ایرانی وغیر ایرانی اسکالرس نے کیا ہے۔ اس دور کے ایرانی معاشرے کی ثقافتی اور سیاسی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کیا گیا ہے اور اس پر متعدد نئی تحقیقات سامنے آئی ہیں۔ صفوی حکومت نے ایرانی معاشرے پر اپنا بہت اثر چھوڑا ہے۔ صفوی حکومت اور ان کے ذریعے کی گئی تبدیلیوں کے حوالے سے اسکالرس میں بہت تنازعہ رہا ہے۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ صفوی حکومت نے ایرانی معاشرے کے ہر پہلو میں تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ دو اہم تبدیلیاں جو اس دور میں کی گئیں ان میں سے ایک مرکزی حکومت کا قیام اور دوسرا امامیہ شیعیت کا بطور سرکاری مذہب تعارف ہے۔ صفوی اسکالرس عام طور پر یہ مانتے ہیں کہ صفوی عہد سے قبل اسلامی تاریخ میں ایران میں مرکزی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے رائے عامہ کے مطابق، عربوں کی آمد کے بعد اور غیر ملکی حکومت کے ایک لمبے عرصے بعد ایران میں پہلی مرتبہ ایک ملکی (ایرانی خاندان) نے ایرانی حکومت کو بحال کیا۔

صفوی حکومت کے قیام کے بعد سب سے بڑا کارنامہ شاہ اسماعیل اوّل نے جو کیا وہ امامیہ شیعیت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اسکالرس کا ماننا ہے کہ بڑی تبدیلی نے ایرانی معاشرے کے سیاسی اور ثقافتی پہلوؤں کو ایک نئی شکل دی ہے۔

رائے عامہ کے برعکس کچھ اسکالرس کا کہنا ہے کہ صفوی حکومت ان سے قبل آنے والی ترک خاندانی حکومتوں کا ہی تسلسل ہے، خاص طور پر آق قویونلو کا جن سے انھوں نے اپنا سیاسی ڈھانچہ ورثہ میں لیا ہے۔

صفوی حکومت نے ایرانی معاشرے کے ہر پہلو ہی کو صرف متاثر نہیں کیا، بلکہ ایک نئے ترتیب کو متعارف کرایا۔ اس علاقے میں جو موجودہ دور میں ''وسط ایشیا'' کہلاتا ہے، دور جدید کے ابتداء میں صفوی حکومت ''بارودی حکومت'' نہیں تھی، بلکہ اس وقت کی یوروپی حکومتوں کی طرح بارودی حکومتوں کا دور وسط ایشیا اور اسلامی معاشروں کی ارتقاء کا ایک نیا مرحلہ پیش کرتا ہے۔ لیکن صفوی حکومت کی کامیابی محض تکنیکی نہیں تھی بلکہ نئی تکنیکوں کو استعمال میں لانے کا کام ان کے سیاسی ڈھانچے پر منحصر تھا۔

صفوی حکومت نے نئی عسکری تکنیکوں کو پیش کیا، سیاست کو مستحکم بنایا اور بہت سی دور دراز خود مختار ریاستوں کو اپنی حکومت میں شامل کیا۔ انھوں نے اہم معاشی نظام وشہری ارتقا کو فروغ دیا، نئے انداز کے مذہبی ادارے قائم کیے اور وسط ایشیا اور اسلامی تہذیب کی تاریخ میں ایک نئے دور کو متعارف کرایا۔ کچھ اسکالرس کا ماننا ہے کہ صفوی حکومت کا سب سے اہم نتیجہ ایران میں قومی ریاست کا قیام ہے۔ یہ بات صاف ہے کہ قومی ریاست کی

اصطلاح کا استعمال جدید دور کی پیداوار ہے۔ اس سے پہلے اس اصطلاح کا استعمال اتنی درستگی کے ساتھ کرنا مشکل تھا۔ ای جی براؤن کے مطابق اس دور میں ایرانی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ براؤن نے صفوی حکومت کے لیے بذات خود ایرانی ریاست کی اصطلاح کا استعمال نہیں کیا ہے بلکہ انھوں نے اپنے ہم عصر مصنف آر۔ جی واٹسن کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دورعہد وسطیٰ سے موجودہ دور جدید کی طرف منتقل ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔

صفوی ریاست کے قیام کی اہمیت کے بارے میں براؤن کا تجزیہ صفوی دور سے قبل کے ایران کے کچھ حوالوں سے ہوتا ہے۔ براؤن کے مطابق ساتویں صدی میں ہونے والی عربوں کی فتوحات نے زرتشت مذہب اور ساسانی حکومت کو اکھاڑ پھینکا اور ایران اپنی سابقہ مقام سے سمٹ کر محض اسلامی خلافت کا ایک صوبہ بن کر رہ گیا تھا، یہاں تک کہ دسویں صدی کے وسط میں خلافت بذات خود تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوگئی۔ حالاں کہ یہ بات حقیقت ہے کہ اس سانحہ سے قبل اور بعد بھی وہاں بہت سے خودمختار خاندانوں نے حکومت کی ہے، مگر یہ عام طور پر ترکی یا تاتاری نسل سے ہی تھے، مثلاً غزنوی، سلجوق، خوارزم شاہ اور چنگیز و تیمور کا خاندان اور اگر بویہی جیسے ایرانی خاندان نے حکومت کی بھی ہے تو صرف قدیم ایرانی حکومت کے علاقے تک ہی ان کی طاقت محدود تھی۔ پورے ایران کو پھر سے ایک قوم بنانے کا سہرا صفوی خاندان کو ہی جاتا ہے۔

دراصل، براؤن کا دھیان قوم ایران کی حیات نو پر ہے، نہ کہ قومی ریاست پر، ان کے نزدیک صفوی پالیسی کے تحت جس ریاست کی تشکیل ہوئی تھی، اس کا انحصار مذہب پر تھا نہ کہ زبان یا ثقافت پر۔ براؤن جدید دور کی اصطلاح ''ریاست'' اور صفوی دور سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسلامی اصطلاح میں اور ریاست کے جدید تصور کے تعارف سے قبل قوم یا ملت سے مراد مذہب ہی لیا جاتا تھا اور اس اعتبار سے اسلام کے اندر اس قدر طاقت تھی کہ اس نے پوری آبادی کو ایک قوم میں تبدیل کردیا۔

روڈی میتھی نے صفوی دور خاص کر عہد شاہ عباس کو مختلف جگہوں پر مشرقی سوداگر کی طرح پیش کیا ہے۔ اس کی وجہ سے ایران کو ایک ''تاجر حکومت'' کے طور پر دیکھا جانے لگا۔ حالاں کہ یہ تصور حقیقت کو مسخ کردینے والا ہے۔ مگر درباری مؤرخین کے مطابق فوج کے معاملے ریاست کے دوسرے مسئلوں پر حاوی ہونے کی وجہ سے تاجر ریاست کی جگہ فوجی ریاست کی اصطلاح کا استعمال زیادہ مناسب ہے۔

مؤرخین میں سے بعض صفوی حکومت کو قومی ریاست تسلیم کرتے ہیں، جب کہ بعض حضرات یہ بحث کرتے ہیں کہ قومی ریاست اور صفوی انتظامیہ میں خاصا فرق ہے۔ اس لیے وہ اسے محض ایک جدید دور سے قبل کی حکومت مانتے ہیں۔

کیا صفوی حکومت کو خود کو متعارف کرانے کے لیے انیسویں صدی کی مغربی اصطلاح ''قومی ریاست/National State'' کا استعمال کرنے کی ضرورت ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ اس وقت ''ایرانی شناخت'' کا تصور اس طرح سے نہیں موجود تھا، مگر ایرانی تہذیب وثقافت کا مقامی تصور ضرور موجود تھا۔ ایرانی ویوروپی مآخذوں کا گہرا جائزہ لینے کے بعد یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ صفوی دور حکومت میں ایرانی تہذیب وثقافت کا تصور ان کے معاشرے میں موجود تھا۔ جدید ریاستوں کے بالمقابل ایران میں جدید دور سے قبل ایسی خصوصیات موجود تھیں جو اسے ایک قومی شناخت دینے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ اسماعیل اوّل نے جب فوجی کارروائیاں شروع کیں اس نے پوری دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اس نے پوری دنیا تو فتح نہیں کی لیکن ایک اچھے خاصے بڑے علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ آمو دریا سے لے کر خلیج فارس اور میسوپوٹامیا سے لے کر اناطولیہ تک۔ یہ علاقے وہی تھے جو قدیم ایرانی سلطنت کے تحت آتے تھے۔

J. Chardin ایک فرانسیسی مؤرخ ہے، جنھوں نے صفوی ایران میں بارہ برس گزارے۔ ان کے مطابق ''ایرانی مدبروں اور جغرافیہ

داں کے نزدیک ان کا ملک دنیا کی سب سے عظیم ریاست ہے۔'' یہ وسیع سلطنت بحر اسود، بحر احمر، بحر گیلان، خلیج فارس اور بحر عمان کے درمیان واقع ہے۔ چارڈن نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اگر چہ اس کے ایران کے سفر کے دوران ایران کا علاقہ اتنا وسیع نہیں رہا، لیکن ایرانیوں کا ماننا ہے کہ وہ بقیہ علاقے کھو چکے ہیں، لیکن وہ ایک دن ضرور ان علاقوں کو دوبارہ فتح کریں گے جو قدیم ایران کا حصہ تھا۔

ایرانی تصورِ سیاست وثقافت کی ایک خصوصیت ''شاہی ڈھانچہ'' ہے۔ بہت سے مؤرخین نے صفوی بادشاہ کو ایران کا بادشاہ کہا ہے۔ چارڈن کا کہنا ہے کہ ایرانی اپنے بادشاہ کو ''پادشاہِ ایران'' کے لقب سے پکارتے ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ سترہویں صدی میں خاص طور پر شاہ عباس اور ان کے جانشینوں کے عہد حکومت کے دوران ایران، ایران زمین اور ایران شہر جیسی اصطلاحات کا استعمال اس دور کے مصنّفین، شعراء اور غیر ملکی سیاحوں نے کیا ہے۔ یہاں تک کہ سرکاری دستاویزوں میں بھی اس طرح کی اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے۔ اس لیے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ صفوی ایران میں قدیم ایران کا تصور تھا اور صفوی حکومت کو اس بات کا علم تھا کہ ان کی حیثیت ایسی حکومت کی ہے جو کہ لمبے عرصے سے چلی آنے والی ایرانی بادشاہت کے تسلسل کی ہے۔ اس بادشاہت کے تصور نے شیعیت سے مل جانے کے بعد ایرانی تصور بادشاہت کو ''شیعی سلطنت'' میں تبدیل کر دیا۔ اس شیعی سلطنت میں سب سے اہم تصور ''فرقہ ناجیہ'' کا تھا، اس کی تشکیل اسی عہد میں ہوئی تھی۔ اس تصور نے ایران کو ایک مقدس سرزمین میں بدل دیا، جس میں صفوی حکمراں کی حیثیت اللہ کی طرف سے بھیجے جانے والے محافظ کی ہے۔

اس دور میں بڑے پیمانے پر لوگوں کو فارسی زبان وادب سے انسیت تھی، جس کی سب سے اہم مثال ایرانی شاعر ابوالقاسم فردوسی کی ''شاہ نامہ'' ہے۔ شاہ نامہ کو صفوی دور کے ایرانی معاشرے کی تاریخ کا سب سے اہم مأخذ تسلیم کیا جاتا ہے۔ M. Hodgson کے مطابق فردوسی کی شاہ نامہ، اسلامی دور کے ایرانی تہذیب پر سب سے پہلے قلم بند ہونے والی کتابوں میں سے ہے، جس میں انسانیت اخلاقیات اور خاص طور سے تاریخ اور علم کائنات پر اصل فارسی آراء کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کیا گیا ہے۔ فردوسی نے قدیم ایران کی صاف وشفاف تصویر اس طرح سے لوگوں کے ذہنوں میں بٹھادی تھی کہ سب نے ایرانی تہذیب کو گلے لگا لیا۔ عثمانی حکمرانوں اور درباریوں اور صفوی اور مغل درباروں سے لے کر ترک اور ایرانی مشک فروشوں تک نے مشرقی اسلامی ممالک سے لے کر وسط ایشیا کے بڑے بڑے شہروں کے چائے خانوں میں قصہ گوئی کی تہذیب کے فروغ میں حصہ لیا۔

شاہ نامہ صفوی حکومت سے قبل کے ایرانی معاشرہ کی یادوں کا اہم تاریخی مأخذ ہے، اس میں جن بادشاہوں کا ذکر ہے ان کی حکومت مثالی تھی۔ لہٰذا یہ چیز دو طریقے سے کارآمد ثابت ہوئی۔ ایک تو اس طرح کہ اس نے ایرانی عوام کی ذہنیت کو تبدیل کیا، کیوں کہ یہ کہانیاں پورے ایران میں مشہور تھیں۔ دوسرے اس طرح کہ اس نے اسلامی دور کے حکمرانوں چاہے وہ عرب ہوں، ترک ہوں، یا مغل ان کے لیے ایک مثال قائم کی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ منگولوں کی حکومت کے دوران مؤرخین نے تاریخ نگاری کے لیے فردوسی کی شاہ نامہ کو اپنا ماڈل بنایا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ سب سے فنکارانہ انداز میں شاہ نامہ کی تصنیف، صفوی عہد کے حکمراں شاہ طہماسپ کے دور میں ہوگئی تھی۔ حالاں کہ وہ مذہبی انتشار پسندی کے لیے جانے جاتے ہیں۔ صفوی دربار میں خاص طور سے شاہ نامہ بیان کرنے کے لیے پیشہ ور قصہ گو مقرر کیے جاتے تھے۔ شاہ نامہ گوؤں نے ایرانی معاشرے میں بہت اہم رول ادا کیا ہے اور وہ اصفہان کے قہوہ خانوں میں کافی سرگرم تھے، جو صفوی حکومت کا تیسرا اور آخری دارالحکومت تھا۔ شاہ نامہ جو کہ صفوی عہد سے قبل ایرانی تہذیب کی ایک اہم علامت ہے، اس کے علاوہ مشہور ایرانی تہوار ''نوروز'' اور دوسری مذہبی تقریبات، خاص طور سے جن کو صفوی مذہبی پالیسی کی تحت متعارف کرایا گیا، ان کو ایرانی ثقافتی شناخت کے اہم عناصر میں تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ فارسی زبان اور

مذہبی عقیدہ ایرانی تہذیب وثقافت کے دو اہم عناصر تھے۔

صفوی حکومت جس کی تشکیل ایرانی تہذیب وثقافت کی مضبوط اساس پر کی گئی تھی، ابتدا میں قدیم ایرانی تہذیب سے متاثر تھی، بعد میں صفوی حکمراں خود ایک نئی قسم کی ایرانی تہذیب کے تعارف کرانے والے بن گئے۔شیعیت کو فروغ دینے کی شدید خواہش کے باوجود مذہب ایک آزاد ادارہ نہیں تھا، بلکہ شیعہ مذہب حکومت کی خدمت میں حاضر رہ کر پروان چڑھ رہا تھا۔حکمرانوں کی شیعیت سے دلچسپی نے لوگوں کو یہ مسلک اختیار کرنے کا شوق پیدا کر دیا،اوراس چیز کے زور نے پورے معاشرے میں ایک طرح کا اتحاد پیدا کر دیا تھا۔

اس نئی تہذیب کے مندرجہ ذیل عمل تھے:

1۔ قدیم ایرانی حکومتوں کی طرح ایک ایسا عملی ڈھانچہ تیار کرنا جو کہ اپنے اندر تمام قسم کی نسلوں،قبیلوں اور وہاں بسنے والی عوام کو سما لیتی ہو۔

2۔ پوری حکومت میں دور تک اپنے سیاسی وجود کے ساتھ اس طرح پھیلی ہو کہ سب کی زبان فارسی ہو۔اس کا مقصد پوری حکومت میں اتحاد کو برقرار رکھنا تھا۔اس ادارے کے زیادہ تر ممبران ایرانی دانشوران، مصنّفین، شعراء اور مذہبی لیڈران تھے۔

3۔ صفوی عہد میں ایرانی تہذیب وثقافت کے تسلسل کا اہم مأخذ فارسی ادب تھا۔فارسی ادب صفوی دور میں ایرانی شناخت کا ایک مضبوط عنصر تھا۔اس نے صفوی حکومت کے لیے ایک سیاسی آلے کے طور پر بھی کام کیا۔

4۔ ایران میں صفوی عہد کے دوران شیعیت کے ارتقا وعروج نے اسے ایک خاص شناخت عطا کر دی، جس نے انہیں ان کے پڑوسی ممالک سے ممتاز رکھا۔شیعیت ہی ان کے لیے مذہبی طور پر نکتۂ اتحاد تھی اوراس کا اثر صفوی اتحاد میں نظر آتا ہے۔

جن عوامی مسائل پر صفوی حکمراں لوگوں کو عہدے اور منصب کا اہل قرار دیتے تھے اورانہیں یہ عہدے تفویض کرتے تھے،ان میں ایک داڑھی منڈوانے پر پابندی،شراب پر پابندی تھی۔شاہ صفی کے عہد میں شراب پینے سے متعلق دو اہم تصنیفات ہیں۔ایک ''قدغن شراب،جس کے مصنف سائب ہیں۔دوسری ''فرقِ شراب''،جس کی تصنیف آقا حسین خونساری نے کی ہے۔قلیان اور تمبا کو وغیرہ پینے کی اجازت وغیرہ اس دور کے عوامی مسائل کی ایک دوسری علامت ہے۔معاشرے میں مختلف طبقات کے لوگوں کے توبہ نامے کا پتا چلتا ہے،جس سے ان کے توبہ کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔

قہوہ خانوں کی معلومات سے بھی اس دور کی سماجی حالت کا پتہ چلتا ہے۔کاشف اصفہانی کی ''رسمِ عاشقی در قہوہ خانہ''اس کی ایک اہم مثال ہے۔جیسا کہ شاہ عباس اپنے شاعر کی طرح مرض عشق میں مبتلا ہو گیا جیسا کہ اس کا شاعر مبتلا تھا۔

دوسرے دستاویزات مثلاً تذکرۃ الملوک اور دستورالملوک میں بازاروں کے تجارتی سرگرمیوں پر نظر رکھنے کا ذکر ہے۔خاص طور سے ایک خط کا ذکر ملتا ہے،جس میں قصائی اور نان بائی کو تجارتی اصولوں سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ان دونوں پیشہ وروں کی خاص طور سے معاشرے کو روزانہ ضرورت پڑتی ہے اوران بازاروں پر پولس کے ذریعے بھی نظر رکھی جاتی تھی۔

اس کے علاوہ صفوی دور میں توحید خانوں کا تصور بھی عام تھا،جس میں ذاکرین کربلا کے حادثات بیان کرتے تھے اوران پر یہ لازمی تھا کہ وہ صفوی حکمران کو صرف ان کے سرکاری القاب سے ہی پکاریں۔ایسے توحید خانے صرف اصفہان یا اردبیل میں ہی موجود نہیں تھے، بلکہ پورے ایران میں موجود تھے۔

کسی بھی سماج کی تہذیب وثقافت کے بارے میں صرف شعراء کے دیوانوں اور اس دور کی تذکرات سے پتا نہیں چلتا بلکہ خطوط،

دستاویزات وغیرہ سے بھی معلومات حاصل ہوتی ہے۔ان ماخذوں اور قصہ گوؤں سے ہمیں ایرانی معاشرے کے تہوار میں لوگ کس طرح سے اپنے پڑوسی پر عرق گلاب ڈالتے تھے اور کس طرح بادشاہ اپنے رشتہ داروں سے پیش آتا تھا،ان تمام چیزوں کا پتا چلتا ہے۔ایک دستاویز سے پتا چلتا ہے کہ ایک مرتبہ ''میدان سادات'' میں ایک نمائش ہوئی،جس میں ایک جادوگر عثمانی حکومت کا جاسوس نکلا۔

الغ منشی کے ایک خط جو اس نے ہرات میں رکھا تھا،پتا چلتا ہے کہ شہر میں پینسٹھ طرح کے انگور دستیاب تھے۔کچھ خطوط میں ادبی لطیفے بھی ملتے ہیں۔

تذکرۃ الملوک اور دستور الملوک سرکاری عہدوں،منصوبوں اور پیشہ وروں کی معلومات کا اہم مأخذ ہے۔حالاں کہ خطوط،احکام،فرمان اور مختلف طرح کے ضابطۂ اخلاق مجموعات میں بھی محفوظ ہیں۔مثلاً جنگھا (Jungha) میں مندرجہ ذیل عہدے اور مناصب مذکور ہیں: چرچھی گاری، سیری شکاری،اشراف،تاویل،باغ باشی گاری،میرابی،استفائی منشی الممالک،تمغاچی،کتاب دار،شربت دار،قصہ خواں،مذہب،کمان چہ نواز، سرتراش،توشال باشی،قورچی باشی،گاریٔ رکاب،شاتران،کلاشاری،صاحب عیاری،کلانتارقبان وغیرہ۔کچھ القاب روائح الانشاء میں موجود ہیں، روائح الانشاء علی نقی طورشیری نے فتح علی خان بیگلار بیگی مشہدی کے حکم پر لکھی ہے۔

صفوی دور کی آمدنی اور محصول کے بارے میں بہت کم ہی معلومات موجود ہیں۔یہ معاملات عام طور پر شاہی احکام وفرامین اور بعض اوقات مجموعات میں مذکور ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر پیاز اور اناج سے ٹیکس ہٹانے کی گزارش،میر شکاری استرابادی کے محصول کے منسوخ کرنے کا عمل، فتح ایراوان (Iravan) کے موقع پر مشہد میں ٹیکس پر کٹوتی،بادکوبا میں تیل اور نمک کی آمدنی اور مختلف قسم کے عہدیداراروں اور مختلف شہروں کے محصولات کا ذکر ملتا ہے۔

ثروت صولت نے اپنی کتاب ''ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ'' میں صفوی حکومت کی خصوصیات کی عکاسی کچھ ان الفاظ میں کی ہے۔

''صفوی دور فن تعمیر اور مصوری کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے رضا عباسی اور میرک اس زمانہ کے مشہور مصور ہیں۔ایران کے سب سے بڑے مصور بہزاد اپنے آخری زمانہ میں تبریز منتقل ہوگیا تھا جو شاہ اسمٰعیل کا دارالسلطنت تھا،صفوی دور میں صنعت وحرف کو بھی فروغ دیا گیا۔بہترین قسم کے سوتی اور ریشمی کپڑے تیار ہونے لگے اور ایران کے مشہور قالین کی صنعت نے عروج پایا۔صفویوں کے بعد ان صنعتوں کو بھی زوال ہوگیا۔

صفویوں کا سب سے بڑا کارنامہ ایران میں فوجی حکومت کا قیام بتایا جاتا ہے۔لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ایران کی سنی آبادی کو جس طرح بزور شمشیر شیعہ بنایا،ان پر مظالم کیے اور علماء کو قتل کرایا وہ تاریخ اسلام کا ایک افسوسناک باب ہے۔ایران میں شیعیت کے فروغ، ایرانیوں کے غلو اور تعصب نے ایران کو باقی اسلامی دنیا سے کاٹ دیا جو سنی تھی اور پڑوسیوں کو بھی اپنا دشمن بنالیا۔اسلامی دنیا سے کٹ جانے سے ایران کو سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ایرانیوں کی تخلیقی قوتوں کے اظہار کے راستے بند ہوگئے اور ایران باقی اسلامی دنیا کے افکار سے پہلے کی طرح استفادہ کرنے سے محروم ہوگیا۔یہی وجہ ہے کہ جو ایران قبول اسلام کے بعد سے تیموری دور تک عالم اسلام کے بہترین دماغ پیدا کرتا رہا تھا،اسی ایران کی سرزمین عہد صفوی میں اہل علم وکمال کے لیے بنجر ہوگئی۔اس کے برخلاف برصغیر پاکستان وہند کے تیموری سلاطین نے رواداری اور وسعت قلبی کا ثبوت دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایران کے صاحب کمال ہندوستان کا رخ کرنے لگے اور تیموری مملکت میں علم وادب کو غیر معمولی فروغ ملا۔ ایران میں متعصب شیعی حکومت قائم ہونے کی وجہ سے اسلامی دنیا بھی دوحصوں میں تقسیم ہوگئی۔برصغیر اور ترکستان کا دنیائے عرب اور ترکی سے روایتی

تعلق بڑی حد تک ختم ہو گیا اور مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف علوم و افکار کی منتقلی میں رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔''

24.3 اکتسابی نتائج

آپ نے اس اکائی کے مطالعے سے درج ذیل معلومات حاصل کیں:

- صفوی سماج ایک ایسا معاشرہ تھا، جہاں حکومت و سیاست کا مقصد ایران کی کھوئی ہوئی معاشرتی عظمت رفتہ اور سماجی اقدار کا نہ صرف احیا کرنا بلکہ ایک ایرانِ عظمیٰ کے تصور کے تحت دور دراز علاقوں تک اپنی تہذیب، ثقافت، زبان اور طرز بود و باش اور اپنی مذہبی فکر کی بالا دستی کو قائم کرنا تھا۔
- صفوی حکومت ایک میریٹوکریٹک سماج تھی، یعنی ایک ایسا سماجی نظام تھا جس میں لوگوں کی اہلیت کے مطابق اختیارات اور مقامات دیے جاتے تھے۔ لیکن بیک وقت سماج میں ایک قسم کی درجہ بندی بھی موجود تھی، جہاں بلندی پر شاہ (حکمراں) آتے ہیں، سب سے نیچے عام تجار اور کسان اور درمیان میں شرفاء اور امراء آتے ہیں۔
- شاہ کا نائب ''اعتمادالدولہ'' ہوتا تھا، شاہ کا کوئی بھی قانون اعتمادالدولہ کے مہر کے بغیر معقول نہیں مانا جاتا تھا۔ شاہی دربار میں سب سے اونچا عہدہ ''ناظر'' کا ہوتا تھا۔ وہ شاید شاہ کا سب سے قریبی مشیر ہوتا تھا اور دربار میں شاہ کی آنکھوں اور کانوں کی طرح کام کرتا تھا۔
- قانونی نظام میں سب سے اونچا مرتبہ دیوان بیگی کا ہوتا تھا اور اس کے علاوہ نچلے درجے کے افسروں میں قاضی آتے تھے۔
- آپ نے دیکھا کیسے صفوی حکومت کی طاقت کا ماخذ خاص طور پر دو گروپوں میں بٹا ہوا تھا: ترکی زبان بولنے والا فوجی یا حکمراں طبقہ اور فارسی زبان بولنے والا انتظامی طبقہ۔
- شیعہ اخباری تحریک کا اثر صفوی ایران میں کچھ ہی عرصے کے لیے رہا۔ اس تحریک نے عقل، یعنی اجتہاد، کے استعمال کا انکار کیا اور صرف قرآن، حدیث اور اجماع کا ہی استعمال صحیح سمجھا۔
- محمد باقر مجلسی نے اثنا عشری شیعیت کو تصوف اور فلسفہ سے پاک کرنے اور مثالی اسلامی قوانین پر عمل کرنے پر زور دیا تھا۔
- صفوی حکومت نے ایرانی معاشرے پر اپنا بہت بڑا اثر چھوڑا ہے، جس میں صفوی حکمرانوں کا اہم کردار رہا ہے۔ دو اہم تبدیلیاں جو اس دور میں کی گئیں ان میں سے ایک مرکزی حکومت کا قیام اور دوسرا امامیہ شیعیت کا بطور سرکاری مذہب تعارف ہے۔
- صفوی دور میں توحید خانوں کا تصور بھی عام تھا، جس میں ذاکرین کربلا کے حادثات بیان کرتے تھے۔
- صفوی دور کی آمدنی اور محصول کے بارے میں بہت کم ہی معلومات موجود ہیں۔

24.4 کلیدی الفاظ

Meritocracy	:	ایسا نظام حکومت جہاں عہدہ و منصب اور اختیار، اہلیت و لیاقت کی بنیاد پر دیے جائیں۔
دولت	:	اس دور میں بمعنی حکومت استعمال ہوا ہے۔
اعتمادالدولہ	:	وزیر اعظم
مستوفی ممالک	:	وزیر خزانہ

دیوانِ بیگی	:	وزارت قضا وعدل
ایچک آغاسی باشی	:	مہتمم اعلیٰ (Grand Incharge)
فتوحی	:	مذہبی جماعتیں
کادخورا	:	عوامی ناظم قانون
شریف (کلنتار)	:	شاہ کا مقرر کردہ افسر جو عوام کو مقامی امراء وافسران کے ظلم سے محفوظ رکھتا ہے۔

24.5 نمونہ امتحانی سوالات

24.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی سماج کے لیے کون سی اصطلاح مناسب قرار دی گئی ہے؟

(a). محفل (b). مجلس (c). دولت (d). میریٹوکریسی

2۔ صفوی سماج کی درجہ بندی کے مطابق سب سے اعلیٰ درجہ کن لوگوں کا تھا؟

(a). حکمراں وامراء (b). شرفاءوامراء (c). حکمراں (d). علماءومفکرین

3۔ صفوی عہد میں 'دولت' کی اصطلاح کس معنی میں استعمال کی جاتی تھی؟

(a). مال وزر (b). حکومت (c). وزارت (d). علم

4۔ صفوی سماج کی درجہ بندی کے مطابق علماء کس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے؟

(a). اعلیٰ طبقہ (b). متوسط طبقہ (c). ادنیٰ طبقہ (d). سب غلط

5۔ صفوی حکومت کی طاقت کا ماخذ خاص طور پر کتنے گروپوں میں تقسیم تھا؟

(a). دو (b). تین (c). چار (d). پانچ

6۔ صفوی دور حکومت میں 'فتوحی' سے کیا مراد لیا جاتا تھا؟

(a). شاہی ملکیتیں (b). عوامی زمینیں (c). مذہبی حلقے (d). علمی مباحثے

7۔ صفوی حکومت کے شاہی دربار میں سب سے بڑا عہدہ کس کا ہوتا تھا؟

(a). ناظر (b). توپ خانہ کا ماسٹر (c). فوج کا افسر (d). میراکور باشی

8۔ صفوی دور میں 'تاجک' کی اصطلاح کس کے لیے وجود میں آئی تھی؟

(a). ترک فوجی (b). فارسی انتظامیہ (c). قزلباش (d). حکمراں

9۔ اخباری تحریک کو کس نے اپنی تحریر کے ذریعے ایک مستقل تحریک کی شکل دے دی تھی؟

(a). محمد امین استرآبادی (b). موجان مومن (c). سام مرزا (d). محمد باقر

10۔ 'خطائی' کس صفوی حکمراں کا تخلص تھا؟

(a). شاہ طہماسپ (b). شاہ عباس (c). شاہ سلیمان (d). شاہ اسماعیل

24.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی سماج کے لیے کون سی اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور کیوں؟ واضح کیجیے۔

2۔ صفوی عہد کے سماجی رسم و رواج پر چارڈن کے حوالے سے مختصر گفتگو کیجیے۔

3۔ ترکوں اور تاجکوں نے صفوی عہد کے ایران پر کیا اثرات مرتب کیے؟ اختصار کے ساتھ تحریر کیجیے۔

4۔ ریاست اور حکومت کا صفوی عہد کے سماج کی تشکیل میں کیا کردار ہے؟ بحث کیجیے۔

5۔ صفویوں کے زیر اثر ایرانی تمدن کے فروغ میں فارسی ادب کے کردار کا جائزہ لیجیے۔

24.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1۔ صفوی دور میں تہذیب و ثقافت پر مضمون لکھیے۔

2۔ 'صفوی حکومت میں شیعہ اثنا عشریہ کا مذہب بطور سرکاری مذہب بنا'، اس عبارت پر گفتگو کیجیے۔

3۔ 'صفوی حکومت نے ایرانی معاشرے پر اپنا بہت بڑا اثر چھوڑا ہے'، اس پر روشنی ڈالیے۔

24.6 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1. Collin P. Mitchell, *New Perspectives on Safavids Iran: Empire & Polity*
2. Ata Anzali, *Mysticism in Iran: Safavid Roots*
3. Rudi Matti, *Persia in Crisis Safavid Decline and Fall of Isfahan*
4. The Growth and Development of Astronomy and Astrophysics in India and Asia Pacific Region (a seminar proceeding).
5. "Safavid Dynasty", Encyclopedia of Britanica
6. "Rethinking the Safavid Iran", Cultural and Political Society.
7. Sarwat Saulat, *Millat e Islamia ki Mukhtasar Tarikh*

-:oOo:-

نمونہ امتحانی پرچہ

پروگرام: بی اے، اسلامک اسٹڈیز

دوسرا پرچہ (عہد عباسی اور خاندانی حکومتیں)

کل نشانات:70 وقت:3 گھنٹے

ہدایات:

پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے: اول، دوم، سوم۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

الف۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات / خالی جگہ پُر کرنا / مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے 1 نمبر مختص ہے۔ (10×1=10 Marks)

سوال: ۱

i. عباسی حکومت کے قیام میں کس کا اہم رول ہے؟

(a). معتصم باللہ (b). مامون (c). ابو مسلم خراسانی (d). مقتدر باللہ

ii. 'ذوالریاستین' کس کا لقب تھا؟

(a). حسن بن سہل (b). فضل بن سہل (c). فضل بن ربیع (d). فضل بن احمد

iii. عباسی خلفاء نے نیا عہدہ کس نام سے قائم کیا تھا؟

(a). وزیر (b). حاجب (c). قاضی (d). عامل

iv. درج ذیل میں سے کسے سیرت نگاری کے باب میں خصوصی اہمیت حاصل نہیں ہے؟

(a). ابن ہشام (b). محمد بن اسحاق (c). محمد بن عمر واقدی (d). امام غزالی

v. اذان میں ''حی علی خیر العمل'' کا اضافہ کس نے کیا تھا؟

(a). عبیداللہ مہدی (b). منصور بنصر اللہ (c). قائم بامر اللہ (d). ابو عبداللہ شیعی

vi. دارالحکمت کس کے عہد میں تعمیر ہوا تھا؟

(a). حاکم (b). المعز لدین اللہ (c). عبیداللہ مہدی (d). ظاہر

vii. کون سا شہر بغداد کے طرز پر تعمیر کیا تھا؟

(a). مہدیہ (b). منصوریہ (c). قاہرہ (d). عاشر

viii. شجرۃ الدر نے کتنے دنوں تک حکومت کی تھی؟

(a). 80 دن (b). 120 دن (c). 10 دن (d). 50 دن

ix. بحری مملوک نے کب سے کب تک حکومت کی؟

(a). 1250 تا 1382 (b). 1212 تا 1382 (c). 1326 تا 1428 (d). 1362 تا 1428

x. ایران میں کس کی یاد میں قومی معمار کا دن منایا جاتا ہے؟

(a). شیخ لطف اللہ (b). آمو عبداللہ (c). شیخ بہائی (d). آصف خان

ب۔ حصہ دوم آٹھ سوالات پر مبنی ہے، اور اس میں طالب علم کو کوئی پانچ سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دو سو (200) لفظوں پر مشتمل ہوگا۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبرات مختص ہیں۔ (5×6=30 Marks)

2. صفوی خاندان کے حالات بیان کیجیے۔

3. صفوی دور میں سائنسی علوم پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

4. مملوک دور کی چند اہم تعمیرات پر روشنی ڈالیے۔

5. مملوک دور کے رسوم ورواج کا جائزہ لیجیے۔

6. مصر میں فاطمی دور کی تعمیرات پر گفتگو کیجیے۔

7. فاطمی عہد کے نظم ونسق کا تجزیہ کیجیے۔

8. عہد عباسی میں علوم کے ارتقاء پر ایک نوٹ لکھیے۔

9. عباسی حکومت کے نظم ونسق پر ایک مضمون قلم بند کیجیے۔

ج۔ حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں۔ ان میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً پانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہوگا۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبرات مختص ہیں۔ (3×10=30 Marks)

10. خلیفہ ہارون رشید کے کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

11. عہد عباسی میں فقہ کے ارتقاء پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

12. فاطمی حکومت کے قیام کے بعد عبید اللہ مہدی کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا؟ واضح کیجیے۔

13. جنگ عین جالوت کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

14. صفوی سلطنت کے قیام اور اس کے بعد کے رونما ہونے والے حالات پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔

-:oOo:-